بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر سرپرستی وزیر نگرانی

(جانشینِ امیر ملتؒ، حضرت مہر الملت پیر سیّد منور حسین شاہ صاحب جماعتی دامت برکاتہم عالیہ)

سیرتِ امیرِ ملّتؒ

جلد دوم

مُصنّفہٗ

﴿جوہر ملّت حضرت صاحبزادہ پیر سیّد اختر حسین شاہ صاحب جماعتی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ﴾

ترتیب وتسوید

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: رامپور (بھارت) ۱۴۔ستمبر ۱۹۰۵ء

رحلت: پشاور (پاکستان) ۲۰۔ستمبر ۱۹۷۸ء

نظر ثانی واضافاتِ جدیدہ

محمد صادق قصوری نقشبندی جماعتی

ناظمِ اعلیٰ مرکزی مجلس امیرِ ملتؒ

بُرج کلاں ضلع قصور۔55051

-------------ناشر-------------

http://ameeremillat.org/ ویب سائٹس

http://ameer-e-millat.com/ ویب سائٹس

http://ameeremillat.com/ ویب سائٹس

http://www.haqwalisarkar.com/ ویب سائٹس

http://www.charaghia.com/ ویب سائٹس

http://www.scribd.com/bakhtiar2k کتابیں

http://www.flickr.com/photos/34727076@N08/ تصاویر

http://www.flickr.com/photos/91889703@N07/ تصاویر

http://www.facebook.com/groups/alipurmureeds/ فیس بک پر پیر بھائیوں کا گروپ

http://wwwnfiecomblogspotcom.blogspot.com/2009_06_01_archive.html بلاگز

http://www.jamaatali.blogspot.com/ بلاگز

http://alipuri.blogspot.com/2009/06/about-pir-syed-jamaat-ali-shah.html بلاگز

http://www.jamaatali.blogspot.com/ بلاگز

http://vimeo.com/user13885879/videos ویڈیو

Youtbe: bakhtiar2k ویڈیو

www.marfat.com اسلامی کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں

www.maktabah.org اسلامی کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں

www.fezanenaat.com نعتیں ڈاؤن لوڈ کریں

زیرِ سرپرستی وزیرِ نگرانی

مہر الملت حضرت الحاج پیر سیّد منوّر حسین شاہ صاحب جماعتی

دامت برکاتہم عالیہ علی پور سیّداں شریف ضلع نارووال (پنجاب) پاکستان

نام کتاب: "سیرتِ امیرِ ملت" جلد دوم

مصنف: جوہرِ ملت صاحبزادہ سیّد اختر حسین شاہ جماعتی

صفحات: 675

سالِ طباعت: مئی/۲۰۰۹ء

تعداد: ایک ہزار

قیمت:

کمپوزنگ: افضال کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر تھانہ صدر روڈ قصور

0322-7179662--0313-4050825

------------ناشر------------

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	انشا و خطابت	
	انشا و خطابت	14
	عربی، فارسی اور اُردو ادب پر کامل عبور	14
	آپ کا تبحّر وہبی تھا	15
	سادگی و پُرکاری	15
	انشا و املا	16
	اسلوبِ تحریر	16
	ذوقِ سلیم و نقدِ صحیح	17
	موزوں اور برمحل اصلاح	18
	اشعار کا سیاق و سباق	20
۲	ملفوظاتِ مبارک	21
۳	مکتوبات شریف	29
	مکتوب نمبر ا ۔۔۔ بنام حافظ انور علی رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ	30
	مکتوب نمبر ۲ ۔۔۔ // // // //	32
	مکتوب نمبر ۳ ۔۔۔ // // // //	34
	مکتوب نمبر ۴ ۔۔۔ // // // //	37
	مکتوب نمبر ۵ ۔۔۔ بنام حافظ ظفر علی پسروری رحمۃ اللہ علیہ	39
	مکتوب نمبر ٦ ۔۔۔ // // // //	42

	مکتوب نمبر ۷۔۔۔بنام بابو محمد امین بارک ماسٹر کوہاٹ	43
	مکتوب نمبر ۸۔۔۔ // // // //	44
	مکتوب نمبر ۹۔۔۔ // // // //	45
	مکتوب نمبر ۱۰۔۔بنام پروفیسر مولانا عابد حسن فریدی رحمۃ اللہ علیہ	47
	مکتوب نمبر ۱۱۔۔بنام الحاج بخشی مصطفیٰ علی خان میسوری رحمۃ اللہ علیہ	48
	مکتوب نمبر ۱۲۔۔بنام پروفیسر مولانا حامد حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ	53
۴	﴿خطبات و مواعظ﴾	56
	خطبۂ صدارت مؤتمر جمعیت العلماء ہند بدایوں، ۱۹۳۵ء	56
	خطبۂ صدارت خلافت کانفرنس لائل پور، ۱۹۲۱ء	62
	خطبۂ صدارت سنی کانفرنس مراد آباد، ۱۹۲۵ء	75
	مواعظ آگرہ (بھارت)	109
	پہلے جلسے کا وعظ	110
	دوسرے جلسے کا وعظ	115
	تیسرے جلسے کا وعظ	126
	پانچویں جلسے کا وعظ	130
	آٹھویں جلسے کا وعظ	134
	دسویں جلسے کا وعظ	136
	بارہویں جلسے کا وعظ	139
۵	﴿اخلافِ کرام اور خلفائے عظام﴾	144
	(ا) اخلافِ کرام	145

	(ا) سراج الملّت حضرت الحاج حافظ پیر سیّد محمد حسین شاہ صاحب	145
	حفظِ قرآن مجید	145
	ابتدائی تعلیم	146
	تحصیل علوم	147
	سفرِ دہلی	148
	تحصیلِ علمِ طب	149
	عربی، فارسی پر کامل عبور	149
	کتابوں کا شوق	150
	مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں	151
	فتویٰ نویسی	152
	تقویٰ	153
	ڈاکخانہ کا سود	154
	مسجد نور کا پتھر ''سنگ مرمر'' خریدنا	155
	جود وسخا	156
	ملّی خدمات	156
	حساب فہمی میں اہتمام	157
	عاداتِ کریمہ	158
	قیافہ شناس سے ملاقات	158
	شادی اور اولاد	159
	مولانا ضیاء الدین احمد مدنی	162
	مولوی محمد اسماعیل	162

	نواب صاحب ریاست شاہ نور (دکن)	163
	اولادِ نرینہ پیدا ہونا	164
	بیماری اور وصال	165
	آپ کے خلفاء	166
	(۲) خادم الملّت الحاج حافظ سیّد خادم حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	167
	تحصیل علم	167
	اخلاق حسنہ	167
	شادی اور اولاد	168
	کتب خانہ	168
	وفات	169
	(۳) شمس الملّت الحاج حافظ سیّد نور حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	170
	حلیہ شریف	170
	حصولِ علم	170
	اتباعِ شریعت وسنّت	171
	سخاوت اور دریا دِلی	171
	حج وزیارت	171
	تبلیغ وارشاد	172
	مہمان نوازی	173
	فیض رسانی	174
	دینی وملّی خدمات	174
	شادی اور اولاد	174

	(۴) حضرت صاحبزادی بنتِ رسول عرف بو جی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا	176
	اخلاقِ حسنہ	176
	وفات	177
	(۶) ﴿خُلفائے عظام﴾	178
	فہرست خلفائے کرام	180
	(۱) مولانا کریم بخش قصوری رحمۃ اللہ علیہ	184
	(۲) مولانا غلام محمود صفّی میسوری رحمۃ اللہ علیہ	186
	(۳) مولانا محمد ایوب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ	188
	(۴) مولانا مرزا حسن بیگ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	190
	(۵) حافظ ظفر علی پسروری رحمۃ اللہ علیہ	190
	(۶) پیر خیر شاہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	194
	(۷) مولانا محمد عظیم گکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ	203
	(۸) مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ	207
	(۹) مولانا غلام احمد اخگرؔ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	211
	(۱۰) مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	218
	(۱۱) نواب محاسب یار جنگ رحمۃ اللہ علیہ	219
	(۱۲) میاں محمد امیر اللہ کلانوری رحمۃ اللہ علیہ	221
	(۱۳) سیّد محمد غوث سکھّو چکی رحمۃ اللہ علیہ	224
	(۱۴) خواجہ احد شاہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	229
	(۱۵) پیر زہیرؔ عاقل شاہی میسوری رحمۃ اللہ علیہ	230
	(۱۶) سیّد جعفر علی کلانوری رحمۃ اللہ علیہ	234

	(۱۷) مولانا محمد وقی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ	235
	(۱۸) پیر حیات محمد سیال کوٹی رحمۃ اللہ علیہ	236
	(۱۹) مولانا غلام احمد شوقؔ فریدی رحمۃ اللہ علیہ	241
	(۲۰) پیر نیک عالم گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	246
	(۲۱) سیّد حسین شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	248
	(۲۲) قاضی حفیظ الدین رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ	250
	(۲۳) پروفیسر عابد حسن فریدی رحمۃ اللہ علیہ	253
	(۲۴) ڈاکٹر میر ہدایت اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	257
	(۲۵) شیخ محمد ابراہیم آزادؔ بیکانیری رحمۃ اللہ علیہ	259
	(۲۶) شاہ محمد امین اللہ خاموشؔ ناروی رحمۃ اللہ علیہ	262
	(۲۷) مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ	264
	(۲۸) میاں رجب علی جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ	269
	(۲۹) مولانا محمد عبد القیوم عرف منظور احمد شاہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ	274
	(۳۰) میاں جی محمد محبوبِ عالم بجنوری رحمۃ اللہ علیہ	277
	(۳۱) پیر سیّد خادم حسین شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	280
	(۳۲) مولانا امام الدین رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ	285
	(۳۳) مولانا سیّد عبد القاضی ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	288
	(۳۴) میاں نبی بخش قصوری رحمۃ اللہ علیہ	290
	(۳۵) مولانا نور الحسن سیال کوٹی رحمۃ اللہ علیہ	293
	(۳۶) مولانا عبد المجید جھجروی رحمۃ اللہ علیہ	299
	(۳۷) حافظ علی احمد جان پشاوری رحمۃ اللہ علیہ	304

	(۳۸)ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہی رحمۃ اللہ علیہ	308
	(۳۹)مولانا مفتی محمد حفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ	311
	(۴۰)مولانا قطب الدین جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ	317
	(۴۱)خواجہ محمد کرم الٰہی سیال کوٹی رحمۃ اللہ علیہ	322
	(۴۲)الحاج نصیب خان رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ	327
	(۴۳)مولانا محمد عظیم فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ	329
	(۴۴)پیر سیّد محمد حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	334
	(۴۵)بابا فیروز خان گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	348
	(۴۶)قاری محمد شہاب الدین حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	349
	(۴۷)حکیم سیّد محمد قمر احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	353
	(۴۸)حکیم محمد خوب احمد آبادی رحمۃ اللہ علیہ	355
	(۴۹)پروفیسر حامد حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ	359
	(۵۰)مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ	364
	(۵۱)مولانا محمد واصل جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ	367
	(۵۲)چوہدری غلام عباس کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	368
	(۵۳)حوالدار ممتاز علی خاں رتیروی رحمۃ اللہ علیہ	378
	(۵۴)پیر سیّد ولایت شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	381
	(۵۵)ملک سرور خان کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ	386
	(۵۶)سیّد سعید شاہ بنوری کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ	387
	(۵۷)حکیم خادم علی سیال کوٹی رحمۃ اللہ علیہ	390
	(۵۸)میاں خوشی محمد فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ	396

	(۵۹) پیر سیّد انور حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	398
	(۶۰) بخشی مصطفیٰ علی خان بنگلوری رحمۃ اللہ علیہ	400
	(۶۱) حافظ سلطان احمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ	407
	(۶۲) پیر سیّد بشیر حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	412
	(۶۳) مولانا محمد سلیمان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ	413
	(۶۴) پیر سیّد نور حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	415
	(۶۵) حاجی ذاکر علی رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ	428
	(۶۶) منشی احمد دین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	432
	(۶۷) پیر سیّد اختر حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	438
	(۶۸) حافظ نور احمد قصوری رحمۃ اللہ علیہ	442
	(۶۹) سیّد ولی محمد شاہ بخاری شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ	444
	(۷۰) پیر سیّد حیدر حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ	448
	(۷۱) حافظ محمد عبدالحمید خان رُوپوچکی رحمۃ اللہ علیہ	450
	(۷۲) پیر محمد یونس خان آفریدی رحمۃ اللہ علیہ	454
	(۷۳) حکیم مبارک احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	458
	(۷۴) مولانا محمد عالم میر پوری رحمۃ اللہ علیہ	460
	(۷۵) سیّد محمود شاہ محدّث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	464
	(۷۶) پیر افضل شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	468
	(۷۷) حاجی اکبر خان کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ	468
	(۷۸) سیّد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	469
	(۷۹) مولانا سیّد عبداللطیف نیازؔ کابلی میسوری رحمۃ اللہ علیہ	470

	(۸۰) مولانا عبداللہ حسین خلیل بنگلوری رحمۃ اللہ علیہ	471
	(۸۱) پیر عبدالرحمٰن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	472
	(۸۲) سیّد عبدالرزاق میسوری رحمۃ اللہ علیہ	473
	(۸۳) مولانا عبداللہ یاغستانی رحمۃ اللہ علیہ	475
	(۸۴) پیر گل شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	476
	(۸۵) مولانا غلام محمد بمبئی والے رحمۃ اللہ علیہ	476
	(۸۶) مولانا غلام محی الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	477
	(۸۷) مولانا غلام محمد رنگپٹنی میسوری رحمۃ اللہ علیہ	478
	(۸۸) منشی مہر دل خان مردانی رحمۃ اللہ علیہ	478
	(۸۹) مولانا سیّد محی الدین کولاری رحمۃ اللہ علیہ	480
	(۹۰) پیر سیّد محمد شفیع گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ	481
	(۹۱) میر نوازش علی حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ	482
	(۹۲) مولانا محمد مقصود بنگالی رحمۃ اللہ علیہ	482
	(۹۳) مولانا محمد حسین میسوری رحمۃ اللہ علیہ	483
	(۹۴) سیّد عثمان علی عرف مُرشد جماعتی رحمۃ اللہ علیہ	483
	(۹۵) مولانا سیّد محمد محمود عدنی رحمۃ اللہ علیہ	485
	(۹۶) مولانا محمد انصر مدراسی رحمۃ اللہ علیہ	486
(۶)	اختتامیہ	487
	ضمیمہ	488
(۱)	﴿مضامین ومقالات﴾	490
	(i) آج ہم کہاں ہیں؟	492

	(ii) فضائل نماز تہجد	501
	(iii) صحبت کا اثر	529
	(iv) توکل	550
	(v) شریعت بل	555
	(vi) ضرورتِ مُرشد	561
	(vii) مرید صادق	588
	(viii) یارانِ طریقت یا پیر بھائی	608
	(۲) ﴿نوادرات﴾	658
	(i) تبصرہ بر "تفسیر مظہری"	659
	(ii) تقریظ بر "بیاضِ ذکرِ الٰہی"	660
	(iii) "مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ پر رائے	661
	(iv) تقریظ بر کتاب "آفتابِ انوارِ صداقت"	663
	(v) تقریظ بر کتاب "نور الشمعہ فی اظہر الجمعہ"	664
	(vi) تبصرہ بر رسالہ "عشق پیر اور مدح پیر"	665
	(vii) تبصرہ بر کتاب "کلیدِ حکمت"	666
	(viii) تبصرہ بر ماہنامہ "مجدّدِ اعظم" سرہند شریف	668
	(ix) فرمان برائے خریداری ماہنامہ "انوار الصوفیہ"	669
	(x) تقریظ بر رسالہ "ذاکرہ بیگم"	669
	(xi) مجوزہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسودّہ کانسٹی ٹیوشن پر رائے	670
	(xii) "امداد مظلومین سمرنا"	671
	(xiii) "شاہجہان ہوٹل بمبئی"	674

﴿اِنشاؤ خطبات﴾

اِنشاؤ خطابت۔۔۔ملفوظاتِ مُبارک

مکتوبات شریف۔۔مواعظ و خطبات

﴿انشاء و خطابت﴾

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے مواعظ اور مکالمات ومسائل سننے والے آج بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بقیدِ حیات ہیں اور وہ شاہد ہیں کہ حضور کی سادہ باتوں میں جو اثر و تاثیر اور لطف و دل نشینی ہوتی تھی وہ بڑی سحر آفرین تقریروں اور فصیح و بلیغ خطبات میں بھی نہیں پائی گئی۔ آپ کے علمی اور ادبی کمالات جتنے کسبی تھے یقیناً اس سے کچھ زیادہ ہی وہبی بھی تھے اور اس شعر کے مصداق:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

عربی، فارسی، اردو ادب پر کامل عبور:۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذۂ کرام میں سے جو نام مجھے تحقیق ہو سکے ان کا ذکرِ خیر پہلے آچکا ہے۔ یہ حضرات اپنے دور کے جلیل القدر علماء تھے۔ جو علوم عقلی و نقلی کے فضل و کمال کے لئے گزشتہ صدی کے نصفِ آخر میں پورے برصغیر میں مشہور و معروف تھے۔ بلکہ بعض کا فیض تو اس صدی کے اوائل تک جاری رہا ہے۔ حضور کی بابت یہ تو تحقیقی طور پر علم ہے کہ آپ نے علوم عقلی و نقلی میں عبورِ کامل حاصل کیا تھا اور عربی زبان وادب پر آپ کو پوری دستگاہ حاصل تھی۔ مگر فارسی ادبیات و کتب کا مطالعہ صرف ابتدائی دور میں ثابت ہوتا ہے۔ مقامِ حیرت ہے کہ عربی سے بڑھ کر فارسی اور اردو شعر وادب سے واقفیت ہی نہیں، ان کا صحیح ذوق اور گہری استعداد آپ نے کس منزل پر حاصل کی۔ لیکن آپ کی روزمرّہ گفتگو، مکاتیب، مواعظ اور خطبات میں جس کثرت سے اور جیسے موزوں اشعار بیان میں آتے تھے، وہ اس بات کا پختہ ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ آپ کو عربی، فارسی اور اردو ادبیات پر ماہرانہ اور ناقدانہ عبور حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ ہندی اور پنجابی اشعار، اقوال، اور ضرب الامثال، آپ جیسے مناسب موقع اور مطابق محل ارشاد فرمایا کرتے تھے، اس سے آپ کے تبحر علمی کی روشن شہادت دستیاب ہوتی ہے۔

آپ کا تبحّر وہبی تھا:۔

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مبارک میں حاضر ہونے والے اب بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔سب شہادت دیں گے کہ کم ازکم اس صدی میں کسی نے آپ کو مطالعہ کتب میں مشغول نہیں دیکھا۔جیسا کہ آپ کے سفر وحضر کے روزمرّہ معمولات سے واضح ہوا،آپ کو تبلیغ وارشاد میں اس درجہ انہماک رہتا تھا کہ آپ کی محفل میں کسی کتاب،رسالہ یا اخبار کا ذکر آیا۔اور آپ کے حکم سے کسی نے اس میں سے کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ایسے مواقع پر بالعموم یہ ہوتا تھا کہ قرأت کے دَوران حضور خود تفسیر وتشریح کے طور پر،موضوع زیر بحث کے مطابق،قرآن پاک،حدیث شریف یادیگر اسناد وشواہد کے حوالے سے مسائل بیان فرمانے لگتے۔اور بعض مرتبہ یہ سلسلہ کافی دراز ہوجاتا تھا۔اس طرح کی روایت وقرأت کے واقعات بھی کم ہی پیش آتے تھے۔مگر ایسا اکثر ہوا ہے کہ گفتگو کے دَوران حضور نے خود ہی جدید تصنیفات کے حوالوں سے گفتگو فرما کر سب کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔

سادگی وپُرکاری:۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر وتقریر میں سادگی کے ساتھ پُرکاری کا اعجاز پایا جاتا تھا۔قرآن،حدیث،اشعار،اقوال،روایات سلف کے شواہد واسناد آپ کے سادہ ودل نشین اسلوب بیان میں ڈھل کر دلوں میں اُتر جاتے تھے۔اور ''از دل خیز دبَردل ریزد'' کی بے مثال نظیر قائم کرتے تھے۔آپ دھیمی اور معمولی آواز سے گفتگو فرماتے تھے اور خطبہ ووعظ میں بھی یہی آپ کا طریق ہوتا تھا۔لیکن یہاں یہ اعجاز بیانی سب کے سامنے ہے کہ ہزاروں کے مجمع میں آپ کی گفتگو سُنی جاتی تھی،وہیں یہ کمال بھی سب کو معلوم ہے کہ اسی سادہ،مدّھم اور معمولی آواز وبیان کے اثر وتاثیر سے اجتماع کبھی جوش میں آجاتا تھا،کبھی دھاڑیں مار مار کے رونے لگتا تھا اور کبھی بے تاب ہوکر سب بے اختیار نعرے بلند کرنے لگتے تھے۔

انشاؤ املا:۔

آپ کے مکتوبات ، مواعظ ، خطبات ، بیانات بلکہ آپ کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہارات تک سب آپ کے اپنے لکھے اور لکھوائے ہوئے ہوتے تھے۔ آپ مکتوبات و بیانات وخطبات عموماً خود تحریر فرماتے تو ہمیشہ سن کر ضروری اصلاح کروایا کرتے تھے۔ کبرسنی اور ضعف کے عالم میں اکثر تحریریں دوسروں سے لکھوائی ہیں۔ مگر ان کو بھی ہمیشہ پہلے سُن لیا کرتے تھے تاکہ کوئی جزئیہ خلاف منشاء بیان نہ ہو جائے۔ اسی لئے ایسی سب تحریروں میں آپ کا ذاتی اسلوب نمایاں ہے۔

اسلوبِ تحریر:۔

میں نے تبرّک وتیمّن کے طور پر نیز نمونہ اور یادگار کی خاطر چند مکتوبات اور خطبات اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کے اسلوب تحریر کی ایک جھلک نظر آ جائے گی۔ آپ کی حیات مبارک کے ساٹھ ستر سال گزشتہ صدی میں بسر ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی تحریر میں قدامت کی جھلک صرف دو مقامات پر نظر آتی ہے۔ مکتوبات شریف میں القاب میں ۔ اور خطبات کے آغاز میں خطبۂ منسونہ میں۔ ان دونوں کی مناسبت اور موزونیت بحث سے بالاتر ہے۔ آپ جیسے جلیل القدر عالم ومحدّث، اور رفیع المنزلت شیخ طریقت وارشاد کے اسلوب میں ان دونوں کا پایا جانا ازبس مستحسن اور ضروری تھا۔

اس کے ماسوا ساری تقریر اور تحریر سلیس وسادہ زبان و بیان سے آراستہ ہے۔ حد یہ کہ علمی اور استدلالی مباحث بھی ایسے سلیس اور شگفتہ انداز میں بیان فرمائے ہیں کہ معمولی استعداد کے لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور یہی آپ کے اسلوب بیان کی خصوصیت تھی جو ہر جگہ پائی جاتی تھی ۔ اقوال، حکایات، ضرب الامثال اور اشعار کا جابجا استعمال ایسا موزوں ہوتا ہے کہ بات دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ روزمرّہ واقعات اور تجرباتِ انسانی کی تمثیلات آپ ایسی برجستگی اور بے ساختگی سے بیان فرماتے ہیں کہ

سُننے والا عش عش کرنے لگتا ہے۔ مکتوبات وخطبات کی نقل تو خیر مطابقِ اصل ہوتی ہی ہے۔ لیکن میری کوشش یہ رہی ہے کہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور مکالمات جہاں بیان ہوئے ہیں وہ بھی حضور ہی کے الفاظ میں حتی المقدور نقل کئے جائیں تاکہ قارئین کے استفادہ واستفاضہ میں فرق نہ آئے۔ مذکورہ بالا تفصیل کا ثبوت ایسے مقامات کے مطالعہ سے دستیاب ہوگا۔ اسی طرح ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے سلوبِ تحریر میں قدیم وجدید کا حسین ودلکش امتزاج پایا جاتا ہے۔

ذوقِ سلیم ونقدِ صحیح:۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سفر میں ہوں یا حضر میں، محفل شریف میں اکثر نعت خوانی ہوا کرتی تھی۔ اس میں زبان کی کوئی قید نہ ہوتی۔ عام طور پر اُردو یا پنجابی اشعار ہی پڑھے جاتے تھے۔ لیکن فارسی غزلیں بھی اکثر سنی گئی ہیں۔ بعض لوگ اپنی علاقائی زبانوں میں نعت ومنقبت سناتے تھے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو جو غیر معمولی حافظہ اور جیسا بلند مذاق سلیم عطاء ہوا تھا وہ ع ''تا نہ بخشد خدائے بخشندہ'' کی بہترین مثال ہے۔ آپ اشعار سن کر تحسین وآفرین سے بھی نوازتے اور اکثر سنانے والوں کو نقد انعامات بھی عطا فرماتے تھے۔ جو یارانِ طریقت خدمت والا میں حاضر ہوتے تھے، ان میں سے شاعر حضرات اکثر نعت یا منقبت کہہ کر لاتے اور سنانے کی عزّت حاصل کرتے تھے۔ اور حضور کی خوشنودی مزاج کے شرف سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

حضرت حافظ پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ غزل کا ذکر ''حج وزیارت'' کے عنوان کے تحت آچکا ہے۔ یہ غزل جیسی درد واثر میں ڈوبی ہوئی ہے ظاہر ہے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جتنا پسند فرمایا وہ حبِّ نبوی ﷺ کے ساتھ آپ کے شستہ وبلند ادبی ذوق کی بھی شہادت دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک دلچسپ واقعہ شاعرِ اسلام جناب حفیظ جالندھریؒ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شعر وادب کا وہ پُر لطف واقعہ سُنیئے۔

ایک بار مدینہ منوّرہ میں جناب حفیظ جالندھری حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا، ''یہاں آکر بھی کوئی شعر کہا ہے''۔ حفیظؔ صاحب نے یہ شعر سنایا۔

کہاں تھے یہ نصیب اللہ اکبر سنگِ اسود کے!
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد ﷺ کے

حضور نے بہت پسند کیا۔ بار بار پڑھوایا اور اپنی نہایت قیمتی واسکٹ اُتار کے انعام میں عطا فرمائی۔ حضرت یہ شعر اکثر دوسروں کو سُنایا کرتے تھے۔ اور ہر دفعہ اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد کی بات ہے۔ حضور کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ حفیظؔ صاحب نشاط باغ میں حاضر ہوئے اور دورانِ گفتگو اُنہوں نے کہا کہ ''آپ کی عطا کردہ واسکٹ تبرک سمجھ کر استعمال کرتا ہوں۔ شاہنامۂ اسلام لکھتے وقت اسی کو پہنتا ہوں اور اس کی برکت سے مضامین اور اشعار نازل ہوتے رہتے ہیں''۔

موزوں اور برمحل اصلاح:۔

ایک دفعہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ قصور میں انجمن اسلامیہ کی صدارت فرما رہے تھے۔ حفیظؔ صاحب اپنے مخصوص انداز میں خوش الحانی سے شاہنامہ اسلام سنا رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ شعر پڑھا:

محمد ﷺ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے

حضرتؒ نے برجستہ فرمایا ''حفیظؔ صاحب! ''سب کچھ'' نامکمل ہے''۔ حفیظؔ صاحب نے اس اصلاح کو بار بار سراہا اور عرض کیا ''انشاء اللہ ﷻ دوسرے ایڈیشن میں اس اصلاح کے ساتھ ہی چھپواؤں گا''۔

ایک جلسہ میں ایک خوش گو شاعر جناب اکبرؔ اپنی غزل سنا رہے تھے۔ انہوں نے یہ مصرعہ پڑھا: ؎ اپنے زلفوں پہ نہ ہونے دیا قرباں تو نے

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ ٹوکا اور کہا، اکبرؔ صاحب! زلفوں پر

قربان ہونا اُردو روزمرّہ کے مطابق نہیں ہے۔ یوں کہیئے۔

ع اپنے قدموں پہ نہ ہونے دیا قرباں تو نے

جناب اکبر اس اصلاح پر بہت محفوظ ہوئے اور ستائیش کی۔

ماسٹر کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ سیالکوٹی ایک فارسی غزل لکھ کر لائے اور مطلع سنایا۔ جس کا پہلا مصرعہ یوں تھا ؎ خمر دنیا چہ کشم مست خمارے دارم۔ حضور نے فوراً ٹوکا اور فرمایا۔ "ماسٹر جی! یوں نہیں، یوں کہو ؎ خمر دنیا چہ کشم سخت خمارے دارم"۔

ایک موقع پر حاجی حافظ عبداللطیف صاحب سیالکوٹی نے اسی غزل کا دوسرا مطلع پڑھا:

شوقِ جنت نہ بدل خوف زنارے دارم چوں بدل الفت آں شوخ نگارے دارم

حضور نے فرمایا۔ "حافظ جی! شوقِ جنت کے بعد وقف کر کے پڑھو"۔ غور کیجئے۔ تو مفہوم کچھ سے کچھ ہو گیا۔

ایک بار حافظ عبداللطیف صاحب امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت سُنا رہے تھے جب مطلع پڑھا:

زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے دِرِ رسولؐ پہ قصہ تمام ہو جائے

تو حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ ارشاد فرمایا، "حافظ جی دوسرا مصرع اس طرح پڑھو: درِ حضور پہ حاضر غلام ہو جائے۔

حافظ صاحب نے اسی نعت کا مقطع سنایا:

بلالو جلد مدینے میں۔ ہے امیر کو ڈر کہیں نہ عمر دوروزہ تمام ہو جائے

حضور نے فرمایا "حافظ جی ڈر نہیں خوف پڑھو۔ (بلالو جلد مدینے میں ہے امیر کو خوف)

حافظ صاحب ہی ایک دفعہ فارسی کی غزل سنا رہے تھے۔ انہوں نے پڑھا:

فارغم کردی زدنیا وزدیں شاد باش اے پاک سودائے نبیؐ

حضور نے فرمایا "حافظ جی پہلا مصرع اس طرح ہے: "فارغم کردی زدنیائے دنی"

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ایک دفعہ وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا گیا۔

جیہڑا ذات تے وطن ول دھیان رکھدا دنیادار ہے اوہ درویش کیا

آپ نے فوراً اصلاح فرمائی۔ "دُنیادار ہے فیر درویش کیا"۔

صابر قصوری صاحب افتخار قصوری صاحب کے ہمراہ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نعت خوانی کیا کرتے تھے۔ صابر صاحب کہتے ہیں کہ ہم حضور کو یہ نعت سنا رہے تھے۔

اک درِّ یتیم سِکّہ جہاں میں بٹھا گیوای وہ نبی کریم کیا کیا کرشمے دکھا گیوای

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: نبی کریم تشدید کے ساتھ پڑھو۔ اسی طرح ایک بار ہم نعت سنا رہے تھے۔

ایسی تھی حضرت میں سحر البیانی جس کا نہیں کوئی دنیا میں ثانی

آپ نے فوراً اصلاح کی اور فرمایا سحر البیانی نہیں، سحر بیانی، پڑھو۔ اسی طرح ایک دفعہ ہم نے یہ شعر پڑھا۔

زمیں کو بھی عزّت ہو عرش علا کی دکھاؤ بندوں کو صورت خدا کی

فوراً ارشاد ہوا۔ "یوں پڑھو: دکھا جاؤ بندوں کو قدرت خدا کی"۔

صابر صاحب کا بیان ہے کہ اس طرح کی برمحل اور برجستہ اصلاحیں اگر ضبطِ تحریر میں لائی جاتیں تو ایک مستقل رسالہ ترتیب پا جاتا۔ ساری اصلاحیں یاد نہیں رہیں۔ ورنہ ہم نے پچیس سال سے زیادہ عرصہ تک حضور کو نعتیں سُنائی ہیں۔ اور حضور ہمیشہ ٹوک کر اسی طرح بہتر اور مناسب اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ جس سے شعر کا لطف دوبالا ہو جاتا تھا۔

اشعار کا سیاق وسباق:۔

جناب ماسٹر کرم الٰہی صاحب ایڈووکیٹ خلیفۂ مجاز کو بہت شعر یاد تھے۔ وہ جب حضور کی خدمتِ والا میں حاضر ہوتے تو اکثر شعر سُنایا کرتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز ماسٹر صاحب سے شعر سُن کر اضافہ فرماتے۔ موضوع گفتگو سے متعلق فارسی اُردو کے اعلیٰ اور عمدہ اشعار سناتے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے دوران شاعر کا نام، اس کی بعض خصوصیات شعر گوئی اور اشعار سے متعلق ضروری کوائف بیان فرماتے۔ اور ضروری ہوتا تو بقدرِ ضرورت شعر کے مفہوم پر بھی روشنی ڈالتے یا اس سے متعلق مفید تصریحات فرماتے۔ ان اوقات میں ذی علم اور صاحبِ ذوق حاضرین کو جو لطف اور فیضان حاصل ہوتا تھا وہ بیان سے باہر ہے۔

﴿ملفوظاتِ مبارک﴾

(۱) کلمہ شریف کے دو جزو ہیں۔ جزو اوّل توحید یعنی لاالٰــہ الا اللــہ۔ جزو دوم رسالت یعنی محـمـد رسول اللـہ۔ ان دونوں جزوؤں میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ جہاں سے لاالہ الا اللہ کی حد ختم ہوئی وہیں سے محمد رسول اللہ کی حد شروع ہوئی۔

(۲) ہمارے لئے سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل نعمت ایمان کی نعمت ہے۔ لاالـہ الا اللہ تو شیطان بھی کہتا ہے۔ پھر اس کو لعنتی کیوں کہتے ہیں۔ دنیا میں جتنے فرقے ہیں، سب اپنے طور پر توحید کے قائل ہیں۔ پھر ملعون کیوں ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ صرف لاالہ الا اللہ کہتے ہیں۔ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔

(۳) کلمہ شریف کے دو اجزاء ہیں، پرندے کے دو پروں کی طرح۔ پرندے کا ایک پَر ٹوٹ جائے تو وہ ایک پَر سے بالشت بھر نہیں اُڑ سکتا۔ ایسے ہی ہمارا کلمہ بارگاہِ الٰہی میں نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک اس کے دونوں پَر یعنی دونوں جزو، توحید اور رسالت سالم نہ ہوں۔

(۴) اسلام کا سارا دارومدار توحید ورسالت کے عقیدے پر ہے۔ جس مکان کی بُنیاد ٹھیک نہ ہو وہ عمارت کب ٹھہر سکتی ہے۔ توحید اور رسالت عمارت کی بنیاد کے مانند ہیں۔ باقی سب نماز، روزہ اور اعمال وغیرہ عمارت ہیں۔ پس جس مکان کی بنیاد مضبوط ہوگی، اس پر عمارت بھی اچھی قائم ہوگی۔

(۵) انبیاء کرام کے جسموں کو زمین نہیں کھا سکتی۔ زمین ان کے جسموں کو چھوتی بھی نہیں۔

(۶) رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص محبت سے درود شریف پڑھتا ہے، میں اپنے کانوں سے اس کو سُنتا ہوں۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر سلام بھیجے گا، میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

(۸) ایک شخص کو دوسرے نے بَیلوں کی ایک جوڑی اور زمین دے دی۔ وہ شخص سال

بھر تک محنت کرتا رہا۔ ہل چلایا۔ پھر فصل بوئی۔ اس کو پانی دیتا رہا۔ کھیت میں سے گھاس پھوس تنکے چنتا نکالتا رہا۔ دن رات اسی فکر میں لگا رہا۔ فصل پک گئی تو کاٹ کر دانہ بھوسا الگ الگ کیا۔ پھر دانوں کو صاف کیا۔ پھر چکی لا کر اس میں آٹا پیسا۔ لکڑیاں جمع کیں۔ چولہا بنایا۔ آٹا گوندھا۔ توا تلاش کر کے لایا، ساری محنت کر کے روٹی پکائی اور پیٹ بھرا۔ ''یہ شریعت'' ہے۔ اور کسی نے اس شخص کو پکی پکائی روٹی دے دی اور اس نے کھا لی۔ ''یہ طریقت'' ہے۔

(۹) بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ پہلا شریعت اور طریقت۔ دونوں برحق۔ دونوں نور علیٰ نور۔ فرق اتنا ہے کہ شریعت کا راستہ بڑا اور لمبا ہے اور طریقت کا راستہ قریب اور نزدیک۔

(۱۰) میرے والد صاحب قبلہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ لے کر خوش ہوتے ہیں۔ ہم دے کر خوش ہوتے ہیں۔ لوگ کھا کر خوش ہوتے ہیں، ہم کھلا کر خوش ہوتے ہیں۔

(۱۱) دنیا کی چیزوں کی محبت دل سے نکالنا اور خدا کی محبت کو دِل میں جگہ دینا حج ہے۔

(۱۲) جتنی مخلوق ہے وہ سب دنیا کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ وہ بڑا شہزور ہوگا جو اس جال کو توڑے گا۔ جال کے اس توڑنے کا نام حج ہے۔

(۱۳) جو شخص حج کے لئے گھر سے نکلتا ہے۔ وہ رب کا مہمان ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کے مہمان کی خدمت کرے وہ میزبان کا دل خوش کرتا ہے اور جو کسی کے مہمان کو تکلیف دے وہ گویا میزبان کو تکلیف دیتا ہے۔ اسی لئے حاجیوں کی خدمت عین موجب خوشنودی اللہ تعالیٰ ہے۔

(۱۴) شیطان اور نفس دو دشمن ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ حج میں ہم بارگاہِ ایزدی میں ننگے سر ننگے پَیر جاتے ہیں۔ یعنی احرام باندھ کر فریادی بن کر، کہ بارِ الٰہا! ہمیں ان دشمنوں سے بچا۔ اس میں رب کا کوئی فائدہ نہیں، ہمارا اپنا بڑا فائدہ ہے۔

(۱۵) زبان اللہ تعالیٰ نے ایک دی، وہ بھی دو کواڑوں کے درمیان۔ اس کو ان دو کواڑوں کے اندر بند رکھو۔ جب ضرورت ہو تبھی اس کو باہر نکالو۔ بے ضرورت اس سے کام مت لو۔

(۱۶) جو شخص یہ تمنا رکھتا ہے کہ میرا رب مجھ سے راضی ہو، اس کو لازم ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو راضی رکھے۔ اگر ماں باپ ناراض ہوئے تو اسے یقین کر لینا چاہیئے کہ میرا رب بھی

مجھ سے ناراض ہے۔

(۱۷) ماں باپ اگر اولاد کو عاق کر دیں تو ان کا روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اِدھر بندہ ناراض تو اُدھر رب بھی ناراض۔

(۱۸) جس طرح بندہ رب کا حق ادا کرنے سے قاصر و عاجز ہے، اسی طرح اولاد بھی ماں باپ کے حقوق ادا کرنے سے عاجز ہے۔

(۱۹) دِل کو آرام اسی وقت مِل سکتا ہے جب آدمی یا تو خود ذکر کرے یا ذکر کرنے والوں کی صحبت میں بیٹھے۔

(۲۰) ذکر کرنے والے کے دِل میں اللہ تعالیٰ دنیا اور دنیا والوں سے استغنا پیدا کرتا ہے۔

(۲۱) ایک شخص دنیا کے غموں اور فکروں سے پریشان تھا۔ اور دل کے آرام سے بالکل نا اُمید ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ ایک درویش کی خدمت میں جا بیٹھا۔ جب تک اس کی خدمت میں رہا اس کے دل کو آرام اور چین حاصل رہا۔ اس نے اپنے حسبِ حال یہ شعر پڑھا۔

نا سکھ گھوڑے پالکی، نا سکھ چھتر کی چھانھ
یا سکھ ہر کی بھگت میں، یا سکھ سنتا مانھ

(۲۲) ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک زبان سے دوسرے دِل سے۔ ایک دفعہ بھی اللہ، کا لفظ زبان سے نکلا تو یہ زبان کا ذکر ہوا۔ ایک دفعہ اللہ کا نام دل سے لیا تو یہ دل کا ذکر ہوا۔ دل سے سارے جسم کی ہزاروں لاکھوں رگیں نکلتی ہیں۔ ایک بار دل سے اللہ کا نام لیا تو ساری رگیں بھی اللہ کا نام لیتی ہیں۔ گویا زبان کے ذکر کے مقابلے میں دل کا ذکر ہزاروں لاکھوں مرتبہ بڑا ہے۔

(۲۳) جتنے ذکر ہیں، ان سب سے بڑھ کر "اللہ" کا ذکر ہے۔

(۲۴) اللہ کا ذکر کرنے والوں کا مخلوق کے سامنے یہ حال ہے کہ کپڑا پہننے کو نہیں، جسم کو مٹی لگی ہوئی ہے۔ دروازوں سے ان کو نکال دیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے دربار میں ان کا یہ حال ہے کہ ان کی زبان سے جو نکل جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ (حدیث صحیح کی یہی تفسیر ہے)

(۲۵) اطمینانِ ظاہر اور چیز ہے اور اطمینانِ قلب دوسری چیز ہے۔ جس نے سچے دل سے کلمہ شریف پڑھ لیا، اس کو مومن کہیں گے۔ مگر دل کو آرام نصیب ہوگا صرف اللہ کے ذکر

سے۔رب تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔الا بـذکر الله تطمئن القلوب۔(ترجمہ)''یادرکھو کہ دِلوں کو اطمینان صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے''۔(سورہ رعد:۲۸)

(۲۶) دریا میں کشتی پانی کے اوپر رہتی ہے۔جتنا پانی زیادہ ہوگا کشتی کو آسانی ہوگی۔اگر وہی پانی کشتی کے اندر آجائے تو کشتی ڈوب جائے گی۔دل کشتی ہے اور دنیا کے رنج وغم پانی۔سب کی کشتی ڈوبی ہوئی ہے۔مگر اللہ کے بندوں یعنی ذاکروں کی کشتی تیرتی رہتی ہے۔

(۲۷) صوفیائے کرام نے مقرر کیا ہے کہ ہر دم پر ذکر کیا جائے۔رات دن میں چالیس ہزار سانس آتا جاتا ہے۔گویا ۲۴ گھنٹوں میں چالیس ہزار دفعہ ذکر ضروری ہے۔''جودم غافل سودم کافر''۔

(۲۸) حضورﷺ کی ذات مبارکہ رحمۃ للعالمینؐ ہے۔اس لئے آپ کی وجہ سے کافروں کو بھی عذاب نہیں دیا جاتا۔وہ عذاب سے صرف آپ کی ذاتِ پاک کے صدقے میں محفوظ ہیں۔رب العزت فرماتے ہیں: وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم۔(ترجمہ)اور اللہ ان کو(کافروں کو)عذاب نہیں دیتا۔درآں حالیکہ آپﷺ ان کے درمیان تشریف فرما ہیں۔)(سورہ انفال:۳۳)

(۲۹) اگر ایک خوردسال بچے کے سامنے اس کی ماں کو گالی دی جائے تو اُسے غصہ آجاتا ہے اور وہ لڑنے لگتا ہے۔اس زمانے کے مسلمانوں کو چھوٹے بچے جیسی سمجھ بھی نہیں۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں آئے دن گستاخیاں کی جاتی ہیں،اوران کی غیرت کو ٹھیس بھی نہیں لگتی۔حضورﷺ تو ہمارے ماں باپ بلکہ سب سے ہزاروں درجہ افضل وبَرتر ہیں۔

(۳۰) ہر شخص کو چاہئے کہ علمِ دین حاصل کرے۔اگر ایسا نہ کرسکے تو اس پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلائے۔یہ بھی نہ ہوسکے تو ضروری ہے کہ علمِ دین حاصل کرنے والوں کی مدد کرے۔

(۳۱) مشہور ہے کل جدید لذیذ(ہرنئی چیز اچھی لگتی ہے)۔تم دُنیا کی ہرنئی چیز کو پسند کرسکتے ہو۔لیکن دین وہی پرانا قدیم قائم رکھو۔جسے تمہارے اگلوں نے اختیار کیا تھا۔

(۳۲) دُعا کے دوپَر ہیں۔ایک اکلِ حلال دوسرے صدقِ مقال۔جوحلال کما کے کھائے

اور سچ بات منہ سے نکالے، اس کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

(۳۳) جو شخص تم سے کچھ مانگتا ہے وہ دراصل تم پر احسان کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ تم سے ایک پیسہ مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر تمہیں سات سو تک عطا فرماتا ہے۔

(۳۴) راہِ خدا میں جو کچھ دینا ہو، وہ اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے دے لو۔ مرنے کے بعد ہمارے نام پر نہ بیوی کچھ دے گی اور نہ بچے۔ بقول ذوقؔ

جو کچھ دینا ہے راہِ خدا میں دے اب وقت ہے
قارون ڈھونڈتا ہے قبر میں گدا ملتا نہیں

(۳۵) بزرگانِ دین کا ادب کرو۔ اگر وہ ناراض ہو جائیں تو پھر کہیں سے بھلائی کی توقع عبث ہے۔ ایک کا مردود سب کا مردود۔ ایک مرغی کسی انڈے کو گندہ کر دے تو پھر کوئی مرغی بھی اس میں سے بچہ نہیں نکال سکتی۔

(۳۶) اللہ کا کلام اللہ کے لئے پڑھو۔ دُنیا کے لئے پڑھنا ایسا ہے کہ جیسے لعل دے کر کوڑیاں لینا۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ کے لئے پڑھنے کے بعد اس کے طفیل میں، اللہ اس کو دنیا کا فائدہ بھی عطا فرمادے۔

(۳۷) سب کی قبروں میں اندھیرا ہوگا۔ لیکن تہجّد پڑھنے والے کی قبر میں اندھیرا نہیں ہوگا۔ تہجّد کی برکت سے اس کی قبر روشن ہوگی۔

(۳۸) ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور ہر رات کو سورۂ تبارک الذی پڑھنے کی وجہ سے قبر میں عذاب نہیں ہوگا۔

(۳۹) اگر دِل میں اس کی جگہ ہو، تو دُنیا کا مال اور دولت اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے۔

(۴۰) چاہے انسان بدعمل ہو مگر خدا کرے وہ بدعقیدہ نہ ہو۔

(۴۱) انسان دو قسم کی صفات کا مجموعہ ہے۔ (۱) اچھی صفات یعنی ملکوتی۔ ان کی ترقی سے انسان فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے۔ (۲) بُری صفات یعنی شیطانی۔ ان کی ترقی سے انسان شیطان سے بڑھ جاتا ہے۔

(۴۲) جس دن میرے پاس زیادہ لوگ کچھ مانگنے آتے ہیں، اس دن میں بہت خوش ہوتا ہوں۔ اور جس دن کوئی نہیں آتا، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ جو کوئی مجھ سے کچھ لینے کے لئے آتا ہے، وہ دراصل لینے کے لئے نہیں آتا، بلکہ دینے کے لئے آتا ہے۔ مَیں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اُسے میرے دروازے پر بھیجا۔ اگر وہ مجھے اس کے دروازے پر بھیجتا تو مَیں کیا کرسکتا تھا۔

(۴۳) جو سیّد ہے وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور جو ڈرتا ہے وہ سیّد نہیں ہوتا۔

(۴۴) لوگ کہتے ہیں کہ درویشی دوکانداری ہے مگر یہ نہیں سوچتے کہ گاہک کو اگر مرضی کے مطابق سودا نہ ملے تو وہ دوبارہ کب اس دوکان پر جاتا ہے۔ دوکان میں اگر مال ہو تو دوکان چلتی ہے۔ مال نہ ہو تو دیوالہ نکل جاتا ہے۔

(۴۵) حج اور زیارت کو جاؤ تو وہاں سے کوئی چیز بچا کے ساتھ واپس مت لاؤ۔ مکہ شریف میں ایک کے بدلے لاکھ کا اور مدینہ شریف میں ایک کے عوض پچاس ہزار کا ثواب ملے گا۔ یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ لوگوں کو یہاں کی حاضری نصیب ہوئی ہے۔

(۴۶) حد سے گزرے تو ولی۔ بے حد سے گزرے تو پیر۔ اور حد، بے حد دونوں سے گزرے تو فقیر۔

(۴۷) بھوکا رہ کر اللہ اللہ کرنا کوئی کمال نہیں۔ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا، پیٹ بھر کر کھانا، اس پر نہ سونا اور عبادت کرنا، یہ کمال ہے۔

(۴۸) خوب پیٹ بھر کر کھایا کرو۔ بھوکے آدمی سے تو نماز بھی ادا نہیں ہوسکتی۔ کمال یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے پوری طرح سیر ہو اور پھر اللہ اللہ کرے اور فرائض و واجبات کے علاوہ سُنن و نوافل کو اچھی طرح ادا کرے۔ یاد رکھو! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صائم الدہر رہنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴۹) خدا کرے کہ جیسے طریقت و شریعت میں بہ نگاہِ حقیقت قطعاً کوئی فرق نہیں، ایسے ہی صوفیوں اور مولویوں میں خالص اتحاد ہو جائے اور دونوں اپنے اختلافات و مناقشاتِ فروعی سے بے نیاز و بالاتر ہو کر متحدہ مقاصد کے حصول کے لئے یک قالب و یک جان ہو جائیں۔

(۵۰) عالم کا وصف عنداللہ یہ ہے: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ط (سورہ فاتر:۲۸)۔ یہ آیت مبارکہ واضح الفاظ میں بیان کررہی ہے کہ عالم صرف خدا سے ڈرتا ہے۔ خشیت الٰہی اس کا حسن ہے۔ غیر اللہ سے ڈرنا شریعت وطریقت میں کفروزندقہ سے بدتر ہے۔

(۵۱) ایمان محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت ہوگی اسی قدر ایمان سالم وکامل ہوگا۔ جس قدر محبت میں کمی ہوگی اسی قدر ایمان میں نقص ہوگا۔

(۵۲) مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ مسلمان وہ ہے جو خدائے بَرتر وتوانا کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتا ہے کہ **فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مومنین۔** (تم مخلوق سے مت ڈرو۔ اگر تم مومن ہوتو ہم سے ڈرو۔)

(۵۳) تم مسلمان ہو۔ تمہیں اسلام نے سکھایا ہے کہ تم آپس میں متحد رہو۔ باہمی اتفاق واتّحاد رکھو۔ اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو۔ آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اسلام کا پہلا اصول ''باہمی محبت واخوّت'' ہے۔ اسلام محبت کا سبق دیتا ہے۔ اسلام ہمدردی سکھاتا ہے۔ بنی نوع انسان کی خیرخواہی کا سبق دیتا ہے۔ ہمارے آقا ومولیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تمام مسلمان مادرزاد بھائیوں کے مانند ایک دوسرے کے بھائی ہیں''۔

(۵۴) انسان پر خداوند عمیم الاحسان کے اس قدر انعام واحسان ہیں کہ ان کا شکر بجالانا تو درکنار، اگر انسان تمام عمر اُن کے شمار کرنے میں صرف کرے، تو بھی ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ **وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا** ۔(سورہ النحل:۱۸) ترجمہ (اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کروتو تم شمار نہیں کرسکتے) نصِ صریح اس پر شاہد ہے کہ انسان محدود علم وعقل وعمر سے اس بات کے بالکل ناقابل ہے۔

فضل خدائے را کہ تواند شمار کرد یا کیست آنکہ شکر یکے از ہزار کرد

(۵۵) یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعام وکرام، الطاف ونوازش اپنے بندوں پر تمام بے مثال وبے نظیر ہیں، مگر سب سے اعلیٰ درجے کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عنایت کی، وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب رحمۃ للعالمین افضل الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی

غلامی کے متمیّز طوق سے ہمیں مزیّن فرما کر یحببکم الله اپنا محبوب ہونے کا رُتبہ ہم کو عطا کیا۔ اور نورِ ایمان وایقان سے ہمارے دل ودیدہ کو منوّر فرمایا۔ انسان، عاجز انسان مولیٰ کریم کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، مگر غلامی محبوبؐ ربّ العالمین ایسی نعمت ہے کہ اگر بندہ تمام عمر، ہر سر مُو زبان بن کر، اس نعمت کا شکر ادا کرتا رہے تو بھی ادا نہیں کر سکتا۔

(۵۶) صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو خداوندِ دوعالم کا پسندیدہ اور مقبول ہے۔ جس پر **ان الدین عند الله الاسلام** (آل عمران:۱۹)(ترجمہ)(بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے) کی آیت پاک شاہد ہے۔ یہ وہ مقبول اور برگزیدہ مذہب ہے جو خداوند کریم کے فرمان عالی شان **ورضیت لکم الاسلام دینا** ؕ (مائدہ:۳)(ترجمہ)اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا، سے ظاہر ہے کہ یہ وہ مبارک اور مقدس مذہب ہے۔ جس کی پیروی کے بغیر کوئی عبادت، کوئی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ **ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** (آل عمران:۸۵) ترجمہ) اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا)۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

(۵۷) ہزار آدمی کھڑے ہیں۔ ہر ایک آدمی کے ہاتھ میں کانچ کا ایک ٹکڑا ہے۔ الماس صرف ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے۔ باقی سب نے کانچ کے ٹکڑے کو الماس سمجھ کر پکڑ رکھا ہے۔ ہر ایک بخیالِ خود یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں الماس ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح الماس یعنی سچا مذہب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور کانچ کے ٹکڑے یعنی مذاہبِ باطلہ باقی سب لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔

(۵۸) سبحان اللہ! اسلام میں وہ جذب اور کشش ہے کہ جو کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے، بالآخر اسی کو اس کا دلدادہ اور شیفتہ ہونا پڑتا ہے۔

(۵۹) اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور مسلمانوں کا ہر فرد اس کا مبلّغ اور اشاعت کنندہ ہے۔

(۶۰) یاد رکھو! رازق حقیقی وہی ہے جو تمہارا خالق ومالک ہے، بے ریا عبادت کرو تا کہ

اس کا اجر تم کو معبود سے ملے۔ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا کرو۔ سوائے اس جبّار و قہار کے اور کسی سے مَت ڈرو۔ اللہ کی مخلوق کے نفع نقصان کو اپنے نفع نقصان پر مقدم سمجھو۔ جہاں تک ہو سکے ان کی ہمدردی اور خیر خواہی کرو۔ اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ محبت اور اُلفت رکھو۔ اور میرے بتائے ہوئے اسباق پر ان سے عمل کراتے رہو۔

(۶۱) اگر دین اور دُنیا دونوں کے کام ایک وقت میں جمع ہو جائیں، تو پہلے دین کا کام کرو۔ اس کی برکت سے دُنیا کے کام خود بخود ہو جائیں گے۔

(۶۲) جان جائے پر نماز نہ جائے۔

(۶۳) مسجد کی زمین پر اگر خدانخواستہ عمارت باقی نہ رہے، تب بھی وہ زمین قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے۔ اسے ہر گز کسی اور مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہاں کوئی اور عمارت تعمیر نہیں کی جا سکتی۔

(۶۴) پیر کے لئے، رہبر کے لئے، بلکہ ہر انسان کے لئے علم کا بقدر ضرورت سیکھنا فرض ہے۔

(۶۵) کسی مسافر کو کھانا کھلانا بادشاہوں کا کام ہے۔ (پھر ارشاد فرمایا) نہیں! بلکہ شہنشاہوں کا کام ہے۔

/☆/☆/☆/☆/

مکتوبات شریف

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طویل عمر مبارک میں ہزاروں چھوڑ لاکھوں مکتوبات سُپرد قلم کئے تھے۔ ابتداء میں بیشتر خط قلم مبارک سے خود تحریر فرماتے تھے۔ کام زیادہ ہوتا تو کسی یار کو حکم دیتے اور وہ آپ کے املا کے مطابق لکھ دیا کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمیشہ بعد کو سنانے کا حکم دیتے اور ضروری اصلاح فرماتے۔ عمر مبارک کے آخر میں عموماً دوسروں سے خطوط لکھوائے ہیں۔ اور کمتر خود تحریر فرمائے ہیں۔ یارانِ طریقت کے پاس حضور کے نامہ ہائے مبارک بطور تبرّک بکثرت اب بھی محفوظ ہیں۔

حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط میں علاوہ خیر خیریت کے اور بہت سی کام کی باتیں ہوا کرتی تھیں ۔ سفر کے حالات ، عام مفید معلومات ، علمی مسائل ، امر بالمعروف ، نہی عن المنکر ، دینی ، اخلاقی اور تصوّف کی باتیں ۔ اگر ان کو شائع کر دیا جائے تو یارانِ طریقت اور عامۃ المسلمین سب کے لئے یکساں فیض اور برکت کا سامان فراہم کریں گے ۔ اس کتاب میں ہر موضوع باختصار بیان ہوا ہے ۔ اس لئے مکتوبات عالی میں سے بھی صرف چند خطوط افادہ وافاضہ کے واسطے درج کئے جاتے ہیں ۔ البتہ اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مکتوبات کے مندرجات میں زیادہ سے زیادہ تنوع ہو تا کہ ہر رنگ کے مطالب پیشِ نظر ہو جائیں ۔

ان خطوط سے حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوبِ تحریر بھی سامنے آجائے گا ۔ آپ کو اشعار لاتعداد یاد تھے ۔ اور انہیں موقع اور موضوع کے لحاظ سے ایسے برمحل چسپاں فرماتے تھے کہ آپ کے بلند ادبی ذوق اور علمی گہرائی کا نقش جم جاتا تھا ۔ روز مرّہ گفتگو اور خطبات ومواعظ میں بھی حضور قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب یہی تھا ۔ اور مکتوبات میں بھی بہ کثرت اشعار تحریر فرماتے تھے ۔ ان چند خطوط کے مطالعہ سے بھی آپ کے اسلوبِ نگارش اور بلند ادبی ذوق کا اندازہ کرنا ممکن ہوگا ۔

"دکن میں تبلیغ وارشاد" کے عنوان کی تفصیلات میں ایک مکتوب گرامی بابو غلام حسین صاحب مرحوم (کوہاٹ) کے نام درج کیا جا چکا ہے ۔ جس سے قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی سفر اور دَوروں کا حال روشن ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح ایک خط حضرت قائد اعظمؒ کے نام "تحریک پاکستان" کے باب میں نقل ہوا ہے جو اپنی تفسیر آپ ہے ۔

مکتوب نمبر ۱

(بنام حافظ انور علی صاحب رہتکی نقشبندیؒ سیشن جج رہتک)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم حضرت حافظ صاحب زاد محبتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ ، فقیر بخیریت ہے اور آپ کی خیر وعافیت کے واسطے دعا کرتا ہے ۔ حال یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی اور فقیر کی دلی مراد پوری کی یعنی مولوی

(محمد حسین قصوری) صاحب کو آپ کے پاس ایک کلرک آف کورٹ کی صورت میں بھیج دیا۔ اب آپ بھی ان سے کام لینے میں کوئی کوتاہی نہ فرمائیں اور دین کے کاموں میں ان سے مدد لیں۔ اسی شراب کہن سے اہل دل کے دلوں کو ایک دفعہ اور بھی مست کر کے دکھلا دیں۔

فقیر حیران ہے کہ ایام ملازمت میں تو چشمۂ فیض اس طغیانی پر ہو کہ ایک موج ابھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی کہ دوسری تیار۔ کسی میں قانون عشق کے بیش بہا موتی نظر آ رہے ہیں، کسی میں سلوک اپنا رنگ دکھا رہا ہے مگر اب جو فرصت ہوئی تو ہماری اُمیدوار آنکھیں اب تک راہ تکتی رہیں، مگر کتاب ضخیم تو در کنار ایک ورق بھی تازہ مضامین کا ہم تک نہ پہنچا۔ مانع بخیر باد۔

حضرت من! اگر چہ فقیر کا کچھ کہنا لقمان کو حکمت سکھانا ہے مگر دل آپ جیسے بلبلِ گلشنِ توحید کی خاموشی کا بُردبار نہیں ہو سکتا۔ ناچار دل کی بیقراری زبان پر آ ہی جاتی ہے اس واسطے فقیر چند کلمات لکھے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ یہ ہیں۔ سن لیجئے کہ دنیا گذشتنی ہے اور اس کے اعمال باقی ہیں۔ ان پر جو ثمرات مرتب ہوں گے وہ ابدالاباد تک قائم رہیں گے۔ عجب حال ہے کہ ایک جو ہر حادث کے اوپر جو اعراض قائم ہوں وہ قدیم تو نہ ہوں مگر پائیداری میں ابد کے پرلے کنارے سے ملے ہوئے ہوں۔ اسی مسئلے پر غور فرما کر آپ بھی کمر باندھیں اور اپنے نافع ترین دست و زبان کو بیکار نہ رکھیں۔ آپ کا لکھا ہزاروں دلوں پر سے نقش گناہ مٹا دینے کو کافی ہے۔ آپ کے قلم کی روانی حشر کے میدان میں مجاہدین کی تیغ کی روانی کے ساتھ ساتھ قدم مارے گی۔

علم تصوف پر ماہوار رسالہ جاری ہوتے ہوتے یہ دن آئے۔ مولوی (محمد حسین قصوری) صاحب بھی خدا خدا کر کے وہاں مقرر ہوئے۔ مگر اب تک فقیر کی وہ مراد بَر نہ آئی۔ اب دوبارہ بطور یاد دہانی کے تحریر روانہ کی جاتی ہے کہ آپ وہ رسالہ جاری فرماویں یا اس کے مضامین فقیر کے پاس روانہ کر دیں۔ فقیر چھپوانے وغیرہ کا بندوبست کرے گا یا رہتک ہی میں جاری کر دیں، ہر کار خیر ہے۔ آپ بھی فرصت کو غنیمت جانیں اور جس قدر ہو سکے کوشش کریں۔ دنیا چند روزہ ہے، مخلوق خدا کو ہدایت ہو جائے گی۔ آپ خالق کی رضا کے

حقدار ٹھہریں گے۔ ''لکچر صوفی ازم فلاسفی'' کا پانچواں حصہ بھی تیار ہو جاوے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا اور ''ثبوت تصوف''، ''جواز تصور شیخ''، ''حقوق شیخ'' و ''آداب مریدین'' پر بحث کر کے ان مسائل کو عام فہم بنانا از حد ضروری امر ہے۔

الراقم جماعت علی عفی عنہ،

۱۷/ جولائی ۱۹۰۳ء

مکتوب نمبر ۲

(بنام جناب حاجی حافظ انور علی صاحب رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم جناب حافظ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ طالب خیریت بخیریت۔

قبل ازیں ایک نیاز نامہ خدمتِ جناب میں بھیجا گیا تھا، تاحال اس کا جواب موصول نہیں ہوا۔ مانعش بخیر۔ دوبارہ مکلّف ہو کر امیدوار ہوں کہ جناب بہت جلد جواب سے سرفراز فرماویں۔ تاکہ اطمینان ہو۔ اپنی صحت چگونگی مزاج مبارک کی بابت ضرور اطلاع بخشیں تاکہ باعثِ تسکینِ خاطر ہو۔

جناب نے جیسا ارشاد فرمایا تھا ''ماہنامہ احسان'' (قصبہ کڑا ضلع الہ آباد، بھارت) میں مضمون درج نہ ہوگا بلکہ اپنا رسالہ حسب منشائے جناب اسی ماہ میں نکالا جائے گا۔ نام اس کا ''انوار الصوفیہ'' قرار پایا ہے۔ سر دست ''جلسہء خدام الصوفیہ'' کر کے چند ایک مقاصد اور اغراضِ رسالہ مرتب کیئے گئے ہیں، جو بعد میں جناب کے ملاحظہ کیواسطے ارسال کیئے جائیں گے۔ اور مفصّلہ ذیل یاروں نے وعدہ کیا ہے کہ ایک ایک ماہ کا رسالہ اپنے اپنے خرچ پر چھپوا کر مشتہر کریں گے۔ (۱) فقیر (۲) میر حبیب اللہ صاحب آنریری مجسٹریٹ امرتسر (۳) شیخ حسین بخش صاحب سوداگر سیالکوٹ (۴) ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب اسسٹنٹ سرجن جہلم (۵) حسن الدین (۶) خان صاحب غلام نبی بی اے (۷) میر عبدالعزیز صاحب امرتسر (۸) میاں غلام محی الدین سوداگر امرتسر) (۹)

بڈھے شاہ صاحب سوداگر (۱۰) میاں محمد الدین صاحب ٹھیکیدار (۱۱) بابو محمد امین کلرک، کوہاٹ (۱۲) مولوی خورشید احمد بی اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر، ڈیرہ غازی خاں۔

غرضیکہ اور بہت سے اصحاب بھی آمادہ ہیں جو رسالہ اپنے خرچ سے مشتہر کریں گے۔ مولوی محمد حسین (قصوری) صاحب کو بھی فرمادیں کہ وہ بھی خوشی سے ان لوگوں میں شامل ہوں جو اپنے خرچ سے ایک ماہ کا رسالہ چھپوانا اور مشتہر کرنا اپنا فخر جانتے ہیں۔

جو مضمون آپ نے پہلے اجلاس ''انجمن خدام الصوفیہ'' منعقدہ شاہی مسجد لاہور میں پڑھا تھا۔ وہ خوش نویس کو بغرض کاپی دے دیا گیا ہے۔ مگر ۳۲ یا ۴۰ صفحہ کے رسالہ کے واسطے جو رسالہ ''احسان'' کی تقطیع کے برابر ہوگا، آپ کا وہ مضمون کافی نہ ہوگا۔ اس واسطے مضمون ''صوفی و تصوف'' جو آپ نے لکھا ہے وہ بھی ارسال کردیں۔ جتنا تیار ہوا اتنا ہی ارسال فرمادیں۔ باقی حصہ دوسرے نمبر میں درج کیا جائے گا۔ فقیر نے مضمون لکھ کر تیار کیا ہوا ہے۔ مگر پہلے آپ کی نظر سے گزارنا ضروری ہے۔ جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی ادام اللہ فیوضہم کی خدمت میں مضمون لکھنے کیواسطے درخواست کی گئی ہے۔ اور مولوی محمد حسین (قصوری) صاحب کو بھی تاکید کریں کہ وہ مضمون لکھیں۔

مضمون وغیرہ مولوی محمد عظیم صاحب (فیروز پوری) مدرس اسلامیہ ہائی سکول (بھاٹی گیٹ) لاہور کے پاس بروقت پہنچ جایا کریں۔ بالفعل یہ قرار پایا ہے۔ کہ آپ کے ہر دو مضامین پہلے نکلیں۔ بعدہٗ مولانا محمد عبداللہ صاحب ٹونکی اور مولوی محمد حسین قصوری صاحب کا مضمون نکلے گا۔

پہلے رسالہ کا ٹائیٹل پیج، تمہید اور دیباچہ وغیرہ کا نمونہ لکھ کر بھیج دیں۔ تاکہ وہی عبارت اور عنوان رسالہ کے ٹائیٹل پیج میں درج ہو۔

فقیر کا ارادہ ہے کہ ہندوستان کے گدی نشین صوفیائے کرام اور تمام خواندہ یاروں کو رسالہ مفت ارسال کیا جائے۔ اس واسطے التماس ہے کہ آپ بھی اس بارے میں اپنی رائے دیگر اطلاع دیں کہ کتنی جلدیں رسالہ کی کافی ہوں گی۔ غرض مفصّل ہدایات سے اس بارے میں مشکور فرمائیں۔

اگر ضرورت ہو تو حافظ ظفر علی صاحب (پسروری خلیفہء امیر ملتؒ) کو آپ کی خدمت میں مضمون صاف لکھنے اور ہر طرح امداد دینے کے واسطے بھیج دیا جائے۔ کیونکہ جناب کے مضمون کو صاف کر کے لکھنے اور اس کے متعلق ہر طرح کا کام کاج کرنے کے واسطے ایک لائق منشی کی ضرورت ہوگی۔

اپنا لکھا ہوا مضمون اور مولوی محمد حسین قصوری کا تحریر کیا ہوا مضمون تو مولوی محمد عظیم صاحب مدرس اسلامیہ ہائی سکول (بھاٹی گیٹ) لاہور کے پتہ پر ارسال فرماویں۔ یہ بھی تحریر فرماویں کہ آپ کی خدمت میں کتنی جلدیں روانہ کی جاویں اور ہر طرح کی ہدایت متعلق رسالہ مفصل طور سے لکھ بھیجیں۔ فقط والسلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

حاجی صاحب، مولوی محمد حسین قصوری صاحب اور منشی نبی بخش صاحب اور صاحبزادگان کو السلام علیکم بصد اشتیاق۔

راقم: فقیر جماعت علی عفی عنہ

مورخہ ۴/ جون ۱۹۰۴ء

مکتوب نمبر ۳

(بنام حاجی حافظ انور علی صاحب رہتکی رحمۃ اللہ علیہ)

مجمع مکارم اخلاق و منبع فیوض و برکات جناب حافظ صاحب۔ ادام اللہ فیوضکم!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،۔ الحمد اللہ کہ جناب کا نوازش نامہ ملا۔ مگر مطالعہ سے ناسازیء طبیعت گرامی کا حال معلوم ہوا جو باعث رنج و ملال ہے۔ خداوند کریم آپ جیسے صاحب کمالات ظاہری و باطنی کا فیض جاری رکھے اور صحت جسمانی عطا فرما کر کافتہ الناس کو عموماً اور اصحاب طریقت کو خصوصاً آپ کے فیض لا متناہی سے مستفیض کرے۔ میری دعا ہے کہ آپ جیسے خضر صورت مبارک بزرگوار کا سایہ مدت مدید تک نیاز مندوں کے سر پر قائم رکھے تا کہ آپ کی زندہ مثال اور ملفوظات سے عقیدتمندوں کو دوبالا لطف حاصل ہو۔ آمین۔

ہندوستان خاص کے ساکنین تو پیشتر ہی سے آپ کے پاک اثر سے آگاہ ہیں۔

مگر اہل پنجاب بھی اپنی خوش نصیبی سے آپ کے شیریں مقال اور عالمانہ تحریر کے شیدا ہو رہے ہیں۔ خداوند کریم صحت عطا فرما کر آرزومند کی آرزو آپ کے ذریعے بر لائے۔ آمین۔

میرے خیال میں اگر آپ معجون فنجوش کا استعمال فرماویں تو مفید ہوگا۔ اگر یہ معجون مفید ہو اور وہاں سے دستیاب نہ ہو سکے تو میری طرف لکھیں۔ آپ کے پاس پہنچ جاوے گی۔ آپ کا خط مجھے کشمیر میں ملا، میں اگرچہ بظاہر آپ سے بہت دور ہوں مگر دل سے بہت قریب ہوں۔

دَر راہ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست　　　　می بنیمت عیاں و دعا می فرستمت

پہلا رسالہ چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ آپکی خدمت میں پہنچا ہوگا۔ اور ملاحظہ میں آیا ہوگا۔ بجائے ۴۰ صفحات کے ۳۲ صفحات پر ختم ہوا اور یہ بظاہر آپ کے ارشاد کی تعمیل ہے کہ مضمون مکمل ہر رسالہ میں نکلے، نامکمل نہ ہو۔ اور چونکہ یہ مضامین اتنے صفحات کے لیے کافی تھے، اس لیے اور کوئی مضمون جزوی طور پر اضافہ نہ کیا گیا۔

فقیر کا ارادہ ہے کہ اگلے رسالہ نمبر ۲ میں آپ کا کلّی مضمون ''قانون تصوف'' نکلے۔ اس لیے اطلاعاً گزارش ہے کہ اگر اس مضمون کا کوئی حصہ کسی پہلو سے باقی ہو تو پورا کر کے سیکرٹری خدام الصوفیہ کے پاس لاہور بھیج دیں تا کہ سارا مضمون مکمل طور پر اسی رسالہ میں شائع ہو اور لکھائی اور صحت، کاغذ اور تقطیع کے بارے میں جو نقص پہلے رسالہ میں پائے جاویں، ان کی نسبت سیکرٹری کو ہدایت کی جاوے کہ دور کرے۔ اور اگلے رسالہ نمبر ۲ میں ان کو دور کرنے کا خیال کرے۔

''ضرورتِ شیخ'' پر میں نے چند اوراق لکھے ہیں۔ وہ آپ کے مطالعہ میں آئے ہوں گے۔ مگر خیال ہے کہ اگر آپ قلم اٹھاویں تو ہر پہلو سے اسی مضمون پر قلم فرسائی کر کے جامع مضمون لکھیں تا کہ یہ مضمون بھی مکمل حیثیت سے ایک ہی رسالہ نمبر ۳ میں چھپ جاوے۔ کشمیر میں ان قلمی نایاب کتب کا ذخیرہ جمع کرنے کا مجھے خیال ہے، جو لائبریری مجوزہ کے واسطے مفید ہے۔ کتاب ''لوائح جامی'' ہر دو حصص ایک ساتھ میرے خیال میں چھپنے چاہیں۔ ''ملفوظات حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ'' کا ترجمہ کر کے چھپوانا ضروری ہے۔ اگر

فرصت ملے تو ترجمہ کا اہتمام میں خود کروں گا۔

پنجاب میں شدّتِ گرمی سے اختلاج قلب کا عارضہ تکلیف دیتا تھا۔ اس لیے کشمیر کی سرد آب وہوا میں آنا ضروری ہوا۔ مگر یہاں آ کر دوبارہ تکلیف ہوگئی۔ اب آرام ہے۔

اس ترجمہ کو کتاب کی صورت چھپوایا جاوے یا اس ترجمہ کو ایک کالم میں اور اصل کو دوسرے کالم میں ترتیب دے کر رسالہ کا ایک نمبر بنایا جاوے۔

اس غرض سے کہ سیکرٹری کے پاس مضامین کا ذخیرہ رہے، مناسب ہوگا کہ آپ کے تحریر شدہ مضامین اگلے نمبروں کے واسطے اس کے پاس پہنچ جاویں۔ اللہ تعالیٰ نے صحت بخشی ہو اور جسمانی توانائی عطا فرمادی ہو تو اطلاع بخشیں، تاکہ حافظ ظفر علی پسروری کو کتابت کے واسطے اور مسودہ مضامین کو صاف کرنے کی غرض سے رہتک بھیج دوں۔ مجھے آپ کی رنجوریٔ طبع کا از حد فکر ہے۔ اطلاع فرمادیں کہ اب مزاج کیسا ہے تاکہ اطمینان ہو۔

ساخت کشمیر کی جو چیز مطلوب ہو بروقت اطلاع پہنچنے پر آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں یا بروقت واپسی ہمراہ لا کر پیش کر سکتا ہوں۔ امید ہے ضرور کوئی نہ کوئی چیز یہاں کی آپ کو پسند ہوگی۔ اور ضرور مطلع فرمائیں گے۔ نیز دیگر کار لائقہ سے یاد فرماتے رہا کریں گے۔

مولوی محمد حسین قصوری صاحب کو بھی مضامین نویسی کے واسطے تاکید کریں۔ اگر اجازت بخشیں اور مرضی مبارکہ کے موافق ہو تو ''کلام المفید'' میں سے ''آداب الشیخ والمرید'' ترجمہ کر کے ایک رسالہ مرتب کیا جاوے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے مضمون ''قانون تصوف'' پر نظر ثانی کروں۔ میں تو آپ جیسے بزرگوار کے لکھے ہوئے مضمون کو بے عیب سمجھتا ہوں۔ اور ان پر کسی قسم کی جرأت کرنا داخل بے ادبی۔ ''ہر چہ خوباں کنند خوب آں آید''۔ جو آپ کے قلم سے نکلے گا اس میں کلام کرنا بے ادبی سمجھتا ہوں۔

الراقم: جماعت علی عفی اللہ عنہ
از سری نگر۔ مہاراج گنج
۱۰/ جولائی ۱۹۰۴ء

مکتوب نمبر ۴

(بنام جناب حاجی حافظ انور علی صاحب رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم جناب حافظ جی صاحب زاد محبتکم!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔ طالب خیریت بخیریت۔ آپ کا عنایت نامہ نہایت انتظار کے بعد شرف صدور فرما ہوا۔ الحمد للہ کہ اس شافیٔ مطلق نے آپ کی ذات منبع فیوض والبرکات کو صحت بخشی ہے۔ **الہم زدفزد**۔ ؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

آپ کی برکت سے اس ہفتہ میں جو قلمی نایاب کتابیں دستیاب ہوئیں ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔۔۔ از تصنیفات حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ پچیس رسالہ جات منجملہ ان کے یہ ہیں۔ رسالہ عقلیہ، رسالہ درویشیہ، رسالہ فقیریہ، رسالہ ہمدانیہ، رسالہ وجودیہ، رسالہ مشارب الاذواق، رسالہ سیر الطالبین، رسالہ قدوسیہ، رسالہ حل مشکل، رسالہ اعتقادیہ، رسالہ نوریہ، رسالہ صفریہ، رسالہ معرفت زہد، رسالہ شرح قصیدہ میمیہ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امیریہ، واردات امیریہ وغیرہم ہیں۔ اور مکتوبات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور سب سے زیادہ خوشی جن کتابوں کے حصول سے ہوئی ہے وہ "مقامات حضرت امیر کلال صاحب قدس اللہ سرہ العزیز" از تصنیفات حضرت خواجہ نقشبند صاحب مشکل کشا قدس اللہ سرہ العزیز و "مقامات نقشبندیہ" از تصنیف خواجہ عبید اللہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز۔ ان دونوں نایاب کتابوں کے حصول کی آپ کو بھی مبارک باد دیتا ہوں۔ الحمد للہ علی ذالک ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم بحمد للہ عجب ارزاں خریدم

میرے سفر کشمیر کا مقصد و علت غائی و ماحصل گویا یہ دونوں کتابیں ہیں۔ نیز ایک مردِ کامل صوفی مجذوب کی زیارت ہے۔ وہ صاحب فی الحقیقت فنافی اللہ ہیں۔

اور رسالہ حضرت روزبہان بقلیؒ و "غایت المکان" و "ذکر الصالحین" وغیرہ چالیس کتابیں دستیاب ہو جاویں گی۔

؎ للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

ایک ہفتہ تک فقیر کشمیر میں مقیم ہے۔ انشاءاللہ اس ہفتہ میں چند اور کتابیں تصوف کی دستیاب ہوجاویں گی۔ یہ سب آپ کی برکت وتوجہ کا نتیجہ ہے۔

اور آج مولوی خیر شاہ (امرتسری) صاحب کی طرف خط لکھوں گا۔ وہ اگر فارغ ہوئے تو حاضر خدمت ہوجاویں گے۔ مولوی محمد حسین (قصوری) صاحب بی اے کو بھی ترجمۂ رسالہ کے واسطے تاکید فرماویں۔ آج کل تعطیلات ہیں پھر ان کو فرصت نہ ہوگی۔

ان کتابوں کا دستیاب ہونا امداد غیبی ہے۔ لوگ خود بخود لاکر دے رہے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ''انجمن خدام الصوفیہ'' کے واسطے یہ فال مبارک ہے۔ اور انجمن موصوف کا بااخلاص ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ یہ انجمن تمام ہندوستان کی انجمنوں سے طالبان حق کے واسطے زیادہ مفید و مفیض ہوگی۔

رسالہ نمبر اول کی خوشنودی و اظہار مسرت کی نسبت ہر ایک جوانب و اطراف سے خطوط بکثرت آرہے ہیں اور سب یاران طریقت آپ کے مداح، ثناء خواں وشکر گزار ہورہے ہیں اور آپ کا مضمون پڑھ کر آپ کے حق میں دعائیں کررہے ہیں۔ چنانچہ آج رات کو کوہاٹ سے بابو محمد امین صاحب ملازم بارک ماسٹری کا اسی مضمون کا خط آیا ہے۔ جس میں آپ کے مضمون کی تعریف کے علاوہ آپ کی کمال درجہ کی شکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

اور اس جگہ سری نگر محلہ مہاراج گنج میں مولوی غلام رسول صاحب میر واعظ نے عصر گھڑی کی نسبت خواہش ظاہر کی ہے۔ آپ ان سے بذریعہ خط وکتابت فیصلہ کرلیویں۔ اور سرہند شریف کے واسطے بھی ضرور دو گھڑیاں سنگ مرمر کی تیار کرادیں۔ اور امرتسر کے واسطے بھی دو گھڑیاں سنگ مرمر کی تیار کرادیں۔ قیمت کا فقیر ذمہ دار ہے۔

اور رسالہ نمبر۲ کی تعداد اشاعت سات سو ۷۰۰ کی گئی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ ہزار تک پہنچ جائے گی۔ (رسالہ سے مراد ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' ہے) اور رسالہ ''الاحسان'' کا جاری رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ایڈیٹر لکھتا ہے کہ ستر خریداروں نے انکار کردیا ہے اور روز بروز انکار کرتے جاتے ہیں اور ویلیو پارسل واپس آرہے ہیں۔ فقیر نے دو سو سے زیادہ خریدار اس کو دئے ہیں بلکہ تین سو خریداروں کے نام ان کے پاس بھیج چکا ہوں مگر میری کوشش سے کیا

ہوسکتا ہے۔ جب ایڈیٹر خود ہی کچھ نہ کرے بلکہ صوفیہ کرام کے نام کو دھبہ لگا کر بدنام کرے، تو فقیر کیا کرے۔ اکثر یاران طریقت اس کی شکایت کے خطوط میرے پاس بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محض آپ کے فرمان کی تعمیل کر کے ہم اس رسالہ کو خرید رہے ہیں ورنہ وہ خریداری کے لائق نہیں۔ اور درحقیقت بات بھی سچ ہے۔ فقیر خود اس معاملہ میں حیران ہے۔

ع نہادم نخل خرما خار بردار! یا ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم!

مولوی محمد حسین (قصوری) صاحب و حاجی صاحب و صاحبزادگان کو السّلام علیکم کہیں۔ اور سب یاران و پرسان حال کو السلام علیکم۔

الراقم جماعت علی عفی اللہ عنہ

از سری نگر کشمیر۔ مکان خواجہ نورالدین صاحب بچہ۔

مہاراج گنج۔ ۱۱/ستمبر ۱۹۰۴ء

مکتوب نمبر ۵

(بنام جناب حافظ ظفر علی پسروریؒ خلیفہ مجاز۔ مدیر ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور)

(مطبوعہ رسالہ مذکور بابت شعبان ۱۳۲۳ھ۔ جلد ۲۔ نمبر ۲)

ے اب تو جاتے ہیں میکدے کو میرؔ پھر ملیں گے اگر خدا لائے!

مجمع مکارم اخلاق مخلصم حافظ جی صاحب زاد محبتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، طالب خیرت بخیریت۔

فقیر نو تاریخ ماہ شعبان المعظم (۱۳۲۳ھ) لاہور سے چل کر گیارہ تاریخ کو بمبئی پہنچا۔ اور تیرہ دن تک بمبئی میں قیام کر کے تین دن سے قرنطینہ میں وارد ہے جو بمبئی سے باہر چند میل کے فاصلے پر ایک جزیرہ میں پہاڑ کے اوپر واقع ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ پانچ دن بعد کل آگبوٹ پر سوار ہو کر چلے جاویں گے۔ آپ کی اور بعض یاران دور و دراز مثلاً ملک گلگت، کلکتہ، پشاور، کوہاٹ، کوئٹہ اور بیکانیر وغیرہم کی چلنے کے وقت ملاقات نہ ہونے کا افسوس باقی رہا۔

ے داغ حسرت وصل تک دل میں کھٹکتا جائے گا

اگر زندگی باقی رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات ہوجائے گی۔ ورنہ امید ہے کہ دعائے مغفرت سے فراموش نہ فرماویں گے۔

خط کے عنوان پر جو شعر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کا میکدہ اور حقیقی وطن مدینہ شریف ہے۔ جہاں سے ہمارے آباؤ اجداد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مسافرانہ طور پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ تو اب بقول "حب الوطن من الایمان" فقیر اپنے اصلی وطن کو جاتا ہے۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب عدم کے رہنے والے ہیں
ادھر بھی ہم تلاشِ جلوۂ احمد ﷺ میں آ نکلے

فقیر کی حالت اس مسافر کی ہے جو کسی دوسرے ملک میں جا کر ایک مدت تک لوگوں کے ساتھ مانوس ہو گیا ہو اور پھر وہ مسافر اپنے اصلی وطن کو چلنے لگے اور اس وقت لوگ اس کی جدائی میں اس کے روبرو گریہ وزاری کریں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ فقیر کی اس ناگاہ جدائی سے یاروں کو بہت صدمہ پہنچا ہے۔ مگر ان ہزار ہا دلوں کے مقابلہ میں صرف فقیر کے ایک دل کے صدمہ کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس مہجور یہ پر کیا گزرتی ہوگی۔

دل ہی تو ہے، نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں!

مگر کیا کیا جاوے، تقدیر سے تدبیر کو چارہ نہیں۔ فقیر کو اپنے یاروں کے ساتھ جس قدر محبت ہے اس کو میں جانتا ہوں یا میرا خدا۔ دنیا میں آ کر مجھ سے اور تو کوئی کارنمایاں نہیں ہوسکا۔ مگر اس کے فضل وکرم اور شفاعتِ حضرت رسول مقبول ﷺ کے بعد اگر کچھ میرے پاس ہے تو مخلوق خدا کی دینی خدمت۔ اور یاران طریقت کی محبت ہی ہے۔ جو امید ہے کہ ذریعہ نجات ہوگی۔ کیونکہ مجھ کو ان کے ساتھ محض خالصاً لوجہ اللہ محبت ہے۔ کسی اپنی ذاتی غرض پر مبنی نہیں اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی توقع ہے بلکہ خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے فقیر کے نزدیک مخلوق خدا کا عدم ووجود مساوی ہے۔ الحمدللہ علی ذالک

باقی رہی یاروں کی محبت وہ مجھ کو ضرور ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی بفرمان خداوند کریم قائم رہے گی۔ اور یہ محبت ایسی نہیں کہ دور چلے جانے سے اس میں فرق

آجائے بلکہ بظاہر جتنا دور ہوتا جاؤں گا، دل سے اتنا ہی نزدیک ہوتا جاؤں گا۔ بقاعدہ اقلیدس دیکھودائرہ

ا ب
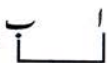
نقطہ الف نقطۂ با سے ایک حیثیت سے بہت دور ہے اور دوسری حیثیت سے بہت ہی نزدیک ہے۔ (شعر)

دررہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست   می بینمت عیاں ودعامی فرستمت

انشاءاللہ تعالیٰ فقیر اپنی منزل پر پہنچ کر بھی اپنے یاروں کو فراموش نہیں کریگا بلکہ ان کی سعادت دارین کے واسطے دعائے خیر کرتا رہے گا۔ جو خدمت فقیر کے سپرد کی گئی ہے اس کے ادا کرنے میں فقیر نے تو جان تک سے بھی فرق نہیں کیا۔ ؎ گرقبول افتدز ہے عزوشرف۔ آئیندہ اختیار بدست مختار۔ اور مجھ سے جہاں تک ہوسکا کسی یار کیساتھ حتیٰ الامکان سختی نہیں کی۔ اب یاران طریقت کا فرض ہے کہ ان کو جو کچھ فرمان ہے اس کی تعمیل میں سرموفرق نہ کریں اور ذکر، فکر، مراقبہ، سحرخیزی، اتباع شریعت میں کوشش کرتے رہا کریں۔ سالہائے گزشتہ کی طرح اس سال بھی ہر شہر میں شبینہ ضرور کریں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کی سب مشکلات دینی ودنیاوی آسان ہوجاویں گی۔ اور سب یاران وپرسان حال کوالسلام علیکم بصداشتیاق۔

ہرکہ باشدزحال ماپُرساں   یک بیک راسلام مابرساں

جو یار خط لکھنا چاہے وہ اس پتہ پر لکھے۔ مکہ شریف معرفت شیخ محمد حسین شیخ عبداللہ صاحبان مطوّف۔ مگر خط رجسٹری شدہ ہونا چاہیے۔ نیز اس پر اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں پتہ لکھنا چاہیے اور ٹکٹ دوآنے کا ہونا چاہیے۔

راقم جماعت علی عفی عنہ

ازقرنطینۂ بمبئی۔ ۲۵/شعبان ۱۳۲۳ھ

۲۵/اکتوبر ۱۹۰۵ء

مکتوب نمبر ۶

(بنام جناب حافظ ظفر علی پسروریؒ خلیفہ مجاز۔ مدیر ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم حافظ صاحب زاد محبتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، طالب خیرت بخیریت۔

فقیر جب سے آیا ہے آپ کا کوئی محبت نامہ نہیں پہنچا۔ جس سے حقیقتِ حال منکشف ہوتی۔ خدا تعالیٰ مانعش بخیر فرماوے۔ آمین ثم آمین۔ آپ بواپسی ڈاک تحریر فرمادیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ کل ۲۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کو ہم مدینہ شریف سلطانی راہ سے جائیں گے اور بشرط زندگی حج مبارک تک مکہ شریف آجاویں گے۔

اور فقیر کو خاص حرم شریف بعد نماز ظہر وعظ سنانے کی خدمت باسعادت مل گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کی پہلی خدمات بھی مقبول ہوں گی اور سعی مشکور ہوگئی ہے۔ اور یہاں پر عین خانہ کعبہ کے پاس اس دولت یا خدمت سے شرف یاب ہونیکی نعمت غیر مترقبہ نصیب ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

لِلّٰہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری

لِلّٰہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پرید

بفضل خدا یہاں کے فاضل اجل وعالم اکمل بارگاہ الٰہی، زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین مولانا واستاذنا مولوی عبدالحق صاحب (الٰہ آبادی) محدث وصوفی سے حدیث شریف صحاح ستہ وموطائے امام مالک، وموطائے امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی ونیز دلائل الخیرات و حزب الاعظم کی اجازت وسند فقیر مل گئی ہے۔

بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست۔ مکہ شریف کی سکونت ہفت اقلیم کی بادشاہی سے فی الواقع بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ فقیر کو بھی نصیب فرمائے۔ آمین یا مولیٰ الکریم!!

اس جگہ تمام دنیا کے میوہ جات موجود ہیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا

کا نتیجہ ان بے بہا میوہ جات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل اس جگہ انگور، انار، سیب، بہی، کیلا، مالٹا، سنگترہ، میٹھا، خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرا، لیموں، گلگل، کھجور، گنا، پونڈا وغیرہ اور ہر قسم کی سبزی میتھی، پالک، کدو، حلوہ کدو، خرفہ کا ساگ، لوبیا، بھنڈی توری، دوسری قسم کی توری، کریلے، بھٹے، ٹماٹر سرخ، سیم پھلی، سویا وغیرہ وغیرہ بکثرت موجود ہیں۔ ہر ایک چیز بکثرت مل سکتی ہے۔ اور سستی ملتی ہے۔ بلکہ اکثر چیزیں تو ہندوستان سے بھی سستی ہیں۔ کابلی بیدانہ انار جو لاہور میں چار آنہ کو ملتا ہے اس جگہ پیسے یا ڈیڑھ پیسے کو ملتا ہے۔ الغرض عجب رحمت وبرکت کا ظہور ہے۔

فقیر بفضل خدا ہندوستان چھوڑ کر مکہ شریف پہنچ گیا ہے۔ ہندوستان چھوٹ گیا۔ مگر یاروں کی محبت میرے دل سے نہیں چھوٹی۔ بقول حضرت استاذ نا ومولانا مولوی فیض الحسن صاحب (سہارن پوری) قدس اللہ سرہ العزیز۔

کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی پیاس جگر کی

فقیر نے اپنے یاروں کو فراموش نہیں کیا اور نہ دعا سے غافل ہے۔ آپ تسلی رکھیں اور سب یاران وپرسانِ حال کو السلام علیکم بصد اشتیاق۔ ہر ایک کا نام لکھنے کی گنجائش نہیں۔

؎ ہر کہ باشد ز حال ما پرساں یک بیک را سلام ما برساں

راقم جماعت علی عفی عنہ

مورخہ ۲۸/شوال ۱۳۲۳ھ بمطابق ۲۶/دسمبر ۱۹۰۵ء

مکتوب نمبر ۷

(بنام بابو محمد امین صاحب بارک ماسٹر کوہاٹ)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم بابو محمد امین صاحب زاد محبتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر بخیریت ہے اور آپ کی خیریت کے واسطے دعا کرتا ہے۔ جب سے آپ کوہاٹ گئے ہیں، آپ کا صرف ایک محبت نامہ آیا ہے۔ بعد ازاں آج تک

انتظار ہے، خداوند مانعش بخیر کرے۔ بابو صاحب یہ سکوت نہیں چاہیئے۔ضرور وقتاً فوقتاً اپنے حالات سے فقیر کو اطلاع دیتے رہا کریں کیونکہ یہ ظاہری یاددہانی توجہء غائبانہ کا سبب ہوتی ہے۔اور ذکر،فکر، مراقبہ، سحر خیزی اور اتباع شریعت میں ہرگز سستی نہ کریں۔ بلکہ جس قدر وقت آپ کا دفتر کے وقت سے بچے، اس کو خاص مراقبے کے واسطے وقف کردیں۔حتی الامکان اپنی ساری ہمت اور طاقت مراقبے ہی میں صرف کیا کریں اور اگر فقیر کی طرف سے جواب لکھنے میں دیر ہو جائے تو بھی آپ ہفتہ وار اپنا حال تحریر کرنے میں دیر نہ کیا کریں، تاکید ہے۔ اور جو اسباب جانماز وغیرہ وزیرآباد رہ گیا تھا وہ پہنچ گیا ہے۔ بابو عمر دین صاحب پسروری آپ کے پاس آگئے ہوں گے ان کی ملازمت یا ٹھیکے میں جس قدر کوشش ہو سکے، دریغ نہ کریں، بار بار تاکید ہے۔ان کی حالت قابل رحم ہے۔سب یاران و پرسان حال کو السلام علیکم۔ بابو عمر دین صاحب کو بھی السلام علیکم۔ذکر، فکر، مراقبہ کی تاکید ہے۔ پسرور میں سب طرح خیریت ہے۔ ظفر علی پسروری سے السلام علیکم ۔میاں امام دین صاحب ، محمد شفیع صاحب، مختار احمد صاحب کو السلام علیکم۔رمضان شریف کو غنیمت جان کر اس میں زاد آخرت مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ اور خدا نے چاہا تو اس سال ضرور فقیر آپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کریگا۔ تسلی رکھیں۔فقط۔

الراقم جماعت علی عفی عنہ

ازعلی پور سیّداں

۱۰/ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

مکتوب نمبر ۸

مجمع مکارم اخلاق مخلصم بابو محمد امین صاحب زاد محبتکم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، فقیر بفضل خداوند ذوالجلال بخیر و عافیت ہے۔اور آپ کی ترقیٔ دارین کے واسطے ہر دم دعا کرتا ہے۔فقیر آپ کے پاس سے روانہ ہو کر بخیر و عافیت تمام پہنچ گیا ہے۔آپ کا محبت نامہ آیا تھا مگر چونکہ فقیر سفر میں تھا، اس واسطے جواب میں توقف ہوا۔

آپ یادالٰہی اوراتباع شریعت میں ساعی رہیں۔ باقی ہم پیشہ یارلوگوں کی چھیڑ چھاڑ کی پروا ہرگز نہ کریں۔ اگر وہ آپ کو چھیڑتے ہیں تو واقعی برا کرتے ہیں۔ مگر انصاف شرط ہے کہ آپ صوفی ہوکر ایسی ایسی ناچیز باتوں پر انتقام کشی پر آمادہ ہیں۔ کیا اہل اللہ کے نزدیک انتقام کشی جائز ہے؟ اور پھر ایسی ایسی خفیف باتوں پر۔ صوفی کے دل کا وزن پہاڑ سے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ مخالف ہواؤں سے اس کو ہرگز جنبش نہ چاہیئے بلکہ دنیاداروں کی ہرزہ گوئیوں پر ہرگز خیال نہ کریں۔ اور خداوندِ کریم کی عنایات کا انتظار رکھیں۔ وہ کارساز اگر خوش ہے تو بیڑا پار ہے لیکن اگر خداوندِ عالم سے معاملہ درست نہ ہو اور مخلوق ساری خوش ہے تو کچھ بھی نہیں۔ آپ خیال خدا پر رکھیں اور ذکر، فکر، مراقبہ، سحر خیزی اور اتباع شریعت میں ساعی رہیں اور یارانِ طریقت کو ساتھ لیکر سب مل کر حلقہ کیا کریں۔ جملہ یاران و پرسان حال کو السلام علیکم و رحمتہ اللہ، وتاکید مراقبہ۔

فقط الراقم: جماعت علی عفی عنہ

از لاہور۔ ۲/ جون ۱۹۰۳ء

مکتوب نمبر ۹

(بنام محمد امین صاحب کوہاٹ)

من نمی گویم سمندر باش یا پروانہ باش

گر خیالِ سوختن داری بیا مردانہ باش

مجمع مکارم اخلاق مخلصم بابو محمد امین صاحب زاد محبتکم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ فقیر تادمِ تحریر ہذا بفضلِ خداوندی خیروعافیت سے ہے اور آپ کی خیریت و بہبودی دارین کے واسطے دعا کرتا ہے۔ آج ایک محبت نامہ آپ کا موصول ہوا۔ اس میں درج ہے کہ خط کئی بار لکھے جاچکے ہیں مگر فقیر نے جواب نہ دیا۔ مخلصِ من! فقیر کو یاد ہے کہ فقیر اکثر آپ کے محبت ناموں کے جواب باقاعدہ تحریر کرتا رہا ہے۔ شاید کسی ایک کے جواب میں بوجہ اس کے کہ فقیر سفر میں تھا، کوتاہی ہوگئی ہوگی۔ اور فقیر کی طرف سے جواب کا

لکھا نہ جانا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ فقیر نے آپ کو فراموش کر دیا ہے۔ یا خدانخواستہ فقیر آپ سے ناراض ہے۔ بلکہ جواب کا لکھا نہ جانا کبھی تو اس وجہ سے ہوتا ہے کہ فقیر سفر میں ہو یا کبھی اس وجہ سے کہ بوجہ کسی کام کے فرصت نہ ہو۔ ورنہ فراموشی کی وجہ سے تو فقیر نے ہرگز سکوت اختیار نہیں کیا۔ آپ تسلی رکھیں اور ذکر، فکر، مراقبہ، سحر خیزی اور اتباع شریعت میں ساعی رہا کریں۔ فقیر دعا سے غافل نہیں ہے اور دنیاوی ترقی کے واسطے اپنے دل کو پراگندہ نہ رکھیں۔ جس احسن الخالقین نے آپ کو احسن تقویم میں پیدا کیا اور جس نے آسمان میں آپ کے رزق کا ذخیرہ تیار کیا اور جس نے کرامت کا تاج آپ کے سر پر رکھ کر آپ کو اشرف المخلوقات کا خطاب عطا فرمایا اور ہر ایک شے آپ کی خاطر پیدا کی، وہ کیا آپ کو اس حالت میں رکھ سکتا ہے جو اس کے نزدیک آپ کے واسطے مناسب نہ ہو۔ آپ اس کے سابقہ انعام کا شکریہ ادا کئے جاویں اور آئندہ اس کی عنائیتوں کے امیدوار رہیں۔

آنکہ بادشمناں نظر دارد   دوستاں راکجا کند محروم

کے مضمون کو پیش نظر رکھیں اور دنیاوی فضول خیالات دور کرنے کا عمدہ ترین نسخہ کثرت استغفار ہے۔ اس کو آپ بھی معمول بنالیں اور اپنا حال تحریر کرتے رہا کریں۔

اصلی مقصود خلقتِ انسان کا ذکر الٰہی اور اظہار عبودیت ہے، جو آپ کا اور ہر ایک بشر کا فرض منصبی ہے۔ اس میں جس قدر کوتاہی ہو، اسی قدر بندہ کی نالائقی تصور ہوتی ہے، خواہ وہ بندہ کروڑوں روپے جمع کرلے یا سینکڑوں فرزندوں کا والد ہو جائے۔ اور اگر یاد الٰہی میں کمی نہ ہو تو پھر خواہ وہ ایک روپیہ بلکہ ایک پیسہ بھی پاس نہ رکھتا ہو اور زن و فرزندان سے بھی اس کو حصہ نہ ہو، پھر بھی وہ خدا کا تابعدار اور شکر گزار بندہ کہلانے کا حقدار ہے۔ حکم الٰہی لانسئالک رزقا ط (کچھ ہم تم سے روزی نہیں مانگتے۔ سورۃ طٰہ، پارہ ۱۶۔ آیت ۱۳۲) اس پر گواہ عادل ہے۔

آپ بھی اپنے قلب کو ایسے ایسے خطرات سے جو ناشکری پیدا کریں صاف رکھ کر اس احکم الحاکمین کی خدمت گزاری کئے جاویں اور موت وحشر کا خیال کریں۔ جس قدر نعمتیں زیادہ تحویل میں ہوں گی، اسی قدر حساب بھی زیادہ اور سخت ہوگا اور خدا کا حساب سخت ہے۔

فقیر آپ کی دین و دنیا کی ترقی کیلئے دست بدعا ہے۔ آپ بھی فقیر کو فراموش نہ کریں اور شب بیداری جس قدر ہو سکے اس میں سستی نہ کیا کریں۔ اسی سے دنیا و دین کے مقاصد حل ہو جائیں گے۔ حافظ ظفر علی پسروری کی طرف سے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ برکاتہ۔

فقیر، لاہور سے واپس آرہا تھا کہ وزیرآباد کے ریلوے اسٹیشن پر آپ کے بھائی قطب الدین صاحب سے ملاقات ہوئی تھی بخیریت وعافیت تھے۔ تسلی رکھیں۔ حسام الدین صاحب کا آپ کو کیا فکر ہے۔ وہ اپنے اللہ کو یاد رکھیں اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی رکھیں۔ خدا تعالیٰ ہی کارساز اور مُسبب الاسباب ہے۔ آپ بھی ایسے فضول خیالات سے بچیں۔ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ دل کو اس الجھن میں ڈالنا ضعف قلب کی دلیل ہے۔ ان جھگڑوں میں گرفتار رہنا گویا عمر کو ضائع کرنا ہے۔ آخر کار وہی ہوتا ہے جو اس قادر مطلق نے تجویز کر رکھا ہے۔ پھر اسیر غم رہنا کیا فائدہ۔ (شعر)

چرا خود را اسیر غم زفکر بیش و کم داری ۔۔۔ کہ نگزارد ترا محتاج ایزد تا کہ دم داری

امید ہے کہ آپ اس تحریر پر کاربند ہوں گے۔ اور یک رخہ ہوکر یادِ خدا کریں گے۔ سب یاران و پرسان حال کو السلام علیکم۔

الراقم: جماعت علی عفی عنہ

از علی پور سیّداں۔۲۹/شوال ۱۳۲۰ھ

مکتوب نمبر ۱۰

(بنام جناب پروفیسر الحاج مولانا عابد حسن صاحب فریدی۔ ایم اے، ایل ٹی، ایم آر اے ایس خلیفہ مجاز، پروفیسر وصدر شعبہ فارسی و اُردو، سینٹ جانسن کالج آگرہ)

یادم نمی کنی وزیادم نمی روی ۔۔۔ عمرت دراز باد فراموش گار من

مجمع مکارم اخلاق مخلصم فریدی صاحب زاد محبتکم۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ، طالب خیریت بخیریت۔ آپ نے فقیر کو بالکل فراموش کر دیا۔ آپ پر فقیر کو ہرگز ہرگز یہ توقع نہ تھی جو وقوع میں آئی۔ خدا تعالیٰ مالغش بخیر

کرے۔ آمین ثم آمین۔ آپ ہفتہ عشرہ کے بعد اپنے ظاہری و باطنی حالات سے مطلع فرماتے رہا کریں تو لطف سے بعید نہ ہوگا اور ذکر، فکر، مراقبہ، سحر خیزی، اتباعِ شریعت میں کوشش کرتے رہا کریں۔ اس کی برکت سے سب مشکلات دینی و دنیاوی آسان ہو جاویں گی۔ اور حکیم صاحب (حکیم سیّد قمر احمد جماعتی خلیفۂ مجاز) کو بعد السلام علیکم بصد اشتیاق مضمون واحد ہے۔ فقیر پانچ مہینے کے سفر کراچی، کوئٹہ، اور بلوچستان کے بعد آج علی پور سیّداں جا رہا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اب اسی جگہ رہوں گا۔ اور گھر میں اور بچوں کو دیدہ بوسی و دُعا۔ اور سب یاروں و پرسان حال کو السلام علیکم۔ اور حلقہ ہفتہ وار جاری رکھنے کی سخت تاکید ہے۔ اور حضرت عرب صاحب کی خدمت کو اپنی سعادتِ دارین کا ذریعہ سمجھیں۔ فقط

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ

از لاہور۔ ۳/ دسمبر ۱۹۲۸ء

مکتوب نمبر ۱۱

(بنام جناب الحاج بخشی مصطفےٰ علی خان صاحب (مہاجر مدنی و خلیفہ مجاز) میسور)

یادم نمی کنی و زیادم نمی روی
عمرت دراز باد فراموش گارِ من

یہ شعر حضرت آزاد صاحب (مولانا حکیم محمد علی آزاد میسوری ثم بنگلوری، ایڈیٹر اخبار ''صبحِ بہار'' اور باقی یاروں کو بھی سنا دیں۔

مجمع مکارم اخلاق مخلصم بخشی صاحب زاد محبتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی دو تاریں اور ایک محبت نامہ پہنچا۔ ایک تار کا جواب تو اسی وقت لکھ دیا تھا۔ اور دوسری کا آج لکھ دیا ہے اور آپ کے محبت نامہ کا جواب لکھنے میں اس واسطے تاخیر ہوئی کہ فقیر کی طبیعت اعتدال پر نہیں تھی۔ چنانچہ آج بھی ایک دوسرے صاحب سے لکھوا رہا ہوں۔ آپ جس دن سے تشریف لے گئے ہیں اس دن سے فقیر کی طبیعت پورے اعتدال پر نہیں آئی۔ اختلاج القلب کا دورہ مغرب کے بعد ہو جاتا ہے۔ ضعف بیحد

ہے۔ نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔ جماعت پیچھے کھڑے ہوتی ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ پیچھے ساری جماعت تو کھڑی ہوتی ہے اور میں بیٹھا ہوا ہوتا ہوں۔ اس وقت میرے دل کی جو حالت ہوتی ہے اس کو میں جانتا ہوں یا میرا خدا۔ جب سے عرس شریف گزرا ہے، تب سے فقیر مختلف امراض میں مبتلا رہا۔

اک نہ اک عارضہ رہا مجھ کو — گر تھمے دست تو بخار آیا

پچھلے ہفتے ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب سول سرجن، امرتسر سے میری عیادت کو آئے تھے، وہ اس بات پر زور دے رہے تھے کہ تم کسی ٹھنڈی جگہ پہاڑ پر یا کشمیر جلدی چلے جاؤ۔ حکیم آزاد صاحب والی دوائی دو دن کھائی تھی، اس نے سخت گرمی کی۔ اب اس انتظار میں ہوں کہ خدا بارش کرے اور ٹھنڈ ہو جائے، پھر اس کو شروع کرونگا۔ کیونکہ اس میں بہت سے اجزا گرم معلوم ہوتے ہیں۔

آپ بار بار یہ لکھ رہے ہیں کہ میسور بنگلور والے ہزار ہا کی تعداد میں انتظار میں ہیں۔ فقیر کا اس مسئلے میں یہ اعتقاد ہے کہ جتنی فقیر کو اپنے یاران طریقت سے محبت ہے، ان کو اگر فقیر کے ساتھ اس سے دسواں حصہ بھی ہوتی تو اب تک کئی اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے ہوتے۔ فقیر نے تو ساری عمر یاران طریقت کی خدمت میں گزار دی اور علاوہ ازیں دنیا میں کوئی اور کام کر ہی نہیں سکا۔ نیل گڑھی سے لیکر قندھار اور کابل تک اور دار جیلنگ سے لیکر کشمیر کے پرلے سرے تک اسی خدمت کے واسطے تمام عمر فقیر دورے کرتا رہا۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم** ، (اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما، بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔ پارہ ۱ سورہ بقرہ: ۱۲۷) اب وہ ساری قوتیں، سفر کی طاقت، سب سلب ہو چکی ہیں۔

پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند

ساری جسمانی قوتیں جواب دے چکی ہیں۔ ضعف بے حد بڑھ گیا ہے۔ فقیر سوچتا ہے کہ اگر سفر پر جاؤں اور وہاں جا کر فرض منصبی یعنی خدمت خلق نہ کر سکوں تو جانے کا کیا فائدہ۔ سفر حج پر جانے کے وقت سے لے کر عرس شریف تک میری تمام قوتیں قائم رہیں۔ اور جتنی رب نے توفیق دی، اس زمانے میں فقیر نے اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں کبھی کوتاہی

نہیں کی۔ آئندہ بھی یہی نیت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق دیں اور قوتیں بحال ہو جائیں تو باقی زندگی کے ایام میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس فرض منصبی کے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہ کروں گا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. (پارہ:۱، سورہ البقرہ:۱۲۷)

آپ ان سب سے یہ کہیں کہ وہ سب بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ خداوند کریم مجھے صحتِ کاملہ عطا فرماویں تو میں وہاں پہنچ کر ان کی خدمت کر سکوں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ "فوائد الفواد" میں فرماتے ہیں:۔

"اگر خدائے پرسد کہ نظام الدین چہ آوردی، امیر خسرو را گرفتہ پیش خواہم کرد کہ یک کس را از مخلوق تو بندہ ساختہ آوردہ ام"۔ یعنی قیامت کے دن خدا تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم کو دنیا میں بھیجا تھا، کیا کمائی کر کے لایا اور کیا عمل کئے۔ تو میں اپنے ایک خادم حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو پکڑ کر پیش کر دونگا کہ اے مولیٰ! اور تو کوئی عمل نہیں کر سکا۔ دنیا میں جا کر صرف عمل کیا ہے تو ایک یہ کیا ہے کہ تیری مخلوق میں ایک تیرا بندہ بنا کر لایا ہوں"۔ اگر ایک آدمی بندۂ خدا بن جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔ فقیر نے تو اپنا سرمایۂ حیات صرف ایک یہی مقصد عظمیٰ، یہی خدمت خلق خدا رکھا ہوا ہے۔

اب میں آپ کی توجہ ایک دوسری طرف منعطف کراتا ہوں۔ اسے غور سے پڑھیں، اوروں کو بھی اس مسئلے سے آگاہ کر دیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کنواں ایک جگہ قائم رہتا ہے، پانی پینے والے پیاسے دُور دُور سے وہاں آ کر پانی پیتے ہیں۔ کنواں دُور دُور گھر بہ گھر نہیں پھرتا۔ اس کے معنی ہیں کہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ آپ سب علی پور آئیں اور پانی پیئیں اور سیراب ہوں۔ میرا فرض نہیں کہ گھر بہ گھر تمام ملک میں جاؤں!۔ (حاشیہ صفحہ 53 پر)

چھیاسی برس کی عمر تو اس خدمت خلق میں گزار دی۔ اب بالکل رہ گیا ہوں اور معذور ہو گیا ہوں۔ مجبور ہو کر آپ کو یہ لکھ رہا ہوں ورنہ فقیر اپنے یاران طریقت کو نہ بھولا ہے اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ بھولے گا۔ اور نہ ان کی جدائی منظور ہے بقول شخصے ؎

جدائی تری کس کو منظور ہے   زمیں سخت ہے آسماں دور ہے

آپکے چلے جانے کے بعد حضور نظام (میر عثمان علی خاں والئی دکن) کا ایک تار

فقیر کی طلبی کی نسبت اور آموں کا ایک ٹوکرا آیا تھا۔ فقیر نے جواب میں لکھ دیا، بیمار ہوں پھر ان کا جواب آیا۔ ''آرام کرو، جب اللہ تعالیٰ صحت بخشیں تب آ جانا۔''

اور اس جگہ گرمی کی وہی حالت ہے جو آپ دیکھ گئے تھے اور عدن والے سیّد صاحب تا حال اسی جگہ مقیم ہیں اور آج کل سیالکوٹ جانے کے واسطے فقیر کو مجبور کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی فقیر ان کو ہمراہ لے کر سیالکوٹ جائے گا۔ اس سال جس ملک میں فقیر کا آب و دانہ ہے، تا حال کوئی مستقل فیصلہ نہیں ہوا۔ عدن والے سید صاحب کے بچے کے گلے کا وہی حال ہے۔ دوا کی گئی لیکن تا حال کوئی آفاقہ نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ اسکو شفا نصیب فرمائے۔ اور چاول جو آپ یہاں سے لے گئے تھے وہ خود استعمال کریں، حیدر آباد (دکن) نہ بھیجیں۔ ان کو یہاں سے اور بھیج دیں گے۔ جدہ شریف والے مصطفیٰ صاحب وکیل حجاج آپ کے پاس آویں تو فقیر کی طرف سے ان کے پاس بڑے افسوس سے ظاہر کریں کہ وہ جانے کے وقت مجھے مل کر نہیں گئے بلکہ چوری چلے گئے اور انکی جو خدمت میں کرنا چاہتا تھا وہ نہ کر سکا۔

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ہائے اس گل سے ملاقات نہ ہونے پائی

ان کو تاکید کریں کہ وہ بخلوصِ قلب بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ اس وقت تک خدا تعالیٰ فقیر کو زندہ رکھے اور اپنی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں حاضری نصیب فرمائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کی تلافیٔ مافات کر دوں گا۔

آپ میرے وہاں آنے پر بار بار زور دے رہے ہیں۔ میرے اپنے کئی یار طریقت فوت ہو چکے ہیں، جن کے مزار شریف پر حاضر ہونا میرا اپنا فرض تھا۔

؎ بہ جنازہ گر نیائی بر مزار خواہی آمد

کہ حاضر ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا۔ دعائے مغفرت تو اب بھی کر رہا ہوں۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائے۔ جن میں سے عزیزم حاجی علیم اللہ خان صاحب مرحوم، میاں حاجی محمد حسین صاحب مرحوم کافی پلانٹر اور مخلصم عباس خان صاحب کی زوجۂ محترمہ جو بڑی عابدہ

زاہدہ تھیں، جا کر ان کی فاتحہ خوانی کرنا بہت ضروری تھا۔ جس سے فقیر اپنے ضعف کی وجہ سے قاصر رہا۔ خدا تعالیٰ صحت اور توفیق بخشیں گے تو ضرور حاضر ہوں گا۔

آپ ذکر، فکر، مراقبہ، سحر خیزی اور اتباع شریعت میں کوشش کرتے رہا کریں۔ اس کی برکت سے سب امورات دینی و دنیاوی آسان ہو جائیں گے۔

مخلصم میاں محمد شریف صاحب کلاتھ مرچنٹ کا محبت نامہ کل پہنچا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کل جواب لکھ دوں گا۔ ان کو بعد از السلام علیکم بصد اشتیاق کہہ دیں۔ اور حضرت آزاد (بنگلوری) صاحب کو بعد از السلام علیکم بصد اشتیاق کہہ دیں کہ انہوں نے تو فقیر کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ فقیر کو وہ دن نصیب نہ کرے کہ فقیر ان کو فراموش کرے، مخلصم بخشی حیدر علی خاں صاحب کے بچے کی علالت کا خط آیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ اطلاع نہ دی اس کا کیا حال ہے۔ دن رات فکر دامن گیر ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو صحت بخشے! بخشی علیم اللہ خان صاحب مرحوم کے بچوں کی خبر گیری آپ کے اور بخشی حیدر علی خاں صاحب کے ذمے فرض ہے۔ گورنمنٹ میسور اگر ان کو کوئی پنشن نہ دے تو آپ کوشش کر کے ان کے بچوں کا وظیفہ ہی مقرر کروا دیں۔ جب تک وہ تعلیم پاتے ہیں۔ اور کوئی نیک بخت دیندار لڑکا مل جاوے تو ان کی بچیوں کی شادی بھی کرا دیں۔ کیونکہ ان کی وفات کے بعد ان کے بچوں کے متولی پہلے بخشی حیدر علی خاں صاحب اور پیچھے آپ ہیں۔

اپنے گھر میں سب کو السّلام علیکم بصد اشتیاق، برخوردار مقبول احمد کو دیدہ بوسی اور دعائے ترقی مدارج دارین۔ سب یاران و پرسان حال کو السلام علیکم۔

ہر کہ باشد ز حال ما پرساں

یک بیک را سلام ما برساں

سب یاران کو اکٹھا کر کے ہفتہ وار حلقہء ذکر کا بندوبست کریں اور جاری کریں اور یاران طریقت کی فہرست مرتب کر کے ان کی حاضری حلقۂ ذکر سے ہفتہ وار فقیر کو اطلاع دیا کریں تا کہ تسلی ہوا کرے۔ کیونکہ اس گمراہی کے زمانے میں طریقت کی خدمت انجام دینا افضل عبادت ہے۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

اندک پیش تو گفتم زغم دل ترسیدم

کہ دل آزدہ شوی ورنہ سخن بسیار است

الراقم خادم الملت والدین سید جماعت علی شاہ عفا اللہ عنہ بقلم خود

از علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ۔۱۴/ جولائی ۱۹۳۹ء۔۲۶/ جمادی الاوّل ۱۳۵۸ھ

جواب طلب جلد

﴿فـــائـدہ﴾ جیسا کہ خود حضور نے فرمایا یہ خط آپ نے املا کروایا تھا۔لیکن آخر کی دو سطریں (''الراقم'' سے لیکر ''جلد'' تک) دستِ خاص سے تحریر فرمائی تھیں۔

ا۔ حضرت مولانا حامد حسن صاحب قادری خلیفۂ مجاز رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ حاشیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''بخشی صاحب نے اس ارشاد گرامی کے جواب میں لکھا تھا کہ '' آنجناب اقدس کی مثال کنوئیں کی سی نہیں ہے بلکہ اس وسیع دریا کی ہے جو ہر طرف بہتا ہے۔اور جس کی نہریں ہر طرف رواں دواں ہیں۔اسلامی بلاد کے ہر حصہ کے لوگ اس دریا کو اپنی طرف بہتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔کہ اس سے مستفیض و مستفید ہوں۔غریب برادرانِ طریقت کا اور دُنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کا میسُور و بنگلور جیسے دو ہزار میل دُور دراز مقام سے خدمت اقدس میں حاضر ہونا دشوار ہے۔اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری ہو تو ہزاروں لاکھوں آسانی سے فیض یاب ہو سکتے ہیں''۔(قصوریؔ)

مکتوب نمبر ۱۲

(بنام جناب الحاج پروفیسر مولانا حامد حسن صاحب قادری خلیفہء مجاز)

(صدر شعبہ فارسی واُردو) سینٹ جانسن کالج آگرہ، بھارت)

مجمع مکارم اخلاق مخلصم قادری صاحب زاد اللہ بقائکم،

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،طالب خیریت بخیریت۔

آج آپ کا خیریت نامہ بنام مولوی عبد اللطیف پہنچ کر کاشف حالات وموجب اطمینان ہوا۔پہلے بھی آپ کے خطوط پہنچتے رہے ہیں مگر فرصت نہ ہونے کی وجہ سے جواب

میں توقف ہوتا رہا۔

پناہ گیر سوالیوں کا صبح سے شام تک تانتا لگا رہتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے شمار کیا تو ایکدن میں ایک سو ایک کی تعداد تھی۔ ہر ایک کی سننا، دلاسا دینا، مدد کرنا، وغیرہ ہم میں ہی تمام دن صرف ہو جاتا ہے۔ مولوی (مولوی عبداللطیف خانؒ) کے خط میں بھی تھوڑا بہت لکھا دیتا رہا ہوں۔

اس بات سے بڑی خوشی و خورسندی ہے کہ آپ لوگوں نے ملازمت کو نہ چھوڑا اور وہاں مقیم رہنے کا ارادہ کئے رکھا۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور ہر طرح سے مامون و محفوظ، بخیر و عافیّت و صحت رکھے۔ آمین، ثم آمین۔

قبلہ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''لینا دینا تو اسی سے ہے مگر حیلہ کرنا پڑتا ہے''۔ حالؔی ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ

نیز فرمایا کرتے تھے کہ ''ملتے ہوئے کو چھوڑنا کفرانِ نعمت ہے''۔ ؎

چیزے کہ بے سوال رسد دادۂ خداست
آں را تو رد مکن کہ فرستادۂ خداست

شعر مذکور ایک حدیث شریف کا فارسی میں ترجمہ ہے۔

الحمد اللہ عرس شریف بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ سال گزشتہ کی نسبت بہت زیادہ رونق تھی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت لا متناعی تھی۔ مجمع بڑا کثیر تھا۔ باوجودیکہ دکن، آگرہ، احمد آباد، مراد آباد، بیکانیر، بریلی، وغیرہ (حصہ ہندوستان) سے کوئی بھی شریک نہ ہو سکا۔

مولوی (مجاہد ملّت مولانا) عبدالستار خاں نیازی سابق ایم ایل اے مغربی پنجاب اور پیر صاحب مانکی شریف بھی تشریف لائے تھے۔ اور تقریریں بھی کی تھیں۔ الحمد و اللہ علی ذالک۔

عزیز زاہد حسن صاحب (پروفیسر زاہد حسن فریدی صاحب) ابھی تک یہاں نہیں پہنچے، آنے والے ہی ہوں گے۔ میں ابھی تو یہاں ہوں۔ البتہ انشاءاللہ ۱۴/ شعبان کے

عرس شریف کے بعد کوئٹہ جانے کا ارادہ ہے۔ تاریخ روانگی کا تعین اس کے بعد ہی ہوگا۔

اگر آپ اپنی، متعلقین اور یاروں کی صحت و عافیت سے مطلع کرتے رہا کریں تو لطف سے بعید نہ ہوگا۔ جمیع پرسانِ حال اور سب یاروں کو السلام علیکم۔ اندرونِ خانہ سب کو دُعا۔ برخورداروں کو دُعا اور دیدہ بوسی۔ فقط والسلام والدُعا۔

الراقم سیّد جماعت علی شاہ عفا اللہ عنہ

از علی پور سیّداں۔ ۳۰/ مئی ۱۹۴۸ء

﴿فائدہ﴾ ۔ حضرت مولانا قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ مکتوب شریف مولوی عبداللطیف خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ دستخط خود حضرت والا رضی اللہ عنہ نے اپنے دستِ مبارک سے فرمائے ہیں"۔

نوٹ:۔ مزید مکتوبات شریف سے مستفید و مستفیض ہونے کے لئے "مکاتیبِ امیرِ ملّت" مرتبہ محمد صادق قصوری، مندرجہ ذیل پتہ پر پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں۔ مرکزی مجلس امیر ملّتؒ، بُرج کلاں ضلع قصور۔ 55051

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز نے اپنی طویل تبلیغی اور ملّی خدمات کے دوران بلا مبالغہ سینکڑوں جلسوں کی صدارت فرمائی اور خطبے پڑھے۔ نیز ہزاروں تقریریں کیں اور مواعظ حسنہ سے سامعین کو فیض یاب فرمایا۔ اگر سب کو جمع کرنا ممکن ہو تو ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں ترتیب پائے۔ چند خطبات یا ان کے بعض اقتباسات دوسرے مقامات پر نقل کئے گئے ہیں۔ یہاں کچھ خطبات مکمل درج کئے جاتے ہیں تا کہ حضور کے اسلوب بیان اور طریق موعظت کا نمونہ سامنے آجائے۔

خطبۂ صدارت مؤتمر جمعیۃ العلماء ہند بدایوں:۔

۱۹/ اکتوبر ۱۹۳۵ء مطابق ۱۳۵۴ھ میں جمعیۃ العلماء ہند (آل انڈیا سُنّی کانفرنس) کا سالانہ اجلاس بدایوں (یوپی) میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آپ نے درج ذیل خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆ الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان ☆ وانعم علینا بانواع النعم ولطائف الاحسان ☆ وفضلنا علی سائر خلقہ بتعلیم القرآن ☆ والصلوٰۃ والسلام علی النبیی الرحمان ، سیدنا وغوثنا وغیاثنا وکریمنا ورحیمنا ومولٰنا محمد نِ المبعوث بخیر الملل والادیان ☆ وعلی آلہ واصحابہ بدور الایمان ☆ والائمۃ المجتہدین والاولیآء الکاملین نجوم الایقان والعرفان ☆ وتابعیھم الی یوم الدین بالاحسان ☆

اما بعد ☆ ایھا العلماء الکرام والحضار العظام!

(ترجمہ) تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے اِنسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کی تعلیم فرمائی اور ہم پر نعمتوں کی اقسام اور احسان کے لطائف کا انعام فرمایا۔ اور ہمیں تمام مخلوقات پر تعلیم قرآن کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی اور درُود وسلام، اللہ کے نبی ﷺ پر ہو جو ہمارے سردار

اور مدد کرنے والے اور ہمارے کریم اور ہم پر رحم فرمانے والے اور ہمارے آقا محمد ﷺ جو کہ بہتر مذہب اور دِینوں کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے اور آپ کی آل ﷺ پر دُرود و سلام اور اصحابؓ پر جو کہ ایمان کے چاند ہیں اور اجتہاد کرنے والے اماموں پر اور اولیاء کاملین پر جو کہ یقین اور عرفان کے روشن ستارے ہیں۔ اور ان پر جو احسان کے ساتھ ان کے تابعدار ہوئے ہیں قیامت کے دن تک۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے اے علمائے کرام اور حاضرین عظام☆ السلام علیکم! فقیر رب العزت کی حمد بجالاتا ہے کہ اس نے مجھے یہ توفیق ارزانی فرمائی کہ میں امتِ محمدیہ ﷺ علیٰ صاحبہا الف الف سلام والتحیۃ کی مقدور بھر خدمت کر کے اپنی عاقبت سنواروں۔ کروڑوں دَرود اس پیکر جود اور اس نور مسعود پر جس کا اسوۂ حسنہ ہمیں ہدایت کرتا ہے کہ ہم کسی حال میں بھی مفاد ملّت کو فراموش نہ کریں۔

محترم بھائیو! یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے ایک بوریا نشین و حجرہ گزین کو اپنی محفل میں ایک ممتاز جگہ مرحمت فرمائی ہے۔ آپ علماء ہیں۔ آپ کی راہ میں فرشتے پر بچھاتے ہیں۔ آپ دُعا فرمائیں کہ اللہ آپ کی آبرو رکھ لے۔ آپ نے ایک مسکین صوفی کو اپنی بارگاہِ علم میں صدارت کی مسند پر بٹھا کر بہت بڑی ذمہ داری اپنے اُوپر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے انتخاب کو کامیاب ثابت کرنے کی توفیق دے۔ **وھو المستعان و علیه التکلان** (ترجمہ) (اور اسی سے امداد کا مطالبہ ہے اور اسی پر توکل ہے)۔

عزیزو! اِس وقت جب کہ میں نے مسجد شہید گنج لاہور کی واگذاری کے لئے اپنی ناچیز خدمات قوم کے سامنے پیش کی ہیں، میرے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ میں بدایوں پہنچ کر کچھ عرض کرتا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یاران طریقت نے مجھے اجمیر شریف بلایا۔ ارباب شریعت نے مجھے بدایوں حاضر ہونے کو کہا۔ خدا کرے کہ جیسے طریقت و شریعت میں بہ نگاہ حقیقت قطعاً کوئی فرق نہیں، ایسے ہی صوفیوں اور مولویوں میں بھی خالص اتحاد ہو جائے اور دونوں اپنے اختلافات و مناقشاتِ فروعی سے بے نیاز و بالاتر ہو کر متحدہ مقاصد کے حصول کے لئے یک قالب و یک جان ہو جائیں۔

اجمیر شریف میں حاضری اس لئے بھی مفید تھی کہ وہاں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

کا مزار پُر انوار ہے۔ اس خاک پاک کا ایک ایک ذرّہ یہ سبق دیتا ہے کہ مصلّے پر بیٹھنے والے کا مدعا بھی وہی تھا جو غازی شہاب الدین غوری صاحبِ سیف کا تھا۔ کاش! یہ سیاسی لیڈر شہاب الدین بن جائیں۔ صوفی خواجہ غریب نوازؒ کا رنگ اختیار کریں اور لیڈر، عالم، صوفی تنیوں مل کر اس کُفر میں توحید کا علم بلند کریں۔ اپنا عزم تو یہی ہے کہ اپنی عمر کے چند باقی ماندہ لمحات اس کارِ خیر کے لئے وقف کردوں۔

ہم تیری راہ میں مٹ جائیں گے سوچا ہے یہی
دردمندانِ محبت کا تقاضا ہے یہی

علمائے کرام! اسلام میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ لیکن ہر منصب کی چند ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ جو عالم اپنے فرض سے غافل ہے، وہ اپنے تلامذہ کے نزدیک تو عالم ہوسکتا ہے۔ مگر ملائکہ کی فہرست سے اس کا نام کاٹ دیا جاتا ہے۔ سُنیئے ربّ العزت فرماتا ہے۔ **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون** ۔(سورہ زمر:۱۹)(ترجمہ) آپ فرمایئے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو صاحب علم ہیں اور جو علم والے نہیں)۔ کس قدر موکدّ پیرایہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ عالم اور غیر عالم برابر ہیں۔ عالم کا درجہ بہت بلند ہے۔ عالم پر قوم کے مصائب آشکار ہوتے ہیں۔ لہذا اس کا فرض ہوتا ہے کہ قوم کی مشکلات کا خاتمہ کرنے میں غیر عالم سے بڑھ کر قربانی وایثار اور فکر وتدبّر سے کام لے۔ اگر وہ اس فرض سے غافل رہتا ہے تو اس کا جبّہ وعمّامہ اسی کے لئے روز قیامت پھانسی کا رسّہ ثابت ہوگا۔

عالم کا وصف عنداللہ یہ ہے۔ **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** ط(سورہ فاطر:۲۸)(ترجمہ) اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہ ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں)۔ یہ آیت مبارکہ واضح الفاظ میں بیان کررہی ہے کہ عالم صرف خدا سے ڈرتا ہے۔ خشیت الٰہی اس کا حُسن ہے۔ غیر اللہ سے ڈرنا شریعت وطریقت میں کفر وزندقہ سے بدتر ہے۔ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کہ رمزِ مصطفیٰؐ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

اگر عالم انگریز کے رعب وجلال سے ڈر کر، اس کے سامان حرب وضرب سے گھبرا کر، حق کی حمایت نہیں کرتا تو اس کا وجود علم اور انسانیت کے لئے ننگ ہے۔ اگر عالم کسی سچائی کو اس لئے بیان نہیں کرسکتا کہ ایسا کرنے سے سکھ ناراض ہو جائیں گے، یا ہندوؤں میں اس کا وقار کم ہو جائے گا۔ یا اس کے مقتدی روٹھ جائیں گے، تو اسے کہہ دو کہ وہ اپنے نفس کو دھوکا نہ دے۔ وہ عالم نہیں جاہل ہے۔ اسے کہو کہ اپنے ایمان کی تجدید کر۔

کیا علماء کو معلوم نہیں کہ لاہور میں مسجد گرادی گئی ہے؟ کیا مسجد پر کسی غیر مسلم کا قبضہ جائز ہے؟ یاد رکھو! اگر تم نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر ایک مسجد کے انہدام کو معمولی حادثہ خیال کیا تو ہمیں اپنی ان مساجد کی فکر کر لینی چاہئے جن کے منبروں پر بیٹھ کر تم مسائل بیان کرتے ہو۔ وقت ہے کہ ایک ایسا اعلان شائع کیا جائے جس پر ہر عالم کے دستخط ہوں۔ کہ کسی مسجد پر غیر مسلم کا تصرّف از روئے اسلام جائز نہیں۔ جمعیت العلماء اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے جو عالم اس پر دستخط نہ کرے، اعلان کر دو کہ اس کی اقتدا میں نماز درست نہیں۔ مقتدیوں اور متولّیوں کو سمجھایا جائے کہ ایسے ننگِ اسلام عالم کو مسجد کی امامت وخطابت سے محروم کر دیں۔

جہاں کہیں بھی کوئی مسجد ہے، وہ شاخ یا کونپل ہے۔ اس بیت اللہ کی کہ **اصلها ثابت وفرعها فی السماء** (پارہ:۱۳۔ سورہ ابراہیم:۲۴) (ترجمہ) جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں) کی مصداق ہے۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیلؑ ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل سے مشیّت نے تھا جس کو تاکا کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدا کا

بیت اللہ عرب میں ہے۔ عرب کی نسبت حضور سرورِ کائنات علیہ الف الف سلام وتحیات کا ارشاد فیض نہاد یہ ہے کہ **اخرجوا الیهود والنصاریٰ من جزیرة العرب** ۔یعنی ”جزیرۂ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دو“۔

اے عالمانِ دین! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سلطان نجد ابنِ سعود نے ایک انگریزی کمپنی کو عرب کی زمین میں معدنیات اور تیل کے چشمے معلوم کرنے کے لئے ٹھیکہ دیا ہے؟

دین کی حمایت کرنے والو! عرب سے کچھ فاصلے پر حبشہ کا مُلک ہے، وہاں حکومت اطالیہ کیوں ظلم ڈھا رہی ہے؟ اس لئے کہ وہاں تیل ہے اور اٹلی کو اپنی بلند پروازیوں یا اپنے ہوائی جہازوں کے لئے تیل درکار ہے۔ کیا دُنیا کے واقعات شاہد نہیں کہ یورپ کی کسی قوم کو اگر کہیں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے، تو مکان بنانے کی راہ خود نکال لیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ابن سعود کی اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کی جاتی؟ یہ وہابیت اور حنفیت کا سوال نہیں۔ یہ اماکن مقدّسہ کا صیانت کا سوال ہے۔ اگر کسی کو ابن سعود کا وظیفہ اظہارِ حق سے روک رہا ہے، تو اسے چاہئے کہ اللہ کے اس فرمان پر توجہ کرے۔ ارشاد ہوا ہے۔ ولا تشتروا بآیتی ثمنا قلیلا ۔ (پارہ ۱۴۔ سورہ نحل: ۹۵) (ترجمہ) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو) اور ثمن قلیل کی پروانہ کرتے ہوئے نعرۂ حق بلند کرو۔ تا کہ ربِّ جلیل کی بارگاہ سے اجر جزیل حاصل ہو جائے۔

میری بات پر کان نہیں دھرتے تو حاجیوں سے پوچھ لو۔ کہ جیرانِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ساکنانِ مدینہ کا کیا حال ہے؟ حکامِ نجد کے دسترخوانوں پر طرح طرح کے کھانے موجود ہوتے ہیں، لیکن تمہیں بتاؤں کہ مدینہ طیبہ کے مظلوم قدّوسی کھجوروں کی گھٹلیوں کو ترس رہے ہیں۔ کیا رعایا کی پرورش راعی کا فرض نہیں؟ کیا شریعت کی رُو سے جو سلطان رعایا کے خورد و نوش کا انتظام نہ کرے، اسے تابع سنّت سلطان کہا جا سکتا ہے؟ بزرگ عالمو! خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی پوری سوانح عمریاں تمہیں ازبر ہیں۔ کیوں تمہاری زبانیں جیرانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت واعانت کے لئے نہیں کھلتیں؟

سنو! ارشاد ہوتا ہے۔ فلا وربک لایئومنون حتی یحکموک فی ماشجر بینھم ط (پارہ ۵، سورہ النساء: ۶۵) (ترجمہ) تو اے محبوبؐ! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں)۔ کیا اس پاک فرمان کی رُو سے آپ پر یہ شرعی فرض عاید نہیں ہوتا ہے کہ آپ "قاضی ایکٹ" بنوائیں؟ عدالتوں میں فیصلے شریعت کے مطابق ہوں۔ کیا آج "طلاق۔ خلع، ارتداد۔ وراثت۔ نکاح۔ ہبہ وغیرہ" امور شرعی کی ہندوستان میں انتہائی تذلیل نہیں ہو رہی؟ اس تذلیل کا انسداد علماء سے

بڑھ کر اور کون کر سکتا ہے؟ صحیح ہے کہ اس غرض کو بروئے کار لانے کے لئے کافی سرمایہ کی حاجت ہے۔ کیا اس کے لئے ''بیت المال'' کا قیام شرعی تجویز نہیں؟ کب تک حجروں میں لیٹے رہو گے؟ مَیں ہر عالم سے عرض کرتا ہوں کہ

؎ وقت آں نیست کہ در حجرہ نشینی بے کار۔ جیسے حکومت بغیر ٹیکس کے نہیں چل سکتی، ایسے ہی بیت المال کے بغیر تنظیم ملّت کا خیال خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

ضروری ہے کہ ان مقاصد کے لئے آپ ملک کی مجالس آئین وقوانین سے بھی استفادہ کریں۔ جس کی عملی صورت یہی ہے کہ ہر کونسل میں آپ کی قوم کو ٹھوس اور مضبوط حیثیت حاصل ہو۔ اس کے لئے ''جداگانہ نیابت'' ایک ضروری حق ہے۔ جس سے اس وقت دست بردار ہو جانا مہلک ہے۔ کونسلوں میں جاؤ۔ اپنے حقوق منواؤ۔ ممدّ شرح قوانین منظور کراؤ۔ اوقاف کی حفاظت کرو۔ مقابر و مساجد کو اغیار کی دستبرد سے بچاؤ۔

یادرکھو! کونسلوں یا حکومت کی دارو گیر میں آپ کی عزّت جبھی ہے کہ آپ منظّم ہو جائیں۔ آپ میں ایکا ہو۔ آپ میں پھوٹ نہ ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ آپ کی مالی حالت شاندار ہو۔ مادہ پرست سلطنت دولت کی پجاری ہے۔ ہم مفلس ہیں، مقروض ہیں۔ افلاس دولت کمانے اور دولت بچانے سے دُور ہو سکتا ہے۔ دولت کمانے کا بہترین طریقہ ''تجارت'' ہے۔ تجارت میں فروغ اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ مسلمان دوکانداروں سے سودا خریدیں۔ آپ کی قوم کاشتکار ہے۔ آپ کی قوم کاریگر ہے۔ آپ کی قوم مزدور ہے۔ لیکن اس کی زراعت، اس کی صنعت، اس کی محنت سے فائدہ غیر اُٹھاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کاشتکار تجارت بھی کریں۔ دولت بچانے کے لئے لازمی ہے کہ آپ ہر نوعیت کے اسراف سے بچیں اور یاد رکھیں کہ قرآن کی رُو سے مبذرین اور مسرفین شیطان کے بھائی ہیں۔

یہ ہے وہ مختصر پروگرام جس پر عمل پیرا ہو کر آپ فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

☆ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ☆

خطبہ صدارت خلافت کانفرنس

لائل پور (حال فیصل آباد)

لائل پور ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس کا اجلاس ۳،۴/ مارچ ۱۹۲۱ء کو حضرت قبلہ قدس سرّہٗ العزیز کی صدارت میں لائل پور میں منعقد ہوا۔ آپ نے فی البدیہہ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا تھا۔ جسے بعد میں طبع کرا کے بہت بڑے پیمانے پر تقسیم کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ مسنونہ عربی میں فرمانے کے بعد آپ نے فرمایا۔

سچا ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ۔ سچے ہیں حبیب پاک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ سچے ہیں اور شکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کا نام لینے والوں میں پیدا کیا اور اس نعمت عظمیٰ سے مالا مال کیا۔ یوں تو کونسی چیز ہے جو بطورِ خود ایک نعمت بے بہا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار، لاتعداد، اَن گنت نعمتیں پیدا کی ہیں۔ لیکن ہمارے لئے سب سے افضل، سب سے اعلیٰ نعمت کیا ہے؟ وہ بہترین نعمت کلمۂ توحید ہے۔ اس کلمہ طیبہ سے بہتر کون سی نعمت ہے جس پر ہم ناز وافتخار کر سکیں!!

میں نے کل کہا تھا کہ بعض اصحاب نے میرے متعلق یہ بدگمانی پھیلائی ہے کہ مجھے خلافت سے ہمدردی نہیں۔ میں خدمتِ خلافت میں حصہ لینے سے کتراتا ہوں۔ میں خدمت اسلام کے لئے میدانِ عمل میں اترتے گھبراتا ہوں۔ یہ کذب ہے۔ دروغ ہے، افترا ہے۔ میں سب سے پہلے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے حیدر آباد دکن، راولپنڈی، نوشہرہ، پشاور، بنگلور، گوجرہ اور کئی مقامات پر مجلسِ خلافت کے اجلاس کی صدارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

آغا محمد صفدر صاحب (سیالکوٹی) نے یہ مشہور کیا ہے کہ مَیں نے علی پور سیّداں کے جلسے میں انہیں تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ غلط ہے۔ عُرس کے دِن مَیں نے

آغا صاحب سے کہا کہ ''آپ کل تک قیام کریں۔ اگر کوئی مقدمہ زیرِ سماعت ہے جس کے لئے آپ نے ضرور سیالکوٹ جانا ہے، تو آپ مقدمہ کے خیال کو دِل سے نکال دیں۔ زرِ محنتانہ مَیں ادا کردوں گا۔ بلکہ کچھ اور بھی نذر کروں گا۔ لیکن آغا صاحب اطلاع دیئے بغیر علی پور سیّداں سے چلے گئے۔ ''اخبار سیاست'' نے افترا پردازی کی اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی۔ یہ تمام غلط بیانیاں دشمنوں کی کارگزاریاں ہیں۔ ناحق تہمت ہے جو مجھ پر لگائی گئی ہے۔ میں سیّد ہوں۔ آلِ رسول ﷺ ہوں۔ جو شخص مجھ پر بہتان باندھے گا ذلیل وخوار ہوگا۔

مجھے خلافت سے دلی ہمدردی ہے۔ مَیں باایمان ہوں۔ اپنی تعریف خود کرنا جہالت ہے۔ لیکن فقہ کا اصول ہے کہ ضروریات ممنوعات کو مباح کردیتی ہے اور حکم ربی ہے۔ واما بنعمة ربک فحدث ۔(سورہ ضحیٰ:۱۱)(ترجمہ)اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو)۔ خدا کے اس فرمان کے مطابق میرا فرض ہے کہ خدا نے جو نعمتیں عطا کی ہیں انہیں ظاہر کروں۔

مَیں جو کچھ کرتا ہوں اپنے خدا کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہوں۔ مجھے دُنیا والوں سے خاص تعلق نہیں۔ مجھے ان کی کوئی خوشامد مقصود نہیں۔ مَیں جو کچھ کر رہا ہوں اپنے مولیٰ کی خوشنودی کے لئے کر رہا ہوں۔

جس زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں میں جذبۂ اسلامی مفقود نظر آتا تھا۔ مَیں تو بفضلِ خدا اس زمانے میں بھی اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ حجاز ریلوے کے لئے چندہ کی فہرست کھولی گئی۔ ہندوستان میں سب سے پہلے مجھے یہ فخر حاصل ہوا کہ سلطان ابن السلطان عبدالحمید خان غازی مرحوم ومغفور کے دستخط خاص سے پانچ اسناد عطا ہوئیں۔ رقوم ارسال کردہ کے لئے مجھے پانچ تمغے بھی ملے۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے لئے چندہ جمع ہونا شروع ہوا۔ میرے مکرم نواب وقار الملک مرحوم اور نواب محمد اسماعیل خان صاحب میرے پاس آئے۔ اُنہوں نے میرے پاؤں پکڑ لئے۔ مَیں نے کہا:

گر برسرو چشم من نشینی　　　نازت بکشم کہ نازنینی

انہوں نے مجھ سے استدعائے شمولیت کی۔ مَیں شامل ہوگیا۔ مَیں نے ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ چندہ جمع کیا۔ طرابلس فنڈ، بلقان فنڈ، کان پور کی مسجد اور دیگر مواقع پر مَیں نے کافی سے زیادہ چندہ دیا۔ اور اپنے یارانِ طریقت سے دلوایا۔

بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مَیں نے خدمت خلافت میں حصہ نہیں لیا۔ گویا کہ مَیں مسلمان نہیں۔ مجھ میں جذبۂ اسلامی نہیں۔ اس سے زیادہ کذب اور دروغ بافی کیا ہوگی۔ مَیں نے آج تک ساڑھے سترہ سو روپے اپنی جیب سے خدمتِ خلافت کے لئے پیش کئے ہیں۔ اور جو سرمایہ میرے یارانِ طریقت نے جمع کر کے پیش کیا ہے، وہ کئی لاکھ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں خود اور میرے یارانِ طریقت اسی طرح خدمتِ خلافت میں حصہ لیتے رہیں گے۔

مجھے سمرنا کے مظلومین سے، اپنے ترک بھائیوں سے ہمدردی ہے۔ بحمد اللہ میں مسلمان ہوں۔ باایمان ہوں۔ آلِ رسولؐ ہوں۔ حقیقی سیّد ہوں۔ مجھے تُرکوں سے محبت ہے۔ اپنے خلیفۃ المسلمین سے اپنے سلطان معظم سے عقیدت ہے۔ میں اپنا آپ اور اپنا سب کچھ حضور سلطان المعظم اور خدمت اسلام کے لئے پیش کرنے کو تیار ہوں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ "گھبراؤ نہیں، ہم تم کو سب پر غالب کریں گے۔ لیکن ایک شرط ہے کہ تم میں ایمان کا ہونا ضروری ہے"۔ ہم مسلمان کہلا کر مسلمانوں کے سے نام رکھ کر ذلیل ہوگئے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ ہم میں "ایمان" نہیں رہا۔

تم پوچھو گے کہ "ایمان" کس چیز کو کہتے ہیں۔ ایمان محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت ہوگی اسی قدر ایمان کامل ہوگا۔ جس قدر محبت کامل ہوگی اسی قدر ایمان سالم وکامل ہوگا۔ جس قدر محبت میں کمی ہوگی، اسی قدر ایمان میں نقص ہوگا۔ اس دعوے کا ثبوت قرآن شریف میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ النبی اولٰی بالمئومنین من انفسھم۔ (پارہ ۲۱۔ سورہ الاحزاب:۶) (ترجمہ) یہ نبی ﷺ مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تم میں سے کوئی شخص ایماندار ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، تاوقتیکہ وہ میرے ساتھ اتنی محبت نہ کرے، کہ مجھے اپنے ماں باپ سے، اپنے بیٹے سے اور دُنیا کی تمام مخلوقات سے زیادہ

عزیز نہ سمجھے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایمان ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم میں سے کون ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت ہے۔ اور کون ہے جو یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ مَیں ایماندار ہوں۔

ایمان تو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ تم میں اس قدر محبتِ رسول ﷺ ہی نہیں رہی۔ تم تو دنیا کے ہوگئے۔ دُنیا کی عزت، چندروزہ شہرت پر مرمٹے۔ اس عارضی وجاہت وحشمت کے لئے تم نے اپنے آپ کو کفّار کے ہاتھوں میں دے دیا۔ تمہارا ایمان کمزور ہوگیا۔ اور تم ذلیل اور مغلوب ہوگئے۔ تم کب تک اسی طرح ذلیل ومغلوب رہنے کی کوشش کروگے؟ آنکھیں کھولو۔ اپنے ایمان کی استقامت کی کوشش کرو۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو بڑھاؤ۔ تم کوشش کروگے تو مومن مسلمان بن جاؤ گے۔ جب تم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے طفیل ایماندار بن جاؤ گے، تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ وہ مسلمانوں کو کبھی مغلوب نہیں ہونے دیتا۔ بشرطیکہ ان کا ایمان قوی ہو۔ اللھم ارزق حبک وحب حبیبک۔ (ترجمہ) اے پروردگار! ہمیں اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ مسلمان وہ ہے جو خدائے بَرتر ودانا کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتا ہے کہ فلا تخافو حم وخافون ان کنتم مئومنین۔ (ترجمہ) تم مخلوق سے مت ڈرو۔ اگر تم مومن ہو تو ہم سے ڈرو۔)

مَیں نے سُنا ہے کہ میری نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ میں انگریزوں سے ڈرتا ہوں۔ میں ان کا طرفدار ہوں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ مَیں نے ان کا کون ساخطاب قبول کیا؟ کونسی جاگیر حکومت سے حاصل کی؟ کون ساتمغہ یاسَند لی ہے؟ میں ان دُنیاوالوں اور اُن کی تمام دنیاوی چیزوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ مجھے انگریزوں سے کیسا ڈر! کیسا خطرہ! ڈرے وہ جسے دُنیا اور دُنیا کی چیزوں کا خیال ہو۔ عزّت ودولت دینے والا میرا خدائے پاک ہے۔ میرا مولا ہے۔ مجھے انگریزوں کی خوشامد سے کیا واسطہ! میرا رازق، میرا مالک خدائے برتر ہے۔ مسلمان کو خوشامد

سے کیا نسبت !! میں مسلمان ہوں۔ مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہوں۔ اور انشاء اللہ مسلمان ہی مروں گا۔ میرا اُٹھنا، میرا بیٹھنا، میرا چلنا، میرا کھانا، میرا پینا، میرا سونا، غرضیکہ میری ہر ایک بات خدا اور محض خدا کے لئے ہے۔ مَیں دُنیا اور دنیاوی باتوں کے لئے ہرگز ہرگز کچھ نہیں کرتا۔

ہاں! ایک بات اور یاد آ گئی۔ جب آغا خان مسلم یونیورسٹی کے لئے جلسے کرتے پھرتے تھے۔ تو انہوں نے امرتسر میں جلسہ منعقد کیا۔ مَیں اس جلسے کا صدر تھا۔ میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر، جو آج کل وزیر حکومتِ ہند بنے ہوئے ہیں، تقریر کر رہے تھے۔ دورانِ تقریر انہوں نے کہا کہ "مَیں آج بہت خوش ہوں کہ ہمارے دینی بزرگوں میں بھی احساس قومی پیدا ہو گیا"۔ مَیں نے میاں محمد شفیع صاحب سے کہا: "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ آج کوئی پہلا دن نہیں ہے کہ مَیں نے کسی تعلیمی کام میں حصہ لیا ہو۔ بلکہ میں تو ہر قومی انجمن کا صدر بنتا رہا ہوں۔ جس دن میں کوئی قومی خدمت انجام نہیں دے لیتا، مَیں اپنا کھانا حرام سمجھتا ہوں"۔

اس جلسے میں شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹر۔ محمد عمر صاحب مرحوم بیرسٹر۔ مولوی ظفر علی خان صاحب۔ خواجہ کمال الدین صاحب سب موجود تھے۔ میں نے ان سب اصحاب کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم ہی بتاؤ کہ جتنے قومی کام ہوئے ہیں، ان میں سے کتنے پُرانے خیال کے بوڑھوں نے کئے ہیں اور نئی روشنی کے نوجوان نے کتنے کئے ہیں؟" ان حضرات نے اس موقع پر اس امر کو تسلیم کیا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مَیں نے پنجاب کی فوج میں ایک متنفس کو بھی بھرتی نہیں کرایا۔ اڈوائر صاحب لیفٹیننٹ گورنر کو ایک محضر نامہ پیش کیا گیا۔ اس پر اکثر پیرانِ عظام کے دستخط موجود ہیں۔ لیکن میرے دستخط ہرگز ہرگز موجود نہ ہیں۔ میں کبھی لاٹ صاحب کے پاس تک نہیں گیا۔ خدا مجھے محفوظ رکھے! مَیں انشاء اللہ کبھی کسی افسر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ مَیں سیّد ہوں۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ باایمان ہوں۔ مجھے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں۔ مجھے خدا کی رحمتِ کاملہ سے یقین ہے کہ مَیں اپنے ایمان اور اپنے اعمال کی بنا پر انشاء اللہ سادات بابرکات کی صف میں اُٹھایا جاؤں گا۔

مَیں بیان کر رہا تھا کہ محبت کا نام ایمان ہے۔ اس کے کمال پر کمال ایمان کا انحصار ہے۔ مسلمانو! غور تو کرو۔ تم مسلمان خاندانوں میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کے سے نام رکھے گئے۔ مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوتے ہو۔ اور حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی قبریں پلید کرتے ہو۔ اپنے بھائیوں کو، اپنے مسلمان بھائیوں کو، چند پیسوں کے لئے شہید کرتے ہو۔ اپنے بھائیوں پر گولیاں چلاتے ہو۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟ لعنت ہے اللہ کی اس شخص پر جو غیروں کو غلام بنائے، چہ جائیکہ اپنے بھائی پر گولی چلا کر اسے شہید کرے اور اس کے ملک، اس کے خاندان، اس کے ننگ و ناموس کو اعدائے اسلام کے حوالے کر دے۔

حکام کہتے ہیں کہ مسلمان بدعہدی کرتے ہیں۔ فساد کرتے ہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بات کے کیا دلائل موجود ہیں۔ مجھے تو ایک بھی ایسا واقعہ معلوم نہیں۔ جس سے ظاہر ہو سکے کہ مسلمانوں نے کسی جگہ بھی فساد مچایا ہو۔ یہ مفت کا بہتان ہے جو مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمان ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے بھائیوں پر جو شدائد روا رکھے جا رہے ہیں، ان پر جو ظلم توڑے گئے، ان کی داستانیں سُن سُن کر ہمارا دل تڑپتا ہے۔ ہمیں رنج ہوتا ہے۔ حکومت برطانیہ نے عربوں سے کیا سلوک کیا؟ ایک شخص نے جو مکہ معظمہ سے واپس آیا ہے، مجھے بتایا ہے کہ وہاں اجناسِ خوردنی اور اشیائے ضروری کی اس قدر گراں بازاری ہے کہ ڈیڑھ روپیہ سیر آٹا، دس روپے سیر گھی۔ اور سات روپیہ سیر گوشت ملتا ہے۔ جینا محال ہو رہا ہے۔ ہمارے بھائیوں کے سینکڑوں کیا ہزاروں خاندان بھوکے مر رہے ہیں۔ تف ہے ہماری زندگی پر! کہ ہمارے بھائی بھوکے مریں اور ہم مزے کی زندگی بسر کریں، لذیذ اور مرغن غذائیں کھائیں!!

سمرنا کا حال آپ سُن چکے ہیں۔ اسلام کے نام پر گھر بار، جان و مال، سب کچھ لٹا دینے والوں کا حال سن لیا، وہ بھوکے ہیں، ننگے ہیں، ان کے پاس کھانے کو نہیں، پہننے کو نہیں، ان پر کیا کیا ستم توڑے جا رہے ہیں۔ ہماری بہنوں کو ذلیل کیا جا رہا ہے۔ تم مسلمان ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ اسلام کا کیا حکم ہے؟ تمہیں اسلام نے سکھایا ہے کہ تم آپس میں متحد رہو۔

باہمی اتفاق واتحاد رکھو۔ اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو۔ آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ اسلام کا پہلا اصول "باہمی محبت واخوّت" ہے۔ اسلام محبت کا سبق دیتا ہے۔ ہمارے مولیٰ فرماتے ہیں کہ "تمام مسلمان مادرزاد بھائیوں کے مانند ایک دوسرے کے بھائی ہیں"۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند — کہ در آفرینش ز یک جوہرند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

بنی آدم تو ایک طرف رہے، ہمارے بھائیوں کو، ہمارے ترک اور عرب بھائیوں کو تکلیف پہنچے، ان کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، وہ دُکھ اُٹھائیں، اور ہم بیٹھے دیکھا کریں۔ ہم کس طرح مسلمان کہلائے جاسکتے ہیں؟ کیا ہندوستان میں مولانا شوکت علی اور محمد علی ہی رہ گئے ہیں جو ہر ایک مسلمان کے لئے تکلیفیں اُٹھائیں، جیلخانوں میں جائیں؟ کیا باقی مسلمان مرگئے ہیں؟ تم میں غیرت نہیں۔ تم میں حمیّت نہیں۔ حضرت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس میں غیرت نہیں اس میں ایمان نہیں"۔ تمہیں معلوم ہے کہ محمد علی نے قید کی تکلیف کیوں برداشت کی؟ محض اس لئے کہ انہوں نے انگریزوں کو مخاطب کرکے لکھ دیا تھا کہ "تم مِصر چھوڑ دو"۔ اور یہ کہ "ترکی شریک جنگ ہونے میں حق بجانب تھا"۔ تم ہی بتاؤ کہ یہ کون سا جرم ہے؟ ہر ایک مسلمان بشرطیکہ وہ واقعی مسلمان ہو، یہی کہے گا کہ یہ کوئی جرم نہیں۔ تو پھر محمد علی کا جرم کیا ہے؟

ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ سلطان المعظم سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ تم ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ یہیں پرورش پائی، اس ملک میں جوان اور بوڑھے ہوئے۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں؟ کیا یہ بات اب تک راز ہے؟ کہ حضرت سلطان المسلمین تمام دُنیا کے مسلمانوں کے بادشاہ ہیں۔ ان کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ اور تمام مسلمان ان سے محبت رکھتے ہیں۔

مسلمانو! یادرکھو۔ "جس شخص کو سلطان المعظم سے محبت نہیں، اسے اسلام سے تعلق نہیں"۔ مسلمان وہی ہے جسے حضرت سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین سے دلی عقیدت اور محبت ہو۔ سلطان المعظم ہماری رُوح ہیں، ہم جسم ہیں۔ اگر ہم جسم ہیں تو وہ ہمارا سَر ہیں۔ ہم ان کے بل پر نازاں ہیں۔ وہ ہمارے لئے باعثِ افتخار ہیں، ہمیں ناز ہے کہ ہمارا بادشاہ

موجود ہے۔ اور وہی اکیلا بادشاہ ہے جس کے سامنے تمام عالم کے مسلمان سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین ہیں۔ ہمارا سلطان المعظم سے اور سلطان المعظم کا ہم سے وہی تعلق ہے، جو انگریزوں کا عیسائی سلطنتوں سے ہے۔ انگریزو! ذرا غور کرو کہ تم نے عیسائی سلطنتوں کو آزاد کرا دیا۔ تم نے بہت سے مُلک ترکوں سے چھین کر اپنے عیسائی بھائیوں کے حوالے کر دیئے۔ اب ہم کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ تمہاری ہی تقلید ہے۔ یہ سبق تو اس زمانے میں جب ہم اسلام کو بھول چکے ہیں، تم ہی نے یاد کرایا۔ اس میں تم ہی ہمارے اُستاد ہو۔

دو سال گزرے کہ ایک دفعہ گوجرانوالہ میں نماز جمعہ کے بعد مَیں وعظ کر رہا تھا کہ ملک لال خان صاحب نے مجھ سے کہا، کچھ خلافت کے متعلق کہوں۔ مَیں نے اس وقت یہ لفظ کہے تھے کہ جس شخص کو خلافت سے تعلق نہیں، اُسے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ سلطان المعظم ہمارے لئے مایۂ صد ہزار ناز وافتخار ہیں۔ ہماری عزت ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے پشت پناہ ہیں۔

مَیں آپ کو ایک پیش گوئی سناتا ہوں۔ آپ سُن کر خوش ہوں گے۔ سلطنت عثمانیہ کا نام روشن کرنے والا ایک غریب شخص تھا۔ جو ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ مفلس تھا، تنگ دست تھا، مگر مسافروں کی خدمت کرنا اس کا شعار تھا۔ مہمان نوازی اس کا کام تھا۔ گھر میں کھانے کو نہ ہوتا تو بھی مہمان کی تواضع کرتا تھا۔ گاؤں والوں نے اسے تنگ کرنا شروع کیا۔ آخر اسے گاؤں سے باہر نکال دیا۔

دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کسی شخص کو تکلیف پہنچتی ہے تو اسے خدا یاد آتا ہے۔ چنانچہ عثمان بھی اپنے پیر صاحب کی طرف دوڑا۔ اور پیر صاحب کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا یا حضرت! مجھے گاؤں والوں نے گاؤں سے باہر نکال دیا ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں، اب میں کہاں جاؤں؟ پیر صاحب نے کمال شفقت سے اسے مکان کے اندر آنے کا حکم دیا۔ اپنا کمرہ اس کے حوالے کر کے آپ اندر تشریف لے گئے۔ عثمان تھکا ماندہ تو تھا ہی، کمرے میں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہے کہ جس طرف اس کے پاؤں تھے اسی طرف قرآن

مجید رکھا ہوا ہے۔ عثمان تھا تو جاہل مگر ایمان مضبوط تھا۔ سچا مسلمان تھا۔ جب اس نے کلام مجید کو دیکھا تو کانپ گیا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ قرآن مجید کے نزدیک جا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ درگاہِ ایزدی میں گڑگڑاتا اور توبہ استغفار کرتا رہا۔ روتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ "میرے مولیٰ! مجھ سے سخت بے ادبی ہوئی۔ اس مکان میں تیرا کلام پاک رکھا تھا۔ اور میں پاؤں پسارے پڑا رہا۔ مجھے معاف فرما۔ میرا گناہ بخش دے"۔ رات بھر کھڑا رہا، روتا رہا۔

پچھلے پہر حضرت پیر صاحب باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا عثمان! مبارک ہو! کہ آج رات قرآن شریف نے بارگاہِ ایزدی میں تیری سفارش کی ہے۔ یہ سفارش منظور ہوگئی۔ تیرے لئے حکم ہوا ہے کہ "تو بادشاہ اور تیری اولاد بادشاہ"۔ عثمان نے رو کر کہا کہ حضرت! گاؤں والوں نے تو مجھے گھر تک سے جواب دیدیا۔ گاؤں سے باہر نکال دیا۔ لیکن پیر صاحب نے فرمایا کہ "غم مت کر۔ تو بادشاہ اور تیری اولاد بادشاہ" عثمان حیران تھا۔ بار بار عرض کرتا تھا اور یہی جواب پاتا تھا۔

آخر پیر صاحب کی اجازت پا کر رُخصت ہوا۔ باہر نکلا ہی تھا کہ اسے بارہ سوار ملے۔ انہوں نے اسے ایک گھوڑا دیا۔ اور کہا کہ ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں۔ عثمان ان سپاہیوں کو لے کر آگے بڑھا۔ راستہ میں ایک گاؤں آیا۔ عثمان نے اس گاؤں کے سردار سے کہا کہ اطاعت قبول کرو یا میدان میں اُترو۔ اس نے کچھ روپیہ پیش کیا اور متابعت قبول کی۔ عثمان کوچ کرتا جاتا تھا اور روپیہ اور فوج جمع کرتا جاتا تھا۔ اس زمانے میں روم کا بادشاہ عیسائی تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عثمان کے پاس روپیہ بھی ہے اور فوج بھی۔ تو اسے فوج کا افسر بنا دیا۔ آخر عثمان کمانڈر اِن چیف بن گیا۔ اس بادشاہ کے اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اس کے مرنے کے بعد عثمان بادشاہ ہوا۔ سلطنت عثمانیہ اس عثمان کی یادگار ہے۔

قرآن مجید کا یہ معجزہ آج تک آلِ عثمان کو یاد ہے۔ سلطان عبدالحمید خان غازی مرحوم و مغفور نے حکم دیا تھا کہ "ایام جنگ میں ان کی تمام رعایا قرآن مجید کی تلاوت کیا کرے۔ اسی قرآن مجید کے طفیل ترکوں کو یہ عزت نصیب ہوئی ہے"۔ اسلامی ممالک میں قرآن شریف کا اب تک ادب واحترام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کمرہ عدالت میں قرآن

شریف لاتے ہیں تو حاکم اور تمام عملۂ عدالت ادب واحترام کے لئے ایستادہ ہوجاتے ہیں۔ تمام اسلامی ممالک میں قرآن مجید کا اسی قدر احترام اور ادب کیا جاتا ہے۔ البتہ ہندوستان میں یہ صفت محمودہ مفقود ہے۔

ہم گوشہ نشینوں کو، ان لوگوں کو جنہوں نے ماسوا اللہ سے رشتہ منقطع کرلیا ہے، کہا جاتا ہے کہ:

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ہماری کسی بات کی شنوائی نہیں ہوتی، ہمارے اقوال کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ شاید دُنیا والے بھول چکے ہیں کہ خدائے برتر اور اس کے بندوں میں کیا کیا طاقت موجود ہے۔ یادرکھو کہ درویش کی صدا مانی جاتی ہے۔ اگر پہلے نہیں سُنی جاتی تھی تو اب سُنی جائے گی۔

ہمارے مسلمان بھائی حکومت سے صرف یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کے مقاماتِ مقدسہ اور ان سے چھینے ہوئے ممالک واپس دیدیئے جائیں۔ ہمیں تو خیال تھا کہ حکومت والے دُنیا کے عُجب وغرور کو بُھلا کر اخلاق سے کام لیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دُنیا کو معلوم ہوگیا کہ حکومت والے سچی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہمارا حق ہمیں نہیں دیتے۔ ہماری خوشی کو اپنی آسائش پر قربان کررہے ہیں۔ مَیں حکومت سے علی الاعلان کہتا ہوں کہ ''یادرہے کہ اگر یہی حالت رہی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ ہم مسلمان ہیں۔ نہ چین سے بیٹھیں گے، نہ کسی کو چین سے بیٹھنے دیں گے''۔

امرتسر میں کانگرس، مسلم لیگ، خلافت کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں کے چند روز بعد ایک افسر نے کسی ہندوستانی سے کہا کہ ''یہاں کوّے جمع ہوئے تھے۔ شور مچا کر چلے گئے۔ ہمارا کیا لے گئے۔ گلے پھاڑ پھاڑ کر کائیں کائیں کرکے شور مچا کر چلتے بنے''۔ لیکن اس افسر کو اور اس افسر کی حکومت کو معلوم نہیں کہ ہم کون ہیں۔ ابھی ہم نام کے مسلمان ہیں۔ ہم بہت جلد کام کے مسلمان بن جائیں گے۔ جب ہم کام کے مسلمان ہوجائیں گے تو ہم نہ خود سوئیں گے، نہ کسی کو سونے دیں گے۔ نہ خود آرام لیں گے، نہ کسی کو چین کے دِن گزارنے دیں گے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ مکھیاں چھتے سے نکل کر سینکڑوں کو لپٹ گئیں۔ اور سب کے منہ، سر اور اعضا کو کاٹ کاٹ کر تمام جسم کو خراب وخستہ کر دیا۔ کیا ہم مکھیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہ کائیں کائیں نہیں ہے۔ ہماری یہ کائیں کائیں بہت جلد رنگ لائے گی۔ انشاء اللہ عنقریب رنگ لائے گی!!

اگر ہم سے کچھ نہ ہو سکے گا تو ہم خود مر جائیں گے۔ اپنی جان دے دیں گے۔ میں کلمۂ توحید پڑھ کر اعلان کرتا ہوں کہ خدمتِ اسلام، خدمت خلافت کے لئے میری جان تک حاضر ہے۔ مجھے جان تک پیش کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ انشاء اللہ میں سب سے پہلے اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔ جس کا دِل چاہے میدان عمل میں تجربہ کرلے۔

لوگوں کی زبان بندی کر دی جاتی ہے لیکن خدا کے سوا کون ہے جو میری زبان بند کر سکتا ہے؟ اگر مجھے باہر وعظ سنانے سے روکا گیا تو مَیں مسجد کے منبر پر، مسجد کے اندر، مسجد کے مینار پر چڑھ کر کلمۂ الحق سناؤں گا۔ کیا کوئی مجھ سے میری مسجد بھی چھین لے گا؟ آپ کو یاد ہے کہ جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قطب الدین اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو مُلک بدر کر دینے کا حکم دیا تھا، تو آپ نے اپنا سامان اُٹھا کر مسجد میں رکھ لیا تھا اور فرمایا تھا کہ ”جاؤ! عالمگیر سے کہہ دو کہ ہم تیری دنیاوی سلطنت سے نکل کر اپنے خدا کے گھر میں آ گئے ہیں۔ یہاں تیرا حکم نہیں چل سکتا۔ اب ہمیں اس گھر سے کوئی نہیں نکال سکتا۔“

مَیں بھی مسجد میں جا بیٹھوں گا اور اعلائے کلمۃ الحق کے فرائض بجا لاؤں گا۔ کون ہے جو مجھے اپنے خدا کے فرمان سُنانے سے روک سکے گا۔؟ کون ہے جو نام حق بلند کرنے میں مانع ہوگا؟ میں اکیلا نہیں ہوں۔ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان میرے ساتھ ہیں۔ مجھے کیا خطرہ ہے! میرا مولیٰ، میرا خالق، میرا حافظ وناصر ہے۔

مسلمانو! حالؔی مرحوم فرماتے ہیں:

کوہ و دریا جن کے ہوتے تھے نہ ہر گز سدِّ راہ
وہ ارادے کیا ہوئے؟ اور وہ عزیمت کیا ہوئی

نیز فرماتے ہیں:

ہم ہی ہیں اے آریہ ورت! ان سواروں کے سپوت
جن کی جولاں گاہ تھی تاتار سے تا زنجبار

میسوُر و نیل گری سے لے کر تمام ملک دکن، کشمیر اور تبت تک۔ کلکتہ سے افغانستان، بلوچستان تک ملک سندھ سے چمن تک۔ ہندوستان کے شمال سے جنوب تک۔ مشرق سے مغرب تک۔ تمام ملک میں میرے یارانِ طریقت موجود ہیں۔ میری آواز کو ایک آواز نہ سمجھا جائے۔ یہ ایک قوم کی، ایک جمعیت کی آواز ہے۔ مَیں ان تمام علاقوں میں تبلیغِ اسلام کی خدمت ادا کرتا رہا ہوں، اور انشاء اللہ اس فرض کو پورا کرتا رہوں گا۔

حضرات! مانگنا کسی مذہب میں جرم نہیں ہے۔ لیکن ہم مانگتے ہیں تو مجرم بنائے جاتے ہیں۔ ؎

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

مدتوں ہم نے وعدوں پر اعتبار کیا ؎

ستم کو ہم کرم سمجھے، جفا کو ہم وفا سمجھے
گر اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو پھر اس بُت سے خدا سمجھے

ہم نے لائڈ جارج سے نہیں کہا تھا کہ کوئی وعدہ کرے۔ ہم نے حکومت برطانیہ کو مجبور نہیں کیا تھا۔ اس وقت تو برضاؤ رغبت تمام قوم کی طرف سے وعدے کئے جاتے تھے۔ اب اپنے مواعید کا یہ حشر کیا جاتا ہے۔ اس وعدہ خلافی نے ہمیں بددل کر دیا ہے۔

حکومت والو! تم ہم سے سب کچھ چھین لو۔ ملک چھین لو۔ جان چھین لو۔ لیکن دل کو کون چھین سکتا ہے۔ ہم دل سے مخالفت کریں گے۔ ہم دل سے دُعائیں مانگیں گے۔ تم کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا شہتیر نظر آتا ہے۔ لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے۔ ہم کہے دیتے ہیں کہ ہماری دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گے۔ ہم انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔

حضرات! مَیں چاہتا تھا کہ اپنا اعمال نامہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے

پیش نہ کروں۔ لیکن آج بامرِ مجبوری اپنے متعلق چند الفاظ کہنے پڑ گئے۔ اب چونکہ نماز جمعہ کا وقت قریب ہے اور ہمارے عزیز مہمان شوکت علی صاحب نے گاڑی سے لاہور واپس جانا ہے، اس لئے مَیں اپنی تقریر کو سلطنت عثمانیہ کے لئے دُعا پر ختم کرتا ہوں۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ط (پارہ:۱، سورہ البقرہ:۱۲۷)

(ترجمہ) اے ہمارے ربّ ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سُننے جاننے والا ہے۔)

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمیں باد!!

خطبۂ صدارت سُنّی کانفرنس مرادآباد

کل ہند سُنّی کانفرنس (جمعیۃ العلمائے ہند) کا اجلاس حضرت قبلہ قدّس سرّہٗ العزیز کی صدارت میں ۱۷، ۱۸، ۱۹/ مارچ ۱۹۲۵ء کو مرادآباد (یوپی) میں منعقد ہوا تھا۔ حضور نے فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جسے بعد میں طبع کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ☆الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ .ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا .فمن یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ. ونشھد ان لاالہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھدان سید نا ومولنا محمدا عبدہ ورسولہ ☆

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا☆سب تعریفیں اللہ کے لئے، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی برائیوں سے اور بُرے اعمال سے، پس جس شخص کو اللہ ہدایت فرمائے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے سردار اور ہمارے آقا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ﷺ ہیں☆

لمّا بعد خالق ارض وسما مالک ہر دوسرا بے شمار حمد وثنا کے لائق ہے کہ جس نے اپنی عنایت بے غایت سے انسان کو بحکم آیت شریفہ **ولقد کرمنا بنی آدم** (اسرا:۷۰) خلعت اشرف المخلوقات سے سرفراز فرمایا۔ اور اپنے عشق ومحبت کی آتش اور معرفتِ اسرار وحقایق کی مقدّس امانت اس کے سینے میں ودیعت کر کے اس کو اپنا خلیفہ زمین میں مقرر فرما کر تمام مخلوق کو اس کا تابع فرمان بنایا۔

اور لاتعداد دُرود وسلام بَروحِ پُرفتوح طاہر مطہّر منوّر مقدس سرورِ کائنات مفخر موجودات شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دائماً ابداً کثیراً کثیراً۔ جس آفتابِ ہدایت کے صدقے تمام اہلِ ایمان کو نورِ ایمان نصیب ہوا۔

انسان پر خداوند عمیم الاحسان کے اس قدر انعام واحسان ہیں کہ ان کا شکر بجالانا تو درکنار، اگر انسان تمام عمران کے شمار کرنے میں صَرف کرے، تو بھی ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ وان تعدو ا نعمة الله لا تحصو ھا۔(نحل:۱۸)(ترجمہ)اوراگرتم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کوشمار کروتو شمار نہیں کرسکتے)۔نصِ صریح اس پر شاہد ہے۔انسان محدود علم وعقل وعمر سے اس بات کے بالکل ناقابل ہے۔

فضلِ خدائے را کہ تواند شمار کرد یا کیست آنکہ شکر یکے از ہزار کرد

یوں تو اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام، الطاف ونوازشات اپنے بندوں پر بے مثال وبے نظیر ہیں۔مگر سب سے اعلیٰ درجے کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر عنایت کی وہ یہ ہے کہ اپنے محبوب رحمة للعالمین افضل الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی الله علیه وسلم کی غلامی کے متمیّز طوق سے ہمیں مزّین وممیّز فرما کر یحببکم الله اپنا محبوب ہونے کا رُتبہ ہم کو عطا کیا۔اور نور ایمان وایقان سے ہمارے دل ودیدہ کو منور فرمایا۔ انسان، عاجز انسان مولیٰ کریم کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، مگر غلامیُ محبوب ربّ العالمین ایسی نعمت ہے کہ اگر بندہ تمام عمر ہر سرِ مُو زبان بن کر اس نعمت کا شکر ادا کرتا رہے تو بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ اس نعمت کے مقابلے میں باقی تمام انعام ہیچ اور بے حقیقت ہیں۔

حضرات علمائے کرام وصوفیائے عظام! فقیر ایک ادنیٰ خادم صوفیائے کرام ہے۔ اپنی تمام عمر صوفیائے کرام اور درویشانِ عظام کی خدمت کرنے میں فقیر نے صرف کردی۔اور اس خدمت کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا اور جو کام کیا خالصاً لوجہ اللہ کرتا رہا۔مخلوق خدا کی خدمت ان کو خدا کی محبوب مخلوق سمجھ کر محض خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے کی۔کیونکہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست بہ تسبیح وسجادہ ُودلق نیست

اس مالک خالق ہر دوسرا کا بے حد شکر ہے کہ اس فقیر کو اپنے کمال لطف وعنایت سے علمائے کرام، وارثان حضرت سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس مجلس میں اس خدمت جلیلہ کے لئے سرفراز فرمایا۔ یہ عزّت جو خداوند کریم نے اس فقیر کو عطا کی، اور یہ

احسان جو فقیر کے حال پر کیا، اس کا شکر ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

اراکین آل انڈیا سُنی کانفرنس کا بھی فقیر تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے اس فقیر کو اس منصبِ جلیلہ کے لئے منتخب فرمایا۔ کیونکہ بحکم **من لم یشکر الناس لم یشکر الله**۔ آپ صاحبان نے جو اس فقیر کی عزت افزائی کی اور جو اہم خدمت اس فقیر کے سپُرد کی، اس عزت افزائی کے لئے فقیر آپ سب صاحبان کا تہِ دل سے مشکور اور مرہونِ منت ہے۔

مذہب اسلام:۔

حضرات! صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو خداوندِ دوعالم کا پسندیدہ اور مقبول ہے۔ جس پر **ان الدین عند الله الاسلام** (آل عمران:۱۹)(ترجمہ)(دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) کی آیت پاک شاہد ہے۔ یہ وہ مقبول اور برگزیدہ مذہب ہے جو خداوند کریم کے فرمان عالی شان **ورضیت لکم الاسلام دینا** ۔(المائدہ:۳)(ترجمہ)(اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا ہے) سے ظاہر ہے۔ یہ وہ پاک اور مقدّس مذہب ہے جس کی پیروی کے بغیر کوئی عبادت کوئی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** ۔(آل عمران:۸۵)(ترجمہ)(اور جو اسلام کے علاوہ کسی دین کا متلاشی ہے اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔) آیت پاک شاہد ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

یہ وہ طیّب مذہب ہے جس کی حفاظت کا خداوند عالم خود ذمہ دار ہے۔ آیہ شریف **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون** ۔(حجر:۹)(ترجمہ)(بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اسکے نگہبان ہیں۔) اس پر شاہد ہے۔ یہ وہ پاک مذہب ہے جس کے غلاموں کو پروردگار نے اپنا محبوب بننے کی اور تمام گناہوں سے مغفرت کی بشارت دی ہے۔ آیت مبارکہ ہے۔ **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعو نی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم** . (سورہ عمران:۳۱) ترجمہ)(اے محبوبؐ تم

فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) سبحان اللہ! کیا کیا برکتیں صاحبِ دل اہلِ بصیرت احباب کو اس مقدس مذہب میں نظر آتی ہیں۔

اربابِ علم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کا مقابلہ کیا، اور اسکی اشاعت میں مخالفت کی، یا اس کو مٹانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا کر انہی سے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام لیا۔ یہی وہ الٰہی مذہب ہے جس کے لئے قرآن پاک میں حکم ہے۔ **یرید ون لیطفئو نور اللہ بافوھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** ۔ (پورہ ۲۸، سورہ الصّف:۸) (ترجمہ) (ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل فرمانے والا ہے اگرچہ کافر بُرا مانیں)۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

حضرات! آج سے پیشتر کئی دفعہ مخالفین و معاندینِ اسلام نے اسلام کو مٹانے کی کوششیں کیں۔ بادشاہیوں کو مٹایا، سلطنتوں کو برباد کیا، کتب خانوں کو جلایا، مگر خداوند عالم کے محبوب ﷺ کا مقبول و برگزیدہ مذہب ویسے کا ویسا قائم رہا۔ اور تا قیامت قائم رہے گا۔ زمانہ گذشتہ میں بے شمار مصائب اہل اسلام پر آئے۔ مگر جو خطرات موجودہ زمانے میں اسلام اور اہلِ اسلام پر ٹوٹ رہے ہیں وہ نا قابلِ بیان ہیں۔ یہ ایک ایسی لمبی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بہت سا وقت چاہیئے۔ ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی کہ دوسری آموجود ہوتی ہے۔ ایک بلا ابھی سر سے ٹلی نہیں ہوتی کہ دوسری آدباتی ہے۔ الغرض مسلمان فی زماننا ہر طرح سے ہدفِ ناوکِ مصائب و آلام اور نشانۂ تیرِ رنج و بلا بنے ہوئے ہیں۔

حضرات: حالات زمانۂ حاضرہ کو آپ بالتفصیل جانتے ہیں۔ ان تمام واقعات کو آپ کے رُوبرو مفصل بیان کرنا سوائے تضیعِ اوقات کے اور کچھ نہ ہوگا۔ مگر فقیر مجملاً چند ایک واقعات بیان کرے گا۔ اور نیز وہ تجاویز بیان کرے گا جن سے ہماری جماعت کی بہتری اور تنظیم ہو سکتی ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ واقعات آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، فقیر مناسب سمجھتا ہے کہ اسلام کی حقانیت کے چند دلائل آپ حضرات کے سامنے پیش کرے۔

حقانیتِ اسلام:۔

حضرات! دُنیا میں جو سب سے سچا مذہب ہے وہ اسلام ہے۔ فقیر اس لئے یہ بات نہیں کہتا کہ فقیر ایک مسلمان ہے یا مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے۔ بلکہ حقیقت الامر بات یہی ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو تمام دُنیا میں اگر کوئی مذہب سچا ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اگر چہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کو سچا تصوّر کرتا ہے، اور اسی واسطے اس کا پَیرو ہوتا ہے۔ مگر اس کی مثال یوں سمجھئے کہ

ہزار آدمی کھڑے ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کانچ کا ایک ٹکڑا ہے۔ سوائے ایک آدمی کے جس کے ہاتھ میں الماس کا ٹکڑا ہے۔ الماس صرف ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے، باقی سب نے کانچ کے ٹکڑے کو الماس سمجھ کر پکڑ رکھا ہے۔ ہر ایک بخیالِ خود یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں الماس ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح الماس یعنی سچا مذہب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور کانچ کے ٹکڑے یعنی مذاہبِ باطلہ باقی سب لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ ان سب اہلِ مذاہب سے اگر در پردہ دریافت کیا جائے تو سب یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اگر دنیا میں کوئی سچا مذہب ہے تو اہلِ اسلام کا ہے۔ کیونکہ جو خوبیاں اور جو برکتیں مذہب اسلام میں ہیں وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱) فقیر کو اس پر ایک پُرانا واقعہ یاد آیا۔ کرنل ہالرائڈ صاحب لاہور میں ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات پنجاب تھے۔ انہوں نے اپنے ایک سررشتہ دار شیخ عزیز الدین سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس اسلام کے سچا ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ وہ کوئی عالم یا مولوی نہ تھا۔ پھر بھی جو دلائل وہ پیش کر سکتا تھا اس نے پیش کئے۔ مگر ہالرائڈ صاحب نے کہا ”آؤ میں تم کو بتاتا ہوں۔ ہمارے ملک انگلستان میں پارلیمنٹ کے کئی سو ممبران ہیں جو سب کے سب بڑے لائق و فائق، مدبّر، عاقل، تجربہ کار اور عالم ہوتے ہیں۔ یہ صدہا ممبرانِ پارلیمنٹ کامل غور وخوض اور بڑے تفکّر و تدبّر کے بعد مدّتوں میں اپنے ملک کے لئے ایک قانون بناتے ہیں۔ مگر اس قانون کو جاری ہوئے ابھی پورا سال بھی نہیں گزرتا کہ اس میں غلطیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ جس کے باعث پارلیمنٹ کو لاچار یا تو اس قانون میں ترمیم کرنی پڑتی ہے یا اُس کو

منسوخ کرنا پڑتا ہے۔ اتنے بہت سے دانشمند آدمیوں کا بنایا ہوا قانون ایک سال نہیں چل سکتا۔ مگر تمہارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو امّی محض تھے، عرب کے ریگستان میں بیٹھ کر ایک قانون بنایا، جس کو تیرہ سو برس کا عرصہ گزر گیا اور اس میں آج تک ایک حرف کی غلطی نہیں نکلی۔ بلکہ وہ ہر زمانے کے لئے بالکل موافق و مطابق ہے۔ اس سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ قانون خدائی قانون ہے اور وہ مذہب اسلام ہے جو خدا کا مقبول اور پسندیدہ ہے۔

(۲) بنگلور میں ایک دن کاؤنٹیس لیڈی ایسکپ فقیر کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ "میں نے دُنیا کے تمام مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اگر کوئی مذہب سچا ہے تو مسلمانوں کا ہے"۔ فقیر نے کہا کہ "تم اتنا اقبال کر لینے سے نصف مسلمان تو ہو گئیں" اس نے دریافت کیا کہ "شاہ صاحب وہ کس طرح"؟ فقیر نے جواب دیا "اسلام کے دو بڑے اصول ہیں۔ اول دِل سے یقین، دوسرے زبان سے اقرار۔ آپ نے دِل سے تو یقین کر لیا کہ اسلام سچا مذہب ہے تو دل سے نصف مسلمان ہو گئیں۔ اب اگر زبان سے بھی اقرار کر لو تو پوری مسلمان ہو جاؤ گی"۔ میم صاحبہ نے کہا کہ "اگر میں مسلمان ہو گئی تو میرا صاحب کیا کرے گا" فقیر نے کہا کہ "صاحب مرے گا تو اپنی قبر میں جائے گا اور تم مرو گی تو اپنی قبر میں جاؤ گی"۔ نیز فقیر نے کہا کہ "تم پھر کسی وقت غسل کر کے اور پاک کپڑے پہن کر آنا تو فقیر تمہیں کچھ بتائے گا"۔ اس نے کہا "میں اب بھی غسل کر کے اور پاک کپڑے پہن کر آئی ہوں"۔ فقیر نے اسی وقت اس کو کلمہ شریف کی تلقین کر کے داخل سلسلۂ نقشبندیہ کر لیا۔ وہ اسی وقت سے ایسی کی مسلمان بنی کہ اسی دن سے اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی اور تمام ارکان اسلام کی پابندی اور تہجد گزار ہو کر قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔

پھر اس کی برکت سے اس کے شوہر نے بھی مذہب اسلام قبول کر لیا۔ حالانکہ اس کو دو سال تک آریہ لوگ ورغلاتے رہے تھے۔ اس کے بعد وہ صاحب بھی ایسا پکا مسلمان بن گیا کہ مبلّغ کا کام کرنے لگا۔ چنانچہ ایک روز ایک اور انگریز ڈاکٹر کو جو لکھو لکھا روپے کا مالک تھا فقیر کے پاس بنگلور ہی لے کر آیا۔ اس ڈاکٹر نے بھی اسلام کی تعریف کی اور وہی الفاظ

دہرائے جو میم صاحب نے کہے تھے۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد فقیر نے اس کو بھی کلمہ شریف پڑھا کر حلقۂ ذکر میں بٹھایا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں داخل کر لیا۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ ایسا بیخود ہوا کہ تین گھنٹے تک بیہوش پڑا رہا۔ اتنے میں خان بہادر سیٹھ حاجی محمد اسماعیل صاحب ایک وہابی کو ہمراہ لے کر آئے اور اس کو ڈاکٹر صاحب کی حالت دکھا کر کہنے لگے ''اگر تم اس کو اس وقت ہوش میں لے آؤ تو میں تمہیں ایک سو روپیہ انعام دیتا ہوں''۔ بھلا وہ کیسے اس وقت اس کو ہوش میں لا سکتا تھا۔ ''یہ وہ نشہ نہیں جسے تُرشی اُتار دے''۔ سیٹھ صاحب موصوف نے اپنے ہمراہی سے کہا کہ ''نہایت افسوس کی بات ہے کہ تم بھنگ، دھتورہ جیسی چیزوں کی تاثیر تو مانتے ہو مگر خدا کے نام میں تاثیر کو نہیں مانتے''۔ وہ سخت شرمندہ ہوا۔

(۳) شام کے وقت اور بالعموم نماز مغرب کے بعد لاہور اور دوسرے شہروں کی مسجدوں کے دروازوں پر جا کر دیکھو۔ جب مسلمان نماز پڑھ کر باہر آتے ہیں تو اہلِ ہنود کی بیسیوں عورتیں اپنے بیمار بچوں کو گود میں لئے دم کرانے کے واسطے دروازوں کے باہر کھڑی نظر آئیں گی۔ یہ عورتیں جاتے وقت مسلمانوں کے جوتے اُتارنے کی جگہ کی خاک لے کر اپنے خوبصورت ننھے بچوں کے منہ پر ملتی ہیں۔ اور یہ یقین رکھتی ہیں کہ مسلمانوں کے جوتوں کی خاک میں بھی شفا ہے۔ اگر وہ اسلام کو سچا نہ سمجھتیں تو ایسا کیوں کرتیں۔

(۴) اور سُنیئے۔ انگریزوں کی آمد کے ابتدائی زمانے میں ولایت سے ایک پادری آیا۔ اور بمبئی میں ہزاروں قرآن مجید خریدنے شروع کر دئے۔ ایک مولوی صاحب نے اس سے دریافت کیا کہ تو کیوں قرآن شریف خرید رہا ہے؟ اس نے کہا ولایت سے حکم آیا ہے کہ جتنے قرآن شریف ہندوستان میں ہوں سب حاصل کر کے انہیں نیست و نابود کر دو۔ مولوی صاحب نے فرمایا ''تو دیوانہ ہے۔ ہمارا قرآن شریف ان کاغذوں پر نہیں ہے۔ ہمارے دِلوں پر لکھا ہوا ہے۔ ہمارے دس دس سال کے بچوں کے سینوں میں لِکھا ہوا ہے۔ تم اگر لکھوکھا قرآن شریف سمندر میں غرق کر دو، تو بھی ہمارے قرآن شریف کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو۔ ہم ایک دن میں لکھوکھا قرآن شریف پھر لکھ سکتے ہیں''۔

کیا دُنیا میں کوئی اور مذہب ہے، جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ان کی کتاب اوّل سے آخر

تک کسی کو یاد ہو؟ فقط کلام پاک کا ایک نمونہ تو یہ فقیر ہی آپ کے سامنے ہے جو بارہا اس کی صداقت کا تجربہ کر چکا ہے۔ نماز تراویح میں کئی دفعہ یہ واقعہ گزرا کہ فقیر کو نیند سے بیخودی آ گئی۔ اس غنودگی کی حالت میں بھی قرآن شریف کے الفاظ صحت کے ساتھ ادا ہوتے رہے۔ اگر سینوں میں لکھا نہ ہوتا تو نیم ہوش کے عالم میں وہ الفاظ کیسے زبان سے نکل سکتے تھے۔

قرآن شریف کے حروف پانچ لاکھ چالیس ہزار چھ سو۔ رکوع پانچ سو چالیس۔ سورتیں ایک سو چودہ۔ آیات چھ ہزار چھ سو چھ ہیں۔ کیا کوئی اور مذہب والا یہ بات بتا سکتا ہے کہ ان کی مذہبی کتاب کے اتنے حروف ہیں؟ کیا کوئی مذہب والا اپنی کتاب اوّل سے آخر تک حرف بحرف زبانی پڑھ کر سُنا سکتا ہے؟ ہمارے ملکوں میں تو دس دس سال کے بچے ہر شہر ہر قصبے میں موجود ہیں، جو کلام اللہ کے حافظ ہیں۔

(۵) جب قرآن شریف نازل ہوا تو مغربی ایشیا میں دو زبانیں مروج تھیں۔ ایک عبرانی جو انجیل کی زبان تھی۔ دوسری سریانی جو توراۃ شریف کی زبان تھی۔ اس سے بڑھ کر اسلام کے سچا ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خداوند کریم نے نہ صرف یہ کہ ان کتابوں ہی کو اٹھا لیا۔ بلکہ ان کی زبانوں کو بھی اٹھا لیا۔ آج ان تمام ملکوں میں سے کوئی ملک یا شہر یا قصبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں عبرانی یا سریانی زبان بولی جاتی ہو۔ اب ان تمام ممالک میں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ اور عربی زبان ہی کا دور دَورہ ہے۔ جو قرآن مجید کی زبان ہے۔

(۶) جب دنیا میں قرآن شریف نازل ہوا تو تمام ہندوستان، خصوصاً بھارت ورش میں، سنسکرت بولی جاتی تھی۔ اب اس تمام علاقے میں واحد گھر بھی نہیں ہے، جہاں شاستری زبان بولی جاتی ہو۔ بلکہ اس زبان کو سمجھنے والے آدمی بھی خال خال ہی نظر آئیں گے۔ اگر کوئی کتاب تمام دُنیا کی اصلاح کا دعویٰ کرتی ہے تو وہ صرف قرآن پاک ہے۔ کوئی اور کتاب تمام عالم کی اصلاح کا دعویٰ ہی نہیں کرتی۔

(۷) کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اہل ہنود کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے۔ نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتابیں جن کا وہ آسمانی ہونا بیان کرتے ہیں، کب، کس جگہ اور کس پر نازل ہوئیں۔ اس وقت کون قومیں آباد تھیں۔ اور کون سی مخلوق دنیا میں موجود تھی۔

(۸) قرآن شریف کی برکتیں اور رحمتیں اتنی ہیں کہ انسان کے احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ مگر مشتے نمونہ از خروارے، فقیر دو تین آپ کے رُوبرو بیان کرتا ہے:۔

الف: تیز سے تیز تلوار فقیر کے پاس لائیں، فقیر قرآن پاک کی آیت شریف پڑھ کر اس پر دم کر دے گا، اور وہ ایسی کند ہو جائے گی کہ انسان کا بال تک بھی نہ کاٹ سکے گی۔

(ب) کسی شخص کو اگر باؤلے کُتے نے کاٹا ہو تو اس کو فقیر کے پاس لاؤ۔ فقیر قرآن مجید کی آیت پڑھ کر گیلی مٹی پر دم کر کے اس شخص کے بدن پر ملے گا، تو اس مٹی میں سے جس رنگ کا کتا تھا، اسی رنگ کے بالوں کی صورت میں باؤلے کُتے کا زہر باہر نکلے گا۔ اور سگ گزیدہ فضل الٰہی سے بالکل تندرست ہو جائے گا۔

(ج) تین ماہ کا عرصہ ہوا۔ فقیر ریاست رام پور گیا ہوا تھا۔ ایک شخص نے آکر کہا کہ ''میری عورت کو سات دن سے دَردِ زِہ ہو رہا ہے۔ تمام ڈاکٹر اور دائیاں عاجز آگئے ہیں۔ نہ وہ مرتی ہے نہ اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ سب نے مایوس ہو کر اسے لاعلاج بتا دیا ہے۔'' فقیر نے اپنے پاس سے تین کھجوریں لے کر، ان پر قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ کر، دم کر کے اس کو دیں۔ اس کی فقیر کو اپنے پیر و مُرشد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت تھی۔ پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ شخص دوڑتا ہوا آیا اور مبارکباد دی کہ خدا کے فضل سے بچہ ہو گیا۔ محض کلام الٰہی کی برکت سے ایسا ہوا۔

(د) کسی شخص کا لڑکا گم ہو جائے، تو فقیر مٹی کے تین ڈھیلوں پر قرآن شریف کی ایک سورۃ پڑھ کر دم کر دے گا۔ وہ مفقود الخبر بچہ اگر خدائے تعالیٰ کو منظور ہوا تو آٹھ دن کے اندر ہی گھر واپس آجائے گا۔ صدہا مرتبہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔

حالاتِ حاضرہ:۔

ابھی کل کی بات ہے کہ جب یورپ کی آتش نے سلطنت عثمانیہ کو جو اس وقت حرمین الشریفین کے خادم اور خلافت کے متحمل تھے، آگھیرا۔ کئی سال کی جنگ کے بعد آخر ترکوں کو شکست ہوئی اور سلطان المعظم خلیفۂ اسلام یورپی دُوَل کے ماتحت ایک کٹھ پتلی سا ہو گیا۔ تمام ممالک اسلامیہ میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً کشمیر سے راس کماری تک

اور پشاور سے کلکتہ تک، ایک شور برپا ہوگیا کہ دُوَل یورپ نے اسلام اور خلافتِ اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ چونکہ خلافت اہلِ اسلام ایک مقدس مسئلہ ہے۔ اس لئے خلافت کے برقرار رکھنے کے لئے ہر جائز و ممکن کوشش کرنا ہر مسلمان کا مقدّس فرض ہے۔

چنانچہ لکھوکھا روپیہ اس مقصد کے لئے فراہم کیا گیا۔ سینکڑوں مجلسیں قائم کی گئیں۔ لیکچر، وعظ اور تقریریں کی گئیں۔ گریہ وزاری، الحاح وتضرّع سے بارگاہِ ربّ العزّت میں التجائیں اور دُعائیں کی گئیں۔ غیرتِ مولیٰ کریم جوش میں آئی اور مصطفیٰ کمال پاشا نے اناطولیہ میں نوجوان ترکوں کی جماعت کی مدد سے ایک خودمختار ترکی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اور دُوَل یورپ کے پنجوں سے پہلے تو خلیفۂ اسلام اور مقامِ خلافت کے رہا کرانے کی کوشش کی۔ اور دوسرا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ مگر خدا جانے کہ اس کو کیا منظور ہے کہ ایک طرف تو تمام عالم اسلام میں خلیفہ کے تقرر اور خودمختاری کے لئے شور برپا تھا اور دوسری طرف ترکانِ احرار کی اسی مجلس نے سال گزشتہ خلیفۂ اسلام کو ملک بدر کر دیا۔

اربابِ علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انہی ترکوں کے آباؤ اجداد نے جب خلافتِ عباسیہ کو بغداد سے مٹایا تو وہ بُت پرست تھے۔ نوشت وخواند سے بالکل بے بہرہ اور اخلاق وآداب سے بالکل معرّا تھے۔ اوّل درجہ کے ظالم اور سفّاک تھے۔ انہوں نے علمائے اسلام اور صوفیائے عظام کو چُن چُن کو قتل کرایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غیرت جوش میں آئی تو کیا ہوا۔ تُرک دو صوفیائے کرام خواجہ محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ محمد دربندی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے دربار میں لائے۔ ان کو سخت عذاب دیا گیا۔ مگر یہ مقبولانِ بارگاہِ ایزدی رحمۃ للعالمینی کی شان میں جلوہ گر تھے، اس لئے ان کے نورِ باطن سے ترکوں کے دِلوں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور محکوموں کے سچے مذہب نے بُت پرست حاکموں کو ایسا محصور و مسحور کیا کہ ان کو سوائے مذہب اسلام کو قبول کرنے کے اور چارہ باقی نہ رہا۔ سبحان اللہ! اسلام میں وہ جذب اور کشش ہے کہ جو کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے، بالآخر اسی کو اس کا دل دادہ اور شیفتہ ہونا پڑتا ہے۔

ایسا ہی حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا ہے۔ کہ معاذ اللہ گھر

سے تو وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے اور نورِ خداوندی کو بُجھانے کے لئے جارہے تھے، مگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے ہی حضور ﷺ کی ایک نظر سے شہید خنجر تسلیم ہو گئے اور اسلام کی وہ وہ خدمات کیں جن کو مخالفین اور معاندین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

اسی طرح انہی ترکوں نے مسلمان ہوکر مشرقی یورپ کا اکثر حصہ فتح کرلیا۔ اور قسطنطنیہ کو فتح کر کے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور پیش گوئی پوری کر دکھائی۔ اور بعد میں خادمِ خلافت بن کر سینکڑوں سال تک حرمین الشریفین کی خدمت کرتے رہے۔ مولیٰ کریم کے فضل و کرم سے فقیر کو اب بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی پاک بندے کے طفیل اسلام اور اہلِ اسلام کے ان تمام مصائب کو بھی دُور کرے گا۔

شہر خالی ست زعشاق مگر از طرفے مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

فتنۂ ارتداد:۔

ابھی خلافت کا زخم دلوں میں تازہ تھا کہ اہلِ ہنود کے تمام فرقوں نے مل کر ایک سنگھٹن کی بنیاد رکھی۔ جس کی غرض وغایت یہ ہے کہ پرستارانِ توحید اور غلامانِ اسلام کو جادۂ حق سے منحرف کر کے ان کو شدھ یعنی مرتد بنایا جائے۔ اور معاذ اللہ اسلام اور حلقۂ بگوشان اسلام کا نام تمام ہندوستان سے مٹایا جائے۔

ہر بلائے کز آسمان آید خانۂ انوری ہمی جوید

چنانچہ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ لالہ منشی رام صاحب سابق مینجر گوروکل کانگڑی نے، جو بڑے پکے اور متعصب آریہ سماجی ہیں، آگرہ میں ایک مرکز قائم کیا۔ اور مسلمان ملکانوں کو مقدّس مذہب اسلام سے منحرف کرنے کے لئے بہت سے پرچارک مقرر کئے۔ روپیہ کا لالچ اور ڈرانے دھمکانے کے حربے استعمال کئے۔ ملکانوں کے ہندو بنانے کے لئے لکھوکھا روپے جمع کئے گئے جس میں اہلِ ہنود کے تمام طبقوں نے، راجہ سے لے کر دہقان گنوار تک نے، حصہ لیا۔

جو دُکھ غریب مسلمان ملکانوں کو دیا گیا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ کسی کو طمعِ زر سے

منحرف کرنے کی کوشش کی گئی۔ کسی پر ناجائز دباؤ اور رعب ڈالا گیا۔ کسی کو قرقی، نیلامی اور قید کی دھمکی دی گئی۔ ماؤں کو بچوں سے اور بچوں کو ماؤں سے، خاوند کو عورت سے اور عورت کو خاوند سے علیحدہ کرنے کی سعی کی گئی۔ مگر خدا کا احسان اور فضل ہے کہ چند اہل درد اہلِ اسلام نے اس طرف توجہ کی۔ اور بہت جلد کئی انجمنوں نے فتنۂ ارتداد کے سدِّ باب کرنے کا تہیّہ کرلیا۔ اور سرگرمی سے شدّھی اور سنگھٹن کے خلاف کام شروع کردیا۔ بھولے بھالے مسلمان ملکانوں کو غیر مذہب والوں کی چالاکی اور عیّاری سے مطلع کیا گیا۔ ان کو اسلام کے اصولوں کی حقّانیت اور تقدیس سے آگاہ کیا گیا۔ مبلّغ مقرر کرکے دینی مدرسے کھولے گئے۔ مدرّس مقرّر کئے گئے۔ مساجد اور چاہات کی تعمیر کی گئی۔ شفاخانے بنائے گئے اور مسلمان بچوں کو ضروری ارکانِ اسلام کی تعلیم اور تلاوت قرآن پاک کی تعلیم دینی شروع کی گئی۔ الحمد للہ! کہ اس کام میں خدا کے فضل سے اس قدر کامیابی ہوئی کہ اس کا شکر ادا کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔

انجمن خدّام الصوفیہ علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ کے اراکین نے اس مقدس کام میں جس قدر حصہ لیا اور جو کام کر دکھایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اور صفحۂ روزگار پر تاابد درخشاں رہے گا۔ انجمن کے مدارس میں سے دو مدارس علاقہ کشمیر میں، دو عدد علاقہ جموں میں، دو عدد علاقہ ریاست بڑودہ میں، باقی ۳۴ مدارس علاقہ علاقۂ آگرہ، متھرا، دہلی، ایٹہ، بلند شہر، گڑ گانواں، علی گڑھ، فرخ آباد وغیرہ میں ہیں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ آریہ سماجیوں کو ان کے اس کام میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اور سال گزشتہ تو وہ بالکل مایوس و ناکام ہوکر واپس جارہے تھے اور اپنی غلطی پر نادم تھے۔ مگر حضرات! اہل اسلام اور اسلام کی یہ کامیابی محض تائید خداوندی اور فضل الٰہی پر منحصر تھی۔ ان کے مقابلے میں ہمارے پاس کوئی طاقت نہ تھی۔ اس لئے یاد رہے کہ ہمیں اپنی کامیابی اور آریہ سماجیوں کی ناکامی پر جو بحکم قل جآء الحق وزحق الباطل۔ (سورہ سبأ: ۴۹) (ترجمہ) فرمایئے کہ حق آیا اور باطل ختم ہوگیا۔) ایک خدائی حکم کے ماتحت ہے۔ پھول کر اس نیک کام کی اشاعت اور تبلیغ کو بند نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ کو بخوبی علم

ہے کہ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے۔ اور مسلمانوں کا ہر فرد اس کا مبلّغ اور اشاعت کنندہ ہے۔

آپ کو بخوبی علم ہے کہ گزشتہ ماہ فروری ۱۹۲۵ء میں آریہ سماجیوں نے متھرا میں دیانند کی، (جو آریہ مت کا بانی تھا)، سوسالہ یاد میں ایک جلسہ کیا تھا۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے اہل ہنود کے لیڈر وہاں جمع ہوئے تھے۔ جہاں اہل اسلام کو مٹانے، اور مسلمانوں کو ان کے مقدس اور پاک مذہب سے گمراہ کرنے کے لئے کئی پوشیدہ اور ظاہر کمیٹیاں کی گئیں۔ اسی مطلب کے لئے لکھوکھا روپیہ جمع کیا گیا۔ معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں خفیہ سازشوں میں یہ حلفیہ فیصلہ ہوا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کم از کم پندرہ مسلمانوں کو گمراہ کر کے جادۂ مستقیم سے پھسلا کر اسلام سے خارج کرے گا۔ اور ہر طرح کے ناجائز طریقے، روٹی کا لالچ، لڑکیوں کا جال، زر کے لالچ کو کام میں لایا جائے گا۔

اس لئے ہر مسلمان کو آیندہ کے لئے ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ اپنے مذہبی اصولوں سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنی چاہئے۔ پاک مذہب اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اپنے بچوں کو اصول اسلام اور حقانیت اسلام سے اچھی طرح واقفیت کرانا چاہئے۔ اور تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلے کو جاری رکھ کر مخالفین و معاندین اسلام کی مدافعت کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

ابھی کل کا ذکر ہے کہ اخبار ''تنظیم امرتسر'' اور اخبار ''زمیندار'' میں اور ان سے قبل اخبار ''ملاپ'' میں ایک طویل مضمون لالہ ہردیال ایم اے کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ہردیال نے اسلام اور اشاعت اسلام پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راقم مضمون اسلام کی اشاعت اور اس کی تبلیغی تعلیم سے بالکل ناواقف ہے۔ یا پھر تعصّب کی پٹی نے اسے اندھا کر رکھا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ:

''اہل ہنود کا اسلام سے ہرگز اتفاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو ہر جائز و ناجائز کوشش سے ہندو بنا کر اہل ہنود کے کسی نہ کسی فرقے میں داخل کرلو۔ اور اسی طرح سوراجیہ حاصل کرلو۔ اور بھارت ورش کو تمام غیر ہندوؤں سے پاک اور شدھ کرلو۔ یعنی تمام غیر مذاہب کو نیست و نابود کردو۔ اگر تم یہ نہیں کرسکتے تو پہلے سوراجیہ حاصل کرلو۔ یہ سوراجیہ

ریاست بہاولپور یا نظام حیدر آباد کا سا نہ ہو بلکہ کامل آزاد اور با اختیار ہو۔ اور ہندو ریاست قائم کر کے پھر سلطنت کے رعب، جاہ و حشم کی تخویف اور زر کے لالچ سے تمام مسلمانوں کو گمراہ کر کے ہندو بنالو"۔

یا للعجب! بڑی دُور کی سوجھی، حقیقت یہ ہے کہ ہر ہندو، خواہ وہ ہندوستان میں ہو یا جلاوطن ہو، اس کے دِل میں یہی خواہش موجزن ہے کہ جس طرح ہو، ہندوستان سے مسلمانوں کو اور ان کے مقدّس مذہب اسلام کو مٹا دیا جائے۔ یا تو مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے یا ان کو گمراہ کر کے ہندو بنالیا جائے۔ اِدھر ناعاقبت اندیش مسلمان گہری نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور اپنے مآل وانجام سے بالکل بے خبر ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ زمانہ کس طرف کو جارہا ہے۔ اور وہ کہاں ہیں۔ زمانہ کی تگ ودَو میں وہ کس قدر پیچھے ہیں۔ نہ زمانۂ ماضی سے پشیمان نہ حال کی پروا نہ فردا کی فکر۔ ایسی بے بسی کی حالت میں خدا ہی مقلّب القلوب ہے کہ ان کے دِلوں میں محبت اسلام بھر دے۔ ان کو فکرِ فردا میں لگا دے۔ ان کو دینی ودُنیاوی ضرورتوں سے آگاہ کر دے اور پکا مسلمان بنا دے۔

دو سال کا ذکر ہے کہ جب فقیر بمبئی سے واپس آرہا تھا تو حکیم اجمل خان صاحب فقیر کو ملے تو فقیر نے ان سے کہا کہ "لاہور میں جمعیۃ العلماء نے نومبر ۱۹۲۲ء میں بے چارے بے گناہ موپلوں کے برخلاف غلط افواہوں کی بنا پر ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانے کا الزام لگا کر یہ تجویز پاس کی کہ مسلمانانِ ہند کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ان سے ہمدردی ہے۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ آج ہندو زبردستی غریب مسلمانوں کو راہِ توحید سے پھسلا کر مرتد بنارہے ہیں۔ آج تمہارے لیڈران ہندوؤں کے خلاف کیوں ریزولیشن پاس نہیں کرتے؟"

اہل ہنود کا اتفاق اور یگانگت اور آپس کے تعلقات ایسے مضبوط اور استوار ہیں کہ وہ ایک کام کرنے کے لئے کئی سال پیشتر سے تیاری کرتے ہیں۔ واقعات ماضی اس پر شاہد ہیں کہ وہ مجبور مسلمانوں پر پہلے دستِ ظلم وتعدّی دراز کرتے ہیں۔ ان کو تلوار بندوق کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا نظام واتحاد نہایت مستحکم ہے، اس لئے بعد میں خود کو مظلوم ثابت کر دیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو جو کسی مرکزی انتظام سے وابستہ نہیں ہیں، ظالم، مجرم،

چور وغیرہ بنا کر ان کا چالان کرا کے سزائیں دلواتے ہیں۔ اہلِ ہنود صاحبِ زر ہیں۔ ان کے حکام زیادہ ہیں۔ حکومت کے ہر شعبے میں ان کا عنصر غالب ہے۔ تجارت تمام ملک کی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اپنے زر، زور، لحاظ سے مظلوم کو ظالم بنا کے انصاف پروری نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ اُلٹا غریب اور بے کس، جاہل اور بے علم، بے گناہ اور بے سہارا مسلمانوں کو اپنی ہر طرح کی جائز اور ناجائز سعی سے مجرم بنانے اور سزائیں دلوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

سال گزشتہ کے واقعات سہارن پور، آگرہ، ملتان، دہلی، اجمیر وغیرہ کے اس امر کی کافی شہادت ہیں۔ مگر مسلمان ہیں کہ ان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ وہ ہر طرح کی مراعات سے کام لیتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کے بڑے سے بڑے دشمن کو بادشاہی مسجد کے منبر پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ اہل ہنود کی نعشوں کو کاندھا دیا۔ ان کی دلجوئی کی خاطر چند نام نہاد مسلمانوں نے اسلامی شعار ذبیحہ گاؤ کو ناجائز تک کہنا شروع کر دیا۔ بلکہ تمام مسلمانانِ ہند نے محض اہل ہنود کے احساسات کا لحاظ کر کے کوئی گائے قربان نہیں کی۔ ادھر ہندو ہیں کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان کو راہِ ہدایت سے منحرف کر کے مشرک اور کافر بنانے کے لئے سرتاپا کوشش کر رہے ہیں۔

اول تو ہر جگہ مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں پٹتے اور مقتول ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی جگہ ہندو ظالم ہوتے ہوئے بھی مظلوم بن جاتے ہیں اور تمام لیڈران قوم ان سے مصالحت ومفاہمت کے لئے کوشش کرتے ہیں، تو بھی وہ مسلمانوں کو پھانسی چڑھائے نہیں چھوڑتے۔ اور مسلمانوں کی سادہ دِلی دیکھئے کہ کنکھل وغیرہ میں اہلِ ہنود نے جو مظالم بے کس اور مجبور مسلمانوں پر کئے ۔ حد یہ کہ بچوں کو زندہ جلا دیا۔ ڈپٹی کمشنر ضلع نے خود مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے اس حال میں دیکھا۔ اس پر چند اہلِ ہنود کو سزا ہوئی تو مسلمان لیڈر سارے مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ جلسے کر کے گورنمنٹ کو تار دیئے جائیں کہ وہ ہندوؤں کو رہا کر دے۔ سبحان اللہ!

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہماری مروّت اوراحسان کانتیجہ یہ ہوا کہ ہم کوکمزور، بے کس اور بے بس خیال کرلیا گیااورسرے سے ہم کوملک بدر کرنے اور ہمارے استیصال کے لئے منصوبے بناکرکوشش کی گئی۔مگر یادرہے کہ مذہب اسلام چراغِ خداوندی ہے۔اس چراغ کوبُجھانا آسان نہیں۔یہ تاقیامت روشن رہے گا۔ے

چراغے راکہ ایزد برفروزد کسے کوتف زندریشش بسوزد

ے نورِخدا ہے کفرکی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا

اب اہلِ اسلام کا یہ کام ہے کہ وہ گذشتہ برسوں کے تلخ تجربے سے سبق حاصل کریں۔مومن کا کام یہ نہیں کہ ایک سوراخ سے دوبارہ ڈنک کھائے، نیش زنی کرائے۔

ہرچندآزمودم ازوے نبودسودم من جرب المجرب حلت له الندامه

(ترجمہ:جس نے تجربہ کردہ کام کی آزمائش کی وہ پشیمانی میں پڑا)

اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو برداشت ہمارے مذہب میں ہے۔کسی اور مذہب میں نہیں ہے۔مگر یہ یادرہے کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنے مذہب میں رخنہ اندازی برداشت نہیں کریں گے۔ہم کسی شعارِ اسلام کوترک کرنے کے لئے کسی حال میں بھی تیار نہیں ہوں گے۔وہ اتفاق، وہ صلح جس سے ہماراایمان،اسلام اوراعتقاد جاتارہے،ہم کسی طرح بھی ماننے کوتیار نہیں ہیں۔ہندوقوم ہماری سالہاسال کی آزمائی ہوئی ہے۔ان سے یہ توقع کرنی کہ ہمارے ساتھ دوستی رکھے گی، ہمارے ساتھ اتحادویگانگت کرے گی، بالکل فضول اورلاحاصل ہے۔بمصداق

باہداں بدباش وبانیکاں نکو جائے گُل،گل باش وجائے خار،خار

اور

نکوئی بابداں کردن چنانست کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

ہمارااولین فرض ہوناچاہئے کہ ہرجائزطریقے سے ہم اپنی حفاظت اورغیروں سے بچاؤاورمدافعت کی کوشش کریں۔

افسوس! کہ مومن، بھولا بھالا مومن، ان عیاریوں اور چالاکیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ تاریخ داں اصحاب پر روشن ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کی کن نفوس کی بدولت ہوئی۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حضرت خواجہ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ان سے پیشتر ان کے پیر بھائی حضرت سیّد حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں رونق افروز تھے۔ ان کا بھی اہلِ ہنود سے سخت مقابلہ تھا۔ ان کو تکلیفیں پہنچانے کی بہت کوششیں کی گئیں۔ مگر حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے باطن میں نور نبوّت سے نور ولایت موجود تھا۔ اس نور کے سامنے کوئی استدراج کہاں کامیاب ہوسکتا تھا۔ خدائی نور نے تمام دُنیاوی ساحرانہ چراغوں کو بُجھا دیا۔ اور حق باطل پر غالب آ گیا۔ ازاں بعد حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ اور پرتھوی راج سے مقابلہ ہوا۔ حضور کے الفاظ مبارک کی خداوندِ عالم نے ایسی قدر کی کہ جو آپ نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ آپ نے پرتھوی راج کو کہا کہ "ما تُرا اِزندہ بہ مسلماناں سپردیم"۔ خدا کی شان اسی سال تراوڑی کے مقام پر پرتھوی راج زندہ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آیا اور قتل ہوا۔

خدا کے پاک اور مقبول بندے اہل اسلام میں اب بھی موجود ہیں۔ اگر وہ قسم کھا کر کسی کام کے لئے کہہ دیں گے تو انشاء اللہ العزیز خداوند کریم ویسا ہی کر دکھائے گا۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

مگر یہ تمام قصور ہمارا ہے کہ ہم خود اپنے ہاتھوں تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ سال ہا سال سے ہمارے ساتھ اس قسم کا بُرا سلوک ہو رہا ہے، اور مختلف قسم کے مظالم ہم پر توڑے جا رہے ہیں تو ہم کیوں ہوشیار نہیں ہوتے؟ ہماری مظلومی، بے کسی اور بدانتظامی کی کوئی حد نہیں تو ہم کیوں اپنی تنظیم کی فکر نہیں کرتے؟

برادرانِ اسلام! اِدھر تو مسلمانانِ ہند اپنی زبردست ہمسایہ قوم کے مقابلے میں فتنۂ ارتداد کا سدِّ باب کرنے میں مصروف تھے، اُدھر ناگاہ ان کے زخمی اور مجروح دِلوں پر ایک اور کاری زخم لگا۔ یعنی عرب کی مقدّس سرزمین اور حرم شریف میں جہاں ہر قسم کا جدال وقتال شرعاً منع ہے، جس جگہ داخل ہو جانے والے کے لئے امن کی ضمانت خداوند کریم نے

دی ہے۔ فرمایا ہے و من دخلہ کان اٰمنا۔ (ترجمہ: اور جو کوئی اس میں داخل ہوا وہ امن میں ہوا)۔ ہزاروں بے گناہ بندگان خدا اور غلامانِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تہ تیغ کیا گیا۔ مردوں ہی کو نہیں بلکہ جیسا کہ بعض اخباروں میں درج ہے کہ نجدیوں نے معصوم بچوں، بوڑھوں اور بے گناہ عورتوں کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ جوانوں کا تو بفرضِ محال یہ قصور سمجھا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حکومت کے خلاف کوئی کام کیا ہو اور اطاعت نہ کی ہو مگر بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا کیا گناہ تھا؟

گنہ بود مرد ستمگارہ را　　　چہ تاواں زن و طفل بے چارہ را؟

خدا کی شان! وہ سرزمین مقدس جہاں بال تک کاٹنا، ناخن تک تراشنا اور جوں تک مارنا منع ہو، وہاں جو لوگ بے گناہ غلامان سرکارِ دوعالم ﷺ کو ذبح کریں، ان کے اس فعل شنیع و نامشروع کو کچھ لوگ استحسان کی نظر سے دیکھیں اور مبارکباد کے تار دیویں۔ گویا حرم شریف کی بے حرمتی اور شعائرِ اسلام کی مخالفت کرنے کو جائز قرار دیا جائے۔ افسوس صد افسوس!! مگر خداوند عالم پر پورا بھروسا رکھنا چاہئے کہ یہ پاک اور مقدّس گھر اُس کا اپنا گھر ہے۔ اس کے فضل و کرم سے یقین رکھنا چاہئے کہ خدائے قدّوس جلد اس صورت کو تبدیل کرے گا!!!

رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند　　　چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

اتفاق واتحاد:۔

تمام اسلامی فرقوں کا اتفاق چاہنے والو!

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری　　　سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

برادرانِ ملّت! آج کل تمام ہندوستان میں ہر طرف، ہر سمت، ہر گوشے سے اتفاق، باہمی اتحاد کی آواز آتی ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتفاق اور اتحاد کے خلاف نہیں ہے۔ اسلام تو تمام انسانوں کو اتفاق واتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ کسی کی دل آزاری روا نہیں رکھتا۔ تواریخِ عالم شاہد ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے کس دریا دلی اور عالی حوصلگی سے مخالفین و معاندینِ اسلام کے ساتھ سلوک کیا۔ کس عالی ہمتی سے ان کو مراعات دیں۔ کیوں نہ

کرتے؟ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے ان کو اسلام میں لانے کا حکم نہ تھا۔ **لا اکراہ فی الدین** ۔(البقرہ:۲۵۶)(ترجمہ: کوئی زبردستی نہیں دین میں)۔اور **لکم دینکم ولی دین** ط (سورہ کافرون:۶)(ترجمہ: تمہیں تمہارا دین، مجھے میرا دین)۔آیات پاک اس پر شاہد ہیں۔مگر اس پر بھی یہ الزام کہ اسلام تلوار کی دھار سے پھیلایا گیا۔یہ بالکل غلط، بہتان اور افترا ہے۔

حضرات !غیر قوم کے ساتھ جو ہندوستان کے طول وعرض میں آباد ہے، اس کے ساتھ اتفاق واتحاد کا جو تلخ تجربہ مسلمانانِ ہند کو ہوا، وہ اُوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ان سے بہتری کی اُمید رکھنی یا دوستی واتفاق کی امید رکھنی صریحاً ارشاد باری کے خلاف ہے۔اب ان مدعیان وحامیانِ اسلام کا حال سُنیے۔جو دراصل خود تو ارکان اسلام اور سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خلاف عمل کرتے ہیں۔اور راہِ راست سے منحرف ہو گئے ہیں۔اور ان کو جو جادۂ مستقیم اور دین قیم اور سنت مصطفوی ﷺ پر قائم ہیں، ان کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ افسوس! ایسا شور برپا کرنے والوں کو علم ہونا چاہئے کہ وہ یقیناً خود ہی ارکان اسلام سے ناواقف اور ناآشنا ہیں نہ تو وہ خود صحیح معنوں میں غلام سرکارِ مدینہ ہیں، اور نہ وہ لوگ ہی غلامان حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کے لئے یہ لوگ شور برپا کر رہے ہیں۔ یہ سب فاتبعونی کی صفت سے بالکل مبرا ہیں۔

افسوس !وہ ہم کو اتفاق کیلئے مجبور کرتے ہیں۔اور ہم پر نااتفاقی کا الزام لگاتے ہیں۔جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ہم اہل سُنّت الجماعت کی آبادی تمام ممالک اسلامی میں زائد از چالیس کروڑ ہوگی۔اور ہندوستان میں قریب سات کروڑ کے مسلمان ہوں گے۔جن میں بمشکل چند لاکھ دوسرے فرقوں کے ہوں گے۔باقی زائد از ساڑے چھ کروڑ اہل سنّت والجماعت ہیں۔جو بالضرور اتفاق واتحاد پر قائم ہیں۔

اب ہندوستان میں جہاں ہر وقت آزادی مذہب کی ڈینگ ماری جاتی ہے، ہر روز نئے نئے مذہب حشرات الارض کی طرح پیدا ہو رہے ہیں۔مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ پیغمبری کے بعد، کئی ایک پیروان مرزا غلام احمد نے پیغمبری کے دعوے کئے۔مرزا غلام احمد پہلے سیالکوٹ کی کچہری میں اہلمد ی کے عہدے پر ملازم تھا۔وہاں سے مختار کاری کا امتحان

دیا جس میں ناکامی ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ مریم، عیسیٰ، مہدی، نبی، کل نبیوں کا نچوڑ، معاذ اللہ، اللہ کا بیٹا، خدا کا پیدا کرنے والا وغیرہ پھر کرشن گوپال بن کر اس جہان سے سدھارا۔

برادران! آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ صادق نبی اور کاذب نبی میں کیا فرق ہے۔ مگر چند ایک امتیازی نشانات میں بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ (اول) سچا نبی کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوتا۔ اس کا علم لدّنی ہوتا ہے۔ وہ رُوح القدس سے تعلیم پاتا ہے۔ اس کی تعلیم و علم بلاواسطہ خداوند قدّوس سے ہوتا ہے۔ جھوٹا نبی اس کے خلاف ہوتا ہے۔ (دوئم) ہر سچا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد ایک دم بحکم ربّ العالمین مخلوق کے رُوبرو دعویٰ نبوّت کرتا ہے اور انی رسول اللہ کے الفاظ سے دعویٰ کرتا ہے۔ بتدریج اور آہستہ آہستہ کسی کو درجۂ نبوّت نہیں ملا کرتا۔ جو نبی ہوتا ہے وہ پیدائش سے نبی ہوتا ہے۔ جھوٹا نبی اس کے برخلاف آہستہ آہستہ دعوؤں کے بعد نبوّت کا دعویٰ کرتا ہے۔ (سوم) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک جتنے بھی نبی ہوئے تمام کے نام مفرد تھے۔ کسی سچے نبی کا نام مرکب نہ تھا۔ اس کے برعکس جھوٹے نبی کا نام مرکب ہوا۔ (چہارم) سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا۔ سچا نبی کسی اولاد کو محروم الارث نہیں کرتا۔ جھوٹا نبی ترکہ چھوڑ کے مرتا ہے اور اولاد کو محروم الارث کرتا ہے۔

مرزائی جو مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں وہ ختم نبوّت کے قائل نہیں ہیں۔ اس طرح وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مدارج رسالت و نبوّت میں کمی کرنے والے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج مرزا غلام احمد کے لئے مانتے ہیں۔ پھر ان سے اہل سنت والجماعت کس طرح اتفاق کر سکتے ہیں؟ ہم نے ان کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ خود ہم سے علیحدہ ہو کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ نہایت حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ مرزائی خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو چھوڑ کر اور کی غلامی اختیار کریں۔ اس پر بھی ان کو مسلمان سمجھا جائے!! نفاق تو وہ خود کرتے ہیں۔ جماعت ناجیہ کو خود انہوں نے چھوڑا۔ بموجب فتویٰ اہل سنت والجماعت وہ خود دین اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے اور چاہ ضلالت میں جا گرے ہیں۔ بے وفائی تو انہوں نے خود کی جو راہِ راست سے پھسل گئے۔ طوقِ غلامی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم

انہوں نے گلے سے اُتار دیا۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ بعض نادان دوست ہم کو کہتے ہیں کہ ان سے اتفاق کرو۔ نا اتفاقی کے مرتکب وہ ہیں اور شکایت الٹی ہماری!!

گلہ ہم سے ہے بے وفائی کا کیا طریقہ ہے آشنائی کا

دوسرا گروہ ہندوستان میں وہابیوں کا ہے۔ جو اپنے آپ کو اہل حدیث پکارتے ہیں۔ حالانکہ یہ نام قرآن پاک میں کسی جگہ نہیں آیا۔ وہاں تو اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس گروہ کی بھی ہندوستان میں بہت قلیل تعداد پائی جاتی ہے۔ اس جماعت کا بانی ایک شخص عبدالوہاب نجدی تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں بہت گستاخیاں کیں۔ ایسے ایسے ناروا کلمات کہے جو نا قابل بیان ہیں۔ وہابیانِ ہند اس سے بھی بدتر عقیدہ رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ! حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارجِ نبوّت اور مقاماتِ رسالت محمدی ﷺ کے منکر ہیں۔ اور حضور ﷺ کی شان مبارک میں بے ادبی اور گستاخانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اسلام اور ایمان تو محبّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ جس کو حضور ﷺ سے محبت نہیں، جسے حضور ﷺ کی غلامی کا فخر نہیں، اس میں ایمان نہیں۔ جتنی زیادہ محبت اور غلامی حضور کی ہوگی اتنا ہی زیادہ ایمان ہوگا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہانت کرے گا، بے ادبی اور گستاخی کرے گا، وہ ایمان سے دُور ہوگا۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہم تو ان بھائیوں کو جو ہم کو چھوڑ کر راستے سے بھٹک گئے ہیں، ہر وقت اپنے میں ملانے کے لئے، ان سے اتفاق واتحاد قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ راہِ راست پر واپس آجائیں۔ قصوروار خطا کار تو وہ خود ہیں۔ طوق غلامی محبوب کبریا ﷺ کو انہوں نے گلے سے اُتارا ہے۔ اربابِ محبت اور صاحب دلوں کی صحبت کو انہوں نے ترک کیا ہے۔ حبیب ربّ العالمین ﷺ کی محبت کے رشتے کو توڑ دیا ہے۔ تو پھر ان سے کسی مومن، صاحب ایمان، غلام سرورِ دوجہان ﷺ کا کوئی تعلق ہو تو کس طرح سے۔

آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں
اس کو اربابِ محبت میں کروں میں کیا شمار

نہایت تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات رُوحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہیں اور بزرگانِ دین کو گالیاں دیں، ہم ان کی یاوہ گوئی بھی سُنیں اور پھر ان سے سلوکِ محبت واخوّت کا سلسلہ قائم رکھیں۔ تو پھر ہم سے بڑھ کر بے غیرت اور کون ہو سکتا ہے۔!! **لا ایمان لمن لا غیرة له**۔ (ترجمہ: جس کو غیرت نہیں اس میں ایمان نہیں۔)

ایمان والوں کے لئے تو حکم ہے کہ وہ ایمان والے تبھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز سمجھیں۔ (آیت شریفہ) **النبی اولی بالمئومنین من انفسھم**۔ (سورہ احزاب:٦) ترجمہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے) اور (حدیث) **لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده ووالده والناس اجمعین** (ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے لئے اس کی اولاد اور والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔۱۲) جب اصول ایمان یہ ہوا تو جو بے دین پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرے، بزرگانِ دین، مشائخ کرام، علمائے عظام کی توہین کرے، اس سے ہمارا کیا تعلق!!

مرزائی ہوں یا وہابی، چکڑالوی ہوں یا بابی، وہ خود ہم کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ اور الزام الٹا ہم پر لگایا جاتا ہے کہ ہم ان سے اتفاق کیوں نہیں کرتے۔ ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد! کیا حدیث شریف میں نہیں ہے کہ جو اسلام میں رخنہ اندازی کرنے والا ہو، جو بدی کرنے والا ہو، جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بدگوئی کرنے والا ہو، اس سے علیحدگی اختیار کر لو؟ کیا یہ قرآنِ پاک کا حکم نہیں ہے کہ جب تم کسی سے ملو، جو ہماری آیات کی نسبت بیہودہ گفتگو کر رہا ہو تو اس کی صحبت سے پرہیز کرو؟ **فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین**۔ (پارہ:۷، سورہ الانعام:٦٨) (ترجمہ: یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔۱۲) انہی لوگوں کی پہچان میں حدیث شریف شاہد ہے کہ قرآن مجید ان کی گردنوں سے یعنی حلق سے نیچے نہیں ہوگا"۔

ہم بالکل صاف دل سے اور علی الاعلان کہتے ہیں۔ اور ہر وقت کہتے ہیں کہ ہم کو کسی سے کوئی پرخاش نہیں، کوئی ذاتی غرض ناراضگی کی نہیں۔ ہم سے بھاگ جانے والے ہم سے جدا ہو کر چاہِ ضلالت میں جا گرنے والے، گمراہی کے بادیہ کے سرگرداں، آج پھر واپس آ جائیں تو ہم ان کو گلے لگانے کیلئے تیار اور ان کی خدمت کیلئے کمر بستہ ہیں۔ ہمیں کوئی کینہ اور بُغض ان سے نہیں ہوگا۔

آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن کفرست در طریقت ما کینہ داشتن

کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن وفا کینم و ملامت کیشم و خوش باشیم

اتفاق و اتحاد کا راگ گانے والوں سے کہہ دینا چاہیے کہ کیا ان کو یاد نہیں ہے کہ حضرت سرورِ کون و مکان، محبوب انس و جان، رُوحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کا اجماع کبھی غلطی پر نہ ہوگا؟ (حدیث شریف) **لاتجمع اُمتی علی الضلالته**۔ (ترجمہ: میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی) وہ ذرا چشم بصیرت سے بنظرِ غور دیکھیں اور سوچیں کہ اُمت کے سوادِ اعظم کا اجماع کس طرف ہے اور وہ کس طرف۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص سوادِ اعظم کو چھوڑ دے گا وہ داخلِ دوزخ ہوگا۔ **اتبعو سواد الاعظم فانه من شذ شذفی النار** ۔(ترجمہ: تم بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔ پس جو شخص جماعت سے جدا ہوا، وہ دوزخ میں جدا ہوا۔)

حضرات! فقیر نے اوپر بیان کیا ہے کہ آئے دن ہندوستان میں حشرات الارض کی طرح نئے مذہب پیدا ہوتے ہیں۔ فقیر کے دیکھتے دیکھتے ہندوستان میں وہابی، مرزائی، چکڑالوی، بابی، بہائی وغیرہ پیدا ہوئے۔ چکڑالویوں کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ان کا شمار انگلیوں پر ہوتا ہے۔ چکڑالوی کسی سنت و حدیث حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نہیں مانتے۔ قرآن پاک کے معنے اور تفسیر اپنی مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ اتفاق کا ڈنکا پیٹنے والے بتائیں کہ ان سے اتفاق و اتحاد عمل کس طرح ہوسکتا ہے۔ نہ تو وہ صحیح معنوں میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ نہ ان سے محبت اور تعلق رکھتے ہیں۔ اور نہ ان کے اعمال و افعال مطابق سنت ہیں۔

ان کے علاوہ دو گروہ اور قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو رافضی دوسرے خارجی، رافضی اصحاب ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر صوفیائے کرام کو گالیاں دینا اور تبرا کرنا اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ خارجی اہل بیت کو تبرّا کرنا اپنا ایمان جانتے ہیں۔ کوئی ذی عقل و ہوش ایسے مذہب کو صحیح اور درست سمجھ سکتا ہے۔ جس میں گالیاں دینا اور دوسروں کو بُرا بھلا کہنا جائز اور جزو ایمان خیال کیا جائے؟ اور اس پر طرّہ یہ کہ ہم سے کہا جاتا کہ ان سے سلوک کرو۔ سلوک کن سے کرو؟ ظالموں سے، دین میں رخنہ اندازی کرنے والوں سے، ہم سے جدا ہو جانے والوں سے۔ سبحان اللہ! ان سے اتفاق کرانے والوں کا کیا یہ منشا تو نہیں ہے کہ ہم بھی ان سے مِل کر گمراہ ہو جاویں اور اپنا ایمان کھو دیویں۔ معاذ اللہ۔ خداوند کریم ایسے غلط مشورہ دینے والوں کو نورِ بصیرت، عقل سلیم، ایمان کامل عطا کرے۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ کون غلطی پر ہے اور کون صحیح ہے۔ کس سے اتحاد و اتفاق عمل ہو سکتا ہے۔ کون سے دو شخص مل کر صحیح کام کر سکتے ہیں۔ کیسا اتفاق و اتحاد صحیح نتیجہ نکالے گا۔ اور کس اتحاد سے جنگ و عناد پیدا ہوگا۔ ؎

صحبت ناجنس گر جاں بخشدت خوش دل مباش

آب را دیدی کہ ماہی را بدام افگند و رفت

؎ وصلے کہ در و ملال باشد ہجراں بہ ازاں وصال باشد

تاریخ کو دیکھو تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آج سے ستر سال پہلے دُنیا میں ایک فرد بھی وہابی نہ تھا۔ اور تمام ملکوں میں مسلمان اہل سنت والجماعت تھے۔ آج سے چالیس (۴۰) سال پیشتر ہندوستان میں کوئی مرزائی یا قادیانی نہ تھا۔ سب اہل سنت والجماعت تھے۔ آج سے بیس (۲۰) سال پیشتر تمام دُنیا میں کوئی چکڑالوی نہ تھا۔ یہ تمام مذاہب فقیر کے دیکھتے دیکھتے ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کے جس قدر پیرو ہیں۔ ان کو فقیر تو کہتا ہے کہ رہزنی اور ڈاکہ زنی کے ذریعے ہماری جماعت سے چرائے گئے ہیں۔ اور اب یہ سب ہم سے سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لئے سوال یہ ہے کہ نا اتفاقی اور مخالفت کرنے والے ہم اہل سنت والجماعت ہیں یا وہ جنہوں نے نئے نئے مذہب اختیار کئے۔ اور جادہ مستقیم

اور سنت نبوی ﷺ سے پھسل گئے۔ ہم پر یہ الزام لگانا کہ ہم نااتفاقی پیدا کرتے ہیں۔ محض تہمت اور بہتان عظیم ہے۔ ہم تو دل سے چاہتے ہیں اور شب و روز دُعا مانگتے ہیں کہ جتنے کافر دُنیا میں آباد ہیں، سب خدا کرے مسلمان ہو جائیں۔ اور غلامی سرکار دو عالم ﷺ حاصل کر کے ہر دو جہان میں سرخروئی حاصل کریں۔ تو ہم مسلمانوں کو کس طرح اپنے سے علیحدہ کر کے کافر بنانا چاہیں گے۔!!

آریہ سماجی اخبار ''ملاپ'' لاہور نے فقیر کی نسبت یہ لکھا تھا کہ ''اس کی سعی سے پچیس ہزار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا''۔ گو یہ تعداد غلط تھی۔ مگر فقیر خداوند کریم مجیب الدعوات کی بارگاہِ قدس میں دُعا کرتا ہے کہ فقیر کے ہاتھ سے بجائے پچیس ہزار کے، خدا کرے پچیس لاکھ ہندو مسلمان ہو جائیں!! ہمارے دشمن تو ہماری نسبت یہ رائے ظاہر کریں اور ہمارے بھائی ہم پر یہ الزام لگائیں کہ ہم مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ یہ ہم پر صریح بہتان ہے۔ بخدا ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ تمام کے تمام مرزائی، خارجی، وہابی، بابی، مہدوی وغیرہ اپنے عقاید باطلہ سے تائب ہو کر صحیح اسلامی عقاید کی جانب رجوع کریں۔ اور اہل سنت والجماعت کا سوادِ اعظم بن جائیں۔ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقو۔ (آل عمران: ۱۰۳) (ترجمہ: اور اللہ کی رسّی مضبوطی سے تھام لو سب مل کر اور باہمی تفریق نہ کرو)۔ ہم ان کو دل و جان سے اپنے ساتھ ملانے کو تیار ہیں۔ ''چشمِ ماروشن دلِ ماشاد''۔

کوئی شخص اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ اہل سنت والجماعت میں سے کسی شخص نے بھی کسی کو یہ کہا ہو کہ وہ ہم میں سے نکل جائے۔ اس کے برعکس ان سب کو واپس لانے اور اپنے میں ضم کرنے کیلئے یہ ''آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' قائم کی گئی ہے۔ تاکہ وہ سب اپنے عقاید باطلہ کو چھوڑ کر پھر ہمارے ساتھ مل جائیں۔

آپ نے غالباً رسالہ تشحیذ الاذہان (جس کو اہل اسلام تخریب الایمان کہتے ہیں) دیکھا ہوگا۔ یہ رسالہ مرزا محمود قادیان سے نکلتا تھا۔ غالباً اپریل ۱۹۱۰ء کے رسالہ میں مرزا محمود نے لکھا تھا کہ جو کوئی مرزا غلام احمد کو پیغمبر نہیں مانتا، وہ کافر ہے۔ اس طرح اس نے اپنے خیال کے بموجب تمام دُنیا کے مسلمانوں کو کافر بنا دیا۔ اس لئے کہ وہ مرزا غلام احمد کو پیغمبر نہیں

مانتے۔ اب ایسے اعتقاد والوں کو اہل سنت والجماعت کیوں اپنے میں ملائیں۔ ان کے لئے تو واقعی وہی سزا صحیح ہے جو کابل میں مرزائیوں کو ملی۔ جو شریعت حقّہ کے مطابق ہے۔ جمعیۃ العلمائے ہند بھی اس امر کی تصدیق کر چکی ہے۔

تاریخ عالم اور سِیَر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اشاعت و تبلیغ اسلام کا جس قدر کام کیا ہے، وہ سب اہل سنت والجماعت کے پاک اور مقبول بندگانِ خدا نے کیا ہے۔ جو کچھ ہوا ان کی سعی اور انہی کے یمن و برکت سے ہوا۔ جس طرف ان غلامان سرکار سرمدی ﷺ نے رُخ کیا، فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوگا؟ وہ اپنی خواہشات کو اتباع سنت اور محبت رسول ﷺ میں فنا کر چکے تھے۔ جو کام کرتے تھے خالصتاً لوجہ اللہ کرتے تھے۔ نمود و نمائش، ریا، آلائش کا شائبہ تک ان کے کاموں میں نہیں ہوتا تھا۔ ان کو خداوند کریم کی طرف سے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** (التوبہ:١٠٠) کا خطاب حاصل تھا۔ مگر افسوس! کہ آج ان کا ایمان، ان کی سعی و ہمت، ان کا استقلال و ارادہ، ان کا عزم و جزم ہم میں باقی نہ رہا۔

سُبحان اللہ! مومن کی بڑی اونچی شان ہے۔ بڑا بلند پایہ ہے۔ مومن کسی سے مغلوب نہیں، کسی سے نہیں ڈرتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ شاہد ہے۔ **ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**۔ (ترجمہ: اور سُستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ اور تم غالب ہو اگر تم ایمان والے ہو") ۔ خداوندِ کریم کا وعدہ کسی طرح بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **لا تخف انک انت الاعلی** ۔ (ترجمہ: تو مت ڈرو بے شک تو غالب ہے)۔ جب مومن کی یہ شان ہے کہ سب سے بلند، سب سے اعلیٰ ہے، کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا، تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہماری موجودہ پست حالت کا سبب کیا ہے۔ غور کیجئے تو نظر آئے گا کہ

ہر چہ ہست از قامت ناساز و بد اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

سوچئے کہ ایسے پاک اور مقدس مواعید کے ہوتے ہوئے ہماری اس ذلت و نکبت کی کیا وجہ ہے۔ ہمارے ادبار و افلاس کا کیا سبب ہے۔ آخر اس مفلوک الحالی، بے عزتی، مصائب و آلام، رنج و بلا کی کوئی وجہ تو ضرور ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا زمانہ تھا تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل تھی۔ حضور ﷺ کے بعد اصحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی مسلمان باقی اقوام کے مقابلے میں بہت کم تعداد میں تھے۔ یہ کیا وجہ تھی کہ انہوں نے جدھر کا رُخ کیا تمام عالم کو مسخر کر لیا، مملکتوں کو تہ و بالا کر ڈالا، بڑے بڑے گردن کشوں کو مطیع و فرماں بردار بنالیا۔ بڑے بڑے باجبروت بادشاہ مسلمانوں کے نام سے کانپتے تھے اور تمام عالم ان کے زیرِ فرمان تھا۔ ایک وہ وقت تھا کہ اسلام کے سچے قلیل التعداد غلاموں اور متبعان رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شجاعت و ایمان، تہوّر و مردانگی، عالی ہمتی، دریا دِلی، فیاضی، حریّت، مساوات کا تمام عالم میں سکّہ بٹھا دیا تھا، اور ایک آج کا وقت ہے کہ باوجود دُنیا کے تمام اسلامی ممالک میں قریب چالیس کروڑ کے مسلمان موجود ہیں۔ مگر باوجود اس کثیر تعداد کے وہ ادبار و فلاکت اور ذلّت و نکبت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی سلطنتیں غیر اقوام نے یکے بعد دیگرے برباد کر دیں۔ ان کے اموال و املاک کو تاراج کیا۔ ان کے علم کی دولت ان سے چھین لی گئی۔ ان کی عزت جاتی رہی۔ تجارت ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ اقوامِ عالم میں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔

ان تمام خرابیوں، بے عزتیوں، ذلت و ادبار کی کچھ وجوہ ضرور ہیں۔ اسلام، پاک اور مقدس اسلام، اپنے اصولوں میں ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔ اس پر کار بند ہونے والے آج بھی ویسے ہی پُر جوش صاحب ایمان ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دِلوں میں پھر ویسی ہی گرمی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آج کے مسلمانوں کے اعتقادات بھی صحیح ہیں کہ نہیں۔ کیا نورِ ایمان و ایقان ہمارے دلوں میں موجود ہے؟ کیا ہم وہ محبت رسولِ ﷺ اور اتباعِ سُنّت جو ہمیں فاتبعونی کے درجہ میں لا کر شانِ محبوبیت پر پہنچاتی ہے، پائی جاتی ہے؟

حضرات! خداوند کریم جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے، کبھی اپنے محبوب کو ذلیل نہیں ہونے دیتا، اس لئے آؤ! اس صحیح معیار پر اپنے اعتقادات اور اعمال اور محبت اور نورِ ایمان کو پرکھیں۔ اگر ہم میں وہی محبت ہو جو صحابہ اکرمؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، یا مشائخ عظام اور صوفیائے کرام میں پائی جاتی تھی تو ہم کو محبوبیت اور مومن کی شان، جو تمام عالم سے اعلیٰ

اور ارفع ہے، نصیب ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہم میں نہ محبتِ رسول ﷺ ہو، نہ اتّباعِ سُنّت ہو، نہ صحیح ایمان ہوں۔ نہ اعمال صالح ہوں، نہ نسبت مشائخ حاصل ہو، تو پھر ہم نہ مومن ہیں نہ مسلم۔ بلکہ ہم صرف ''بدنام کنندۂ نکونامے چند'' کے مصداق ہیں۔ اگر ہمارا ایمان صحیح نہیں اور ہم ارکانِ اسلام کی پابندی نہیں کرتے، ذکرِ خدا کے نور سے دِل کو گرم اور روشن نہیں کرتے، نماز جو معراجِ مومن ہے ادا نہیں کرتے، شعائرِ اسلام کی پروا نہیں کرتے، تو پھر

جی عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب!

کام چور اس کام پر کس منہ سے اُجرت کی طلب

یاد رکھو! خداوند کریم کے وعدے کبھی غلط اور جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ ہم ہی ان وعدوں کے اہل نہیں ہیں۔

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدیؔ سب پر **تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا**

دیکھو تو خداوند کریم قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ج ونحشرہ یوم القیامة اعمی ج قال رب لم حشر تنی اعمی وقد کنت بصیرا ط قال کذالک ج اتتک آیاتنا فنسیتها و کذالک الیوم تنسی ط ☆ (پارہ:۱۶، سورہ طٰہٰ:۲۴ تا ۲۶)

(ترجمہ: اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اُس کے لئے تنگ زندگانی ہے اور ہم اُسے قیامت کے دِن اندھا اٹھائیں گے، کہے گا اے رب میرے! مجھے تو نے کیوں اندھا اُٹھایا، میں تو آنکھوں والا تھا، فرمائے گا یوں ہی تیرے پاس آیتیں آئی تھیں تو نے اُنہیں بھُلا دیا اور ایسے ہی آج تیری کوئی خبر نہ لے گا)۔

عزیزان وبرادران ! قرآن پاک وہ کتاب ہے جس کا ہر حکم اہل ایمان کے لئے موجب ازدیاد ایمان ہے۔ جس کے ایک حرف کا انکار بھی مسلم کو کافر بنا دیتا ہے۔ تو پھر ماننا پڑتا ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کو جس نے صرف اسلام کو پسندیدہ مذہب بنایا ہے اور جس نے حکم فرمایا ہے کہ بدون اسلامی طریقہ کے اور کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی، مسلمانوں سے کوئی ضد نہیں ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے ہی شعائرِ اسلام

کی خلاف وَرزی کی، ان کے اعتقادات صحیح نہ رہے۔ ان کے اعمال وافعال غلط ہیں، اور ان کے اعتقادات کے ہمراہ نور یقین کی تائید نہیں رہی، نیز بزرگانِ دین اور مشائخ عظام سے، جو نور ایمان اور نور یقین کا سرچشمہ ہیں، انہوں نے منہ پھیر لیا، اور یادِ خداوندی کا سرشتہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا، اور رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی غلامی ان سے چھٹ گئی۔ چنانچہ وہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔ خداوند کریم کے ذکر اور احکام سے منہ موڑنے کی جو سزا ملی، وہ یہ تھی کہ ان پر دُنیا تنگ کردی گئی۔ معیشت زندگی محدود کردی گئی۔ سلطنت چھین لی گئی۔ عزّت وآبرو، دولت وجاہ وحشمت جاتی رہی۔ اس پر بھی اکتفا نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو عاقبت میں اور بھی بھاری سزا ملے گی۔ اور قیامت کے روز ان کو اندھا اٹھایا جائے گا۔ تاکہ وہ دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں۔

ہر کہ امروز نہ بیند اثر قدرت او غالب آنست کہ فرداش نہ بیند دیدار

ارشاد ہوگا کہ چونکہ تم نے دنیا میں آنکھوں والا ہوکر اندھوں کی طرح ہماری آیات کو نہ دیکھا اور ان کو بھلا دیا۔ تو آج وہ دن ہے کہ ہم تم کو بھلا دیویں۔ خدا پناہ میں رکھے اس سزا سے!!

ے
دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی رسوائی ازیں سوا رندہ وازاں سود ر ماندہ

ے این جا غم معیشت آنجا سزائے عصیاں آسائش دوگیتی بر ما حرام کروند

آؤ! باز آؤ! ابھی وقت ہے۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ خداوند کی بارگاہِ عالی ہر وقت تمہاری دعاؤں کو، بشرطیکہ اضطرار وتضرّع سے کی جائیں۔ قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ ندامت کے آنسو بہاؤ۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو۔

باز آ۔ باز آ۔ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر وگبر وبت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اصلاح:۔

دیکھو! کون سی بدعادت ہے جو مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ ہر قسم کے عَیب اور گناہ میں ہم گرفتار ہیں۔ ہر موقع کی رسوماتِ بد جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہم میں پائی جاتی ہیں۔ بیاہ، شادی، منگنی وغیرہ پر بھی ہم سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کرتے

ہیں۔ فضول اور بُری رسموں نے ہم کو جادۂ مستقیم سے کوسوں دُور لے جاکے ڈال دیا ہے۔

بُرے اخلاق اور بُری عادات والے ہم میں بے شمار پائے جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے بھی بہت ہیں جوان بُرائیوں پر ساتھ ہی فخر بھی کرتے ہیں۔ العیاذ اللہ!۔ چوری، رہزنی، ڈاکہ، بداخلاقی اور دوسرے جرائم ہماری ہی قوم میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ حقہ نوشی، بھنگ، چنڈو، گانجا، افیون، مے نوشی وغیرہ سارے افعالِ بدفخر سے کیے جاتے ہیں۔ تعلیم کی طرف سے بالکل بے پروائی۔ ارکان مذہب سے بالکل ناواقف۔ دنیاوی تعلیم میں ہمسایہ قوم سے بہت پیچھے۔ تجارت میں کوئی حصہ ہی نہیں۔ ملکی ملازمتوں میں بھی صِفر۔ جائیداد املاک غیروں کے قبضے میں۔ غرضیکہ ہماری ذلّت کی کوئی حد نہیں۔

ہماری بے کسی اور بے بسی کی بُری حالت ہے، نہ ہماری کوئی مرکزی انجمن ہے نہ کوئی تنظیم۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنی اندرونی اصلاح کریں، یعنی اوّل اپنی دینی اصلاح کریں۔ دنیاوی اصلاح اس کے ساتھ ہوتی جائے گی۔ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اوّل اپنی دینی حالت کو درست کرے۔ یعنی اپنے دِل میں اسلام کی صحیح محبت پیدا کرے، اسلامی اصول وارکان کا پابند بنے، شعائر اسلام کی دِل سے عزّت کرے۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سچّا غلام بن جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے گزشتہ گناہوں سے تائب ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اسوۂ حسنہ کی پَیروی اختیار کرے۔ اور اس نورِ یقین کی برکت حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دِلوں کو منوّر کیا تھا اور جو نورِ باطن آج بھی صوفیائے کرام کے سینوں میں آفتاب درخشندہ کی طرح موجود ہے۔

برادران! آپ کو معلوم ہے کہ صرف دو مقدّس صوفیائے کرام (خواجہ محمد یعقوب اور خواجہ محمد دربندی رحمۃ اللہ علیہما) کی دُعا سے سارے تُرک مسلمان ہوگئے تھے۔ وہی توجہ، وہی نور، وہی دُعا، اب بھی اہلِ دِل اربابِ بصیرت کے سینوں میں موجود ہے۔ اگر موجودہ زمانہ کے زبوں حال مسلمان اپنے اعمال سَیّۂ سے تائب ہوکر صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہوں، ان سے نورِ ایمان وایقان حاصل کریں، اور عقاید اہل سنت والجماعت کے مطابق

اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں، تو پھر وہی کچھ بن سکتے ہیں، جو قرونِ اولیٰ میں تھے۔

غور کرو کہ وہ نورِ ایمان وایقان ومحبت رسول علیہ والصلوٰۃ والسلام کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یاد رکھو کہ عطّار کے پاس جاؤ گے تو عطر کی خوشبو پاؤ گے۔ آہن گر کے پاس جا کر بیٹھو گے تو نہ صرف کپڑے جلالو گے بلکہ ایسا بھی ہوگا کہ منہ بھی کالا ہو جائے گا۔ نورِ ایمان صرف صوفیائے کرام اور عاشقان ومتبّعان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نصیب ہوسکتا ہے۔ محبت رسول ﷺ اور معرفت خدا کے عطا کرنے والے یہی پاک وجود ہیں۔ دوسرے لوگ جو مُحبت سے نا آشنا ہیں، جو محبوبیت کی شان اور خلقِ محمدی ﷺ سے ناواقف ہیں، ان کے پاس بیٹھنے سے وہی آہن گر کی صحبت کا سا حال ہوگا۔ صوفیائے کرام صحیح آئینہ یا صحیح مظہر کمالات محمدی ﷺ ہیں۔ وہی فدائیان سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کا باطن نور محمدی ﷺ سے منوّر ہوتا ہے۔ اسی نور باطن سے وہ تمام عالم کو منوّر کرتے ہیں۔ مگر جو خود ہی نور کے حصول کی خواہش نہ کرے، اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان عاشقان محبوب ربّ العالمین ﷺ کی غلامی اختیار کریں اور ان کی خدمت میں حاضر ہوکر محبت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نورِ ایمان کے حصول کی سرگرم خواہش ظاہر کریں۔ تو پھر اُن کے لئے دنیا وآخرت میں بہتری ہوسکتی ہے۔

شو ہمدم پروانہ تا سوختن آموزی   باسوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

خود ارکانِ دین اور علم دین سے واقفیت حاصل کرو۔ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلاؤ۔ ان کو اصول وارکانِ اسلام حفظ کراؤ۔ ان کی پابندی کی ان میں پکّی عادت ڈالو۔ ان کو بدکاروں، بروں اور غیروں کی صحبت سے بچاؤ۔ اپنے علمائے کرام کی عزت کرو۔

دُنیا میں سوائے ہندوستان کے اور کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں اپنے بزرگانِ دین کی توہین کی جاتی ہو۔ جو اپنے بزرگوں کی عزت نہیں کرتا زمانہ اس کی عزّت نہیں کرتا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ علمائے اسلام کی جو تمہاری دینی اور دنیاوی بہتری کا راستہ بتاتے ہیں اور جو پیغمبر علیہ السلام کے وارث ہیں، ان کی عزّت وتکریم کیا کرو۔ ان کے مراتب کا لحاظ رکھا کرو۔ خوب یاد رہے کہ تمہاری قومیّت کی عزّت انہی کی عزّت وتعظیم پر

منحصر ہے۔اس لئے علمائے دین کی تعظیم وتکریم تمہارا اوّلین فریضہ ہے۔

دنیاوی تعلیم:۔

''علم مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے''۔ جہاں سے ملے اس کو حاصل کرنا اس پر فرض ہے۔اس لئے دینوی تعلیم حاصل کرنا، جو فی زمانہ مروج ہے، نہایت ضروری ہے۔تاکہ اہل اسلام غیر اقوام کے دوش بدوش شاہراہ ترقی پر چل سکیں۔کوئی قوم جب تک وہ زمانے کے علوم سے واقف نہ ہو دوسری قوم کے مقابلے میں ترقی نہیں کرسکتی۔نیز حکومت وقت کے ماتحت ملازمت حاصل کرنے کے لئے بھی موجودہ علوم میں سعادت اور تعلیم حاصل کرنی ضروری ہے۔بدوں تعلیم کے حصول ملازمت ممکن نہیں۔اور ملازمتوں میں بھی اہل اسلام کا دوسری قوموں کے مقابلے میں تناسب حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔

رسوم بد:۔

مسلمانوں کا ان تمام بُری رسموں سے، جو اسلام کے مقدّس اصول وارکان کے منافی ہیں، بالکل کنارہ کش ہونا لازم ہے۔یک قلم ایسی تمام بُری رسموں کو چھوڑ دینا چاہئے۔تمام رسوم ِبد سے توبہ کرنی چاہئے۔تمام عادات بد سے صحیح توبہ کر کے صحیح اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔فضول خرچی اور اسراف کے لئے قرآن پاک کا حکم ہے کہ انہ لایحب المسرفین۔(ترجمہ: بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں۔۱۲) نیز ارشاد ہے کہ ولا تبذرو اتبذیرا ج ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔(پارہ:۱۵،سورہ بنی اسرائیل:۲۶۔۲۷) ترجمہ: اور فضول نہ اُڑا، بے شک اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں)۔

اُخوّت ویگانگت:۔

اپنے غریب اور نادار اہلِ سنت مسلمان بھائی کو اپنا بھائی سمجھو۔اس کے ہمراہ اُخوّت ومحبت قائم کرو۔اس کی عزت تمہاری عزت ہے۔اگر تم اس کی عزت نہیں کرو گے، تو اس کو کون اپنا بھائی اور محبّ سمجھے گا۔ذرا غور کرو۔ممکن ہے تمہارے پاس دنیا کا زرومال اس سے زیادہ ہو، مگر خدا ہی جانتا ہے۔ممکن ہے کہ اس کے دِل میں نورِ ایمان اور محبت رسول مقبول

صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت زیادہ ہو۔اس صورت میں اس کا درجہ تم سے بہت بلند ہوا۔ یادرہے کہ خداوند کریم کی بارگاہِ عالی میں دُنیاوی زرومال تعظیم وتکریم کا معیار نہیں ہے۔وہاں توحکم خداوندی ان اکرمکم عند الله اتقاکم ۔(حجرات:١٣)(ترجمہ:بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جوتم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔)کے بموجب متقی اور پرہیز گار کا درجہ بلند ہے۔تو شاید خدا اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نزدیک وہ غریب مسلمان تم سے زیادہ عزت وتکریم کا مستحق ہو۔برادران!جس طرح تم سرکارِمدینہ ﷺ کے غلام ہو،اسی طرح وہ بھی سرکارِدوعالم ﷺ کا غلام ہے۔

من وتو ہردوخواجہ تاشانیم بندۂ بارگاہِ سلطانیم

تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ربّ العزت کا فرمان ہے۔انما المؤمنون اخوۃ۔(الحجرات:١٠)ترجمہ:مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔)جہاں مومنین کے آپس میں بھائی بھائی ہونے کا مژدہ سنایا گیا،وہاں زرودولت کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔یادرہے کہ اگر ایک مومن کودیکھ کر دوسرا اس سے محبت سے پیش نہیں آتا،یا اس کے دِل میں اس مومن کوغم ومصیبت میں مبتلا دیکھ کر رنج وغم پیدا نہیں ہوتا،تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے ایمان میں کمی ہے۔مومن کومومن سے محبت اور اُخوّت لازمی ہے۔

تمام اہلسنت والجماعت سے ان خرابیوں کودُور کرنے کے لئے یہ"آل انڈیا سُنّی کانفرنس" قائم کی گئی ہے۔تاکہ اہل اسلام کے دِلوں میں صحیح اسلامی تصوّرات پیدا ہوں۔ پرانے خدا اور پرانے رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کوصحیح معنوں میں غلام بنایا جائے۔تاکہ قرآنِ پاک کی مقدس تعلیم پران کوائمہ کرام اور سلف صالحین کی طرح مکمل کرنے کی راہ دکھائی جائے۔

آخر میں فقیر ایک بار پھر یہ بات دہراتا ہے کہ ایمان کی تکمیل،جونورایقان کی تائید کے بغیر ناممکن ہے،حضرت سرورِکائنات فخر موجودات روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبول غلاموں کی غلامی میں داخل ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔اس لئے تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ صدق دل اور خلوص ارادت کے ساتھ ان مقبولان بارگاہ صمدیت کی خدمت

میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں سے تائب ہوں۔ اور محبوبیّت سرکار دو عالم ﷺ کا مرتبہ حاصل کریں۔ اور یاد رکھیں کہ بدوں ان کی مہربانی اور عنایت کے حصولِ ایمان مشکل ہے۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ باشد ورق

☆☆☆☆☆

مواعظِ آگرہ

فتنۂ ارتداد کے زمانے میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے آگرہ میں ''انجمن خدام الصوفیہ'' کا مرکزی دفتر قائم فرمایا تھا۔ اس زمانے کی کارگزاریوں کا مختصر حال ''فتنۂ ارتداد'' کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۵/نومبر ۱۹۲۴ء کو حضور بہ نفسِ نفیس آگرہ تشریف لائے۔ اور بائیس دن قیام فرمایا۔ اس دَوران آپ نے آگرہ کی مختلف مساجد اور محلّوں میں مواعظِ حسنہ سے شائقین کو فیض یاب فرمایا۔ اس کے بعد انجمن کے تبلیغی کاموں اور کارگزاریوں کا معائنہ فرمانے اور تبلیغی کام میں رُوح پھونکنے کے لئے آپ نے کئی اضلاع کا دَورہ کیا۔ اور گاؤں گاؤں تشریف لے گئے۔ واپسی میں پھر چند روز آگرہ میں قیام فرمایا۔ قیامِ آگرہ کے دوران آپ نے فی البدیہہ اکیس وعظ فرمائے۔ جن کی رُوداد محفوظ ہے۔ ان مواعظ حسنہ کی تلخیص یہاں افادۂ عوام کے لئے درج کی جاتی ہے۔ آپ کا ہر وعظ خطبۂ مسنونہ اور تلاوت کلام پاک سے شروع ہوتا تھا۔ تکرار سے بچنے کے لئے ان کو محذوف کر دیا گیا ہے۔

پہلے جلسے کا وعظ

(بمقام اکبری مسجد بتاریخ ۲۶/نومبر ۱۹۲۴ء)

ارشاد فرمایا کہ وعظ تو آپ بہت سن چکے۔ وقت بہت گزر گیا ہے۔ اس لئے فقیر صرف چار ضروری مسائل آپ کو سنائے گا۔ اگر آپ نے ان کو یاد رکھا اور عمل کیا تو ہدایت کے لئے یہی کافی ہے۔

ہم ایک مرتبہ حیدر آباد دکن گئے تھے۔ ہمارے ساتھ ایک مولوی صاحب نے کئی گھنٹے فاضلانہ تقریر فرمائی۔ لوگوں نے مجلس وعظ سے اُٹھ کر مولوی صاحب کے وعظ کی بڑی تعریف کی۔ ہم جلسے سے قبل اختتام چلے آئے تھے۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ بتاؤ۔ مولوی صاحب نے کیا بیان کیا تھا۔ لوگوں نے جواب دیا۔ یہ تو ہم کو یاد نہیں کہ اُنہوں نے کیا کیا کہا تھا۔ مگر غضب ہی کر دیا تھا۔ مولوی صاحب بہت اچھا وعظ فرماتے ہیں۔

بھائیو! ایسے اچھے وعظ کا کیا فائدہ ہے۔ تھوڑی دیر کی واہ واہ کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔ اگر آپ کے سامنے دو چار ہی مسئلے بیان کئے جائیں اور تم ان کو تمام عمر یاد رکھو اور ان پر عمل کرو تو وہ تمہارے کام آسکتے ہیں۔ بس میں آج صرف چند ضروری باتیں بیان کروں گا۔

(۱) یقین رکھو کہ تمہارا خالق، مالک، رازق، رب صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کی یاد اور عبادت میں لگے رہو۔ چونکہ اس کی رضا جوئی اور معرفت بدون پیغام رسالت ناممکن اور محال ہے۔ اس لئے جان لو کہ حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب، خاتم النبیین اور شفیع المذنبین ہیں۔ طائر ایمان کے دو بازو ہیں۔ ایک بازو توحید کا ہے۔ دوسرا رسالت کا۔ جس طرح کوئی پرندہ صرف ایک بازو سے پرواز کر کے اپنے آشیانے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح تم بھی ایمان کے ان دونوں بازوؤں یعنی توحید اور رسالت کے بغیر منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

اسلام کا کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو اصل ایمان ہے، اس

میں پہلا حصہ توحید کا ہے۔ اور دوسرا حصہ رسالت کا ہے۔ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے۔ اور آپ کے ساتھ محبت کامل نہ ہو۔ کیونکہ حضورﷺ کی محبت ہی عین ایمان ہے۔ اور اس بارے میں خود قرآن کریم اور احادیث نبوّی شاہد عادل ہیں۔ اکیسویں پارے سورۂ احزاب آیت:۶، میں ارشادِ ربانی ہوتا ہے۔ **النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم** ۔ (ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کیلئے ان کی اپنی جانوں سے بھی اولیٰ ہیں۔) اس آیت پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس آیت کی رُو سے ثابت ہے کہ مسلمان حضورﷺ کو اپنی جانوں سے بھی افضل سمجھیں۔ اگر کوئی ایسا نہیں ہے تو وہ مومن ہی نہیں ہے۔

اب حدیث شریف سنو! فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین** (صحیح بخاری، مسلم)۔ (ترجمہ: کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں ہے جب تک وہ آپﷺ کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور سارے جہان سے زیادہ محبت نہ رکھتا ہو)۔ پس ہر شخص جس کو مومن ہونے کا دعویٰ ہے، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ کہاں تک وہ اس آیت اور حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کامل رکھتا ہے۔ اور آیا وہ مومن کہلانے کا مستحق بھی ہے کہ نہیں۔ پس اپنے ایمانوں کو محبت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کامل اور مضبوط کرلو۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب دین اور دُنیا کے دو کام پیش آئیں تو تم پہلے دین کے کام کو سرانجام دو۔ یقین رکھو کہ تمہارا دُنیا کا کام بفضلہٖ تعالیٰ خود بخود بوجہ احسن انجام پذیر ہوجائے گا۔

مجھے ایک عرب کی روایت یاد آئی۔ ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا۔ اس کو نمازِ جمعہ ادا کرنا بھی ضروری تھی اور ساتھ ہی اس کا اُونٹ گم ہوگیا تھا۔ اس کو تلاش کرنا بھی ضروری تھا۔ نیز اس غریب عرب کے کھیت میں پانی دینے کی باری بھی آگئی تھی۔ اب اس کو یہ مشکل درپیش تھی کہ اگر جمعہ پڑھتا ہے تو گم شدہ اونٹ کی تلاش رہ جاتی ہے اور کھیت میں پانی نہ دے تو سال

بھر کی پیداوار سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ مگر عرب کی قوّتِ ایمانی نے فیصلہ کیا اور صحیح فیصلہ کیا، کہ اگر جمعہ ادا نہ ہوا تو آخرت کا دائمی نقصان ہے۔ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ ہاں! اونٹ نہ ملا تو دوسرا اونٹ بھی خریدا جا سکتا ہے۔ اور کھیت میں پانی نہ آیا تو روزی پہنچنے کے اور بھی بہت سے وسیلے ہو سکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا** ۔ پارہ:۱۲۔ سورہ ھود:۶۔ (ترجمہ: زمین پر جتنے جان دار چلتے پھرتے ہیں، ان سب کی روزی اللہ کے ذمہ ہے)۔ جب کوئی عاجز انسان کھانے کی دعوت کرتا ہے، تو اس کے وعدے پر بھروسہ کر کے آدمی بے فکر ہو جاتا ہے۔ اور اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ آج کا کھانا اسے مل جائے گا۔ بھلا وہ قادر وقیوم رزّاق مطلق روزی اپنے ذمّے کر لے تو پھر کسی کو کیا فکر ہو۔ ضرور کسی نہ کسی بہانے سے روزی مل ہی جائے گی۔

پس یہ یقین کر کے وہ عرب نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے چلا گیا۔ جب فارغ ہو کر گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ اونٹ مکان میں بندھا ہوا ہے۔ عرب نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ گم شدہ اونٹ کس طرح آ گیا۔ اس نے جواب دیا۔ میاں! بھیڑیے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یہ بے تحاشا بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ جب گھر میں داخل ہو گیا تو مَیں نے باندھ دیا۔ بھیڑیے جنگل کو واپس چلے گئے۔ اس سے مطمئن ہو کر وہ عرب اپنے کھیت میں پہنچا۔ تو دیکھا کہ تمام کھیت پانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر بے چارہ عرب حیران رہ گیا۔ آخر ہمسایہ سے پوچھا کہ بھائی ہمارا کھیت پانی سے کس طرح بھر گیا۔ ہمسایہ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر اپنا فضل فرمایا۔ ہم اپنے کھیت میں پانی دے رہے تھے۔ پانی دینے والا سو گیا۔ ہمارے کھیت سے پانی ٹوٹ گیا اور جب تمہارا برابر والا کھیت بھر گیا تب آنکھ کھلی۔ اس روایت سے بخوبی ظاہر ہے کہ عرب نے دِینی کام نماز جمعہ، کو مقدّم سمجھا۔ اور دُنیا کے کام چھوڑ کر نماز کے لئے چلا گیا تو خدائے تعالیٰ نے اس کے دُنیاوی کام بھی بنا دئے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ جسمِ انسانی تم کو مستعار دیا گیا ہے۔ یہ تمہارا اپنا دائمی مملوکہ ومقبوضہ نہیں ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے جو تم کو کچھ عرصے کے لئے مستعار دیا گیا ہے۔ اس سے تم جو کام لے لو وہ تمہارا ہے۔ بہت کم آدمی اس نکتے کو سمجھتے

ہیں۔ اکثر اس جسمِ مستعار کو اپنی متاع دائمی سمجھ رہے ہیں۔ اسی لئے اس کے نشوونما میں منہمک رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ روزہ محض اس لئے نہیں رکھتے کہ کہیں ہمارا یہ جسم کمزور نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس جسم کو تو مالک کی طلبی پر ایک روز تم سے جدا ہو جانا ہے۔ سمجھ دار آدمیوں کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جب وہ کوئی چیز کسی سے مستعار مانگتے ہیں تو تھوڑے عرصے ہی میں اس سے اپنا سارا کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ اس چیز کے واپس مانگ لئے جانے پر کام نہ کر لینے کی حسرت سے بچ جائیں۔ میرے عزیزو! اس جسم سے زادِ آخرت تیار کر لو۔ اس کو تو ایک روز اپنے مالک کے طلب کر لینے پر تم سے جدا ہو جانا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو اپنی اس غلط فہمی کی بنا پر کہ اس کو اپنی متاع سمجھ بیٹھے ہو، کوئی کام نہ کرنے کی حسرت اٹھانی پڑے۔ (اس موقع پر حضور نے بہت سے نیکوکار صالحین کا نمونہ پیش کیا۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں اپنے جسم کو مستعار سمجھا۔ اور اس سے ہمیشہ صحیح کام لینے کی سعی کرتے رہے)۔

(۴) چوتھی بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ ہر ایک نئی چیز پیاری اور لذیذ معلوم ہوا کرتی ہے۔ عرب کا مشہور مقولہ ہے۔ **کل جدید لذیذ** ۔ اس کلیہ کے مطابق آپ ہر ایک نئی چیز پسند فرمائیں۔ مگر یاد رکھیں کہ دین نیا اچھا نہیں ہوتا۔ دین وہی پرانا چاہئے۔ بھائیو! ہمارا خدا بھی قدیم اس کا کلام بھی قدیم۔ مذہب بھی قدیم رکھو جو تمہارے بزرگوں کا دین ہے۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض کوتاہ اندیش ہم کو بُرا کہتے ہیں اور عقاید باطلہ اور مذاہب جدیدہ کے ردّ کرنے پر ہم کو الزام دیتے ہیں کہ یہ بات تفرقہ پیدا کرتی ہے۔ لیکن جائے انصاف ہے کہ تمام جدید مذاہبِ باطلہ ابھی ہمارے سامنے پیدا ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں سب مسلمان اہلِ سنت والجماعت واحد دین کے پَیرو تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے بے دین لوگوں نے تفرقہ اندازی اور ڈکیتی کر کے ہم سے ہمارے بھائیوں کو جدا کر دیا۔ اور بدعقیدہ بنا لیا۔ تھوڑی مدّت کی بات ہے کہ یہاں کوئی مرزائی، وہابی، چکڑالوی، بابی، بہائی وغیرہ عقاید کا پَیرو نہ تھا۔ اب اگر اس سوادِ اعظم سے بھٹک کر گمراہ ہو گئے تو موردِ الزام وہ ہیں نہ کہ ہم۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث آپ کو سناتا ہوں۔ یقین جانو کہ

سوادِ اعظم ہمارے پرانے مذہب اہل سنت والجماعت سے نکل کر یہ جس قدر فرقے بن گئے ہیں، ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔ فرمایا مخبر، صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اتبعو سواد الاعظم . فمن شذ شذ فی النار ۔(ترجمہ: تم بڑے گروہ کی پیروی کرو جو الگ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا)۔ آج ہندوستان میں اتفاق اتفاق کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ اتفاق تو وہ کریں جنہوں نے تفرقہ اندازی کی۔ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ ساڑھے چھ کروڑ تو ہم اہل سنّت والجماعت ہیں اور ہم میں سے تفرقہ انداز ڈاکوؤں نے ڈاکہ مار کر، نااتفاقی کا بیج بو کر، ہمارے کچھ بھائیوں کو گمراہ کر دیا۔ صرف پچاس لاکھ آدمی یا اس سے بھی کم ہم سے نکل کر مرزائی، وہابی، چکڑالوی، بابی وغیرہ ہو گئے۔ بے اتفاقی انہوں نے کی۔ ہم تو اتفاق کے لئے تیار ہیں اور اتفاق پر قائم ہیں۔ اور الحمد للہ اسی اتفاق پر قائم رہیں گے اور اسی اتفاق پر مریں گے۔ نااتفاقی کرنے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرنا چاہیئے اور توبہ کر کے پھر سوادِ اعظم مذہب اہلسنت والجماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

دیکھو کہ بکریوں کا ایک گلہ ہے۔ جو بکری اپنے گلے سے باہر نکلے گی اور بھٹک جائے گی اس کو بھیڑیا پکڑ لے گا۔ جو بکری اپنے گلے سے باہر نہیں نکلے گی، اس کو بھیڑیا نہیں پکڑے گا۔ پس اسی طرح جو کوئی ہم میں سے نکل جائے گا، شیطان اس کو گمراہ کر دے گا۔ ڈاکو ڈاکہ مارنے میں سرگرم اور درپے آزار ہیں۔ تم اپنے ایمان کو مضبوط رکھو۔ ایمان کے بہت سے رہزن طرح طرح سے تمہارے ایمان کو چرانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ ان کی مجلسوں میں جاؤ نہ ان کی صحبتوں میں بیٹھو۔ نہ ان کی بات سنو۔

مَیں ایک مرتبہ پنجاب میں سفر کر رہا تھا۔ ایک زمیندار نے میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور دریافت کیا کہ ایک مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ غیر اللہ کا نام لینے سے چیز حرام ہو جاتی ہے۔ مَیں نے اس زمیندار سے کہا کہ یہ کھیت کس کا ہے۔ اس نے کہا میرا۔ مَیں نے پوچھا یہ لڑکا کس کا ہے۔ اس نے جواب دیا میرا۔ مَیں نے پوچھا یہ بَیل کس کا ہے۔ اس نے کہا میرا ہے۔ مَیں نے سوال کیا کہ بھائی! خدا تعالیٰ کا نام تو تم نے کسی چیز پر بھی نہیں لیا، تو

کیا سب چیزیں حرام ہوگئیں۔اس مولوی سے کہو کہ اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہے۔کیونکہ اس عورت پر اس کا نام آگیا۔نہیں!وہ خدا کی بندی تو اس پر حرام تھی۔غیر اللہ کا نام آیا اور مولوی کی عورت بنی، تبھی تو اس پر حلال ہوئی ہے۔

☆☆☆☆

دوسرے جلسے کا وعظ

(بمقام جامع مسجد آگرہ بتاریخ ۲۷/نومبر ۱۹۲۴ء)

کلمۂ طیبہ **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کے دو جز ہیں۔ایک جز **لاالہ الا اللہ** دوسرا جز **محمد رسول اللہ**۔سارے کلمہ شریف کے چوبیں حروف ہیں۔پہلا جز توحید ہے۔اس کے بارہ حروف ہیں۔دوسرا جز رسالت ہے۔اس کے بھی بارہ حروف ہیں۔یہ دونوں جز واصل ایمان ہیں۔اسی لئے ان دونوں اجزا کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ادھر **لاالہ الا اللہ** کی "ہ" ختم ہوتی ہے کہ **محمد رسول اللہ** کی "میم" شروع ہوجاتی ہے۔کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔جب تک ان دونوں اجزا پر ایمان نہ لائے۔یعنی ایک شخص صرف **لاالہ الا اللہ** کہتا ہے تو اس کو مومن نہیں کہہ سکتے۔توحید کا اقرار کرنے سے اس کو موحدّ کہیں گے۔پس ایمان کے لئے دوسرے جز **محمد رسول اللہ** کا ماننا ضروری ہوا۔اور اس قدر ضروری کہ پڑھنے میں **محمد رسول اللہ** پیچھے آتا ہے۔مگر اس کا اقرار مقدّم اور ضروری ہے۔کیوں؟اس لئے کہ **لاالہ الا اللہ** کہنا کس نے سکھایا؟توحید سے آگاہ کس نے کیا؟**محمد رسول اللہ** نے، صلی اللہ علیہ وسلم۔پس اوّل **محمد الرسول** پر ایمان لانا ضروری ہوا۔ورنہ صرف توحید سے کیا فائدہ۔یوں تو شیطان بھی بڑا پکا موحدّ ہے۔

حیدرآباد میں ایک مرتبہ مہاراجہ کشن پرشاد، وزیر ریاست فقیر سے ملنے کیلئے آیا۔جب اس کے عقاید کی بابت گفتگو ہوئی تو کہنے لگا۔حضرت!نہ مَیں مسلم نہ مَیں ہندو، مَیں تو موحدّ ہوں۔مَیں نے کہا راجہ صاحب!موحدّ تو شیطان بھی ہے۔مگر لعنت کا طوق گردن میں

پڑا ہوا ہے۔ اس کی توحید اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکی کہ اس نے آدم علیہ السلام نبی کا انکار کیا۔ جب تک رسالت کا اقرار نہ ہو، صرف توحید کے ماننے سے زیادہ سے زیادہ شیطان بن سکتے ہیں۔

اب ہم کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معنے بیان کرتے ہیں۔ پہلا جزو توحید ہے۔ اس کے معنے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اللہ۔ وہ ہمارا خالق، مالک اور رازق ہے۔ جب ہمارا ایمان اپنے خالق، مالک اور رازق پر ہو تو پھر فکر کیسی۔ مگر یہاں یہ حال ہے کہ صبح کو مل گیا تو شام کی فکر ہے۔ اور شام کو مل گیا تو صبح کی فکر لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی اتنی عمر تک وہ رزّاق مطلق پہنچاتا رہا ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ وہ اُسی طرح پہنچاتا رہے گا۔ فکر محض کامل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنا رازق کہتا ہے۔ اگر ایمان ہو تو فکر کیوں ہو۔

ایمان اس کیفیت قلبی کا نام ہے جو بندے کو اپنے مولیٰ پاک سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی معمولی انسان شام کے کھانے کو کہہ دے تو اس کے قول پر اتنا اعتبار ہوتا ہے کہ نہایت اطمینان سے بے فکر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور چولھے پر تَوا تک نہیں رکھتے۔ لیکن اس رزّاقِ مطلق رب العالمین احکم الحاکمین کے وعدے پر کسی معمولی انسان کے قول جیسا بھی اعتبار اور یقین نہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے تیری روزی اپنے اوپر واجب کر لی۔ اور تیری غفلت، کفر، بدعت، فسق، فجور، تمرّد، سرکشی کے باوجود بھی وہ رزّاقِ مطلق برابر روزی عنایت فرماتا رہا ہے۔ اور اسکا وعدہ سچا ہے۔ دیکھو پارہ ۱۲، سورہ ھود:۶۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ مسلمانو! جب تمہارا کلامِ الٰہی پر ایمان ہے تو تم اس کے وعدے پر کیوں یقین نہیں رکھتے۔ اور اس قدر روزی کی فکر میں لگ گئے کہ روزی رساں کو بھی بھول گئے۔ حضرت بیدلؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

چرا در رزق امروزہ اسیری فکر و غم داری	کہ ننگ از در احتیاج ایزد تا کہ دم داری
رساند رزق آں رزّاق مطلق غم مخور غافل	بھروسہ کن بر و بیدلؔ خدا داری چہ غم داری

حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ آپ پہاڑ میں یادِ الٰہی کے لئے

جا بیٹھے۔ جب کئی روز کا فاقہ ہوگیا تو گھبرا کر ایک آبادی کی طرف رجوع کیا۔ ایک یہودی کے دروازے پر پہنچے اور کھانے کے لئے دستِ سوال دراز کیا۔ یہودی نے دو روٹیاں دے دیں۔ شیخ روٹی لے کر چلے تو یہودی کا کُتّا پیچھے ہولیا۔ کچھ دُور گئے تھے کہ اس نے بھونکنا شروع کیا اور کاٹنے کو آمادہ ہوا۔ شیخ نے ایک روٹی کُتے کے آگے ڈال دی تا کہ جان بچائیں۔ کُتّا اس روٹی کو کھا کر پھر لپکا اور اسی طرح بھونکنا اور کاٹنا شروع کیا۔ شیخ نے دوسری روٹی بھی ڈال دی اور وہاں سے بھاگے۔ کُتے نے وہ بھی کھالی اور پھیر پیچھا کیا۔ جب کُتا نزدیک آ گیا تو شیخ نے کہا ''او بے حیا! مجھے کئی دن کا فاقہ ہے۔ اس پر دو روٹیاں ملی تھیں۔ وہ دونوں تجھے دے دیں۔ تو پھر بھی بھونکنے کاٹنے سے باز نہیں آتا''۔ اللہ تعالیٰ نے کُتے کو گویائی عطا کر دی۔ اس نے جواب دیا۔ ''اے شیخ! بے حیا میں نہیں ہوں، بے حیا تو ہے کہ اپنے مالک کا دروازہ چھوڑ کر اس کے دشمن، ایک یہودی، کے دروازے پر روٹی کے لئے آیا۔ مجھے دیکھ کہ میں سارے دن دھوپ میں اپنے مالک کی بکریاں چرا کر شام کو گھر آتا ہوں۔ میرا مالک رات کو آرام سے سوتا ہے اور میں رات بھر حفاظت کرتا رہتا ہوں اور صبر وقناعت سے اپنے اسی مالک کے دروازے پر پڑا رہتا ہوں۔ جب کبھی میرے مالک کو خیال آجاتا ہے، وہ روٹی کا ایک ٹکڑا ڈال دیتا ہے۔ میں اس پر قناعت کرتا اور راضی برضا رہتا ہوں۔ کبھی کسی غیر کے دروازے پر نہیں جاتا۔ بے حیا تو تو ہوا یا میں؟''

حضرت شیخ کی آنکھیں کھل گئیں اور ہوش آ گیا۔ کاش! انسان اپنے مالک کی رزّاقیت پر اتنا بھروسا ہی رکھتا، جتنا ایک نجس جانور کُتا اپنے مالک پر رکھتا ہے! ایک پنجابی بزرگ کہتے ہیں۔

دِتا کھاندے رب دا کون کھاندے کھٹ ستر اان ہی گلاں ہو یا چوڑ چپٹ

انسان کی بھول ہے کہ وہ روزی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کھاتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ خود اپنے قوتِ بازو سے کما کر کھاتا ہے۔ کیا یہی کلمۂ طیبہ پر ایمان ہے؟ قوّتِ بازو کہاں سے آئی؟ صحت وعافیت اور روزی کے اسباب کس نے پیدا کئے؟ وہی حقیقی داتا اور رازق ہے۔ ایک ہندو شاعر کہتا ہے اور خوب کہتا ہے۔

داتا ہمرا رام ہے مودی سگل جہان

یعنی دینے والا تو ہمارا وہی اللہ ہے اور خزانچی سارا جہان ہے۔ جو اس بادشاہ حقیقی کے حکم سے شاہی خزانہ کا مودی بن کر مال تقسیم کر رہا ہے۔ افسوس کہ بادشاہ حقیقی کو بھول گئے اور خزانچی کو دینے والا اور خزانے کا مالک سمجھ بیٹھے۔ یہ تو بڑا شرک ہے۔ مسلمانو! تم کو روزی، خواہ کسی دروازے اور کسی راستے سے اور کیسے ہی ذریعے بہانے سے ملے، سچے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے اپنے مولیٰ پاک کی طرف سے سمجھیں۔ اور اس کا شکر ادا کریں۔ ظاہری طور پر پہنچانے والا تو ایک خزانچی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ خزانچی کو شاہی خزانے پر ذاتی تصرّف کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ وہ بلا حکم شاہی اپنی ذات پر بھی ایک پیسہ نہیں خرچ کر سکتا۔

کسی شخص کو قبل از وقت اور بیش از قسمت کچھ نہیں مل سکتا۔ پھر فکرِ فردا کیوں؟ اور پریشانی کیسی؟ لاہور کے نزدیک ایک بزرگ شاہ کاکو گزرے ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک قوال نے ایسی خوش آواز سے قوالی سُنائی کہ شاہ صاحب خوش ہو گئے۔ اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے۔ قوال نے عرض کیا کہ حضرت! نہ رتی گھٹے نہ تل بڑھے، آپ کب مجھے وہ چیز دے سکتے ہیں جو قضا و قدر نے میری قسمت میں نہیں لکھی۔ نہ آپ میری قسمت میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ اور ایسا نہیں کر سکتے تو پھر میں کیا طلب کروں۔ شاہ صاحب کو ہوش آ گیا۔ فرمایا ''بھائی شاہ کاکو کا منہ کالا''۔ اب اس موضع کو ہی ''کالا شاہ کاکو'' کہتے ہیں۔

توحید کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر ہم صرف ایک ضروری مسئلہ اور سنا دیتے ہیں۔ جب انسان کا کوئی عزیز مر جاتا ہے تو وہ ہائے وائے کرتا ہے۔ اور سخت بے صبری ظاہر کرتا ہے۔ اس بے صبری کے کیا معنے؟ کیا یہی کلمہ طیبہ پر ایمان ہے؟ اگر کوئی آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ لاؤ وہ روپے دیدو جو ہم نے تم کو دیئے تھے۔ تو کیا کوئی سمجھ دار غلام ایسے مطالبہ پر ہائے وائے کرے گا۔ اور پھر بھی وہ آقا کا سچا فرماں بردار غلام کہلائے گا۔ ہر گز نہیں۔ تو پھر کسی کے مر جانے پر بے صبری کیسی!۔ اپنی چیز کا وہ مالک ہے۔ جب چاہے لے لے۔ عذر کیسا! اگر عذر کرے اور بے صبری دکھائے تو اپنے ضعفِ ایمان کا اظہار کرے۔ زبان سے تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی میرا معبود نہیں ہے۔ مَیں اس کا بندہ ہوں۔ اور چاہتا

یہ ہے کہ خود مالک بن جائے۔ اور جو وہ چاہے وہی ہوتا رہے۔ کیا ایمان اسی کا نام ہے؟ افسوس صد افسوس! جب اس نے مان لیا کہ میرا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو اسے رضا پر رہنا چاہئیے۔

راضی ہیں ہم اُسی پر جس میں تیری رضا ہے ۔۔۔ شِکوہ تری رضا کا صبر و رضا نہیں ہے

اب دوسرے جز و رسالت کو لیجئے۔

کلمۂ طیبہ کا دوسرا جزو **محمد رسول الله** ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس جز و رسالت کے بھی دو جزو ہیں۔ ایک **محمد** دوسرا **رسول الله**۔ **محمد** صلی اللہ علیہ وسلم اسم موصوف ہے۔ اور **رسول الله** اس کی صفت ہے۔ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی ہیں "سراہا گیا"۔ اس سراہے گئے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ خود شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وکفی باللہ شھیدا۔ (پارہ: ۱۵۔ سورہ: بنی اسرائیل۔ آیت: ۹۶) (ترجمہ: کافی ہے اللہ شہادت دینے والا)۔ اس کی شہادت سے زیادہ کس کی گواہی معتبر ہو سکتی ہے۔ قاعدہ کلّیہ ہے کہ جو چیز جس شخص نے بنائی ہو، وہ جب اپنی خود ساختہ چیز کی نسبت شہادت دے تو کسی دوسرے آدمی کا اعتراض قبول نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً آگرہ کے کسی کاریگر کی بنائی ہوئی ایک دری ہے جس کی نسبت لوگوں میں اختلاف ہے۔ کوئی کسی کی بنائی ہوئی بتاتا ہے، اور کوئی کسی اور جگہ سے آئی ہوئی بیان کرتا ہے۔ اگر آگرہ کا وہ کاریگر خود شہادت دے کہ میرے کارخانے میں بنی اور میں نے خود تیار کی ہے۔ تو کسی کو کسی اعتراض کا حق باقی نہیں رہتا اور ماننا پڑتا ہے کہ وہ دری اس کاریگر کی بنائی ہوئی ہے۔ بھلا جب وہ خالقِ کل اللہ تعالیٰ خود شہادت دے رہا ہے تو اس میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے۔

وصفِ خالق ہی جو فرمائے تو بندہ کیا ہے!

بعض لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو نعت شریف کا انکار کرتے اور معترض ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کلمۂ طیبہ تو خود نعت ہے۔ اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود نعت۔ اور اس کا اگلا حصہ رسول اللہ یہ بھی نعت۔ غرض سارے کلمۂ طیبہ میں نعت ہی نعت ہے۔ جس پر ایمان لانا

فرض ہے۔

ساری عمر میں ہر مسلمان کو ایک مرتبہ یہ نعت پڑھنی فرض ہے۔ اور اس فرض کو بار بار ادا کیا جائے تو اتنا ہی مفید ہے۔ جس سے ایمان قوی ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت کی نعت تو پڑھو۔ مگر حد سے نہ بڑھاؤ۔ وہ ہمارے جیسے بشر تھے۔ افسوس! حد سے تو وہ بڑھائے جس کو حد معلوم ہو۔ کسی کو حد معلوم نہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حد ہی کسی کو معلوم نہیں تو وہ حد سے کس طرح بڑھا سکتا ہے۔

اس مسئلے کے متعلق ایک معتبر روایت سُنئے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام شبِ معراج میں ہم رکاب سعادت سردارِ دوجہان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر ٹھہر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ سر معی یا اخی جبرائیل۔ (ترجمہ: چلو میرے ساتھ اے بھائی جبرائیل) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے میں ایک قدم آگے بڑھاؤں تو تجلیاتِ الٰہی سے جل جاؤں۔ یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ میری حد آ چکی۔ سعدیؒ نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

اگر یک قدم پیش برتر نہم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

کسی اُردو شاعر نے بھی منظر کشی کی ہے۔

سدرہ پہ پہنچے جب حضورؐ جو آخر مقام تھا دیکھے جو شعلے نور کے جبریلؑ ڈر گئے
آگے نہ جا سکوں گا اے آقا! تمہارے ساتھ جل جائیں گے پَر میرے جتنے اُدھر گئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا تو یہ پہلا قدم ہے۔ اس روایت سے آپ کو حد کا پتہ چلا۔ جہاں جبرائیل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے رہ جاتے ہیں، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ اب سوچو کہ تم کون سی حد سے بڑھانے کی فکر میں گھل رہے ہو۔

یہاں معراج کا ذکر آ گیا۔ اس لئے یہ ضروری مسئلہ بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ کہ معراج جسمانی ہوئی یا روحانی۔ بہت لوگ خیال کرتے ہیں کہ معراج رُوحانی ہوئی تھی جسمانی نہیں ہوئی۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی۔ اس بات کے لئے ہمارے پاس قوی دلائل ہیں۔

اوّل یہ کہ جب شب اَسریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اس امر کے ظاہر کرنے پر کُفارِ مکہ انکار کریں گے۔ ابو جہل جب حاضر ہوا تو اس نے بطور استہزا پوچھا کہ فرمائیے کہ آج کیا نئی بات سُنانی ہے۔ آپ نے معراج کی حقیقت ارشاد فرمائی۔ وہ سُن کر بہت خوش ہوا اور سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائل کرنے کا آج اچھا موقع ہاتھ آیا۔ بھلا آنِ واحد میں بیت المقدس اور آسمانوں، جنت، دوزخ کی سیر کر کے واپس آجانا کس کے قیاس میں آسکتا ہے۔ اس بارے میں تو ابوبکرؓ بھی ہمارے ساتھ مل کر معراج کا انکار کر دیں گے۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر کہا لو اب بھی اپنے صاحب کی باتوں کو مان لو گے۔ وہ کہتے ہیں ہم رات ہی رات میں بیت المقدس بھی ہو آئے۔ آپ نے بلا پس و پیش فرمادیا کہ وہ سچ فرماتے ہیں۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جب جبرائیل امین علیہ السلام آسمانوں سے چشم زدن میں آجاتے ہیں اور وحی لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ سیر بعید العقل اور مافوق العادۃ نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ابوجہل اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معراج جسمانی پر بحث کی۔ کیونکہ روحانی معراج میں تو ابوجہل کو کوئی انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ کسی دلیل کی حاجت تھی۔ خواب میں یا روحانی سیر میں بیت المقدّس پہنچ جانا تو ممکنات سے ہے۔ وہ تو جسمانی معراج میں متردّد تھا جس کی تصدیق فرما کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر ہو گئے۔

دوسری دلیل خود قرآن کریم کے پارہ ۱۹، سورہ نمل، آیت: ۳۹) پڑھو۔ **قال عفریت من الجن انا اٰتیک به قبل ان تقوم من مقامک وانی علیه لقوی امین** ۔ (سورہ نمل: ۳۹) (ترجمہ: کہا جنوں میں سے ایک نے کہ مَیں لادیتا ہوں وہ آپ کو اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ اور میں اس پر قوی اور معتبر ہوں)۔ **قال الذی عنده علم من الکتاب انا اٰتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک** ۔ (پارہ: ۱۹، سورہ نمل، آیت: ۴۰) (ترجمہ: بولا وہ شخص جس کے پاس تھا علم کتاب کا۔ مَیں لادیتا ہوں وہ آپ کو اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے۔) بلقیس و سلیمانؑ کا یہ قصہ مشہور اور معتبر ہے۔ مفسّرین کا اس

پر اتفاق ہے کہ بلقیس کا وہ تخت اس قدر وزنی تھا کہ اس کو چار سو آدمی اٹھاتے تھے اور وہ تخت دو ماہ کی راہ پر تھا۔ سلیمان علیہ السلام نبی تھے۔ ان کا ایک خادم اس تخت کو چشمِ زدن میں اتنے دُور دراز فاصلے سے اُٹھالایا۔ اب سوال یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نہ تو رسول تھے، نہ صاحب شریعت، نہ اولوالعزم، نہ مصطفٰے ﷺ تھے۔ ان کا ایک خادم تو اسی جسمِ عنصری کے ساتھ، اتنے بڑے وزنی تخت کو، اتنے فاصلے سے چشمِ زدن میں لے آئے اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم معراجِ جسمانی فرمائیں تو شکوک واوہام پیدا ہو جائیں۔

تیسری دلیل بلقیس کے قصے کو تو آپ بہت پرانا کہتے ہیں۔ لیجئے اِس زمانے کی شہادت سُنئے۔ ''اخبار زمیندار'' میں پچھلے دنوں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ دورانِ جنگ جرمن نے ایک توپ ایسی ایجاد کی جس کا ایک گولہ دو سو من کا تھا۔ اور وہ تین سو میل کی مار کرتی تھی۔ اور اس کا گولہ تین سو میل پر ایسی جلدی پہنچ جاتا تھا کہ آواز پیچھے آتی تھی اور گولہ پہلے پہنچ جاتا تھا۔ افسوس ہے کہ آپ اس کو تو باور کر لیں کہ کافر اتنا وزنی گولہ آنِ واحد میں اس قدر فاصلے پر پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے، لیکن قادر و قیوّم خدا، جس کی شان میں کلام پاک ان اللہ علٰی کل شیٔ قدیر کا اعلان کر رہا ہے۔ اس کی قدرت سے انکار کرتے ہو کہ اس نے اپنے حبیب مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج نہیں کرائی بلکہ رُوحانی سیر کرائی۔ کیا یہی اللہ تعالٰی کی قدرت پر تمہارا ایمان ہے؟

چوتھی دلیل۔ قرآن کریم کا پندرہ پارہ (سورہ اسریٰ: آیت ۱) سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایتنا ج انہ ھو السمیع العلیم۔ (ترجمہ: پاک ذات ہے وہ اللہ جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو ادب والی مسجد سے مسجد اقصیٰ تک۔ جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں۔ کہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کی نشانیاں۔ وہ ہے سُننے والا اور جاننے والا)۔

یہاں اسریٰ بعبدہ سے صاف ظاہر ہے کہ معراج جسمانی ہوئی۔ کیونکہ لفظ عبد کا اطلاق رُوح مع الجسم پر کیا جا سکتا ہے۔ نہ صرف رُوح کو بندہ کہتے ہیں اور نہ صرف جسم بلا رُوح کو سیر کرائی جاتی ہے۔ ''بندے کو سیر کرائی گئی'' یعنی حضور ﷺ کو جسم اطہر و منوّر کے

ساتھ معراج ہوئی۔ اگر روحانی سَیر ہوتی تو عَبد کا لفظ نہ ہوتا۔ اس سے صاف اور روشن دلیل اور کیا ہوسکتی ہے! انہیں معلوم معراجِ جسمانی کو تسلیم کرنے میں کلام پاک کی قاطع حجت کے ہوتے ہوئے کیسے انکار کرتے ہیں۔

اب کلمہ طیبہ کی باقی معنے سُنئے۔

جس طرح بعض آدمی نعتِ رسول ﷺ میں حد سے باہر ہونے، نہ ہونے کی فکر کرتے ہیں۔ جس کا ہم نے ابھی کچھ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بعض گستاخی کرنے کو عین ایمان سمجھتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ اپنے جیسا بشر کہنے سے نہیں چوکتے۔ یہ مسئلہ بڑا ضروری ہے۔ سُنئے۔

قرآن کریم کے سولہویں پارہ، سورۂ کہف کی آیت: ۱۱۰ میں ارشاد ہوتا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم الہ واحد**۔ (ترجمہ: یعنی اے ہمارے حبیب ﷺ! فرمادیجئے کہ میرا ظاہر تمہاری مثل ہے اور میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے)۔ اس آیت میں لفظ "بشر" سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ عربی میں "بشر" ظاہر جسم کو کہتے ہیں۔ انہوں نے **انا بشر مثلکم** تو یاد کرلیا لیکن **یوحیٰ الی** پر نظر نہ ڈالی۔ معاذ اللہ! اس پیکر قدس نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔

یہ تو وہ بات ہوئی کہ ایک بے نمازی تارک الصلوٰۃ سے جب نماز کے لئے کہا گیا تو اُس نے جھٹ قرآن کریم کی آیت **لاتقربو الصلوٰۃ** پڑھ کر سُنا دی جس کا ترجمہ ہے کہ نماز کے پاس نہ پھٹکو۔ یہ تو اس صورت میں حکم ہے کہ جب کوئی مخمور ہو۔ پوری آیت اس طرح ہے۔ **لاتقربو الصلوٰۃ وانتم سکاری**۔ (سورہ النساء: ۴۳) (ترجمہ: کہ تم نماز کے نزدیک نہ جاؤ درآں حالیکہ تم سُکر کی حالت میں ہو)۔

یہی حال ان بے دینوں کا ہے۔ آیت کے ایک حصے کو پڑھتے ہیں اور **انا بشر مثلکم** سے مثلیت کا خیال کرلیتے ہیں۔ **یوحیٰ الی** پر دھیان نہیں کرتے۔ وحی تو صرف حضور ﷺ پر آتی تھی۔ یہ تو خاصہ حضور ﷺ ہی کا ہے۔ ہاں! ایک بات حد مشترک ہے وہ آگے ہے۔ **انما الھکم الہ واحد**۔ (ترجمہ: تمہارا معبود خدائے واحد ہے)۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ محمد بشر؟ آپ نے فرمایالا کا البشر . بل هو یاقوت فی الحجر ۔ کہ حضورﷺ بشر جیسے نہیں ہیں۔ وہ تو ایسے ہیں جیسے یاقوت پتھروں میں۔ سب پتھر یاقوت نہیں ہو سکتے۔ پتھر کو کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ اور یاقوت انمول ہے۔ اگر پتھر یاقوت کو اپنا جیسا کہنے لگیں تو کیسی جہالت کی بات ہے۔ یہ لوگ تو حضورﷺ کو اپنے جیسا بشر کہنے سے نہیں ڈرتے اور میں کہتا ہوں کہ کوئی بھی کسی کا مثل نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ صورت شکل، رونے ہنسنے، آواز، گفتار میں کوئی بھی کسی کا مثل نہیں ہے۔

اگر بشر مثلکم کا ترجمہ ان لوگوں کے لفظوں ہی میں مان لیا جائے اور، کہا جائے کہ ''میں تو تمہارے جیسا بشر ہوں'' ۔ کہہ دینے کا ارشاد ربّی ہے۔ تو بھی قابلِ غور یہ امر ہے کہ یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا ہے کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ ''یہود عزیر ابن اللہ ۔ اور نصاریٰ مسیح ابن اللہ ۔ کہہ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ تم میری نسبت ایسا غلط عقیدہ مت قائم کر لینا بلکہ میں تم جیسا ہی بشر ہوں۔ ہاں! میری طرف وحی نازل ہوتی ہے'' ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ اپنے نائب سلطنت وائسرائے ہند کو حکم دے کہ آپ اعلان کر دیں کہ ''ہم تو تم سب آدمیوں کی طرح ملازم شاہی ہیں۔ مطلق العنان بادشاہ نہیں ہیں'' ۔ اس اعلان پر کیا کسی چوکیدار کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وائسرائے سے کہے کہ ''تم تو میرے جیسے ہی ملازم سرکار ہو'' ۔

دوسری مثال سُنئے ۔ ایک شخص کا نام نور محمد تھا۔ اس کا باپ زندہ تھا اور بیٹا بھی موجود تھا۔ باپ نے اسے پکارا اور کہا ''نور محمد ادھر آ'' ۔ باپ کو اس طرح پکارنے کا حق ہے۔ لیکن اگر اس شخص کا بیٹا بھی اسے اسی طرح پکارے اور کہے ''نور محمد ادھر آ'' ۔ تو کیا وہ بیٹا ناخلف نہیں ہے۔ اس کو اس طرح پکارنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ آپﷺ اپنے آپ کو اس طرح فرمادیجئے۔ اور حضورِ انور خود بھی ایسا فرمائیں تو بجا ہے۔ لیکن اُمت کا ایسا کہنا صریح گستاخی اور بے ادبی ہے۔

اب ہم اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔ اور دکھلاتے ہیں کہ جو لوگ مثلیت

کے وہم میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ کہاں تک حق بجانب ہو سکتے ہیں۔ صحیح عقاید کی رُو سے امت کے افراد میں حسبِ ذیل مدارج مانے گئے ہیں۔ (۱) مومن (۲) ابرار (۳) صالحین (۴) متقین (۵) مقربین (۶) اولیاء (۷) اوتاد (۸) ابدال (۹) قطب (۱۰) غوث (۱۱) تبع تابعین (۱۲) تابعین (۱۳) صحابی (۱۴) اصحاب بدر (۱۵) خلفائے راشدین (۱۶) صدیقؓ (۱۷) نبی (۱۸) رسول (۱۹) الوالعزم (۲۰) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم زیادہ سے زیادہ مومن ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے بھی بفضلہٖ تعالیٰ مدارج بلند ہوں تو بیس مدارج میں صرف دسویں درجے تک پہنچنا ممکن ہے۔ مگر تبع تابعی کا درجہ ملنا بھی محال ہو گیا۔ چہ جائیکہ باقی مدارج اور سب سے افضل اور اعلیٰ نبیوں اور رسولوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل اپنے آپ کو سمجھنے لگیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

یہ بڑی گمراہی ہے اور اس کی خود قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔ دیکھو پارہ اٹھارواں (سورہ الفرقان، آیت ۷ تا ۹)۔ **وقالو امال ھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ج لولا انزل الیه ملک فیکون معه نذیرا ج اویلقی الیه کنز اوتکون له جنته یاکل منها ج وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا ☆ انظر کیف ضربو الک الامثال فضلو افلا یستطیون سبیلا ☆**۔ (ترجمہ: اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے۔ کھانا کھاتا ہے۔ بازاروں میں پھرتا ہے، کیوں نہ اُترا اس پر کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ڈرانے کو رہتا۔ یا اس کے پاس خزانہ نہ ہوتا۔ یا اس کے پاس باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا۔ اور ظالم کہنے لگے کہ تم ایک مردِ سحر زدہ کا ساتھ پکڑتے ہو۔ دیکھ تیرے ساتھ کیسی مثالیں دیتے ہیں پس گمراہ ہو گئے اور اب کوئی راہ نہیں پائیں گے)۔

مسلمانو! سوچو۔ صرف ایسی مثال دینے سے کہ "وہ ہماری طرح بازاروں میں پھرتے تھے اور ہماری طرح کھانا کھاتے تھے"۔ حسب آیت مذکورہ بالا گستاخ گمراہ ہو گئے اور کوئی راہ نہ پا سکے۔ تو تم اس گستاخی میں کیوں مبتلا ہوتے ہو۔ کیا تم نے کبھی قرآن شریف پڑھا اور سُنا ہی نہیں؟ یا تمہارا مذاق ایسا بگڑ گیا کہ صریح آیتِ قرآنی کے ہوتے ہوئے بھی تم نہیں سمجھتے؟ اور اپنے ساتھ مماثلت کرنے میں گستاخ بے ادب ہو کر اپنی راہ مار رہے ہو؟

قرآن کا منکر کافر ہے۔ اب بھی اگر تم نے ایسی مماثلت اور مثلیت ڈھونڈھی تو کہیں ٹھکانا نہیں ہوگا۔

اب اس نتیجے پر پہنچ کر میں ایک سچّی اور صاف بات کہوں گا۔ چاہے گمراہ لوگ اسے سُن کر کیسے ہی حاشیے چڑھائیں۔ سنو! خدا تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے الوہیت میں اور حضرت ﷺ کو پیدا کیا تو آپ وحدہٗ لاشریک ہیں عبدیت میں۔ نہ اُس کا ثانی نہ اِس کا ہمسر۔

انت خیر الخلق خیر الانبیآ خیر الرسل
مصدر الخیرات مقتدر الصفات محمد ﷺ

﴿تیسرے جلسے کا وعظ﴾

(بمقام اکبری مسجد بتاریخ ۲۸/نومبر ۱۹۲۴ء)

دین اسلام اپنی عالمگیر دل آویزی اور صداقت کے سبب سب دِینوں پر غالب رہا۔ اور اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے۔ جو شخص اسلام کی اعانت اور خدمت کرتا ہے۔ وہ جزا کا مستحق ہے اور یہ خاصانِ خدا کا حصہ ہے۔

در مطبخ عشق جز نکو را نکشند لاغر صفتان وحیلہ جورا نکُشند
گر عاشق صادقی زکشتن مگریز مردار بود کسیکہ اورا نکشند

کم ہمت لوگ تبلیغ اسلام سے ڈرتے اور پہلوتہی کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ چالیس آدمی کہیں جارہے تھے۔ راستے میں دو چور ملے اور انہوں نے ان کو مار پیٹ کر سب مال متاع لوٹ لیا۔ جب گھر پہنچے تو ان سے پوچھا گیا کہ کس طرح لُٹ گئے۔ تو وہ بولے چور اور لاٹھی دو جنے اور ہم چالیس اکیلے۔ کس طرح مقابلہ کرتے۔ یہی حال آگرہ والوں کا ہے۔ ان کے علاقہ میں ارتداد کا فتنہ بپا ہے۔ دنیائے اسلام میں تہلکہ پڑ گیا۔ اقصائے ہند میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ انسداد ارتداد کے لئے اپنی ضرورتوں کو پسِ پشت ڈال کر دَوڑ پڑے اور تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ مگر آگرہ والے اسی طرح خوابِ خرگوش میں پڑے سوچ رہے ہیں کہ شردھانند اور مالوی دو جنے، اور آگرہ والے ایک لاکھ اکیلے۔ کیا

کریں اور کس طرح اپنے بھائیوں کو ارتداد سے بچائیں۔

آگرہ کے مسلمانو! یاد رکھو کہ اسلام کا بال بیکا نہیں ہوسکتا۔ اس کو وقار سے جس نے سر ٹکرایا وہ پاش پاش ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین کسی کی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔ مگر جو مسلمان خدمتِ اسلام کرے گا، اس کو دین و دنیا میں سرخروئی حاصل ہوگی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ اور جو حضور ﷺ کا نام لیوا ہے اس کا بھی میں خادم ہوں، مجھے اس کے ساتھ محبت ہے۔ مگر جو بے دین، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔

دنیا میں جس قدر فرقے اور مذاہب ہیں وہ لاتعداد اور بے حساب ہیں۔ وہ سب بزعمِ خود یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں۔ اور دوسرے گمراہ۔ ہر ایک شخص اپنے مذہب کو سچا سمجھتا ہے۔ مگر اس کا کچھ معیار ہونا چاہئیے۔ حق اور باطل کو جانچنے کے لئے کوئی کسوٹی ہونی چاہئے۔ دیکھئے ہیرا ایک رتی پانچسو روپے کو ملتا ہے۔ اسی رنگ کا کانچ ہوتا ہے جو ایک پیسہ کا دو تولہ آجاتا ہے۔ بلّور کی بھی یہی شکل ہوتی ہے۔ بلّور پیسے کا اتنا آجاتا ہے کہ اتنا ہیرا ایک لاکھ روپے کا بھی نہیں آتا۔ اب دیکھو۔ ہیرا صرف ایک کے ہاتھ میں ہے۔ دوسروں نے بلّور کو ہیرا سمجھ کر تسلّی کرلی ہے کہ ان کے پاس ہیرا ہے۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ہیرا صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم سچے دِل اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ سچا مذہب مسلمانوں کا ہے۔ باقی سب کے ہاتھوں میں کانچ کا ٹکڑا ہے۔ ثبوت لیجئے۔

جس قدر فرقے ہیں سب کوئی نہ کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ آریہ کہتے ہیں کہ وید خدا کی طرف سے ہے۔ مَیں سوال کرتا ہوں کہ وید کب نازل ہوئے؟ اور کس کے اوپر اُترے؟ اس وقت اس جگہ کون سی مخلوق آباد تھی؟ اس کا کوئی جواب نہیں۔ ساری دنیا اور آریہ اس کا جواب دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ وید اناوی ہیں۔ قدیم ہیں۔ خیال کیجئے کہ جب مخلوق نہیں تھی تو وید کس کی ہدایت کے لئے آئے تھے۔ مسلمانوں کی کتاب قرآن کریم ہمارے حضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ ہماری ہدایت کے لئے۔ اس کا ثبوت کہ وہ خدا کی طرف سے آئی۔ سُنئے۔

قرآن شریف کے نزول سے پہلے صرف دو زبانیں مذہبی تھیں۔ نزولِ توریت کے وقت تمام ملک کی زبان سریانی تھی۔ انجیل عبرانی زبانی میں اُتری۔ مگر قرآن شریف عربی زبان میں نازل ہوا۔ اب دیکھیئے کہ قرآن شریف نے نہ صرف توریت اور انجیل کو منسوخ کر دیا بلکہ ان زبانوں کو بھی صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔ اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے۔ اب دَور دورہ قرآن شریف کا ہے۔ جن ملکوں میں سریانی اور عبرانی زبانی بولی جاتی تھیں۔ وہاں بھی اب عربی بولی جاتی ہے۔ اور قیامت تک بولی جائے گی۔

کوئی قوم اگر قرآن کریم کو صفحۂ عالم سے مٹانا چاہے گی تو خود مٹ جائے گی۔ ہندوستان میں انگریز آئے تو پادریوں نے چاہا کہ کسی طرح قرآن شریف اکٹھے کر لئے جائیں۔ اور سارے قرآن تلف کر کے مسلمانوں سے ان کی مقدّس کتاب لے لی جائے۔ ایک مولوی صاحب نے ایک پادری سے جو ان کا دوست تھا دریافت کیا کہ آخر اس کثیر تعداد میں قرآن شریف خریدنے کی کیا وجہ ہے؟ وہ پادری بہت صاف گو تھا۔ مولوی صاحب سے کہنے لگا کہ مشن کی تجویز ہے کہ مسلمانوں سے تمام قرآن شریف خرید کر دریابُرد کر دیئے جائیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مسلمانوں کی کتاب کاغذوں پر نہیں ہے۔ وہ تو ہمارے سینوں میں لکھی ہوئی ہے۔ مسلمان تھوڑی دیر میں ہزاروں اور لکھ لیں گے۔

دُنیا کا کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے کہ جو اپنی کتاب کی ایسی حفاظت کر سکے۔ ہمارے دس دس برس کے بچوں کے دِلوں میں قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ ایک تو میں ہی ثبوت ہوں۔ میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں قرآن شریف پڑھتا ہوں اور بعض دفعہ پڑھتے پڑھتے اونگھ آ جاتی ہے۔ پیچھے سامعین میں حافظ قرآن موجود ہیں مگر قرآن شریف کی وہی آیتیں منہ سے خود بخود صحیح نکلتی رہتی ہیں۔ اس لئے وہ تو دِل میں نقش ہو چکی ہیں۔ قرآن شریف میں تیس پارے۔ پانچسو چالیس رکوع۔ ایک سو چودہ سورتیں۔ پانچ لاکھ چالیس ہزار چھ سو حرف اور چھ ہزار چھ سو چھ آیتیں ہیں۔ قرآن کریم کا ایک ایک حرف شمار کر لیا گیا ہے۔ کیا کوئی دوسرا مذہب یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ پانی پت یہاں سے زیادہ دُور نہیں۔ وہاں عورتیں تک قرآن شریف کی حافظ ہیں۔ دس دس برس کے تو بے شمار بچے حافظ قرآن ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سات برس کی عمر میں حافظ ہو گئے تھے۔

دُنیا میں جس قدر گمراہ اور بے دین فرقے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ سچا دھرم مسلمانوں کا ہے۔ لاہور اور ہندوستان کے دوسرے اکثر شہروں میں دیکھا ہے کہ ہندو عورتیں اپنے بچوں کو لے کر اس جگہ کھڑی ہو جاتی ہیں جہاں مسجدوں میں نمازی اپنے جوتے اتارتے ہیں۔ اگر ان ہندو عورتوں اور ان کے گھر والوں کو اسلام سچا مذہب نظر نہ آتا تو وہ مسجدوں میں جوتیوں کی جگہ آ کر کیوں کھڑی ہوتی ہیں۔ ایک بیمار کے لئے میرے پاس پانی لائے اور کہا کہ اس کو دم کر دو۔ میں نے دم کرنے کی بجائے اس میں تھوک دیا۔ بیمار تو کچھ نہیں بولا مگر اس کے ساتھی نے کہا کہ اس پانی میں تو شاہ صاحب نے تھوک دیا ہے۔ بیمار نے جواب دیا کہ تھوک دیا تو کیا ہوا۔ اس میں شفا ہے۔ میں پی لوں گا۔ کیا وہ ہندو اسلام کو سچا مذہب نہیں جانتا تھا؟ جانتا تھا تبھی تو اس کا ایسا پکا اعتقاد تھا۔

قرآن شریف میں صداقت اور برکت ہے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے کے وقت اس میں جو برکت اور شفا تھی وہی اب تک ہے اور قیامت تک رہے گی۔ جو یہ کہے کہ قرآن شریف میں اب برکت اور شفا نہیں وہ کافر ہے۔ جس مرض کا کوئی علاج نہیں قرآن شریف اس کا علاج ہے۔ جس کو ڈاکٹر لاعلاج بتا دیتے ہیں، ہم اس کو قرآن شریف پڑھ کر دیتے ہیں، وہ شفا پا جاتا ہے۔ قرآن شریف روحانی بیماریوں کا عمل کرنے سے اور جسمانی عوارض کا محض دم کرنے سے شفا بخش نسخہ ہے۔ کوئی آدمی جس کی طحال بڑھ گئی ہو، وہ خواہ کسی بھی فرقہ کا ہو، آ جائے اور ساتھ ایک تیز تلوار لیتا آئے۔ ہم اللہ کا کلام پاک پڑھ کر اس تلوار سے طحال کو دباتے ہیں بال تک نہیں کٹتا اور تلّی کٹ کے مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سانپ گزیدہ اور سگ گزیدہ کے لئے گیلی مٹی کے ڈھیلے پر کلام پاک دم کر کے دیا جاوے گا۔ وہ اس کے بدن پر پھیر دو۔ جس رنگ کے کُتے نے کاٹا ہوگا، اسی رنگ کے بال اس مٹی کے ڈھیلے میں سے نکلیں گے۔ اور مریض اچھا ہو جاوے گا۔ جس کو قرآن کریم کی برکت دیکھنی ہو وہ صبح ہی مریض کو لے آئے۔

یہ باتیں صرف اظہار حق کے لئے سُناتا ہوں۔ تا کہ سب پر روشن ہو جائے کہ

دوسرے مذاہب والوں کے ہاتھ میں فقط کانچ ہے اور مسلمانوں کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے انمول ہیرا ہے۔

☆/☆/☆/☆

پانچویں جلسے کا وعظ

(بمقام اکبری مسجد بتاریخ ۳۰/نومبر ۱۹۲۴ء)

بعض لوگ نہ صرف یہ گمان فاسد کرتے ہیں، بلکہ زبان سے بھی کہتے ہیں۔ اور حضرت حبیبِ کبریا، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ قدیم میں ایسا کہنے اور گمان کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ پڑھو (پارہ دوسرا، سورہ بقرہ، آیت:۱۵۴) **ولا تقولو المن یقتل فی سبیل الله اموات ج بل احیاء ولکن لا تشعرون** ☆۔ (ترجمہ: یعنی تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے مردہ مت کہو۔ وہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں لیکن بے شعوروں کو شعور نہیں ہے)۔ یہاں مُردہ کہنے سے روکا گیا ہے۔

دوسری آیت سنو۔ پارہ چوتھا (سورہ عمران، آیت:۱۶۹، ۱۷۰) **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا ط بل احیآء عند ربهم یرزقون** ☆ **فرحین بمآ اٰتا هم الله من فضله ویستبشرون بالذین لم یلحقوابهم من خلفهم ط الا خوف علیهم ولا هم یحزنون** ☆ (ترجمہ: یعنی تم ان لوگوں کی نسبت جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں یہ گمان بھی مت کرو کہ وہ مر گئے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دی جاتی ہے۔ خوش وخرّم ہیں اس پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے)۔ اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ شہید زندہ ہیں اور ان کو روزی بھی ملتی ہے۔ وہ خوش وخرّم ہیں۔ پہلی آیت میں تو مردہ کہنے سے منع کیا گیا تھا۔ یہاں ایسا گمان کرنے سے بھی روکا گیا ہے اور ان کو زندہ کہا گیا ہے۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ موت کس کو کہتے ہیں۔

انسان رُوح اور جسم کے مجموعے کو کہتے ہیں اور روح و جسم کی مفارقت کا نام موت ہے۔ ایک پنجرے میں طوطا محبوس ہے۔ جب تک طوطا پنجرے میں ہے ہم کہتے ہیں طوطا زندہ ہے۔ جب طوطا پنجرے کو چھوڑ دیتا ہے تو کہتے ہیں کہ طوطے نے پنجرے کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ مرا نہیں۔ جب طوطا پنجرے کو چھوڑ دیتا ہے تو اس حالت میں اس کی پرواز پہلے سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور کوئی یہ بھی گمان نہیں کرتا کہ وہ مر گیا ہے۔ البتہ جو طوطا پنجرے میں مر جائے اسے پنجرے سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ اب اس کے پنجرے میں رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ موت کی صورت ہے۔ موت کے بعد جو طوطا پنجرے سے جدا کیا جاتا ہے اس کی پرواز بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ پس پنجرے سے مراد جسم انسانی ہے اور طوطے سے مراد رُوح ہے۔ جب انبیاء اور شہدا کی رُوحیں اس قفس عنصری سے پرواز فرماتی ہیں تو ان کے مدراج اور مراتب پہلے سے بھی بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اور عام آدمی کی روح قفس عنصری سے جدا کی جاتی ہے۔ یہ جدائی موت کہلاتی ہے۔ ورنہ رُوح کے لئے موت نہیں ہے۔ ؎

مرگِ مومن چیست، ہجرت سوئے درست
ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست

ویسئلونک عن الروح ج قل الروح من امر ربی ج وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ (پارہ پندرہ، سورہ بنی اسرائیل: آیت: ۸۵) (ترجمہ: اے ہمارے حبیبِ مکرم ﷺ! تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔ اب یہ مسئلہ بھی بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ دُور ہونا یا نزدیک ہونا جسم کے لئے ہے۔ رُوح کے لئے قرب و بعد نہیں ہے۔ ؎

خرد ہوتی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکان لا الہ الا للہ

ایک اور مثال سُنئے۔ سورج ایک ہے۔ چین والے کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں سورج چمک رہا ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ سورج ہمارے گھر میں ہے۔ بظاہر ہزاروں میل کا

فاصلہ ہے۔ مگر سورج ہر شخص کو دکھائی دے رہا ہے۔ مسئلہ زیر بحث پر غور کیجئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے اول ما خلق اللہ نوری ثم خلق الخلق من نوری (مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ) (ترجمہ: کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ پھر میرے نور سے ساری خلقت کو پیدا کیا)۔ عالم امر اور عالم خلق سب حضور ﷺ کے نور سے بنے ہیں۔ سورج بھی منجملہ اسی کائنات کے ہے جو حضرت کے نور سے پیدا کی گئی ہے۔ اب دیکھئے کہ سورج میں تو یہ طاقت ہے کہ ایک ہی وقت میں ہزاروں میل کے فاصلے پر گھر گھر میں موجود ہے۔ مگر اس کی نسبت انکار کیا جاتا ہے جس سے ساری کائنات پیدا ہوئی اور خود سورج بھی اسی کے نور کا ایک ذرّہ ہے۔

لاکھوں آدمی ایک وقت میں مر کر دفن ہوتے ہیں۔ یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ ہر قبر میں نکیرین مردے سے سوال کرتے ہیں کہ یہ شبیہ مُبارک کس کی ہے۔ یہ کون ہیں۔ مومن پہچان لیتا ہے اور کافر انکار کرتا ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ ہر قبر میں ایک ہی وقت میں پہنچتے ہیں۔ ملک الموت کی نسبت بھی یقینی عقیدہ ہے کہ لاکھوں آدمیوں کی روح ایک ہی وقت میں قبض کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک آدمی ہندوستان میں مرتا ہے دوسرا افریقہ میں۔ ایک ہی وقت میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کا سب جگہ پہنچنا قابلِ تسلیم ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی وقت میں سب جگہ تشریف لانا معاذ اللہ شرک بتایا جاتا ہے۔ جب عزرائیل علیہ السلام بھی حضور ﷺ کے نورِ مبارک سے پیدا ہوئے اور وہ ہر جگہ حاضر ہو سکتے ہیں تو اس نورِ مبارک کے ایک ہی وقت میں ہر جگہ تشریف لانے میں کیا قباحت ہے؟

مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ جو آیات تلاوت کی گئیں دونوں آیات شہیدوں کے حق میں نازل کی گئی ہیں اور یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گفتگو ہے۔ اس لئے ہم شہید کی تعریف کرتے ہیں۔ شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ایک شہادت صغریٰ (۲) دوسری شہادت کبریٰ۔ کافروں کے ساتھ جہاد کر کے شہید ہو جانا شہادت صغریٰ ہے۔ شہادتِ کبریٰ کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے چلتا ہے۔ حضور ﷺ

ایک بار جہاد فی سبیل اللہ فرما کر مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ **رجعنا من الجھاد الاصغرِ الی الجھاد الاکبر** ۔(ترجمہ: کہ ہم نے جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف رجوع کیا)۔صحابہؓ کو خیال ہوا کہ شاید اب اس سے بھی کسی بڑی جنگ کی تیاری کرنی ہے۔مگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ جہاد نفس کے ساتھ ہے''۔

بات یہ ہے کہ شہید اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی کے ساتھ اپنا سر کٹوا لیتا ہے۔ اور آنِ واحد میں گزرنے والی صورت گزر جاتی ہے۔لیکن جہادِ اکبر میں انسان ہر وقت اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرتا رہتا ہے۔اور یہ بات ایک دفعہ نہیں، ہر دم اور آخر وقت تک جاری رہتی ہے۔حوادثِ زمانہ، رنج، دکھ، سردی، گرمی، غم، الم، دن رات کوئی حالت اور وقت ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلو تہی کرے۔ساری عمر کی اور ہر آن ہر ساعت میں نفس کی یہ پامالی جہادِ اکبر ہے۔پس ثابت ہوا کہ شہادت کبریٰ جس میں ہر ساعت نفس مرتا رہتا ہے، انسان کو آیتِ بالا کے مصداق بنا دیتی ہے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ شہید کا درجہ بلند ہے یا نبی کا۔سُنیئے پانچواں پارہ، سورہ نساء:٦٩) **ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین ط وحسن اولٰئک رفیقا**☆۔ (ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، پس وہ ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا: نبی، صدیق، شہید اور صالحین اور اچھی ہے ان کی رفاقت)۔

اس آیت سے مدارج کی ترتیب ظاہر ہوتی ہے۔اوّل نبی، پھر صدیق، اس کے بعد شہید اور چوتھے درجے پر صالحین۔مسلمانو! جب تیسرے درجے کے لوگوں کی نسبت مُردہ کہنے اور مُردہ سمجھنے کی ممانعت آئی، تو اوّل درجے کی جماعت اور اس کے بھی سردار کی شان میں کیوں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔جب قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ تیسرے درجے کے لوگ یعنی شہید زِندہ ہیں تو اوّل درجے کے برگزیدہ بندے یعنی نبی بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں۔

محقق اور فلسفی سب کا اس پر اتفاق ہے کہ رُوح کے لئے موت نہیں ہے۔ اور جسم سے مفارقت کے بعد رُوح کی طاقت کئی گناہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ دیکھو! جب طوطا پنجرے میں تھا تو اس کی پرواز محدود تھی۔ پنجرے سے آزاد ہو گیا تو پھر اس کی پرواز پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانو! گستاخی مت کرو اور ایمان پر قائم رہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان پر یقین کرو۔ نبی ولی اور شہید کو مُردہ مت خیال کرو۔ چہ جائیکہ سرورِ کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کی شانِ اقدس میں گستاخی کا تصوّر بھی کرو۔

☆☆☆☆☆

آٹھویں جلسے کا وعظ

(بمقام اکبری مسجد آگرہ، بتاریخ ۲/ دسمبر ۱۹۲۴ء)

کل کسی نے ہم سے کہا تھا کہ یہاں شیعوں کا بڑا زور ہے اور اہل سنّت والجماعت بھی ان کے ساتھ تعزیے نکالتے ہیں۔ اور بہت سے غلط رسموں اور بدعتوں میں گرفتار ہیں۔ تو آج ہم زیادہ تر گفتگو اسی موضوع پر کریں گے۔

مَیں ایک دفعہ علاقہ کشمیر میں جموں گیا۔ قاضی ضیاء اللہ شیعہ مع دس بارہ ساتھیوں کے ملنے کے لئے آئے اور شیعیت کی باتیں کرنے لگے۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا کہ اس تحصیل میں پہلے کون تحصیل دار تھا۔ اس نے کہا فلاں۔ اسی طرح اور پہلے کے کچھ تحصیلداروں کے نام بتائے۔ مَیں نے کہا کہ اگر موجودہ تحصیلدار اب سے سو سال پہلے کی مسلیں نکال کر فیصلہ کرنے لگے تو لوگ ضرور اسے پاگل کہیں گے کہ مدعی بھی مر کھپ گئے اور مدعا علیہم بھی فوت ہو چکے، کوئی گواہ بھی زِندہ نہیں رہا۔ اب گڑے مُردے کیوں اُکھاڑے جا رہے ہیں اور ان دیرینہ مقدمات کا فیصلہ کر کے دیوانہ پن کا اظہار کس لئے ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔ تلک امتہ قد خلت الخ۔ (پارہ:۱، سورہ بقرہ:۱۳۴) (ترجمہ: وہ ایک گروہ ہے کہ گزر گیا) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین کو ان کے حال پر چھوڑ و۔ اور اپنے حال کو سنوارو۔ انہوں نے دس روز کے بعد خط لکھا کہ مَیں نے رفض سے توبہ کر لی ہے اور حیدر شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ گالی نکالنا اور بُرا کہنا ہر دانشمند کے نزدیک بُرا ہے۔ جس مذہب میں یہ کام عبادت ہو وہ مذہب ہی جھوٹا ہے۔ دیکھو شیعہ مذہب میں صحابہؓ کو گالیاں نکالنا اور بُرا کہنا ہی جزوِ ایمان ہے۔ اس لئے وہ مذہب ہی جھوٹا ہے۔

میرے پاس ایک مستری ہے۔ ہمارے گاؤں کے پاس ہی شیعوں کا ایک مجتہد رہتا ہے۔ ایک روز اس مستری اور مجتہد میں گفتگو ہوئی۔ مستری نے کہا کہ شہید تو زِندہ ہیں۔ ان کی حیات کی آیت قرآن کریم میں موجود ہے۔ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حیات اس آیت کی رُو سے مسلّم ہے۔ پھر فرمایئے یہ ساری رات شور اور واویلا کرنے کے کیا معنی۔ کیا کوئی زندہ پر بھی شور واویلا کرتا ہے۔ آپ ان کو شہید مانتے ہیں۔ شہیدوں کو زندہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر اس نوحہ گری کا کیا سبب۔ کیا زندوں کو بھی نوحہ کیا جاتا ہے؟ مجتہد بولے کہ شاہ صاحب نے پڑھا کر بھیجا ہوگا۔

ایک دفعہ وہ مجتہد بیٹھا تھا اور بہت سے دوسرے شیعہ بھی موجود تھے۔ گفتگو ہونے لگی۔ مَیں نے کہا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سب محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر یہ صرف زبانی باتیں ہیں۔ یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صرف ایک مرتبہ شہید کرایا تھا اور یہ سال کے سال شہید کرتے ہیں۔ اور اس پر دعویٰ محبت ہے۔ یہ دیوانے ہیں۔ ان کو ہندوؤں ہی سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ ہندو راون کو مارتے ہیں۔ رام چندر کو نہیں مارتے۔ مگر شیعہ یزید کو نہیں مارتے۔ یہ تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر سال شہید کرتے ہیں۔ باقی رہا ان کا یہ واویلا کہ امام کو پانی نہیں ملا۔ اوّل تو دریائے فرات کے کنارے بالشت بھر زمین کھودو تو پانی نکل آئے گا۔ اس کے علاوہ میرا ایمان ہے کہ امام آسمان کی طرف اشارہ کرتے، تو نو نیزے پانی کھڑا ہو جاتا۔ زمین کی طرف اشارہ کرتے تو پانی کے چشمے جاری ہو جاتے۔ ان کے غلاموں کی کرامت سے پنجاب میں دو تین واقعات ایسے ظاہر ہو چکے ہیں کہ پانی نکل آیا۔ یہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت سے انکار کرتے ہیں۔ مسلمانو!

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوراہلِ بیت کی محبت ہمارا ایمان ہے۔ مگر رافضیوں کی تقلید میں بدعتوں سے اپنا ایمان خراب مَت کرو۔

دوسرا مسئلہ مرزائیت کے متعلق یادرکھنے کے قابل ہے۔ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر حضرت سرورِکائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہ السّلام مبعوث ہوئے۔ سب کے اکہرے مفرد نام تھے۔ دوہرے مرکب نام نہ تھے۔ مثلاً! آدمؑ، شیثؑ، نوحؑ وغیرہ۔ مگر مرزائی فرقہ کے بانی غلام احمد کا نام دہرا ہے۔ ایک غلام اور دوسرا احمد، دو لفظ ہیں۔ بھلا جب ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی کا نام بھی دہرا نہیں ہے تو غلام احمد دہرے نام کا آدمی پیغمبر کیسے بن گیا۔

(۲) انبیاء علیہم السّلام اور خصوصاً حضرت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اُستاد نہ تھا۔ اگر کوئی اُستاد ہوتا تو اس کی تعظیم واجب ہوتی۔ مگر یہ خاصانِ خدا خود ہی سب سے زیادہ واجب التعظیم تھے۔ اس لئے کوئی ان کا اُستاد ہی نہ ہوا۔ جس کی تعظیم کرتے۔ ہاں غلام احمد کا اُستاد گل شاہ تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اس کا دعویٰ نبوّت جھوٹا اور باطل ہے۔

(۳) سب نبیوں نے چالیس سال کی عمر میں نبوّت کا دعویٰ کیا۔ اور ایک دم دعویٰ کیا۔ تدریجی دعویٰ کسی نبی نے نہیں کیا۔ مرزا غلام احمد نے اوّل کہا میں محدّث ہوں۔ پھر مجدّد بنا۔ پھر مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر مسیح بن گیا اور نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ لعنت اللہ علی الکاذبین ۔ مسلمانو! یہ سب جھوٹے مذاہب ہیں۔ اور یہ لوگ ایمان کے ڈاکو ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سب کو ان ڈاکوؤں سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

☆/☆/☆/☆

دسویں جلسے کا وعظ

(بمقام محلّہ نوری دروازہ آگرہ بتاریخ ۳۰/ دسمبر ۱۹۲۴ء)

ہر مسلمان پر کلمہ طیبہؔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ساری عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح دن رات میں پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے۔ سال بھر میں ایک

ماہ رمضان شریف کے روزے رکھنا فرض ہے۔ چالیس روپیہ نقد یا زیور یا مال مویشی (یا اس سے زیادہ مالیت ہو) اور اس کی ملکیت کو ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض ہے۔ اور ساری عمر میں بشرطِ استطاعت ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ سمجھ لو کہ جس طرح یہ فرائض ہیں اس طرح ساری عمر میں ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھنا بھی فرض ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے۔ ایک شخص نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ شرک، کفر، فسق و فجور میں بسر کر دیا ہو۔ مگر جب وہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نماز جیسا کہ ابھی بیان ہوا دن رات میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ مگر شب معراج میں دن رات کی پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی اُمت ضعیف ہے۔ اس قدر نمازیں ادا نہیں کر سکے گی۔ دوبارہ عرض کر کے تخفیف کرا لیجئے۔ چنانچہ حضرت ﷺ نے جناب باری میں عرض کیا۔ ارشادِ باری ہوا کہ اچھا پانچ نمازیں کم کر دی گئیں۔ مگر موسی علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی تو آپ نے پھر وہی مشورہ دیا۔ اس طرح حضور سرورِ دو عالم ﷺ بار بار جناب باری میں عرض کرتے رہے اور ہر درخواست پر پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں فرض رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر بھی عرض کیا کہ یہ بھی بہت ہیں۔ اور بھی تخفیف کرائیے۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا، اب مجھے اور زیادہ تخفیف کے لئے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ امرِ الٰہی اُمّت کو پہنچا دیا۔ اور خود اس پر عمل کر کے نمونہ قائم کر دیا کہ سفر حضر صحت بیماری ہر حال میں فرض نماز کو ادا کرتے رہیں۔

مسلمانو! جب کوئی رعایا اپنے بادشاہ کی حکم عدولی کرتی ہے تو وہ بغاوت کی مجرم سمجھی جاتی ہے۔ شہنشاہ حقیقی کے اس حکم سے سرتابی کرنا کیا بغاوت کا جرم نہیں ہے؟ بے شک بندے کی یہ حکم عدولی بغاوت ہے اور اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ایک نماز قضا کرنے والے کو بھی جیل میں بند کر دو۔ اور امام شافعی رضی اللہ نے تارک صلوٰۃ کے لئے قتل کا فتویٰ دیا۔ بات بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو بے شمار

نعمتیں دی ہیں۔ جن کا کوئی شمار نہیں۔ پھر بندہ اپنے مولیٰ کے حکم سے سرتابی کرے اور نماز بھی نہ پڑھے تو بے شک وہ باغی ہے اور باغی کی سزا قتل ہے۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کے لئے سخت دردناک عذاب بتائے ہیں۔ مسلمانو! ڈرو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے اور نماز کی پابندی اپنے اوپر لازم کرلو۔

نماز کسے کہتے ہیں؟ دُنیا کے سارے تعلقات چھوڑ کر اپنے رب کی طرف خشوع وخضوع سے رجوع کرنے اور اس کی بارگاہ میں حاضری دینے کا نام نماز ہے۔ نمازی کو ایک نماز کے وقت دوسری نماز کے وقت تک فکر، اندیشہ اور لگن لگی رہتی ہے کہ نماز کا وقت نہ گزر جائے۔ اور نماز قضا نہ ہو جائے۔ اس خیال میں لگا رہنا بھی نماز میں شامل ہے۔ اگر تم ساری دُنیا کی بادشاہت رکھتے ہو اور اسے کوئی چھین لے تو اس سے بھی زیادہ غم تم کو ایک نماز اور تکبیر اُولیٰ فوت ہو جانے کا ہونا چاہئے۔ تب تو تم نمازی ہو ورنہ نہیں۔ مَیں تم کو گواہ بنا کر اقرار کرتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں کبھی نماز نہ چھوڑوں گا۔ تم بھی اقرار کرو کہ ہمیشہ نماز کے پابند رہو گے۔

لوگو! ذرا سوچو کہ ہم کو خدائے تعالیٰ نے دُنیا میں کیوں بھیجا ہے۔ کیا اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی دی ہوئی بے شمار نعمتیں اور پاک رزق کھا کر اس کو غلاظت بنا کے پھینک دیں۔ اور بیوی بچوں میں مشغول رہ کر کولہو کے بیل بنے رہیں۔ سنو! انسان کی پیدائش کی عِلّت غائی خود اللہ تعالیٰ اپنے کلام معجز نظام میں ارشاد فرماتے ہیں۔ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ☆ (پارہ:۲۷، سورہ: ذاریات، آیت:۵۶)۔ (ترجمہ: اور میں نے جنّ اور آدمی صرف اس لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔)

اس پیدائشِ انسان کا مقصد یہ ہے کہ دُنیا میں جا کر عبادت کریں اور اپنے دِلوں کو پاک کر کے پھر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم آپ کو عبادت کرنے کے لئے عطا کیا ہے۔ جو کام اس بدن سے لے لو وہ تمہارا ہے ورنہ یہ بدن تو مستعار ملا ہے ایک نہ ایک دن تم سے جدا ہو جائے گا۔

ایک جلاہے کو کپڑا بُننے کے لئے عاریت کے طور پر اَوزار مل گیا۔ اس کو احساس تھ

کہ دوروز کے بعد یہ مستعار اوزار واپس لے لیا جائے گا۔ اس لئے اتنے وقت میں جس قدر ہو سکے کپڑا تیار کر لیا جائے۔ پس اس نے رات دن لگا کر پوری محنت سے اپنا کام کیا۔ کیا سمجھے؟ یہ بدن بھی ہم کو عاریتاً ملا ہے اور کام میں لانے کے لئے دیا گیا ہے، پالنے کے لئے نہیں دیا۔ بعض مسلمان روزہ نہیں رکھتے، اس وجہ سے کہ روزہ رکھنے سے کمزور ہو جائیں گے۔ روزہ سے جو فوائد و برکات، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو انعام عطا ہونے والے ہیں، ان پر وہی یقین کرے گا جس کو آخرت پر یقین ہے۔ یقین کرو کہ ظاہری طور پر جس بیماری کا کوئی علاج نظر نہیں آتا، اور اطبا اور ڈاکٹر جس کے علاج سے عاجز ہیں، اس کا علاج روزہ اور صرف روزہ ہے۔

نماز روزہ کے ظاہری اور باطنی فوائد بے شمار ہیں۔ ایک چور نے کسی کے گھر سے مویشی چرایا۔ صاحب خانہ جاگ اُٹھا۔ اور اس نے چور کا تعاقب کیا۔ چور بھاگ کر ایک جگہ پہنچا اور قبلہ رُو کھڑے ہو کر اس نے نیت باندھ لی۔ لوگ تعاقب میں اس جگہ پہنچے تو سمجھے کہ یہ کوئی شب بیدار شخص ہے۔ نماز پڑھ رہا ہے۔ فارغ ہو تو اس سے چور کا پوچھیں گے۔ جب چور نے سلام پھیرا تو انہوں نے پوچھا کہ کوئی چور تو ادھر سے نہیں گزرا۔ چور نے جواب میں ہوں ہوں کیا۔ لوگ سمجھے کہ اب وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ اسے چھوڑ دیا اور چور کی تلاش کرنے آگے چلے گئے۔ دیکھو! نماز نے اس چور کو بچا لیا۔ حالانکہ یہ صرف دکھاوے کی اور جھوٹی نماز تھی۔ بتاؤ! کہ پھر سچی نماز کیوں نہیں بچائے گی۔ دنیا میں بھی بچائے گی اور آخرت میں بھی بچائے گی۔ سب مسلمانوں کو نماز روزے کا پابند رہنا چاہئے۔ یہ تو ہمارے ہی فائدے کی بات ہے۔ ''ہم خرما و ہم ثواب'' نماز روزے کی پابندی ہی میں فلاحِ دارین کا راز مضمر ہے۔

☆☆☆☆☆

بارہویں جلسے کا وعظ

(بمقام جامع مسجد آگرہ بتاریخ ۵/ دسمبر ۱۹۲۴ء)

پچھلے جمعہ کو کلمۂ طیبہ کے پہلے حصّے توحید کے متعلق بیان کیا گیا تھا۔ اب دوسرے

حصے رسالت کے متعلق سُنئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم ☆ فان تولوا فقل حسبی اللہ ج لاالٰه الا ھو ط علیه توکلت وھو رب العرش العظیم ☆ (ترجمہ: تمہارے پاس تمہی میں سے رسول ﷺ آیا۔ تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔ تمہاری بہبود کے حریص ہیں اور مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق اور مہربان ہیں۔ تو اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور عرش عظیم کا مالک وہی ہے۔ (پارہ:۱۱، سورہ توبہ:۱۲۸)

خدائے تعالیٰ نے جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا کوئی حد وشمار نہیں ہے۔ مگر ہمارے لئے سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل نعمت یہ ہے کہ اس نے ہم کو اپنے حبیب مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا کیا۔ کیسا پیارا رسول ﷺ ہے۔ ہمارا غمخوار۔ اور ہمارے ایمان پر حریص۔ نہایت شفیق اور نہایت مہربان۔ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے اور کلمۂ طیبہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صدق دل سے ایک مرتبہ پڑھ لینے سے ساری عمر کے شرک وکفر اور ہر قسم کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک آدمی کافروں کے گھر پیدا ہوا۔ ساری عمر کفر اور گناہ میں پھنسا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے کلمۂ طیبہ پڑھ لیا تو سارے گناہ معاف۔ اور وہ ہمارا بھائی ہوگیا۔ ہمارا رشتہ تمام مسلمانوں کے ساتھ اسلامی رشتہ ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پختہ رشتہ ہے۔ جو حضور ﷺ کا غلام ہے ہم اس کے خادم ہیں اور وہ ہمارا بھائی ہے۔ جو شخص حضور ﷺ کی بے ادبی کرتا ہے وہ خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھے، کتنے ہی روزے رکھے، اس کی کوئی عبادت قبول نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ایک آدمی دنیا بھر کی عبادتیں کرتا ہے، تب بھی ہمیں اس کی عبادت کی کوئی پرواہ نہیں۔ جب تک اسے ہمارے دوستوں سے محبت اور اس کے دشمنوں سے عداوت نہیں۔ اس کی سب عبادتیں بیکار ہیں۔

کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ کلمہ طیبہ کے دونوں جزنہ

پڑھے۔ پڑھنے میں محمد رسول الله پیچھے ہے اور لاالہ الا اللہ پہلے ہے۔ لیکن ایمان میں محمد رسول الله پہلے ہے۔ معمولی سی بات ہے۔ دیکھو! آدمی پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہے۔ پھر توحید تک اس کی رسائی ہوتی ہے۔ تم کو لاالہ الا اللہ کس نے سکھایا؟ محمد رسول الله نے۔ پس پہلے تم محمد رسول الله کی رسالت پر ایمان لائے تبھی تو تم نے کلمہ پڑھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قل من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ کہ اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کہہ دو کہ جس نے کہا لاالہ الا اللہ پس وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ اس حدیث میں لاالہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نہیں فرمایا۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ لاالہ الا اللہ تو وہی کہتا تھا جو حضور رسالت پر ایمان لے آتا تھا۔

غور کرو۔ ان کے لئے سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ایک اللہ تعالیٰ کی پرستش ان کے روبرو پیش کی جاتی تھی۔ پارہ تیئس (۲۳) سورہ: ص، آیت: ۵، میں ارشاد ہوتا ہے۔ أجعل الآ لهة الٰهاواحدا ط ان هذا الشی ء عجاب ۔(ترجمہ: کیا اس نے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود بنا دیا؟ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے)۔ ایک خدا کا ماننے والا کوئی نہ تھا۔ تو ظاہر ہے کہ لاالہ الا اللہ وہی پڑھتا تھا جو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مان کر محمد رسول الله پڑھ لیتا تھا۔ نجات کا دارومدار صرف اعمال پر نہیں ہے۔ ایمان اور عقیدہ اعمال پر مقدم ہے۔ کوئی عمل بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتا۔

آج کل مال و دولت اور علوم وفنون میں بہت ترقی ہو رہی ہے۔ مگر قوّتِ ایمانی کم ہوگئی ہے۔ اس ایمانی دولت پر ڈاکہ ڈالنے والے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں بھی بہت ہیں۔ ان کا کام سوائے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ پس مسلمانو! ان ایمان کے ڈاکوؤں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ ان ڈاکوؤں سے بدتر وہ ہیں جو ان کے پاس جاتے اور ان کی باتیں سُنتے ہیں۔ لاہور میں دو آدمی باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک نے کسی کی بابت کہا کہ یہ بڑا بے حیا فرقہ ہے۔ دوسرا سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے کہا ان سے زیادہ بے حیا وہ لوگ ہیں جو ان کے پاس جاتے ہیں۔ مسلمانو! یہ ایمان کے ڈاکو تو بے دین ہیں تم ان کے پاس جا کر کیوں ان سے زیادہ بے دین بنے جاتے ہو۔ قرآن شریف میں اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین** ۔(پارہ ۷، سورہ: الانعام، آیت: ۶۸) (ترجمہ: نصیحت آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو)۔ کہ ظالم قوم کے پاس بھی مت بیٹھو۔ ان کا اثر ضرور برا پڑے گا۔ یہاں ظالموں کے پاس بیٹھنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اور گیارہویں پارے (سورہ: توبہ، آیت: ۱۹) میں حکم ہوتا ہے۔ **وکونوا مع الصادقین** کہ سچوں کے ساتھ رہو۔

ایک آدمی ہماری ماں کو گالی دے یا ہمارے باپ کو برا کہے تو کیا اس پر بھی ہم اس کے ساتھ محبت اور دوستی رکھ سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ تو ذرا سوچو۔ ایک طرف تو ہم حضور ﷺ کے غلام کہلاتے ہیں اور دوسری طرف اس شخص کو جو حضور ﷺ کی اہانت کرتا ہے اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کے لئے آمادہ رہتا ہے، اس کو کچھ نہ کہیں۔ اور اس کے ساتھ دوستی رکھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ پانچ سال کا بچہ بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کی ماں کو بُرا کہے اور وہ چپ رہے۔ اس کی غیرت و حمیّت اجازت نہیں دیتی۔ فطرتِ انسانی اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے بُرا کہنے والے کو اچھا نہ سمجھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **لا ایمان لمن لا غیرۃ لہ** ۔ جس میں غیرت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔ **فروا من المجذوم کما تفرون من الاسد** ۔ کہ کوڑھی سے ایسے دُور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ مسلمانو! جسم کے کوڑھی سے تو تم پرہیز کرتے ہو۔ مگر روحانی کوڑھیوں سے پرہیز کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ جسم کے کوڑھی کا اثر تو صرف جسم پر ہوتا ہے۔ اور روحانی کوڑھیوں کی صحبت تمہاری رُوح کو کوڑھی بنا کر، دین و دُنیا میں برباد کر دے گی۔

ایک دفعہ میں اپنے مولوی صاحب کے ہاں مہمان ہوا۔ اُنہوں نے مجھے ایک مکان میں ٹھہرا دیا۔ مجھے اس مکان میں سخت بے چینی اور تکلیف رہی۔ آگ سی لگی ہوئی تھی۔ میں اضطراب میں ٹہلنے لگا۔ ایک کونے میں ایک سوراخ تھا۔ اس میں مجھے کچھ بال نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کوئی کنجری رہتی تھی۔ اس کی سیاہ کاریوں کا اثر اس جگہ پر باقی تھا۔ مَیں نے مولوی صاحب سے شکایت کی کہ آپ نے مجھے اس مکان میں کیوں ٹھہرایا جہاں بدکاریاں

ہوتی رہی ہیں اور اس کی نحوست اس جگہ اب تک موجود ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو ایسا کیا گیا ہے۔ تاکہ آپ کے قدموں کی برکت سے یہاں کی نحوست دُور ہو جائے۔ مَیں نے کہا بھائی! اس وقت تو اس جگہ کی نحوست مجھے پریشان کر رہی ہے۔ مسلمانو! اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو ایسے فاسد العقیدہ لوگوں کے پاس بھی مَت بیٹھو۔ دیکھو! تمہارے پاس اگر ایک اشرفی بھی ہو۔ تو تم اس کی کس قدر حفاظت کرتے ہو۔ کہاں کہاں چھپا کر رکھتے ہو۔ کیا ایمان کی حفاظت اور ایمان کو بچانا مال کے برابر بھی ضروری نہیں ہے؟

☆/☆/☆/☆/☆

﴿فائدہ﴾ آگرہ میں اس موقع پر حضور نے تین ہفتے سے زیادہ قیام فرمایا تھا۔ اس دَوران انجمن خدّام الصوفیہ کی طرف سے اکیس جلسے منعقد کئے گئے۔ کسی کسی دن دو دو جلسے ہوئے۔ ایک دن میں، دوسرا رات میں۔ حضور نے تمام جلسوں میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ حسب معمول اوّل دوسرے علمائے کرام کے مواعظِ حسنہ ہوتے تھے اور آخر میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلمات طیبّات سے فیض یاب فرماتے تھے۔ فرودگاہ پر بھی ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا تھا۔ صبح و شام حلقے ہوتے تھے اور سینکڑوں افراد سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوتے رہے۔ حضور کا خوانِ یغما بھی اس دَوران عادت مبارکہ کے مطابق جاری رہا اور جملہ حاضرین کے لئے صلائے عام ہوتی تھی۔ غرض حضور والا کے قدوم میمنت لزوم سے اہلِ آگرہ کو کامل فیض حاصل ہوا۔ صرف چند مواعظ حسنہ کی تلخیص بغرض افادہ ضبط تحریر میں لائی گئی۔

☆☆☆☆☆

﴿اخلافِ کرام اور خُلفائے عظام﴾

اخلافِ کرام۔۔۔خُلفائے عظام

اخلافِ کرام

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی۔ تینوں صاحب زادگان گرامی شان کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی تھی۔ اُن کے مختصر حالات ذیل میں درج ہیں۔

سراج الملّت حضرت الحاج حافظ مولانا سیّد محمد حسین شاہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔۔۔سجادہ نشین اوّل

آپ حضور کے خلفِ اکبر تھے۔ ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔ ابتدائے عمر ہی سے ذہانت وفطانت کے آثار پیشانی سے ظاہر ہوتے تھے۔ اور اہلِ بصیرت جانتے تھے کہ آپ مناصب بلند پر فائز ہوں گے۔

؎ بالائے سرش زہوش مندی   می تافت ستارۂ بلندی

آپ دو تین مہینے کے تھے کہ بابا جی حضرت فقیر محمد صاحب چوراہی رحمۃ اللہ علیہ علی پور شریف تشریف لائے تو آپ کے چچا حضرت سیّد صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنی گود میں لے کر حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ "اس پر دم کر دیجئے۔ یہ اکثر روتا رہتا ہے۔" حضرت بابا جی صاحبؒ نے دم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "یہ رونے والا بچہ نہیں ہے۔ یہ بڑا مرد ہوگا۔ اور ہمیشہ خوش وخرّم رہے گا"۔

حفظِ قرآن مجید:۔

جب عمر مبارک سوا چار سال کی ہوگئی تو آپ کو حضرت قاری حافظ شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کلام مجید کی تعلیم اور حفظ کے لئے بٹھایا گیا۔ آپ نے بڑی شفقت سے صاحبزادہ صاحب کو پڑھانا شروع کیا اور بہت چھوٹی عمر میں پورا کلام مجید حِفظ کرا دیا۔

حفظ کرنے کے بعد ایک سال آپ نے کلام مجید کے حافظہ کو پختہ کیا۔ اگلے سال تراویح میں سُنایا تو کہیں کسی کو لقمہ دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ آپ نے نہایت عمدہ لہجہ میں تحمل، سکون اور ترتیل کے ساتھ پورا قرآن مجید سُنایا۔ تمام نمازیوں نے بے حد پسند کیا اور حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد سے معمول تھا کہ آپ ہر سال تراویح میں سُنایا کرتے تھے۔ اور حفظ وضبط اتنا عمدہ تھا کہ مدّت العمر کبھی کوئی لغزش نہیں ہونے پائی۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تلاوت کی خاص طور پر تحسین فرماتے اور ارشاد کرتے کہ "صاجزادہ نہایت اچھا پڑھتا ہے دوسرا کوئی حافظ اتنا عمدہ نہیں پڑھتا"۔

حضرت سراج الملت کا معمول تھا کہ روزانہ نماز فجر کے بعد کلام مجید کھول کر سامنے رکھ لیتے اور کم از کم سوا پارہ ہر روز پڑھتے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے کئی دفعہ فرمایا تھا کہ "شبینہ میں تیرے باپ نے کئی بار پہلی رکعت میں اکیس پارے اور دوسری رکعت میں نو پارے پڑھ کر سلام پھیرا ہے"۔

ابتدائی تعلیم:۔

جب آپ کلام مجید کے حفظ سے فارغ ہو گئے تو آپ کو سکول میں داخل کرایا گیا۔ علی پور سیّداں میں کوٹ والی مسجد میں پانچویں جماعت تک سکول قائم کیا جا چکا تھا۔ آپ بھی اسی میں پڑھتے رہے۔ اسی کے ساتھ آپ مولوی عبدالرشید صاحب سے فارسی کا سبق لیتے رہے۔ گلستان بوستان اور دوسری ابتدائی کتابیں آپ نے انہی سے پڑھی تھیں۔ قلعہ سوبھا سنگھ میں آٹھ جماعت تک یعنی مڈل سکول کُھل چکا تھا۔ علی پور سیّداں کے پرائمری سکول کے بعد آپ قلعہ سوبھا سنگھ کے مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے آٹھویں جماعت (مڈل) کا امتحان پاس کر کے سند حاصل کی۔ مگر اس دوران بھی مولوی عبدالرشید صاحب سے فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

حضرت سراج الملت عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے کہ حضرت مولانا نور احمد صاحب پسروری ثم امرتسری (ف ۱۹۳۰ء) حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ حضور نے مولانا صاحب سے کہا کہ صاحبزادہ کا امتحان لو۔ انہوں نے کچھ صیغے دریافت کئے جو صاحبزادہ صاحب نہ بتا سکے۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ محنت نہیں کرتا۔ مولانا صاحب نے جواب دیا۔ ''بچہ ذہین اور محنتی ہے۔ قصور اُستاد کا ہے کہ ٹھیک ذہن نشین نہیں کراتا''۔ اس کے بعد مولانا صاحب نے الگ لے جا کر صاحبزادہ صاحب کو کچھ صرفی قواعد سمجھائے اور پھر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اب حضور ان کا امتحان لے لیں۔ حضور نے جو سوالات کئے صاحبزادہ صاحب نے صحیح جواب دیا۔ اس پر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''مولانا صاحب آپ ان کو اپنے ساتھ لے جائیں اور وہیں تعلیم دیں''۔

تحصیلِ علوم:۔

حضرت الحاج مولانا نور احمد صاحب (ف ۱۹۳۰ء) انجمن نعمانیہ امرتسر کے صدر اور مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ شیخ بڈھا کی مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب مولانا صاحب کے ہمراہ امرتسر گئے اور وہاں ان سے عربی کی درسی کتب پڑھیں۔ علوم وفنون، معقول ومنقول کی اکثر کتابیں آپ نے مولانا صاحب ہی سے پڑھی تھیں۔

امرتسر کے قیام میں حضرت صاحبزادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت اور دلجمعی سے تحصیلِ علم میں وقت صَرف کیا تھا۔ ہماری برادری کے نمبردار جناب سیّد قائم علی شاہ صاحب نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا کہ ''ہم لوگ ذاتی کام سے امرتسر گئے ہوئے تھے تو صاحبزادہ سے ملنے شیخ بڈھا کی مسجد میں پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ صاحبزادہ صاحب ایک حجرہ میں بیٹھے اپنا سبق یاد کر رہے ہیں۔ مٹی کے لوٹے کے اوپر روٹی رکھی ہے۔ روٹی کا لقمہ توڑ کر نمک مرچ لگا کر منہ میں رکھ لیتے ہیں۔ اور مطالعہ جاری ہے۔ تھوڑی دیر باہر کھڑے ہم یہ شغل دیکھتے رہے۔ اور خوش ہوئے کہ ایسی محنت ہو تبھی اعلیٰ پڑھائی ہو سکتی ہے۔ اچانک صاحبزادہ صاحب کی نظر ہم پر پڑی تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، محبت اور عزّت سے پیش آئے۔ کھانے

کی تواضع کی۔ مگر ہم کھانا کھا کے ان کے پاس گئے تھے۔ اس لئے معذرت کر دی۔ اور کہا ہم تو صرف آپ سے ملنے اور آپ کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے"۔

سفرِ دہلی:۔

امرتسر میں تحصیل علم کر چکنے کے بعد آپ دہلی گئے اور وہاں مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا۔ درسِ نظامیہ کی تمام اعلیٰ کتابیں، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، فلسفہ وغیرہ کی تکمیل آپ نے یہیں کی تھی۔ حضرت سراج الملّتؒ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی (ف ۱۹۱۲ء) سے پڑھی ہے اور حدیث کی کتابیں مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی (ف ۱۹۵۲ء) سے پڑھی ہیں۔

مدرسہ امینیہ میں آپ نے دورۂ حدیث ختم کیا تو دستار بندی کے لئے مولانا محمود الحسن دیو بندی (۱۹۲۰۔۱۸۵۱ء) تشریف لائے تھے۔ آپ نے ایک ایک طالب علم کی دستار بندی کی اور سندیں عطا کیں۔ حضرت صاجزادہ صاحب فطری تواضعؑ وانکسار کے مطابق سب سے پیچھے تھے۔ جب آپ کی باری آئی تو دستاریں ختم ہو چکی تھیں۔ مولانا محمود الحسن صاحب کو معلوم ہوا کہ اب کوئی دستار نہیں رہی تو اُنہوں نے اپنی ٹوپی اور دستار اُتار کر صاجزادہ صاحب کی دستار بندی کی اور آپ کی ذہانت وفطانت کی تحسین فرمائی۔ آپ کی سند پر اپنے دستخط ثبت کئے اور آپ کے لئے دُعا کی۔ (یہ دستار اور سند اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے)

ایک دفعہ مولوی محمد عالم صاحب میر پوری (ف ۱۹۹۰ء) خلیفۂ مجاز، حضرت سراج الملّت کی ہم رکابی میں دہلی گئے ہوئے تھے۔ آپ بازار سے گزرتے ہوئے ایک دوکان کے سامنے رُک گئے۔ تو مولوی صاحب نے توقف کا سبب دریافت کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "دہلی میں تعلیم حاصل کرنے کے دَوران میں اکثر وبیشتر رات کو اس دوکان کے تختہ پر بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ بازار کی روشنی میرے پڑھنے کے لئے کافی ہوتی تھی۔ دیر تک مطالعہ جاری رکھنا اس لئے آسان ہوتا کہ مَیں سوچتا کہ اگر مجھے نیند آئی تو تھڑے (تختہ) سے نیچے سڑک پر گر پڑوں گا۔ اس اندیشہ میں نیند نہیں آنے پاتی تھی۔ اور میں رات

گئے تک مطالعہ میں مصروف رہتا تھا۔

تحصیلِ علمِ طِب:۔

قیامِ دہلی کے زمانے میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے حکیم محمد اجمل خان صاحب مرحوم (۱۹۲۷ء۔۱۸۶۴ء) کے طبیہ کالج میں داخلہ لے کر طب کی بھی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ حکیم اجمل خان صاحب آپ کو اپنے لائق شاگردوں میں شمار کرتے تھے۔ دہلی کے یونانی طب سے تعلق رکھنے والے ادارے آپ کی طبیبانہ حیثیت سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ ہمدرد دواخانہ دہلی سے جو اشتہارات، فہرستیں اور کتابچے آتے رہتے تھے، ان پر آپ کے نام کے ساتھ حکیم بھی لکھا ہوتا تھا۔ حضرت کی خدمت میں جو بیمار تعویذ کے لئے آتے تھے، آپ انہیں تعویذ کے ساتھ دواؤں کا نسخہ بھی عطا فرماتے تھے۔ علاج پرہیز کی بابت تاکید فرماتے اور ضروری ہدایت کی پابندی پر زور دیتے تھے۔ دیگر شدید امراض کے علاوہ اٹھرا جیسے موذی مرض کے لئے بھی آپ نسخہ تجویز کر کے دیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ نارووال کے سٹیشن پر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دسترخوان پر سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر بھی دعوت میں شریک تھا۔ حضرت بڑے صاحبزادہ صاحب نے ڈپٹی کمشنر کو ہدایت فرمائی کہ "پلاؤ پر دہی ڈال کر کھاؤ۔ دہی پلاؤ کا مصلح ہے"۔ اس پر حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ "بھئی! صاحبزادے نے طب پڑھی ہے۔ مَیں نے نہیں پڑھی۔ سب لوگ ان کی ہدایت پر عمل کرو۔ اور پلاؤ کے ساتھ دہی ضرور استعمال کرو"۔

آپ کے دیگر اساتذہ کے نام مجھے تحقیق نہیں ہو سکے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

عربی فارسی پر کامل عبور:۔

حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ کو عربی فارسی پر ایسا کامل عبور حاصل تھا کہ تحریر و تقریر میں اہلِ زبان جیسی لسانی مہارت حاصل رہی اور تمام عمر کبھی بول چال میں کوئی رکاوٹ نہ آئی۔ دوسرے مذہب والوں سے آپ کو اکثر تحریری مناظروں کے مواقع حاصل ہوئے۔

ان کی تحریر میں آپ نے ہمیشہ غلطیاں نکالیں اور وہ کبھی توجیہہ وتاویل نہ کر سکے۔ مگر آپ کی تحریر میں ان کو نکتہ چینی اور خوردہ گیری کی جسارت نہ ہوئی۔ آپ نے بار ہا چیلنج بھی کیا مگر معاندین کو چپ سادھ جانے ہی میں عافیت نظر آئی۔

ایک دفعہ مولانا غلام رسول صاحب گوہر قصوری (ف ۱۹۸۵ء) کے چچا صاحب کے گاؤں والے آپ کو اہل حدیث سے مناظرہ کرنے کے لئے اپنے گاؤں لے گئے۔ آپ نے ان کے اعتراضات کے جواب اور پھر اپنی طرف سے کچھ سوالات عربی زبان میں مدلّل لکھ کر اس جماعت کے علماء کے پاس بھیجے اور مطالبہ کیا کہ عربی ہی میں جواب لکھ کر دو۔ آپ کی فصیح وبلیغ عربی دیکھ کر وہ لوگ راتوں رات وہاں سے بھاگ نکلے۔ آپ نے حسب عادت لوگوں کی ہدایت کے لئے مجمع میں تقریر فرمائی جس سے بہت لوگ صحیح العقیدہ بن گئے۔

ایک بار جامع ازہر کے ایک استاد مصر سے علی پور سیّداں آئے۔ بعض مسائل پر ان سے اختلاف ہوا تو مستقل بحث اور مناظرہ ہونے لگا تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت اس دَوران برابر عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔ مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ محفل میں موجود ہوتے اور ان علمی مباحث سے استفادہ کرتے۔ آپ نے دلائل وبراہین سے حنفی مسلک کی صحت اور افادیت ثابت کی اور ان مصری عالم کو قائل کر دیا۔ آپ کی فصیح اور شستہ عربی گفتگو پر ان عربی عالم کو سخت حیرت تھی۔ آخر انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے ملک عرب میں کتنی مدت گزاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حج کے زمانے کے علاوہ مجھے کبھی وہاں رہنے کی عزت حاصل نہیں ہوئی۔ ان عرب کو حیرت تھی کہ پھر آپ ہندوستان میں رہتے ہوئے کیونکر اتنی عمدہ لسانی مہارت بہم پہنچا سکے ہیں۔

کتابوں کا شوق:۔

۳۳-۱۹۳۲ء کے حج کے موقع پر آپ حرمین الشریفین تشریف لے گئے تو جہاں دوسرے لوگوں نے ڈھیروں تبرکات اور تحفے خریدے۔ آپ نے لاتعداد عربی کتابیں خرید فرمائیں۔ اور پیٹیاں بھر کر علی پور لائے۔ جو کتابیں ہندوستان میں نایاب اور کمیاب تھیں

خاص طور پر آپ نے انہی کی خریداری کا اہتمام فرمایا تھا۔ مثلاً منصوص سرخسی ۔ فتح القدیر، بحر الرائق ، شیخ زادہ، عینی ، قسطلانی (شرح بخاری) تفسیر روح المعانی، تفسیر روح البیان، تفسیر ابن جریر وغیرہ۔ پہلے مدرسہ کے کتب خانہ کی مختصر فہرست آچکی ہے۔ یہ سب کتابیں آپ ہی کی جمع کی ہوئی ہیں۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز آپ کے اس شوق کی بڑی قدر کرتے تھے کئی بار تحسین و آفرین کے کلمات زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ ایک بار فرمایا تھا کہ "لوگ ایسے تبرکات خریدتے ہیں جو فنا ہو جاتے ہیں۔ صاحبزادہ نے ایسی چیزیں خریدیں ہیں جن کو بقا ہے"۔ حضرت سراج الملّت خود بھی اپنی اس سعی مشکور کا تذکرہ فخر کے ساتھ کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "میں نے ایسی کتابیں جمع کردی ہیں جو باقیات الصالحات کی مصداق ہیں"۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں کی کثرت دیکھ کر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "صاحبزادہ نے تو مکّہ شریف کے تمام کتب خانے خرید لئے ہیں"۔

مدرسہ نقشبندیہ:۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے دینی کارناموں میں ذکر آچکا ہے کہ آپ نے علی پور سیّداں میں مدرسہ نقشبندیہ قائم کیا تھا۔ جو بحمد اللہ اب تک بخیر و خوبی خدمات دینی و علمی انجام دے رہا ہے۔

جب حضرت سراج الملّت تحصیل علوم کے بعد علی پور سیّداں واپس آئے تو آپ نے مدرسہ کا تمام انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آپ ہی اس کے مدرس اعلیٰ تھے اور آپ ہی مہتمم ۔ ابتداء میں تن تنہا تمام طلبہ کو اعزازی طور پر درس دیا کرتے تھے۔ بتدریج یہ مدرسہ اس قدر مشہور معروف ہو گیا کہ بنگال ، مدراس ، دکن ، ایران ، بخارا سے بھی طالب علم آنے لگے، جن طلبہ کی مادری زبان فارسی ہوتی تھی ان کو آپ فارسی ہی میں درس دیتے تھے۔

طلبہ کی تعداد بڑھ گئی اور کام زیادہ ہو گیا تو کانپور سے مولوی محمد یوسف صاحب کو بلوایا گیا۔ بعد میں دو تین اور مدرسوں کا بھی اضافہ ہوا۔ لیکن دوسرے مدرسوں کے آجانے

کے بعد بھی حضرت خود صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ عموماً اعلیٰ درسی کتب کا درس دیتے تھے۔آپ کو تدریس کا ایسا ملکہ تھا کہ مشکل سے مشکل مسائل بہت آسانی سے طلبہ کے ذہن نشین فرما دیتے تھے۔اسی لئے منتہی اسباق کے طلبہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے سے سبق لینے کے روادار نہ ہوتے تھے۔حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، ہیئت ، عقائد، معانی وبیان، ادبیات جملہ علوم کی تدریس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور یکساں مہارت واعتماد کے ساتھ درس دیتے تھے۔

طلبہ کے قیام، طعام، صحت، ورزش وغیرہ کی تفصیلات پہلے آچکی ہیں اس لئے مزید تکرار سے احتراز کیا جاتا ہے۔

فتویٰ نویسی:۔

حضرت سراج الملّتؒ جلیل القدر عالم، محدث اور فقیہ تھے۔اس لئے فتویٰ نویسی کی خدمت بھی آپ ہی سے متعلق تھی۔آپ مشکل سے مشکل مسائل پر قلم برداشتہ فتویٰ لکھ دیتے تھے۔حدیث وفقہ کی کتابوں پر ایسا عبور حاصل تھا کہ آپ کے فتوے قوی اور مضبوط دلائل سے حوالہ جات کے مطابق مزین ہوتے تھے جن سے انحراف کی مجال ممکن نہ تھی۔عدالتوں میں بھی ان پر اعتماد کیا جاتا اور ان سے سند لی جاتی تھی۔علم الفرائض بہت مشکل چیز ہے۔مگر آپ کو اس میں بھی کامل مہارت حاصل تھی۔میراث کے مسائل کا جواب برجستہ دیتے اور ترکہ کی تقسیم کے معاملات مدلّل طور پر قرآن وحدیث کی روشنی میں فوراً حل فرما دیتے تھے۔

ایک دفعہ لائل پور (فیصل آباد) میں دو اجنبی شخص حاضر خدمت ہوئے۔اُنہوں نے میراث کا ایک فتویٰ پیش خدمت کر کے رائے معلوم کی۔آپ نے فتویٰ پڑھ کر ارشاد کیا کہ ''مولوی یونس نے ترکہ کی تقسیم غلط کی ہے۔صحیح تقسیم یوں نہیں یوں ہوگی''، قلم اُٹھا کر اسی کاغذ پر تصحیح فرما دی۔اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولوی یونس کو دکھا دو۔مولوی یونس نے پڑھا تو دریافت کیا کہ ''حضرت نے کتابوں سے دیکھ کر تصحیح کی ہے یا زبانی''۔ان اشخاص نے جواب دیا کہ ''وہاں تو کتاب بھی سامنے موجود نہ تھی''۔مولوی یونس کو آپ کے فاضلِ اجل ہونے کی

تائید کرنی پڑی۔

ایک بار حضرت کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں اس وقت ایک طلاق کے مسئلہ نے سب کو پریشان کر رکھا تھا۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''اگر تو نے ہنڈیا چاٹی تو تجھ پر طلاق''۔ مفتیوں سے رجوع کیا گیا تو سب نے کہا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی۔ انہی دنوں آپ کلکتہ پہنچے۔ اس شخص نے آپ سے رجوع کیا۔ آپ نے اس کی بیوی سے دریافت فرمایا ''تم نے ہنڈیا کس طرح چاٹی تھی''۔ اس نے جواب دیا ''یوں۔ انگلی سے پونچھ پونچھ کر''۔ آپ نے فرمایا ''جا تجھ کو طلاق نہیں ہوئی۔ تو نے اپنی انگلی چاٹی ہے، ہنڈیا نہیں چاٹی''۔ کلکتہ کے دوسرے علماء آپ کی فراست و ذہانت کی یہ مثال دیکھ کر حیران رہے گئے۔

تقویٰ:۔

حضرت جتنے جلیل القدر عالم تھے اسی کے مطابق آپ کو اتباعِ شریعت اور پابندی سُنّت کا اہتمام ملحوظ ہوتا تھا۔ محرمات اور مکروہات کا تو ذکر ہی کیا ہے، آپ مباح چیزوں میں بھی شُبہ کی صورت احتیاط برتتے تھے۔ کبھی کسی مشتبہہ کام کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور ہمیشہ تقویٰ پر کاربند رہے۔ حضرت قبلہٗ عالم قدس سرّہٗ العزیز کے معمولات اور معاملات میں پابندی شریعت اور اتباعِ سُنّت کا ذکر تفصیل سے آیا ہے، حضرت کے حیات طیبہ میں بھی اسی کا کامل پرتو نظر آتا تھا۔ شریعت و سُنّت پر عمل آپ کی سرشت بن چکا تھا۔ اس سے سرمو انحراف کا کبھی تصوّر بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

زمینوں کی دیکھ بھال اور اہتمام و انصرام حضرت سے متعلق تھا۔ کچہری دیوانی ہو یا مال کی، وہاں احتیاط بہت مشکل ہوتی تھی۔ مگر آپ نے کبھی غیر شرعی عمل کا سہارا نہ لیا۔ آپ کو ان معاملات میں بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں مگر کبھی پیشانی پر بل نہ آیا۔ اور ہر گز کسی ناروا اقدام کو جائز نہ سمجھا۔

تحصیلدار، پٹواری اور دوسرے عملہ کے ساتھ روزانہ کام پڑتا تھا۔ یہ لوگ بغیر رشوت کے کب قابو میں آتے ہیں۔ مگر آپ نے پوری زندگی میں رشوت کو کبھی مقصد برآری کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بہت سے نیازمند اکثر عرض کرتے کہ مقدمہ میں فلاں رکاوٹ دُور کرنے

کے لئے رشوت بغیر چارہ نہیں۔ مگر آپ فرماتے کہ "مجھے حلال وحرام کی تمیز کا علم حاصل ہے۔ میں حرام تو کیا مشتبہ کام بھی نہیں کروں گا۔ آگے اللہ کارساز ہے"۔ چنانچہ رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ کے تمام کام بخیر وخوبی تکمیل پاتے۔ اور لوگ حیران ہوتے کہ ایسا کیونکر ممکن ہوا۔

جب لائل پور (حال فیصل آباد) والی زمین کا معاملہ بہت الجھ گیا۔ یہاں تک کہ علی اکبر خان وزیر تعلیم اور علی شیر خان ممبر اسمبلی سے مقابلہ آپڑا۔ تو مولانا قطب الدین جھنگوی (ف ۱۹۵۹ء) جیسے بزرگ نے میرے سامنے حضرت سے عرض کیا کہ "رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنے کو فقہا نے جائز لکھا ہے"۔ مگر آپ کئی گھنٹے تک مولوی صاحب سے بحث فرماتے رہے۔ ان کے دلائل رد کرتے اور صحیح مسئلہ بیان فرماتے۔ حوالہ جات نقل فرمائے اور مولوی صاحب کو قائل کرتے کہ رشوت کا سہارا لینا ہر حال میں ناجائز ہے۔ آخر تنگ آکر مولوی صاحب نے عرض کیا "اگر آپ رشوت نہ دیں گے تو زمین ملنی ناممکن ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ "مولوی صاحب اگر آپ دلائل سے رشوت دینی جائز ثابت کر دیں تو بھی میں ہرگز رشوت نہیں دوں گا"۔ مولوی صاحب نے کہا "پھر تو زمین بھی آپ کو نہیں مل سکتی"۔ آپ نے جواب دیا "زمین ملے یا نہ ملے۔ میں رشوت ہرگز نہیں دونگا"۔

مولوی صاحب حیران رہ گئے۔ انہوں نے آپ کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا کہ "آپ کی زمین کہیں نہیں جاسکتی"۔ حضرت نے فرمایا "مولوی صاحب یہ کیا۔ "ابھی تو آپ کچھ اور کہہ رہے تھے اور ابھی زبان بدل لی"۔ مولوی صاحب نے کہا "جب آپ کو اپنے اللہ پر اتنا اور ایسا اعتماد ہے کہ آپ کے بھروسہ پر اپنی جدّی جائیداد کو لات مارنے پر آمادہ ہیں۔ مگر رشوت کا سہارا کسی عنوان منظور نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی آپ کو جدی جائیداد سے محروم نہیں ہونے دے گا"۔

نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ باوجود ہر قسم کے اثرات اور مخالفانہ کارگزاریوں کے بالآخر حضرت ہی کو کامیابی ہوئی اور لائل پور (فیصل آباد) کی زمین ہماری ملکیت میں برقرار رہی۔

ڈاکخانہ کا سُود:۔

حضرت نے قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ کے ڈاکخانہ میں مدرسہ کا روپیہ جمع کر رکھا

تھا۔اس رقم کو جمع کیۓ ہوۓ مدّت گزر چکی تھی۔ایک دفعہ حضرت نے مولوی محمد اسماعیل سے کہا کہ ذرا قلعہ سوبھا سنگھ جا کر پوسٹ ماسٹر سے معلوم کرآؤ کہ اس وقت تحویل میں کتنی رقم ہے۔پوسٹ ماسٹر نے مولوی صاحب کو بتایا کہ ابتداء میں حضرت نے گیارہ ہزار روپیہ جمع کیۓ تھے۔اس پر ہر سال سود چڑھتا رہا۔اب سود کی رقم بائیس ہزار ہوگئی ہے۔اتنی بڑی رقم ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ضرور وصول فرمالیں۔مولوی اسماعیل صاحب نے کہا مَیں یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ حضرت کے سامنے ایسا عرض کروں۔پوسٹ ماسٹر نے کہا اچھا میں خود آ کر عرض کروں گا۔

اس واقعہ سے اگلے روز پوسٹ ماسٹر مجھ سے ملا۔حضرت لائل پور تشریف لے جاچکے تھے۔اس نے مجھے تفصیل بتائی۔تو میں نے جواب دیا کہ حضرت تحریر دے چکے ہیں کہ ہم سود کی رقم نہیں لیں گے۔اس نے کہا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اب دوسری تحریر دے دیں کہ میں یہ رقم وصول کروں گا۔آپ نے ساری گزارش سُنی مگر پسند نہ فرمایا۔اور کہا کہ ”ہم ایک دفعہ لکھ کر دے چکے ہیں کہ ہمیں سود نہیں لینا ہے۔بار بار اس بکواس کی کیا ضرورت ہے“۔چنانچہ ضرورت پڑنے پر آپ نے صرف اپنی جمع کردہ رقم وصول کی اور سود کا ایک پیسہ بھی لینا گوارا نہیں کیا۔

مسجد نور کا پتھر ”سنگِ مرمر“ خریدنا:۔

حضرت بذاتِ خود مکرانہ (حال بھارت) تشریف لے گئے اور وہاں سے مسجد نور کے لئے سنگِ مرمر ”پتھر“ خرید فرمایا۔مکرانہ سے چھوٹی لائن آتی ہے اور پھر پنجاب کے لئے بڑی لائن بدلتی ہے۔اسٹیشن ماسٹر نے کہا کہ چھوٹی لائن سے بڑی لائن پر سامان اتارنے لادنے کا کام بغیر رشوت کے نہیں ہوگا۔حضرت نے فرمایا یہ ریل والوں کی ذمہ داری ہے۔ہم اس کام کا کچھ بھی نہیں دیں گے۔اس نے صاف جواب دے دیا کہ پھر پتھر بھی نہیں جائے گا۔آپ نے فرمایا ”یہ خانہ خُدا کا پتھر ہے،ضرور جائے گا“۔

چنانچہ آپ پتھر چھوڑ کر دہلی چلے آئے اور ریل کے بڑے افسروں سے مل کر تمام

معاملہ ان کو گوش گزار کیا۔ افسران نے اس سٹیشن ماسٹر کو فوراً وہاں سے تبدیل کر کے دوسرے کو وہاں تعینات کیا اور ساتھ ہی حکم جاری کیا کہ ان کا خرید کردہ پتھر فوراً روانہ کیا جائے۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر کا پتھر بخیر و خوبی علی پور سیّداں پہنچ گیا۔

جُودوسخا:۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی مانند آپ بھی سخی اور جواد تھے۔ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے تھے۔ اور ان کی نقد و جنس کی تمام ضرورتیں فراہم کرتے رہتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ عام طور پر دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی طرح مدرسہ کے طلبہ کی ہر قسم کی ضروریات کا اہتمام فرماتے تھے۔ تاکہ طلبِ عالم میں ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ان تمام کاموں میں جو روپیہ صرف ہوتا اس کا علم خدا کے علاوہ کسی کو نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ آپ بھی حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حج کو گئے ہوئے تھے۔ مدینہ منوّرہ میں حضرت قبلۂ عالم نے ایک دن مولانا ضیاء الدین احمد صاحب سے دریافت کیا کہ ''آپ نے صاحبزادہ سے ملاقات کی''۔ مولانا صاحب نے جواب دیا ''جی ہاں! ملاقات ہوئی۔ میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ وہ بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ آپ کے صحیح جانشین ہوں گے''۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''مولانا صاحب! بعض باتوں میں وہ مجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو لوگ ایک کے چار کر کے بتاتے ہیں۔ مگر وہ دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں کو خبر نہیں ہونے دیتا''۔

بعض تفصیلات پہلے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ طیبہ کے بیان میں آ چکی ہیں۔ اس لئے ان کے اعادے سے گریز کیا جاتا ہے۔

ملّی خدمات:۔

حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کی سیرت کے بیان میں دینی، ملّی، فلاحی خدمات کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام تحریکوں میں حضرت سراج الملّت برابر شریک رہے۔

انجمن خدام الصوفیہ، فتنۂ ارتداد، تحریک خلافت، ساردا ایکٹ، تحریک قیامِ پاکستان اور دوسری تعلیمی، دینی اور ملّی خدمات میں آپ ہی تمام انتظامات کے ذمہ دار ہوا کرتے تھے۔ کسی تحریک کے ناظمِ اعلیٰ، کسی کے خازن اور کسی کے مہتمم بنتے۔ اور اپنے فرائض پوری تن دہی اور جاں فشانی سے انجام دیتے تھے۔

اس سلسلے میں آپ کو اطراف واکناف ملک کے طویل دَورے بھی کرنے پڑتے تھے۔ آپ بخوشی دَوروں پر جاتے۔ دُور دراز علاقوں کے سفر فرماتے۔ ہر جگہ عام دینی تبلیغ اور پند وموعظت کے ساتھ دوسرے قومی کام بھی انجام دیتے۔ ہر جگہ سلسلۂ عالیہ کی توسیع اور توثیق فرماتے اور یارانِ طریقت کی ظاہری وباطنی اصلاح کرتے۔ اس ذیل میں آپ نے بار بار مشرق ومغرب اور شمال سے جنوب تک سارے ملک کے دَورے فرمائے ہیں۔ ان تمام سفروں میں اپنا ہی نہیں، ہمرائیوں کے سفر وحضر کے اخراجات کا بار آپ خود اٹھاتے تھے۔ اور کبھی کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ کس دَورے پر کتنی خطیر رقم خرچ ہوئی ہے۔

حساب فہمی میں اہتمام:۔

دربار شریف کے کاروبار اور زمینوں کے انتظامات آپ سے متعلق تھے۔ مدرسہ کے اہتمام کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اس کے بھی آپ پوری طرح کفیل ہوتے تھے۔ حساب کتاب کے معاملے میں اور لین دین میں آپ پوری احتیاط برتتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اس بارے میں پور احتاط رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک دفعہ لائل پور (فیصل آباد) میں آپ نے گھر کے لئے سبزی ترکاری خریدنے کے لئے روپیہ دیا۔ واپس آکر لانے والے نے آپ کو حساب نہیں بتایا۔ آپ نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ اڑھائی آنے بچے ہوں گے۔ دریافت فرمایا کہ "بچے ہوئے پیسے کس کے پاس ہیں، لاکے دو۔ آج کل لوگ پیسے کے معاملے میں بے پروائی کرنے لگے ہیں، حلال وحرام میں تمیز لازم ہے"۔

ماموں صاحب پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کی کچھ

کاروباری شرکت تھی۔ آخری دفعہ جب ماموں صاحب نے حساب بیباق کیا اور کاغذات بھیجے تو آپ نے ان کی پڑتال کی۔ معلوم ہوا کہ دو آنے زیادہ آگئے ہیں۔ آپ نے ماموں صاحب کو واپس کئے۔ ماموں صاحب وہ دو آنے پا کر بہت خوش ہوئے۔ ان کو آنکھوں سے لگایا اور فرمایا کہ ''صاحبزادہ صاحب ہمیشہ سے پیسے کے معاملے میں بے حد محتاط ہیں۔ حساب میں کبھی ایک پیسے کی بھول چوک بھی ان کو گوارا نہیں ہوئی۔ یہ ان کے ولی اللہ ہونے کا پکّا ثبوت ہے''۔

عاداتِ کریمہ:۔

حضرت بڑے متواضع اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ ہر ایک سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی۔ جس کا اظہار لباس اور غذا وغیرہ میں ہوتا تھا۔ آپ نہایت سادہ کھانا تناول فرماتے تھے۔ مگر گوشت اور انڈہ مرغوب تھا۔ ویسے جو سامنے لایا جاتا بے تامل تناول کرتے۔ آپ کو غصّہ نہیں آتا تھا۔ کسی نے کبھی آپ کو بُرا بھلا کہتے اور سخت الفاظ استعمال کرتے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو کسی کی کوئی بات بہت زیادہ ناگوار ہوتی تو صرف اتنا فرماتے ''تو جانور ہے'' یا کہتے ''تو چوَل'' ہے۔

قیافہ شناس سے ملاقات:۔

حضرت کے خادم سائیں محمد علی (ف ۹۱۔۱۹۹۰ء) بیان کرتے تھے کہ ''ایک دفعہ سفر میں جس ڈبے میں حضرت سفر کر رہے تھے ایک انگریز بھی بیٹھا تھا۔ وہ انگریز اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آیا اور پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ میں نے بتایا کہ یہ پیر پادری ہیں۔ اس پر اس نے بتایا کہ ''میں قیافہ شناسی میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ آج کل سیاحت پر ہندوستان آیا ہوں۔ میں نے ان کو قیافہ سے سمجھا کہ یہ بڑے عالم، دانشمند اور بزرگ آدمی ہیں۔ میں نے اس طرح کا قیافہ شاذ ہی دیکھا ہے''۔

حضرت نے سائیں محمد علی (ف ۹۱۔۱۹۹۰ء) کو آواز دے کر پاس بلایا اور تنبیہ کی کہ کیوں باتوں میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں حضرت کی آنکھ لگ گئی تو محمد علی پھر

اس انگریز سے باتیں کرنے لگے۔اس انگریز نے کہا"میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ یہ صاحبِ کرامات بزرگ ہیں۔اوران سے لوگوں کو بہت فائدے پہنچیں گے"۔

شادی اوراولاد:۔

حضرت کی شادی آپ کے تایا حضرت پیرنجابت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی۔آپ بڑی عابدہ اور متقی خاتون تھیں۔سلیم الطبع اورخوش مزاجی سے آراستہ تھیں۔گھر بھر میں سب کی خیر خبر رکھتیں اورامداد واعانت پر آمادہ رہتی تھیں۔مَیں نے اپنے ہوش کے زمانے میں ان کو دو بجے رات کے بعد کبھی سوتے نہیں دیکھا۔عنفوان عمر سے آخر تک آپ نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہونے دی۔رحمۃ اللہ علیہا۔

حضرت کے تین بچے طفولیت میں وفات پاگئے تھے۔جنہوں نے بڑی عمر پائی صرف تین تھے۔سید اختر حسین، سید انور حسین اور سردار فاطمہ۔

برادرم حضرت الحاج سید انور حسین شاہ کی ولادت ۱۵/نومبر ۱۹۲۱ء بمطابق ۱۴/ربیع اوّل ۱۳۴۰ھ بروز منگل ہوئی۔مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں سے حفظ کرنے کے بعد پرائمری کا امتحان پاس کیا اور پھر مدرسہ نقشبندیہ ہی سے علومِ دینیہ میں فراغت حاصل کی۔حضرت امیرِ ملّتؒ سے بیعت وخلافت تھی۔باعمل عالم دین، حافظ قرآن اور متقی پرہیز گار شخص تھے ہمیشہ مسجد جا کر جماعت سے نماز ادا کرتے تھے۔تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہونے دی۔اسی لئے سفر سے احتراز فرماتے اور زیادہ تر گاؤں ہی میں رہتے تھے۔تاکہ نماز باجماعت اور تہجد کی ادائیگی میں خلل کا اندیشہ نہ آئے۔چار دفعہ آپ نے حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی ﷺ کی سعادت حاصل کی۔آپ زیادہ وقت روضہ شریف کی خدمت اور لوگوں کی مقصد برآری میں صرف کرتے تھے۔۱۹۷۲ء میں بیمار ہوئے۔ابتداء میں آپ نے بیماری کی فکر نہ کی۔آخر تکلیفیں بڑھتی گئیں۔لاہور لے جائے گئے۔پورے اہتمام سے علاج معالجہ کیا گیا۔لیکن وقت آگیا تھا۔طویل بیماری کے بعد ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۲ء کو لاہور میں وفات پائی۔اور علی پور سیّداں لاکر روضہ شریف کے شمال مشرقی گوشہ کے حجرے میں اپنی والدہ صاحبہ سیّدہ عاقلہ بی بی (ف ۱۹۶۷ء) کے برابر دفن کئے گئے۔رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ نے اپنا سارا نقد سرمایہ آخری وصیّت کی رُو سے مدرسہ نقشبندیہ کو دے دیا تھا۔اسی طرح اپنی زر خرید آٹھ ایکڑ زمین بھی مدرسہ کو عطا کر دی تھی۔

(اضافہ از پروفیسر محمد طاہر فاروقی) بڑے صاحبزادے حضرت الحاج سیّد اختر حسین شاہ صاحب قبلہ جوہرِ ملّت جو اس کتاب کے مصنف ہیں۔جلیل القدر عالم دین اور فصیح البیان خطیب ہیں۔آپ نے عربی فارسی کی مکمل تعلیم حاصل کی اور درس نظامیہ کے بعد دورۂ حدیث ختم کیا۔آپ دربار شریف میں امورِ خانہ داری اور زمینداری کے مہتمم اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسی لئے آپ کا زیادہ وقت انتظامات کی نذر ہو جاتا ہے۔مگر اس پر بھی آپ کے تبلیغ وارشاد کے مشاغل جاری رہتے ہیں۔اور فتویٰ نویسی میں آپ مفتیٔ مدرسہ کی رہنمائی بھی فرماتے رہتے ہیں۔

تبلیغی اور مذہبی جلسوں میں بھی آپ شرکت فرماتے ہیں۔اور حاضرین بڑے شوق سے آپ کے عالمانہ اور مدلّل خطبات سُنتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔اس کتاب میں حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ آپ کے سفروں کا جا بجا ذکر آیا ہے۔اسی طرح ''انجمن خدّام الصوفیہ'' اور دوسری ملّی اور دینی خدمات کے سلسلے میں آپ کی کارگزاریاں بیان میں آئی ہیں۔ان سے آپ کے حالات کا کم وبیش اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ حلیم الطبع، متواضع اور مہمان نواز بزرگ ہیں۔فیاض طبعی اور سیر چشمی کے ساتھ حزم واحتیاط، معاملہ فہمی اور دُور اندیشی کی صفات سے آراستہ ہیں۔دور دور سے لوگ اپنی مشکلات اور معاملات میں مشورہ اور رہنمائی حاصل کرنے آتے ہیں۔اور آپ بڑی بردباری اور دانشمندی سے ان کو اپنے مشوروں سے سرفراز کرتے اور ان کی اعانت فرماتے ہیں۔آپ کی عمر اس وقت تریسٹھ سال ہے۔آپ نے دو حج کیئے ہیں۔(مدظلہٗ تعالیٰ)۔

آپ کی شادی آپ کے ماموں پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔آپ کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔صاحبزادہ سیّد اشرف حسین شاہ صاحب (ف یکم، مارچ ۲۰۰۶ء بروز بدھ)، صاحبزادہ سیّد افضل حسین شاہ صاحب، صاحبزادہ سیّد خورشید حسین شاہ صاحب، صاحبزادہ سیّد منور حسین شاہ صاحب،

صاحبزادہ سیّد ذاکر حسین شاہ صاحب اور صاحبزادہ سیّد مظفر حسین شاہ صاحب، عابدہ بی بی اور شاہدہ بی بی۔

حافظ پیر سیّد اشرف حسین شاہؒ صاحب کی شادی حضرت حاجی حافظ پیر سیّد نذر حسین شاہؒ صاحب کی صاحبزادی مسرت فاطمہ سے ہوئی ہے۔ صاحبزادہ اشرف حسین شاہؒ صاحب دربار شریف کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور مہمانوں کی خاطر مدارت خاص دل چسپی کے ساتھ انجام دیتے ہیں تھے۔ حضرت الحاج حافظ صاحبزادہ سیّد افضل حسین شاہ صاحب عالم دین، فاضل اجل اور بڑے شیریں بیان خطیب ہیں۔ نیز عابد و زاہد، خوش اخلاق، بلند کردار اور صفات حسنہ سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ ایک بلند پایہ عالم اور دل پسند خطیب ہونے کے لحاظ سے آپ کو دُور دُور سے بلاوے آتے رہتے ہیں۔ اور آپ بھی اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو فیض یاب کرنے اور تبلیغ و ارشاد کے لئے طویل سفر فرماتے رہتے ہیں۔ آپ فارغ التحصیل اور عالم فاضل نوجوان ہیں۔ مدرسہ نقشبندیہ اور اس کا کتب خانہ آپ کی نگرانی میں ہے۔ آپ کتابوں کی حفاظت اور ترتیب وغیرہ میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ایسی قیمتی کتب خانہ کے لئے مناسب اور وسیع جگہ میسّر نہیں ہے۔ خدا حالات سدھارے تو حضرت صاحبزادہ صاحب بھی کتب خانہ سے متعلق اپنی حیثیت اور صلاحیت کا پورا مظاہرہ فرما سکیں۔ حضرت افضل حسین شاہ صاحب کی ایک ہی صاحبزادی عزیزہ فاطمہ ہیں جو ۱۹۷۳ء میں پیدا ہوئی ہیں۔ سلّمہا اللہ تعالیٰ۔ (اس مختصر اضافہ پر بس کرتا ہوں کہ آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔ فاروقی)۔ (بعد میں ایک صاحبزادے سیّد ظفر حسین شاہ صاحب متولد ہوئے)

اضافہ از محمد صادق قصوری) جوہرِ ملت حضرت پیر سیّد اختر حسین شاہ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں سے حفظِ قرآن کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔ جدِّ امجد حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ العزیز کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت حاصل کی۔ آپ بلند پایہ عالم دین، زبردست مناظر، اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز، نامور شعلہ نوا خطیب اور صحیح معنوں میں شیخ طریقت تھے۔ جدِّ امجد کے زیر سایہ برصغیر کی مسلم

مفاد تحریکوں میں حصہ لیا۔ ”تحریک پاکستان“ میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۳ء کی ”تحریک ختم نبوّت“ میں جرأت ومردانگی سے حصہ لیا۔ ۷۰۔۱۹۶۹ء میں سوشلزم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مئی ۱۹۷۸ء میں سجادہ نشین دوم اور آپ کے چچا جان شمس الملّت حضرت پیر سیّد نور حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو جون ۱۹۷۸ء میں اُن کے چہلم کے موقعہ پر آپ سجادہ نشین ہوئے۔ ۶۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء بروز سوموار آپ کا انتقال پُر ملال ہوا۔ اور روضۂ امیر ملّتؒ میں آخری آرامگاہ بنی۔ (قصوری)

مولانا ضیاء الدین احمد صاحب مدنیؒ :۔

مولانا ضیاء الدین احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کہتے تھے کہ مختلف ممالک سے بڑے بڑے علما اور فضلاء روضۂ نبوی ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منوّرہ حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان سے ملتا رہتا ہوں۔ مگر مَیں نے کسی کو حضرت سراج الملّتؒ جیسا متبحر عالم نہیں پایا۔ آپ کے علم کے بحرِ ذخار کا اور چھور معلوم ہی نہیں ہوتا۔

مولانا صاحب ہی کا بیان ہے کہ جب حضرتؒ مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے تو مَیں نے آپ کے ہمراہ روضہ نبوی ﷺ پر سلام کے لئے حاضر ہوا۔ سلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا کہ ”حضرت آغا خلیل صاحبؒ تشریف فرما ہیں۔ ان سے بھی مل لیجئے“۔ جواب میں فرمایا۔ ”جن کی خدمت اقدس میں حاضری مقصود بالذّات ہے۔ پہلے اس بارگاہِ مقدّس میں حاضری دے لوں پھر کسی اور سے بھی ملاقات کرلوں گا“۔ چنانچہ آپ دیر تک روضہ شریف پر حاضر رہے اور پھر فرودگاہ پر واپس چلے آئے۔ جب حضرت آغا خلیل صاحبؒ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کے گھر آئے تو وہ خود ہی حضرت صاحبزادہ صاحب سے ملنے کیلئے آپ کے پاس بھی آئے۔

مولوی محمد اسماعیل :۔

مولوی محمد اسماعیل نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ”حضور میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں میٹرک (انگریزی) کے امتحان میں کامیاب ہوجاؤں“۔ ارشاد فرمایا پہلے

اتنے امتحان دیئے تو کبھی دُعا نہیں کروائی۔اب بھی بغیر دُعا کے کامیاب ہو جاؤ گے"۔

جس روز نتیجہ آیا مَیں نے مولوی اسماعیل سے کہا کہ اپنا نتیجہ معلوم کرو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "مَیں پاس ہوں، میرے ڈیڑھ سو میں سے چوراسی نمبر آئے ہیں"۔ مَیں نے دریافت کیا۔ تمہیں بغیر اخبار دیکھے کیسے معلوم ہو گیا۔ انہوں نے کہا "رات مَیں نے حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "تو پاس ہے۔ تیرے چوراسی نمبر ہیں"۔ اس لئے مجھے اپنی کامیابی میں ذرا شبہ نہیں"۔ میرے اصرار پر وہ قلعہ سوبھا سنگھ جا کر اخبار لائے تو تصدیق ہو گئی۔ بعد میں یونیورسٹی سے نتیجہ کا کارڈ آیا تو اس میں بھی چوراسی نمبر درج تھے۔

مولوی محمد اسماعیل نے ۱۹۵۵ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا تھا وہ جب بھی حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کے لئے حاضر ہوئے، حضور فرماتے "یار تو نے منشی فاضل پاس کر لیا مگر محکمہ نے تیری تنخواہ میں اضافہ نہیں کیا"۔ کبھی ارشاد ہوتا۔ "یار یہ حکومت بڑی بے انصاف ہے۔ تمہیں اب تک کوئی پیسہ نہیں دیا"۔ اس زمانے میں یہ قانون نہ تھا کہ منشی فاضل پاس کرنے پر بھی ایک ترقی زائد دی جائے گی۔ حضرت سراج الملّتؒ کے وصال کے بعد ۱۹۶۲ء میں نیا قانون بنا تو ترقی منظور کی گئی۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل کو ایک دم پانچ ترقیاں مل گئیں۔ اور حضرت سراج الملّتؒ کا فرمان پورا ہو گیا۔

نواب صاحب ریاست شاہ نور (دکن):۔

رانا شبیر احمد خان صاحب (ف ۲۰۰۶ء) نے بیان کیا کہ مَیں نے حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے یہ واقعہ خود سُنا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شاہ نور ریاست (دکن) کے نواب صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی میں حضرت قبلۂ عالمؒ کو مدعو کیا تھا۔ اور تین سو روپیہ کا منی آرڈر بھی زادِ راہ کے لئے بھیج دیا تھا۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کی طبیعت کچھ ناساز تھی، اس لئے آپ نے حضرت سراج الملّتؒ کو اپنی جگہ دکن کی اس ریاست کے سفر پر روانہ کر دیا۔ حضرت کے ہمراہ صرف ایک درویش فقیر محمد گئے تھے۔ نواب نے دیکھا کہ

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بجائے بڑے صاحبزادہ صاحب تشریف لائے ہیں تو اسے تھوڑی سی مایوسی ہوئی مگر اس نے ظاہر نہ کیا۔

نواب نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے قاضی کے ہاں جائیداد کی وراثت کا ایک مسئلہ بہت زیادہ اُلجھ گیا ہے۔ بہت علماء جمع ہیں۔ مگر کسی سے حل نہیں ہوتا۔ آپ توجہ کریں۔ آپ نے تفصیلات معلوم کیں۔ اور قلم برداشتہ اس میراث کی تقسیم کا حل کاغذ پر لکھ دیا۔ جس میں کتب فرائض کے حوالہ جات بھی درج تھے اور نواب صاحب سے کہا کہ علماء سے کہو کہ کتابوں میں حوالہ جات کا مطالعہ کر کے مسئلہ کو سمجھ لیں اور پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو یہاں آئیں، میں سمجھا دوں گا۔

نواب آپ کے تبحر علمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور ان کے دِل میں آپ سے بغایت عقیدت پیدا ہوگئی۔ انہوں نے آپ کو بڑے اعزاز واکرام سے مہمان رکھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد آپ نے وعظ فرمایا تو اس کا موضوع بھی ''وراثت'' تھا جس میں آپ نے اسلامی وراثت کی خوبیاں اور فضائل بیان کئے اور علم فرائض کی اہمیت اور فضیلت ثابت کی۔ نواب صاحب خود بھی بہت متاثر ہوئے۔ اُنہوں نے آپ کی رخصت کے وقت اپنے لڑکوں کے ساتھ خود بگھی چلائی اور پوری عزت واحترام سے آپ کو رخصت کیا۔

اولادِ نرینہ پیدا ہونا:۔

ایسی بہت سے رَوایات تصدیق کو پہنچی ہیں کہ لوگوں کے یہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں۔ آپ نے تعویذ دیا تو لڑکے پیدا ہونے لگے۔ چک نمبر ۲۳۲ ضلع جھنگ میں نول سلطان کے یہاں تین لڑکیوں کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق لڑکا ہوا۔ جس کا نام پہلے ہی آپ نے محمد اسلم تجویز کر دیا تھا۔ اس کے بعد بھی اس کے ہاں جتنی اولاد ہوئی سب لڑکے ہوئے۔

ضلع جھنگ کے چک نمبر ۲۲۷ میں صالح محمد کے یہاں پانچ لڑکیاں تھیں۔ لڑکا نہ ہوتا تھا۔ آپ نے فرمایا اب لڑکا ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد اس کے گھر کوئی لڑکی نہیں ہوئی۔ سب لڑکے پیدا ہوئے تھے۔

ضلع جھنگ ہی کا رہنے والا محمد بخش حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے سات لڑکیاں ہیں۔ دُعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ حضور نے فرمایا، جاؤ بڑے صاجزادے سے تعویذ لے لو۔ آپ کے تعویذ کی برکت سے خدا نے اُسے لڑکا عطا کیا۔

ایسے بہت سے معتبر واقعات معلوم ہیں۔ مگر طوالت سے بچنے کے لئے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بیماری اور وصال:۔

حضرت کو موتیابند کا عارضہ ہو گیا تھا۔ آپ نے گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیگ سنگھ میں آنکھ کا آپریشن کرایا۔ جس سے نگاہ ٹھیک ہو گئی۔ مگر اس کے بعد آپ کی صحت خراب رہنے لگی۔ دل بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اور بلغم آنے لگا تھا۔ بہت سے حکیموں ڈاکٹروں کا علاج کیا گیا۔ تھوڑا بہت عارضی افاقہ ہو جاتا تھا، مگر صحت کُلّی حاصل نہ ہو سکی۔

۱۹۵۵ء میں حضرت کی صحت زیادہ خراب ہوگئی تو ملتان کے سِول ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر جو دَوائیں تجویز کرتے آپ ان کے اجزا کی تفصیل معلوم کیے بغیر استعمال نہیں فرماتے تھے۔ ایک ایسی دوا لکھی گئی جس میں ایک یا دو فی صد الکحل تھی۔ آپ کے انکار پر میں نے عرض کیا کہ اتنی کم مقدار میں سُکر پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کل مسکر قلیله و کثیره حرام۔ (ترجمہ: جو بھی نشہ آور چیز ہے اس کی زیادہ اور کم ہر مقدار حرام ہے)۔ چنانچہ آپ نے ہر توجیہ ردّ فرما دی اور وہ دوا استعمال نہیں کی۔

رانا شبیر احمد خان صاحب دن رات ہسپتال میں حاضر رہتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ اس زمانے میں تین دن ایسا حال رہا کہ بظاہر ہوش نہ ہوتا تھا مگر اس حال میں بھی نماز کا وقت ہوتا حکم دیتے مجھے نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ تیمّم سے نماز ادا کرتے۔ رانا صاحب کہتے کہ آپ نے چودہ فرض نمازیں اسی طرح ادا کیں اور حد یہ ہے کہ ایک دن بھی تہجد کی نماز ناغہ نہ ہونے دی۔

آخری بیماری میں بھی نماز کا یہی اہتمام فرماتے رہے۔ انتہائی ضعف کے باعث ہم سمجھتے کہ حضور بیہوش ہیں۔ مگر نماز کے وقت آپ کو ہوش ہو جاتا اور تیمّم کرکے جماعت سے

فرض ادا فرماتے۔ برادرم عزیزم سید نذر حسین شاہ صاحب پانچوں وقت جماعت کراتے اور آپ اشاروں کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔

مرض الموت میں حافظ نور احمد صاحب قصوری (ف ۱۹۸۶ء) نے آپ کی بڑی خدمت کی۔ گھر بار چھوڑ کر دن رات آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اسی طرح حاجی مہر عبدالحق صاحب، سائیں محمد علی درویش خاص، مولوی ادریس صاحب اور محمد صدیق صاحب مرحوم نے بھی آپ کی بڑی خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر اور فلاح دارین عطا فرمائے۔

آخر سولہ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو آپ نے وصال فرمایا اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے جنازے میں ہزاروں ہزار خلقت تھی۔ آپ کو حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کے برابر دائیں طرف مغرب کی سمت دفن کیا گیا۔ وصال مبارک کے وقت آپ کی عمر شریف تراسی سال تھی۔

آپ کے خلفا:۔

آپ کے خلفائے کرام کی صحیح تعداد اور نام مجھے بھی تحقیق نہ ہو سکے۔ یقین کے ساتھ جن حضرات کو خلافت واجازت عطا کی گئی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) مولوی محمد عالم صاحبؒ میر پوری (۲) ڈاکٹر غلام حیدر صاحبؒ سانگلہ ہل (۳) ڈاکٹر محمد ظریف صاحبؒ شیخوپورہ (۴) مولوی محمد شریف صاحبؒ خطیب جامع مسجد نور ڈسکہ (۵) مولوی محمد ادریس صاحب سکندر آباد ضلع ملتان (۶) پیر حسام الدین صاحب حیدر آباد سندھ (۷) حکیم مبارک احمد صاحبؒ، لاہور (۸) کیپٹن محمد امین صاحبؒ کنجاہ (۹) مولوی ضیاء اللہ صاحب نعمانی گجرات (۱۰) حافظ محمد زکریا صاحب گجرات (۱۱) بابو محمد سلطان صاحب وزیر آباد (۱۲) شیخ خورشید صاحب وزیر آباد۔

ان سب حضرات نے اپنے طور پر ہدایت وارشاد میں سعی بلیغ کی ہے۔ اور توسیع سلسلۂ عالیہ کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ جزاہم اللہ خیر الجزء فی الدارین۔

خادم المِلّت حضرت الحاج
حافظ سیّد خادم حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ منجھلے صاحبزادے تھے۔آپ کی ولادت ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔بچپن ہی سے بڑے ذہین، متقی اور پرہیز گار تھے۔اتباعِ شریعت کا آپ کو ابتداء سے خاص اہتمام مدِّ نظر رہتا تھا۔آپ نے بھی حضرت حافظ قاری شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کلام مجید حفظ کیا تھا۔اس کے بعد اُردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم علی پور شریف ہی میں حاصل کی۔ مابعد تحصیل علم کے لئے آپ لاہور بھیجا گیا۔

تحصیلِ علم:۔

آپ نے لاہور میں مسجد پٹولیاں کے ایک حجرے میں قیام کیا۔اور عربی علوم کی تحصیل میں سرگرمی سے کوشاں رہے۔ بعد میں اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہو کر مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔انہی دنوں مرزائیوں نے آپ پر ایک جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کے حالات میں بیان ہو چکی ہے۔مقدمہ سے برأت کے بعد آپ تحصیل و تکمیل علم کے لئے کانپور تشریف لے گئے۔

کانپور میں آپ نے مدرسہ جامع العلوم میں باقاعدہ درسِ نظامیہ کی تکمیل کی۔ تفسیر، حدیث، فِقہ اور دیگر معقولی علوم حاصل کئے اور دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔اس زمانے میں گھر سے دُور رہ کر آپ کو مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔لیکن حصولِ علم کے شوق وذوق میں آپ نے ہر سختی کو سہل سمجھا اور عالم فاضل بن کر گھر واپس آئے۔

اخلاقِ حسنہ:۔

آپ کی زبان میں معمولی سی لُکنت تھی۔لیکن اس پر بھی علمی اور تبلیغی مشاغل میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ہمیشہ نمازِ فجر کے بعد کلام مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔تبلیغ وارشاد کے

لئے دُور دُور تک دَورے فرماتے۔ اور لوگوں کو اپنے مواعظِ حسنہ سے فیض یاب فرماتے تھے۔ آپ گرمی کے موسم میں ہمیشہ کسی سرد مقام کشمیر، کوئٹہ وغیرہ تشریف لے جاتے تھے۔ یارانِ طریقت کی خوشی اور غمی میں بالالتزام شرکت فرماتے اور ان کی دل جمعی اور ہدایت میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ وسیع الاخلاق، خوش مزاج، بردبار اور اوصافِ حسنہ سے آراستہ تھے۔ آپ کی سخاوت اور دریا دلی کے واقعات زبان زدعام وخاص ہیں۔ غُربا و مساکین کی دستگیری اور حاجت روائی آپ کا شیوہ اور ہر ایک کی امداد واعانت آپ کا خاصہ تھا۔

شادی اور اَولاد:۔

آپ کی پہلی شادی اپنی پھوپھی صاحبہ کی لڑکی سے ہوئی۔ جن سے ایک لڑکا حامد حسین پیدا ہوا۔ مگر سات آٹھ سال کا ہو کر بقضائے الٰہی فوت ہو گیا۔ چند سال بعد زوجۂ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی دوسری شادی آپ کے تایا حضرت پیر سیّد نجابت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی لڑکی سے ہوئی۔ جن سے ایک لڑکا ہوا۔ جن کا نام نامی حضرت حافظ حاجی سیّد نذر حسین شاہ ہے۔ ان کی ولادت ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ عالم دین، خوش اخلاق، متواضع، متقی اور پابند شریعت جوان صالح ہیں۔ اور دربار شریف اور یارانِ طریقت کی خدمت میں اپنا وقت صرف فرماتے ہیں۔ صاحبزادہ نذر حسین شاہ صاحب کی شادی ان کے ماموں حضرت سیّد علی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لڑکی سے ہوئی۔ بفضلہٖ تعالیٰ ان کے دو لڑکے سیّد منظر حسین شاہ اور سیّد اشتیاق حسین شاہ اور دو لڑکیاں فرحت بی بی اور عصمت بی بی ہیں۔ خدا ان سب کو اپنے فضل وکرم سے نوازے اور صاحب علم وعمل بنائے۔ (آمین) عزیزم پیر سیّد نذر حسین شاہ صاحب کئی بار حج کے لئے حاضر ہوئے۔

کتب خانہ:۔

حضرت منجھلے صاحبزادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس میں قیمتی کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ جمع کیا تھا۔ آپ نے اپنا سارا کتب خانہ مدرسہ نقشبندیہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ آپ

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی، دینی، ملّی اور فلاحی کاموں میں پوری مستعدی سے حصہ لیتے تھے۔ اور اس مقصد کے لئے دُور دراز مقامات کے دَورے فرماتے رہتے تھے۔ آپ کو دو تین دفعہ فریضۂ حج کی بجا آوری کا شرف اور مدینہ منوّرہ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

وفات:۔

آپ ایک پیر بھائی کے گھر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ان کا گاؤں کچا کھوہ ریلوے سٹیشن ضلع خانیوال کے قریب تھا۔ یہاں گاڑی بہت کم وقت کے لئے رُکتی تھی۔ آپ ریل سے اترنے نہ پائے تھے کہ گاڑی روانہ ہوگئی۔ آپ چلتی گاڑی سے اُترے تو گر پڑے اور دونوں پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ جس سے کافی خون بہا۔ اسی حالت میں آپ کو خانیوال کے ہسپتال پہنچایا گیا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ہسپتال والے بھی کچھ نہ کر سکے اور وہیں آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس طرح ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو آپ بھی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

سب سے پہلے ملتان کے پیر بھائی حاجی خوشی محمد صاحب اور حکیم نذیر احمد صاحب کو آپ کے واصل بحق ہونے کا علم ہوا۔ وہ دوسرے یارانِ طریقت کے ساتھ فوراً خانیوال پہنچے۔ صندوق تیار کرایا۔ اور آپ کی میّت کو لے کر علی پور سیّداں آئے۔ اس ناگہانی حادثے نے سارے خاندان اور متوسلین کو بے حد متاثر اور افسردہ کیا۔ ابھی حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم فرو نہ ہوا تھا کہ دو مہینہ سے کم مدّت میں یہ سانحہ پیش آ گیا۔ سب سے پہلے آپ ہی حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کے جوارِ مبارک میں پہنچے تھے۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کے روضہ شریف میں مرقد منوّر کی بائیں طرف سمت مشرق میں قبر سے ملحق ہی آپ کو دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت شمس الملّت

الحاج سیّد نور حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین ثانی

حلیہ شریف:۔

آپ حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز کے تیسرے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔آپ کا تاریخی نام "اعظم شاہ" تھا جس سے ۱۳۱۷ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ (مطابق ۱۸۹۹ء) آپ نے خود اپنا سال پیدائش یہی بتایا تھا۔آپ شکل وصورت میں حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔جوانی میں حسین وجمیل اور شاندار وجاہت کے مالک تھے۔بلند قامت،خوش پوش، سیاہ شیروانی اور سفید عمامہ باندھ کر راستہ چلتے تو سب کی نظریں آپ کی شان وشوکت سے خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔اور دِل آپ کی جانب کھینچے جاتے۔

حصوُلِ علم:۔

آپ نے سب سے پہلے حضرت قاری شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی حافظ قاری عبدالرحمان صاحب (ف ۱۹۲۳ء) سے کلام مجید حفظ کیا۔اور اس کے بعد علی پور سیّداں ہی میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔آپ نے مدرسہ نقشبندیہ میں کئی علماء وفضلا سے درس لیا تھا۔مولوی محمد یوسف صاحب سے فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔پھر مولوی عبدالغفور صاحب نے متوسط درجات کی کتابیں پڑھائیں۔ مولوی بخاری صاحب سے اعلیٰ کتب کا سبق لیا۔اور آخر میں مولانا ہزاروی صاحب سے کتب تفسیر وحدیث کی تکمیل کی۔ابتدائی ایام میں علی پور سیّداں کے سکول میں آپ نے پرائمری جماعتوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔جس کے بعد درس نظامی کی تکمیل مدرسہ نقشبندیہ

کے اساتذہ کرام سے کی اور یہیں سے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔

اتباعِ شریعت وسُنّت:۔

حضرت شمس الملّتؒ ابتدا سے پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سُنت پر بڑی سختی سے کاربند رہے تھے۔ تقویٰ، پرہیز گاری، دریادلی، خوش طبعی، پاکیزگی اور خوش اخلاقی آپ کے اوصافِ حسنہ کی امتیازی صفات تھیں۔ بچپن سے آپ کو نمازِ فجر سے قبل غسل کرنے کی عادت تھی۔ گرمی ہو یا سردی عادت مبارکہ قائم رہی۔ ضیق النفس، جسمانی ضعف اور دیگر عوارض کی وجہ سے ڈاکٹروں اور طبیبوں نے لاکھ منع کیا مگر آپ نے یہ عادت تازیست نہ چھوڑی۔ اور نمازِ تہجدّ کی ادائیگی کے بعد ہمیشہ اوّل غسل فرماتے۔ تب نمازِ فجر ادا کرتے۔ آپ کے مزاج میں صفائی اور احتیاط بحد کمال تھی۔ ذرا سا بھی شُبہ پَیدا ہو جاتا تو فوراً غسل فرماتے اور نئے کپڑے تبدیل کر لیتے تھے۔ سفر اور حضر میں ہر جگہ اور ہر موسم میں یہ عادت مبارک قائم رہتی تھی۔

سخاوت اور دریادِلی:۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے شاہانہ طبیعت عطا کی تھی۔ جود وسخا اور دریادلی میں بے مثال تھے۔ خود حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ آپ کا نام لے کر فرمایا کرتے تھے کہ "رب تعالیٰ نے اس کو میرے دِل سے خاص حصہ عطا فرمایا ہے"۔ حج کے سفر میں خود مجھ سے حضرت قبلۂ عالم قدس سرّہٗ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ "میں مدینہ منوّرہ اور مکہ معظّمہ میں معلّموں کو سو سو روپیہ پیش کیا کرتا تھا۔ مگر اب کے نور حسین "بادشاہ" حج کرنے کے لئے آیا ہے۔ تو اس نے معلّموں کو دو دو سو روپیہ پیش کئے۔ چنانچہ اب مجھے بھی دو دو سو روپے دینے پڑتے ہیں"۔ حضرت شمس الملّتؒ کا نام لے کر آپ نے پھر فرمایا کہ "رب تعالیٰ نے اس کو بہت بڑا دِل عطا فرمایا ہے"۔

حج وزیارت:۔

حضرت شمس الملّتؒ کئی مرتبہ خود حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تشریف لے گئے۔ عام طور پر تین ورنہ دو درویش سفر میں آپ کے ہمرکاب ہوا کرتے تھے۔ حج وزیارت میں ہمرائیوں کی تعداد بھی زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ اور

آپ خود ان کے اخراجات کے کفیل ہوتے تھے۔

آپ نے اپنے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تمام افراد کو باری باری ایک ایک، دو دو مرتبہ حج وزیارت کی سعادت کے لئے بھیجا تھا۔ اور ان کے جملہ اخراجات کا بارخود برداشت کیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، راقم الحروف کو بھی دو مرتبہ خود آپ نے اخراجات سفر عطا کر کے حج کی ادائیگی کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ہمراہی درویشوں کے جملہ اخراجات سفر حج دو مرتبہ آپ نے جیبِ خاص سے عطا فرمائے تھے۔

خاندان کے افراد کو اس فریضہ مقدسہ کی ادائیگی میں اعانت فرمانے کے بعد آپ درگاہ شریف کے تمام درویشوں کو اس سعادت سے مشرف کرانے میں کوشاں رہے۔ ہر سال کئی افراد کو اپنے صَرفہ پر حج وزیارت کے لئے بھیجتے اور لاکھوں روپیہ ہر سال اس کارِ خیر میں جیب خاص سے صرف کرتے تھے۔ رحلت سے دو تین سال قبل بھی حضرت نے تین اصحاب کو حج کے لئے بھیجا تھا۔ جن میں مولوی غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسۂ نقشبندیہ علی پور سیّداں بھی شامل تھے۔

حق یہ ہے کہ آپ کی فراخدلی، شاہ خرچی اور فیض رسانی بے مثال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی صفت جوادی سے خاص حصہ عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو پیسہ سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ جو آتا تھا آپ اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔ اور اس کا اظہار و اعلان بھی اپنی زبانِ مبارک سے نہیں کرتے تھے۔ میرا یہ بیان بطور "تحدیث نعمت" کے ہے، اس میں افشائے راز کا کوئی شائبہ نہیں۔

تبلیغ وارشاد:۔

حضرتؒ کو تبلیغ وارشاد سے کامل دلچسپی تھی۔ اکثر طویل دورے فرماتے تھے۔ اور دُور دراز مقامات پر پہنچ کر توسیع سلسلہ عالیہ اور تربیّت یارانِ طریقت میں کوشاں رہتے تھے۔ کبرِ سنی اور ضعف جسمانی بھی اس عادت مبارک میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے۔ اس نیک

مقصد کے لئے نوجوانی کے زمانے سے اطراف واکنافِ ہند کا سفر فرماتے رہے تھے۔ خاص طور پر جنوبی ہند کے آپ نے بہت دَورے کئے تھے۔ حیدر آباد، میسور، بنگلور، مدراس، بمبئی، اور جنوبی ہند کے دُور دراز علاقوں کے دَورے تقسیم ملک کے بعد بھی جاری رہے تھے۔ بھارت کی آمدورفت بند تھی اور ویزا میں دشواریاں تھیں تب بھی آپ دکن حیدر آباد تشریف لے جاتے تو تین چار، بلکہ پانچ چھ مہینے قیام فرما کے پاکستان واپس آتے تھے۔

پنجاب کے اضلاع کے دَورے آپ عموماً گھوڑے پر سوار ہو کر انجام دیتے تھے۔ دُور و دراز کے مقامات کے لئے ریل کا سفر اختیار فرماتے تھے۔ دکن کے سفر کے لئے عرصہ سے ہوائی جہاز کی سواری پسند کرتے تھے۔ آخر عمر میں ضعف کے باعث اضلاع کے دَوروں کے لئے ذاتی موٹر میں سفر فرماتے تھے اور کراچی وغیرہ کے لئے ہوائی جہاز استعمال کرتے تھے۔

مہمان نوازی:۔

مہمان نوازی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ سفر و حضر میں مہمانوں اور ہمرائیوں کی ہر گونہ آسائش کا خیال رکھتے اور درویشوں کو تاکید فرماتے رہتے تھے کہ مہمانوں کی تمام ضروریات کا پوری طرح اہتمام رکھیں۔ مہمانوں کے لئے آپ عمدہ سے عمدہ کھانا تیار کراتے اور اپنے ساتھ ہی نہیں اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے اور بار بار اس قدر اصرار سے کھلاتے کہ مہمان عاجز آجاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ زائرین صبح کے ناشتے کے بعد ریل کی روانگی کی اجازت لے چکے ہوتے تھے۔ مگر ناشتا آتا تو تفصیل اور اصرار سے ایک ایک چیز کھانے کی تاکید فرماتے۔ بارہا سب نے سُنا کہ آپ یہ بھی فرماتے کہ ''پیٹ بھر کر کھاؤ، اتنا کھالو کہ بس اس کے بعد شام ہی کو ضرورت پڑے''۔ لوگ بس کرنے لگتے ہیں تو بار بار فرماتے ''خوب کھاؤ۔ سیر ہو کے کھاؤ۔ کچھ نہیں ہوگا۔ کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ریل نہیں جائے گی''۔ اور ہوتا یہی تھا کہ ناشتے میں زیادہ وقت صرف ہونے پر بھی ریل مل جاتی تھی۔

۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۴ء کے رمضان شریف میں پروفیسر محمد طاہر فاروقیؒ (ف ۱۹۷۸ء) پہلی سحری کو دربار شریف میں حاضر تھے۔ سائیں محمد علی (ف ۹۱-۱۹۹۰ء) نے کہا چلئے سحری کے وقت میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ فاروقی صاحب نے جواب دیا۔ ''میں

تو چالیس منٹ میں کھانا ختم کرتا ہوں"۔ سائیں نے ان کے بابِ رحمت میں پہنچنے سے قبل یہ بات حضرت کے گوش گزار کر دی۔ حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے ٹٹول ٹٹول کر نرم پراٹھے ان کو دیئے تاکہ جلدی چبا سکیں۔ اسی دوران پتہ چلا کہ ابھی وقت میں نصف گھنٹہ باقی رہتا ہے تو فاروقی صاحب کو بھی تسکین ہوئی اور حضرتؒ بھی عادت مبارک کے مطابق اصرار کر کے مختلف کھانے کھلاتے رہے۔

فاروقی صاحب کا بیان ہے کہ "حضرت شمس الملّتؒ کا ٹائم پیس سامنے ہی رکھا رہتا تھا۔ میں نے اکثر گھڑی دیکھ کر اندازہ کیا کہ حضور خود اتنا کم تناول فرماتے کہ بمشکل شاید پانچ منٹ لگتے ہوں۔ مگر ہمارے لئے آپ کی تواضع اور تاکید مصیبت بن جاتی۔ لیکن تجربہ یہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ حوصلہ سے زیادہ کھا جاتے مگر سب ہضم ہو جاتا۔ اور دوسرا وقت آنے سے پہلے بھوک لگنے لگتی"۔

فیض رسانی:۔

حضرتؒ کی عالی حوصلگی اور فیض رسانی کا بیان جتنا بھی کیا جائے کم ہے۔ آپ ضرورتمندوں اور سائلوں کی جو مالی اعانت فرماتے رہتے تھے۔ اس کا پوری طرح علم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ صدقات جاریہ اور مصارفِ خیر میں آپ نے ہمیشہ سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ روضہ شریف کی عمارت کی تکمیل کے لئے آپ ہمیشہ عطیات دیتے رہتے۔ ایک دفعہ آپ نے پچاس ہزار روپیہ کی خطیر رقم اس کارِ خیر کے لئے عطا فرمائی۔ (جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین)۔

دِینی و ملّی خدمات:۔

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی دِینی و ملّی اور رفاہی تحریکوں میں آپ نے بھی ہمیشہ دامے، درمے، قدمے، سخنے ہر طرح حصہ لیا ہے۔ فتنۂ ارتداد، تحریک قیامِ پاکستان اور دوسری تحریکوں میں آپ سرگرمی سے مستعد عمل رہے اور اپنی جیبِ خاص سے زرِ کثیر صرف فرما کر طویل دَورے کئے۔ جن کا مختصر ذکر "سیرت" کے مختلف ابواب میں آچکا ہے۔

شادی اور اَولاد:۔

حضرت قبلہؒ کی پہلی شادی آپ کے تایازاد بھائی حضرت علی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی لڑکی سے ہوئی تھی۔ جن سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تولّد ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے حافظ حاجی سیّد بشیر حسین شاہ صاحب (ف ۱۹۷۶ء) عالم فاضل شخص تھے۔ دربار شریف میں قیام فرمارہتے تھے۔ مگر تبلیغ وارشاد کے لئے دَورے بھی فرماتے تھے۔ آپ خوش بیان خطیب بھی تھے۔ دربار شریف میں منعقد ہونے والے جلسوں کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی لوگ بڑے شوق سے آپ کی تقریر دل پذیر سنتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ سیّد بشیر حسین شاہ صاحبؒ بھی کئی مرتبہ حج کی ادائیگی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

سیّد بشیر حسین شاہ صاحب کی شادی راقم الحروف کی بہن سے ہوئی تھی۔ ان کی اولاد دو لڑکیاں ہیں۔ زبیدہ بی بی اور طاہرہ بی بی۔ زبیدہ بی بی کی شادی برخوردار عزیزم حاجی حافظ سیّد افضل حسین شاہ سلمہٗ سے ہوئی ہے۔ جن کی ایک بچی عزیز فاطمہ ہے۔ جن کی ولادت ۱۹۷۳ء میں ہوئی۔ اس کے بعد صاحبزادہ سیّد ظفر حسین شاہ متولّد ہوئے۔

حضرت قبلہؒ کی صاحبزادی صوفیہ بی بی کی شادی برادرم سیّد انور حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ اور دوسری صاحبزادی سعیدہ بی بی کی شادی میرے پھوپھی زاد بھائی حافظ حاجی سیّد حیدر حسین شاہ صاحب (ف ۱۹۸۶ء) کے ساتھ ہوئی تھی۔ دونوں بہنیں اَوصافِ حمیدہ سے آراستہ اور دیندار تہجّد گزار بیبیاں ہیں۔ صوفیہ بی بی صاحبہ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھیں۔ مہمانوں کی ہر طرح خاطر ومدارت کرتی تھیں اور اپنے ہاتھوں سے ان کو کھانا کھلا کر خوش ہوتی تھیں۔

حضرت شمس الملّت کی وفات حسرت آیات ۱۱/ مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۳/ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ بروز جمعرات ہوئی۔ اگلے دن والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔

/☆/☆/☆/☆/

حضرت صاحبزادی بنتِ رسول عرف بُو جی صاحبہ

رحمۃ اللہ علیہا

حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک ہی لڑکی تھیں ۔جن کی ولادت ۱۸۹۴ء میں ہوئی ۔آپ کا نام بنتِ رسول اور عرف بُو جی صاحبہ تھا۔آپ کی دینداری، تقویٰ، خوش اخلاقی اور سیر چشمی زباں زدِ خاص وعام ہے۔ ہر چھوٹا بڑا آپ کے حسن سلوک کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔اور آپ کے اُوصافِ حمیدہ کے باعث آپ کے زیادہ سے زیادہ عزت واحترام پر مجبور ہوتا تھا۔آپ نے بھی فریضۂ حج ادا کیا تھا۔آپ کی شادی حضرت قبلۂ عالم کے برادرِ خورد حضرت سیّد صادق علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت پیر سیّد اُولادِ حسین شاہ صاحب (ف ۱۹۸۳ء) سے ہوئی تھی ۔آپ کی صرف ایک اولاد ہوئی ۔حضرت حاجی حافظ مولوی سیّد حیدر حسین شاہ صاحبؒ آپ کے خلف الرشید تھے۔ان کی شادی حضرت شمس الملّتؒ کی صاحبزادی سعید فاطمہ صاحبہ سے ہوئی تھی ۔ان کا ایک لڑکا سیّد عابد حسین دوڈھائی سال کا ہو کر بقضائے الٰہی فوت ہو گیا تھا۔اب ان کی صرف ایک بچی زاہدہ بی بی ہے۔آپ ہر سال حج کی ادائیگی اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوتے تھے۔اور اکثر اپنی اہلیہ کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے۔

اخلاقِ حسنہ:۔

حضرت بو جی صاحبہ بڑی فراخدل اور غریب نواز خاتون تھیں۔ دنیوی مال ودولت میسر نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کسی کو دُکھی اور غمگین دیکھتیں تو اس کی ہر طرح امداد فرماتیں۔ اپنے تمام کپڑے زیوارت تک آپ نے غریبوں مسکینوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔گاؤں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچیوں کی کفالت اور اعانت میں آپ کو خاص اہتمام مدنظر ہوتا تھا۔خود بالکل سادہ لباس زیب تن فرماتی تھیں۔لیکن غریبوں اور یتیموں کی شادی میں ان کو اچھے سے اچھے کپڑے سلوا کر عطا فرماتیں اور زیورات سے بھی مدد کرتیں۔ مہمان نوازی میں بھی آپ یکتائے زمانہ تھیں۔ مہمانوں کی خاطر مدارت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتیں۔

خود کھڑی ہو کر ان کو کھانا کھلاتیں اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھتیں تھیں۔ آپ کے پاس کانوں میں جو ذرا بہت زیور باقی تھا۔ وہ آپ نے وفات سے قبل مجھے بلا کر روضہ شریف کی تعمیر کے اخراجات کے لئے عطا فرما دیا تھا۔

وفات:۔

اپنے والد ماجد، دو بھائیوں اور اکلوتے پوتے کی وفات کے باعث آپ کے دل کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ جس سے ہمیشہ دلگیر و مغموم رہنے لگی تھیں۔ اس سے صحت بھی گرنی شروع ہوگئی۔ غذا کم ہوگئی۔ اور کمزوری بڑھتی تھی۔ اپنی ذات کے لئے آپ نے پہلے بھی کوئی اہتمام پسند نہیں کیا تھا، اس وقت بھی اپنی صحت کا مطلق خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ کہ اندر ہی اندر گھلتی چلی گئیں۔ اور آخر وقت مقررہ پر خاص عرس شریف کے دن ۱۱/ مئی ۱۹۶۲ء کو اعلیٰ علیّین کے سفر پر روانہ ہوگئیں۔

عرس شریف کی وجہ سے آپ کے جنازے میں بڑا اژدھام تھا۔ پورے اعزاز کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور روضہ مُبارک کے جنوب مشرقی گوشے کے حُجرے میں آپ آسودۂ خاک کی گئیں۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

/☆/☆/☆/☆/

خُلفائے عظام

جس طرح حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کی تعداد کسی کو صحیح معلوم نہیں، اسی طرح آپ کے خلفائے کرام کی صحیح گنتی بھی کبھی سُننے میں نہیں آئی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ تبلیغ وارشاد اور ترویج سلسلۂ عالیہ کے لئے آپ مدّت العمر کوشاں رہے۔ یہ بھی سب کے سامنے ہے کہ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے لاتعداد لوگ حاضر خدمت ہو کر فیض حاصل کرتے۔ آپ کی مقبولیت اور شہرت قابلِ رشک حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ برِ صغیر کا گوشہ گوشہ آپ کی فیض رسانی کا گواہ ہے۔ حج وزیارت کے اَن گنت سفروں میں حرمین الشریفین میں بھی بے شمار لوگ داخل سلسلہ ہوتے رہتے تھے۔ افغانستان اور یاغستان کے علاقے بھی آپ کی فیض رسانی سے محروم نہیں رہے۔ اور یہ کام جوانی کے زمانے سے کہولت تک اَسّی نوّے سال مسلسل جاری رہا ہے۔ اس لئے بے تکلف وتامل قیاس کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔

یہ بھی بخوبی علم ہے کہ آپ ہر جگہ یارانِ طریقت کے لئے حلقے قائم کرتے تھے اور کسی مرد صالح کو "امیرِ حلقہ" مقرر فرماتے تھے۔ یہ بھی واضح ہے کہ یارانِ طریقت اور امیران حلقہ میں سے منتخب حضرات کو آپ نے اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ بعض محفلوں کی بابت اس کتاب میں ذکر آچکا ہے کہ آپ نے ایک ہی اجتماع میں کئی کئی حضرات کو دستارِ خلافت کا امتیاز بخشا تھا۔ ایسی صورت میں آپ کے خلفاء کی تعداد یقیناً سینکڑوں تک پہنچی ہوگی۔ مَیں نے بار بار جلسوں میں اعلان کیا ہے کہ جو لوگ ذاتی طور پر حضور کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات اور خلفائے عظام کی تفصیلات سے باخبر ہوں، مجھ سے تعاون کریں۔ اور تحریری طور پر اپنی معلومات بھیج کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ مگر معدودے چند یارانِ طریقت کے علاوہ کسی نے توجہ نہ کی۔

ان حالات میں میرے لئے کوئی چارۂ کار نہ رہا اور مَیں مجبور ہوا کہ اب تک بعض

کتابوں میں جو معلومات جمع ہو چکی ہیں یا جو باتیں میرے ذاتی علم میں ہیں، ان پر بھروسہ کروں۔ اس لئے اگر خلفاء کی فہرست ناقص ہو تو مجھے معذور گردانا جائے۔

(اضافہ از محمد صادق قصوری:۔

حضرت جوہر ملت پیر سیّد اختر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق کے ساتھ ۶۴ خُلفائے عظام کی فہرست تشکیل فرمائی اور ۴۷ خلفائے کرام کے مختصر حالات درج فرمائے جو ۴۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ راقم آثم محمد صادق قصوری نے ان کی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی کتاب ''تذکرہ خُلفائے امیرِ ملتؒ'' میں ۱۰۰ خلفائے کرام کی فہرست ترتیب دی ہے۔ اور ۹۶ کے تفصیلی حالات سنِ وفات کی ترتیب سے پیش کیئے ہیں مگر سر توڑ کوشش کے باوجود مولانا سیّد میر یحیٰی بنگلوری، پروفیسر ابوالحامد میر محمود میسوری، مولانا دین محمد قصوری، مولانا محمد یحیٰی نیلگری (دکن) کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ جس کا از حد افسوس ہے۔ چونکہ میری کتاب ''تذکرہ خُلفائے امیرملتؒ'' کا دوسرا ایڈیشن ابھی تک غیر مطبوعہ تھا، لہذا یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔ قصوری)

/☆/☆/☆/☆/

فہرست خُلفائے کرام

۱	مولانا کریم بخش قصوریؒ، سالِ رحلت	۱۹۰۳ء
۲	مولانا غلام محمود صفی میسوریؒ // //	۱۹۱۶ء
۳	مولانا محمد ایوب پشاوریؒ // //	۱۹۱۷ء
۴	مولانا مرزا حسن بیگ لاہوریؒ // //	۱۹۱۸ء
۵	حافظ ظفر علی پسروریؒ // //	۱۹۱۸ء
۶	پیر خیر شاہ امرتسریؒ // //	۱۹۲۰ء
۷	مولانا محمد عظیم گکھڑویؒ // //	۱۹۲۲ء
۸	مولانا محمد حسین قصوریؒ / //	۱۹۲۷ء
۹	مولانا غلام احمد اخگرؔ امرتسریؒ // //	۱۹۲۷ء
۱۰	مولانا عبدالرحمٰن ہزارویؒ // //	۱۹۲۹ء
۱۱	نواب مُحاسب یار جنگؒ // //	۱۹۳۰ء
۱۲	میاں محمد امیر اللہ کلانوریؒ // //	۱۹۳۴ء
۱۳	سیّد محمد غوث سکھو چکیؒ // //	۱۹۳۶ء
۱۴	خواجہ اَحد شاہ امرتسریؒ // //	۱۹۳۶ء
۱۵	پیر زہیر عاقل شاہی میسوریؒ / //	۱۹۳۷ء
۱۶	سیّد جعفر علی کلانوریؒ // //	۱۹۴۰ء
۱۷	مولانا محمد وقی پانی پتیؒ // //	۱۹۴۰ـ۴۱ء
۱۸	پیر حیات محمد سیالکوٹیؒ // //	۱۹۴۲ء
۱۹	حکیم غلام احمد شوقؔ فریدیؒ // //	۱۹۴۳ء
۲۰	پیر نیک عالم گجراتیؒ // //	۱۹۴۳ء

۲۱	سیّد حسین شاہ گجراتیؒ // //	۱۹۴۴ء
۲۲	قاضی حفیظ الدین رُہتکیؒ / //	۱۹۴۴ء
۲۳	پروفیسر عابد حسن فریدیؒ // //	۱۹۴۵ء
۲۴	ڈاکٹر میر ہدایت اللہ امرتسریؒ // //	۱۹۴۵ء
۲۵	شیخ محمد ابراہیم آزاد بیکانیریؒ // //	۱۹۴۷ء
۲۶	شاہ محمد امین اللہ خاموش نارویؒ // //	۱۹۴۹ء
۲۷	مولانا محمد شریف کوٹلویؒ // //	۱۹۵۱ء
۲۸	میاں رجب علی جھنگویؒ // //	۱۹۵۱ء
۲۹	مولانا محمد عبد القیوم عرف منظور احمد شاہ الہ آبادیؒ۔//۔	۱۹۵۱ء
۳۰	میانجی محمد محبوب عالم بجنوریؒ // //	۱۹۵۱ء
۳۱	سیّد خادم حسین شاہ علی پوریؒ // //	۱۹۵۱ء
۳۲	مولانا امام الدین رائے پوریؒ // //	۱۹۵۲ء
۳۳	مولانا سیّد عبد القاضی ہزاریؒ // //	۱۹۵۲ء
۳۴	میاں نبی بخش قصوریؒ // //	۱۹۵۳ء
۳۵	مولانا نور الحسن سیال کوٹیؒ // //	۱۹۵۵ء
۳۶	مولانا عبد المجید خان جھجھرویؒ // //	۱۹۵۶ء
۳۷	حافظ علی احمد جان پشاوریؒ // //	۱۹۵۷ء
۳۸	ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہیؒ // //	۱۹۵۸ء
۳۹	مفتی عبد الحفیظ حقانیؒ // //	۱۹۵۸ء
۴۰	مولانا قطب الدین جھنگویؒ // //	۱۹۵۹ء
۴۱	خواجہ محمد کرم الٰہی سیالکوٹیؒ // //	۱۹۵۹ء
۴۲	الحاج نصیب خان رُہتکیؒ // //	۱۹۶۰ء
۴۳	مولانا محمد عظیم فیروز پوریؒ // //	۱۹۶۱ء

۴۴	پیر سیّد محمد حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۶۱ء
۴۵	بابا فیروز خان گجراتیؒ //	//	۱۹۶۳ء
۴۶	قاری محمد شہاب الدین حیدر آبادیؒ //	//	۱۹۶۳ء
۴۷	حکیم سیّد محمد قمر احمد اکبر آبادیؒ //	//	۱۹۶۴ء
۴۸	حکیم محمد خوب احمد آبادیؒ //	//	۱۹۶۴ء
۴۹	پروفیسر حامد حسن قادریؒ //	//	۱۹۶۴ء
۵۰	مفتی محمد عمر نعیمیؒ //	//	۱۹۶۶ء
۵۱	مولانا محمد واصل جھنگویؒ //	//	۱۹۶۶ء
۵۲	چوہدری غلام عباس کشمیریؒ //	//	۱۹۶۷ء
۵۳	حوالدار ممتاز علی خاں رتیرویؒ /	//	۱۹۶۹ء
۵۴	پیر ولایت شاہ گجراتیؒ //	//	۱۹۷۰ء
۵۵	ملک سرور خان کوہاٹیؒ //	//	۱۹۷۰ء
۵۶	سیّد سعید شاہ بنوری کوہاٹیؒ //	//	۱۹۷۰ء
۵۷	حکیم خادم علی سیالکوٹیؒ //	//	۱۹۷۱ء
۵۸	میاں خوشی محمد فیروز پوریؒ //	//	۱۹۷۲ء
۵۹	پیر سیّد انور حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۷۲ء
۶۰	بخشی مصطفیٰ علی خان بنگلوریؒ //	//	۱۹۷۴ء
۶۱	حافظ سلطان احمد پشاوریؒ //	//	۱۹۷۵ء
۶۲	پیر سیّد بشیر حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۷۶ء
۶۳	مولانا محمد سلیمان صدیقیؒ //	//	۱۹۷۷ء
۶۴	پیر سیّد نور حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۷۸ء
۶۵	حاجی ذاکر علی رہتکیؒ //	//	۱۹۷۹ء
۶۶	مُنشی احمد دین گجراتیؒ //	//	۱۹۸۰ء

۶۷	پیر سیّد اختر حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۸۰ء
۶۸	حافظ نور احمد قصوریؒ //	//	۱۹۸۶ء
۶۹	سیّد ولی محمد بخاری شاہ آبادیؒ //	//	۱۹۸۶ء
۷۰	پیر سیّد حیدر حسین علی پوریؒ //	//	۱۹۸۶ء
۷۱	حافظ محمد عبد الحمید خان رُوپو چکیؒ //	//	۱۹۸۷ء
۷۲	پیر محمد یونس خان آفریدیؒ //	//	۱۹۸۸ء
۷۳	حکیم مبارک احمد لاہوریؒ //	//	۱۹۹۰ء
۷۴	مولانا محمد عالم میر پوریؒ //	//	۱۹۹۰ء
۷۵	سیّد محمود شاہ محدّث ہزارویؒ //	//	۱۹۹۲ء
۷۶	پیر افضل شاہ کشمیریؒ //	//	---
۷۷	حاجی اکبر خاں کوہاٹیؒ //	//	---
۷۸	سیّد جعفر شاہ بخاریؒ		---
۷۹	مولانا سیّد عبد اللطیف کابلی میسوریؒ		---
۸۰	مولانا عبد اللہ حسین خلیل بنگلوریؒ		---
۸۱	پیر عبد الرحمٰن کشمیریؒ		---
۸۲	سیّد عبد الرزاق میسوریؒ		---
۸۳	مولانا عبد اللہ یاغستانیؒ		---
۸۴	پیر گل شاہ کشمیریؒ		---
۸۵	مولانا غلام محمد بمبئی والے		---
۸۶	مولانا غلام محی الدین کشمیریؒ		---
۸۷	مولانا غلام محمود رَنگپٹیؒ		---
۸۸	منشی مہر دل خان مردانیؒ		---
۸۹	مولانا سیّد محی الدین کولاریؒ		---

۹۰	پیر سیّد محمد شفیع گورداسپوریؒ	---
۹۱	میر نوازش علی حیدر آبادیؒ	---
۹۲	مولانا محمد مقصود بنگالیؒ	---
۹۳	مولانا میر محمد حسین میسوریؒ	---
۹۴	سیّد عثمان علی عرف مُرشد جماعتیؒ	---
۹۵	مولانا سیّد محمد محمود عدنیؒ	---
۹۶	مولانا محمد انصر مدراسیؒ	---

/☆/☆/☆/☆/

مولانا کریم بخش قصوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۰۳ء

مولانا کریم بخش قصور کے رہنے والے تھے۔ بی اے کرنے کے بعد وکالت کا امتحان بھی پاس کیا ہوا تھا۔ دینِ اسلام کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو چہرہ مبارک دیکھتے ہی گرویدہ ہو گئے۔ ارشادات سُنتے رہے۔ جب حلقہ ہوا تو شریک حلقہ ہو گئے۔ بیعت کے بعد کایا ہی پلٹ گئی۔ جلد ہی خلافت سے نوازے گئے۔ روشن خیال اور دیندار بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے سچے پیروکار اور محبوب خلیفہ تھے۔ حضرت قدس سرّہٗ کے اتباع میں تبلیغِ دین اور توسیع سلسلہ میں سعیٔ بلیغ فرمائی اور بہت سے لوگوں کو قصرِ مذلت سے نکال کر صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔

آپ نہایت باعمل، صاحبِ کشف و کرامت اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی سنت کے مطابق تبلیغی دورے فرماتے رہے تھے۔ میرٹھ، بیکانیر اور برصغیر پاک و ہند میں آپ کے مرید پائے جاتے تھے۔ آپ کی وفات حسرت آیات ۱۰/صفر ۱۳۲۱ھ مطابق ۸/مئی ۱۹۰۳ء بروز جمعۃ المبارک کو بعارضہ بخار (ایک ماہ) قصور میں ہوئی۔

آپ کی رحلت پر آپ کے مرید باصفا اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفہٗ مجاز حضرت مولانا شیخ محمد ابراہیم بیکانیریؒ (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۷ء) نے کئی مرثیے لکھے، ایک نذرِ قارئین ہے۔

ضبط دشوار ہے رونا سرِ محفل مشکل — اس کا رونا ہے کہ رونا بھی ہے اے دل مشکل
ہو کوئی کام جو مشکل اُسے آساں سمجھیں — اپنی مشکل تو ہے وہ جو نہیں مشکل مشکل
محملِ قلب میں ہر ایک کے لیلیٰ موجود — اُٹھنا ہر ایک سے ہے پردۂ محمل مشکل
اچھے وقتوں میں تھے آسانی سے اچھے ملتے — دورِ ناقص میں تو اب ملتے ہیں کامل مشکل
ہم سے ہوتے ہیں جُدا شیخِ کریم عالی — جن کا دشوار مشابہ تو مماثل مشکل
خُلد میں پہنچی ہے کیا جلد سواری شہہ کی — کیسی آساں کٹی کتنی تھی منزل مشکل
اُس کا ثانی نہ ملے گا نہ ملے گا ہرگز — ایسا ذاکر ہو محال ایسا ہو شاغل مشکل
دیکھ اے قیس! کہ وہ محملِ لیلیٰ اُٹھا — اُس کو آسان ہے اور تجھ کو یہ منزل مشکل
علمِ دُنیا سے بنے دیں کا یگانہ دشوار — ڈگری بی اے کی ہو اور ایسا ہو کامل مشکل
نوجوانی میں وہ یوں پیر ہو ممکن کب تھا — پیروں میں پیرِ جواں ایسا ہو کامل مشکل
شہ کا نوحہ مجھے لکھنا ہے بہت ہی دشوار — نوحہ خوانوں میں جو شہ کی نہ ہوں شامل مشکل
میرے مولا کے مدارج ہوں الٰہی افزوں — اُن کی آساں بنے منزل جو ہو منزل مشکل
تیرے قربان ہوں اے حضرتِ اعلیٰ میرے — اس طرح اپنا بنانا ہے مماثل مشکل

پھر گیا آنکھوں میں آزاد یہ نقشہ کیسا
ہو گیا نوحہ سُنانا سرِ محفل مشکل

------------ماخذ------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۱۴۷۔
(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔
(۳) ''دیوانِ آزاد'' از شیخ محمد ابراہیم آزاد مطبوعہ آگرہ، ۱۹۳۲ء ص ۲۴۴، ۲۴۸۔
(۴) ''ارکانِ خمسہ'' از سیّد نذیر علی مطبوعہ میرٹھ، ۱۹۰۶ء ص ۱۷۳۔

(۵) ''انوارِ شاہِ جماعت'' (قلمی) مرزا ذوالفقار علی بیگ جماعتی آف حیدر آباد دکن (بھارت) مملوکہ محمد صادق قصوری ص ۶۵۰۔

/☆/☆/☆/☆/

۱۹۱۶ء ---------------------

مولانا غلام محمود صفی سریرنگ پٹن، دکن کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے عاشقِ صادق تھے۔ منبعِ اخلاق، معدنِ جود و سخا اور شاعرِ شیریں زباں تھے۔ ۱۰/مئی ۱۹۱۳ء کو بر موقعہ سالانہ جلسۂ کُل ہند انجمن خدّام الصّوفیہ علی پور سیّداں، حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ نے خرقۂ خلافت سے نوازا اور پھر حضرت حافظ انور علی رُہتکیؒ (۱۸۴۱ء۔ ۱۹۲۰ء) سے دستار بندی کرائی۔

آپ کو شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ صفی تخلص کرتے تھے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۷ء کو ٹاؤن ہال میسوُر (بھارت) میں بہت بڑے جلسۂ عام میں آپ نے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو منقبت پڑھی وہ درج ذیل ہے۔

لوحِ دل پر نقش بن جائے جو صورت پیر کی — مہر ساں تاباں ہو ہر ذرّہ سے طلعت پیر کی

علم میں فاضل جو ہیں اور زہد میں کامل جو ہیں — ایسے ممتازوں کو بڑھ کر ہے ضرورت پیر کی

فخرِ دین رازی کا نجم الدین سے ایماں بچ رہا — سخت مشکل تھی نہ ہوتی گر ہدایت پیر کی

ہے اخص پر فرض اور واجب ہے ہر ایک خاص پر — عام پر مخصوص تر سنّت ہے بیعت پیر کی

اہلِ بیعت کی جماعت کا علیؓ ہے دستگیر — بیعتِ صدیقؓ میں آئی جماعت پیر کی

گوش یارانِ طریقت رکھئے میری بات پر — سر بھی جائے تو نہ چھوڑو تم عقیدت پیر کی

باادب ہے بانصیب اور بےادب ہے بےنصیب
گنگ بن کر مُردہ بن کر پاؤ نعمت پیر کی

اسمِ ہادی کا ہُوا مُرشد سے اب پورا ظہور
ہے نمونہ خُلقِ پیغمبرؐ کا سیرت پیر کی

قلبِ مس کے قلب کو کردیتے ہیں خالص طلاء
خاکِ پا اکسیر سے بڑھ کر ہے حضرت پیر کی

یاد رکھ شیطان تری کرتوت سے ہوتا ہے کیا
ہم دمِ مُردن دکھائیں تجھ کو ہمّت پیر کی

شیرِ شرزہ نفس سرکش بن گیا تو کیا ہے خوف
تیغِ ابرو سے کرے قربان قوّت پیر کی

نزع میں اور قبر میں اور حشر کی عرصات میں
ہر جگہ ہوگی مرے یارو حمایت پیر کی

کوئی محنت سے نہیں پاتا ہے اک اچھا ثمر
شغل کو حاصل نہ کی ہے جس نے رخصت پیر کی

دوست اپنے پیر کا جو ہے وہی دین کا ہے دوست
دشمنِ ایمان ہے جس کو ہے عداوت پیر کی

ہے نتیجہ اس کا سب درود وظیفے سے سوا
سالکوں کو گرم رو کرتی ہے صحبت پیر کی

جسمِ مُردہ معجزِ عیسیٰؑ سے گر زندہ ہوا
جانِ مردہ کو جلاتی ہے کرامت پیر کی

حُبِّ احمدؐ گر دکھاتی ہے ہمیں مولیٰ کی راہ
مصطفیٰؐ کے در پہ پہنچاتی ہے اُلفت پیر کی

رفتہ رفتہ ہوگی مولیٰ کی امانت بھی ادا
حرزِ دل تعویذِ جان گر ہو امانت پیر کی

ثمرہ ہر اک خیر کا دارین میں ہوگا ظفر
لیک عشق انگیز تریاراں ہے خدمت پیر کی

دولتِ دنیا کو لے کر کیا کریں اُن کے گدا
ہم فقیروں میں بنیں گے شہ بدولت پیر کی

سر جھکا یا سرکشوں نے آستانِ پاک پر
ہے خداداداے صفیؔ واللہ شوکت پیر کی

آپ کی وفات حسرت آیات بعارضہ چند روزہ بخارا اکتوبر ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔

ماخذ

(۱) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت جون ۱۹۱۳ء ص ۱۰، نومبر ۱۹۱۶ء ص آخر ٹائیٹل۔
(۲) ''وداعِ یاراں'' مرتبہ محمد عبدالرحمٰن شوکت بنگلوری مطبوعہ بنگلور ۱۹۰۸ء ص ۳۵۔
(۳) ''تذکرہ شعرائے جماعتیہ'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں ضلع قصور ۲۰۰۶ء ص ۱۷ تا ۱۸)

مولانا محمد ایوب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۳۴ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۱۷ء)

مولانا محمد ایوب بن مولانا لطیف اللہ کی ولادت پشاور شہر سے مشرقی جانب تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر موضع زخی چار باغ علاقہ اکبر پورہ میں ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں ہوئی۔ والد گرامی کا تعلق چونکہ علمی گھرانے سے تھا۔ لہٰذا اُنہوں نے آپ کی تعلیم وتربیت پر پوری پوری توجہ دی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔ حضرت شیخ اکمل علامہ صاحبزادہ صاحب اتمان زئی (علاقہ چارسدہ) اور حضرت اُستادِ کُل سعید احمد صاحب المشہور ''کافور ڈھیری مولانا صاحب'' کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کر کے اکتسابِ علم کیا۔ حضرت علامہ محدّث جلیل مولانا صاحب ڈاگی یار حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثِ شریف کی تکمیل کی۔ پھر حرمین الشریفین جا کر وہاں کے محدّثین سے حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔ بدیں وجہ آپ کی سندِ مبارک ''سندِ مکی'' کہلاتی ہے۔

آپ چار بار زیارتِ بیت اللہ شریف سے مشرّف ہوئے اور آخری بار دو (۲) برس تک کاشانۂ اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور درسِ حدیث شریف پڑھایا اور پھر واپس تشریف لا کر پشاور شہر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ پشاور کے مشہور تاجر سیٹھی کریم بخش نے آپ کو مدرسہ تعلیم القرآن محلہ جٹاں پشاور شہر میں صدر مدرّس بنایا۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۲ء سے لے کر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کی ترویج واشاعت آپ کی ہی ذاتِ ستودہ صفات کی کوششوں کی رہینِ منّت ہے۔ صوبہ سرحد، افغانستان، بخارا، غزنی، ہرات، قندھار، وزیرستان، سوات، باجوڑ ودیگر علاقوں سے سینکڑوں طلباء آپ کے درس میں حاضر ہوئے اور فارغ التحصیل ہو کر خلقِ خدا کی ہدایت کا باعث بنے۔ یہ بھی آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی جس کی سعی وجہد سے ان علاقوں میں حدیث مبارک

کی ایمان افروز مشعلیں روشن ہوئیں، علم وحکمت کے دریا بہے اور شائقینِ علومِ اسلامیہ سیراب ہوئے۔ آپ کے شاگردوں میں جلیل القدر علماء محدّث، مفسّر، فقیہہ اور مفتی پیدا ہوئے۔ جن کے اسمائے گرامی سے صوبہ سرحد کا ہر ایک شہری واقف ہے۔

آپ کو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ سے اجازت وخلافت تھی۔ آپ نے سلسلہ عالیہ کی توسیع واشاعت میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے ایک دوسرے خلیفہ حافظ علی احمد پشاوری (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۷ء) آپ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی توسیعِ سلسلہ میں کافی کام کیا۔ غرض اُستاد اور شاگرد نے صوبہ سرحد میں علم وعرفان کے جو دریا بہائے اُس کی مثال رہتی دُنیا تک قائم رہے گی۔

آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں جو سب کی سب عربی زبان میں ہیں:۔

(۱) رساله هدية المسلين الزيارة سيّد المرسلين صلى الله عليه وسلم.

(۲)مواهب المنان فی مناقبِ ابی حنفیه النعمان.

(۳) دارلحکمه فی ظهر الجمعه

(۴) هديقة النصيحه فی النحلة العزلة

(۵)عيون الادلة لروية الاهلة

(۶)حلية اولاليا ء فی جلوة الاصفياء

(۷)تحفة الفحول فی الاستغا ثة بالرسول . (اس کتاب کا اُردو ترجمہ مولانا سیّد محمد امیر شاہ قادری یکّہ توت پشاور نے ”حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے نام کیا تھا جو ۱۹۶۲ء میں پشاور سے طبع ہو چکا ہے)

۷/ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق ۳۱/ جنوری ۱۹۱۷ء بروز بدھ نمازِ عشاء کے دوران بحالتِ سجدہ آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آبائی قبرستان موضع زخی چارباغ میں سپردِ خاک ہوئے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورُستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے

ــــــــــــماخذــــــــــــ

(۱) "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" از مولانا محمد ایوب پشاوری مطبوعہ پشاور ۱۹۶۲ء ص ۹ تا ۱۴۔

(۲) "سیرتِ امیرِ ملت" مطبوعہ علی پور سیداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔

(۳) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۵

(۴) پندرہ روزہ "رضائے مصطفیٰ" گوجرانوالہ بابت ۲۲/ مارچ تا ۷/ اپریل ۱۹۶۷ء ص ۶۔

/☆/☆/☆/☆/

(ـــــــــــء ـــــــــــ ۱۹۱۸ء)

مولانا مرزا احسن بیگ لاہوری، ہندوستانی سکول ریاست میسوُر کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ نہایت پرہیزگار، متقی اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔ حضرت امیرِ ملت قدس سرہٗ کے دیوانے اور شیدائی تھے۔ اوّلین خلفاء میں سے تھے۔ تازیست میسوُر (بھارت) میں ہی خدمتِ خلق میں منہمک رہے۔

فنافی الشیخ کی منزل تک پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس امیرِ ملت قدس سرہٗ بھی آپ پر خصوصی شفقت اور نظرِ کرم فرماتے تھے۔ تبلیغِ دینِ متین کے سلسلے میں آپ کی مساعی قابلِ قدر ہیں۔ آپ کی رحلت مئی ۱۹۱۸ء میں میسوُر میں ہوئی اور وہیں آخری آرامگاہ بنی۔

ــــــــــــماخذــــــــــــ

(۱) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور بابت مئی جون ۱۹۱۸ء صفحہ آخر ٹائیٹل

/☆/☆/☆/☆/

(۱۸۷۰ء ــــــــــ ۱۹۱۸ء)

حضرت حافظ ظفر علی بن اشرف علی بن حامد علی کی ولادت ۱۸۷۰ء مطابق ۱۲۹۰ھ

میں پسرور ضلع سیال کوٹ کے ہاشمی گھرانے میں ہوئی۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک ریاست کشمیر میں اُمیدوار نائب تحصیلداری پر کام کرتے رہے۔ ایک ہندو عورت پر فریفتہ ہو گئے اور اُس کے لئے بہت بے چین رہنے لگے۔ اسی پریشانی کے عالم میں حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور پہلی نظر میں ہی ایسے گرویدہ ہو گئے کہ سب کچھ بھول کر مستقل طور پر حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے لگے۔ سفر و حضر میں اُن کے ہمرکاب رہتے۔ اٹھارہ سال تک پسرُور کا منہ نہ دیکھا حالانکہ علی پور سیّداں شریف سے پسرُور صرف نو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ ہر فصل پر خود ہی اناج اور دوسری ضروری اشیاء ارسال فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالمجید قصوریؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۵۶ء) راوی ہیں کہ ایک بار "انجمن خدام الصوفیہ" کے سالانہ جلسے کے موقع پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے مختلف علماء کرام کے نام لے کر فرمایا کہ اِن سے کہو وعظ بیان کریں۔ آپ نے جن علماء کا نام لیا وہ اُس وقت جلسہ گاہ میں موجود نہ تھے۔ آخر آپ نے حکم دیا کہ "حافظ ظفر علی کو بُلاؤ"۔ اپنی دستارِ مبارک سر سے اُتار کر حافظ صاحب کے سر پر رکھ دی اور فرمایا، "جاؤ وعظ کرو"۔ اس دن سے حافظ صاحب ایسے فصیح البیان خطیب بن گئے کہ بڑے بڑے جلسوں میں لوگ بڑے ذوق و شوق سے اُن کا وعظ سُنتے تھے۔

حافظ صاحب کو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔ حضرت اقدس نے بھی اجازت و خلافت سے نواز دیا تھا اور انجمن خدام الصوفیہ ہند کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔ آپ تادمِ زیست اس عہدہ کو احسن طریقے سے نبھاتے رہے۔ پسرور میں مقیم ہونے کے دوران اکثر پیدل چل کر صبح کی نماز کے وقت علی پور شریف حاضر ہو جاتے۔ ایک بار حسبِ عادت روانہ ہوئے، جب نالہ ڈیک کے کنارے پر پہنچے تو سیلاب زوروں پر تھا۔ گھبرائے کہ کیسے پہنچنا ہوگا۔ عقل کہتی تھی کہ ایسے میں مت جاؤ۔ دل کہتا تھا کہ جب ارادہ کر لیا تو مشکلاتِ راہ سے ڈرنا کیسا۔

ع کشتی خدا پہ چھوڑ دو لنگر کو توڑ دو

انہوں نے ہمت کر کے پانی میں قدم بڑھایا۔ قدم رکھتے ہی پانی اپنے زور میں آپ کو بہا لے گیا۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کو یاد کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت نے ہاتھ پکڑ کر دوسرے کنارے پر لا کھڑا کیا۔ علی پور شریف حاضر ہو کر قدمبوسی کرنے کے بعد واقعہ سنانے لگے تو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا:۔

"حافظ جی! خاموش رہو، ایسے میں مت آیا کرو"۔

آپ حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کے تبلیغی دوروں میں ہمرکاب رہتے تھے اور حضرت کے ارشاد پر جلسوں سے خطاب فرماتے تھے۔ مناظرہ کے ماہر تھے۔ مخالف جماعتوں کے سربراہ آپ کی موجودگی میں مناظرہ سے گھبراتے تھے۔ اور بارہا اُنہوں نے پیشگی راہِ فرار اختیار کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ تبلیغی دوروں میں آپ دکن تک تشریف لے گئے اور مخالفین کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اُٹھائیں۔ مگر ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے تبلیغ وارشاد میں کوئی خلل واقع نہ ہونے دیا۔

آپ نے بڑی سادہ زندگی گزاری۔ سفید کُرتہ، سفید ململ کی ٹوپی اور نیلا تہبند آپ کا لباس تھا۔ تسبیح اور مسواک وغیرہ کے لئے ایک نسواری رنگ کا تھیلا ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔ اکثر وقت ذکر وفکر اور اوراد و وظائف میں گزرتا تھا۔ بعد نمازِ عصر امام ربانی قندیلِ نورانی حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ النورانی (۱۵۶۴ء۔۱۶۲۴ء) کا ختم بذکرِ جہر تلاوت فرماتے۔ بعد نمازِ مغرب سورۂ واقعہ کی تلاوت فرماتے اور آخری لفظ "عظیم" کا تین بار تکرار کرتے۔ بے شمار کرامات آپ سے ظاہر ہوئیں اور لاتعداد لوگوں نے آپ کے دستِ حق پر بیعت کر کے اپنی عاقبت سنواری۔

آپ اُردو اور فارسی کا اچھا خاصا ذوق رکھتے تھے اور اِن دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے۔ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور، سیال کوٹ، اور ماہنامہ "لمعات الصوفیہ" سیال کوٹ میں آپ کا کلام چھپتا رہتا تھا۔ بطور تبرک ایک نعت ملاحظہ ہو۔ ؎

شانِ احمدؐ اور ہے یوسفؑ کا رُتبہ اور ہے حق کا محبوب اور محبوبِ زلیخا اور ہے

لن ترانی تم کو، ہمکو من رانی ہے نصیب
اے کلیمؑ، احمدؐ کی اُمّت کا نصیبا اور ہے

ذاتِ باری اِس پر، اُس پر شانِ نوری جلوہ گر
عرشِ اعظم اور ہے حضرت کا روضا اور ہے

عشقِ احمدؐ کا مکان وہ اور یہ بنگاہِ خلیلؑ
کعبۂ دل اور ہے ظاہر کا کعبہ اور ہے

المدد! جی سے گزر جاؤں نہ فرقت میں کہیں
آج کل حضرتِ دلِ شیدا کا نقشہ اَور ہے

ناخدائے نوحؑ کی طوفاں میں تھی اِک اور بات
آگ کے طوفاں سے اُمت کا بچانا اور ہے

جو تیری سرکار سے مانگا ظؔفر نے پالیا
یا نبیؐ! یثرب میں رہنے کی تمنّا اور ہے

حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہ، کی شان میں منقبت کا رنگ بھی انوکھا ہے۔

سراپا حسن از عالم یگانہ
ندیدہ مثلِ اُو چشمِ زمانہ

بصورت آفتابِ عالم افروز
بسیرت ہم ازو آں بہرہ اندوز

بہ نیرنگی عجب رنگیں مزاجے
بہ بے پروائی اُلفت امتزاجے

لبش را باتبسّم ہم عنانی
کلامش ہست جملہ دُرفشانی!

دُرو جمع آمدہ اَوصافِ حمیدہ
بُرو شُد ختم اخلاقِ حمیدہ

بقابادش چوعمرِ نوحؑ بل بیش
کہ خورسنداست ازو بیگانہ وخویش

ستمبر ۱۹۱۸ء میں قصبہ رنبیر سنگھ پورہ ضلع جموّں (حال مقبوضہ کشمیر)) نمازِ عیدالاضحیٰ پڑھ کر عازم لائل پور (حال فیصل آباد) ہوئے۔ چند دن تبلیغی دورہ فرما کر جلد ہی درِ دولت پر رونق افروز ہوئے اور پندرہ دن بیمار رہ کر ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء/ مطابق ۲۴ محرم ۱۳۳۷ھ بروز جمعرات اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سُدھارے۔ تحصیل دروازہ کے باہر قریبی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ مزار اقدس پر یہ شعر کندہ ہے۔

فاتحہ مرقدِ حافظؔ پہ بھی کہتے جانا
کہہ دو اُن کو جو ہیں اس راہ سے گزرنے والے

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۳۲۶۔۳۵۲۔۷۰۹۔
(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۳۔

(۳) ''گلزار مدینہ'' مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ ص ۶۴۔

(۴) ''انوار لاثانی'' مطبوعہ لاہور ۱۹۴۵ء ص ۲۳۷ تا ۲۳۹۔

(۵) ''تاریخِ پسرور'' مطبوعہ لاہور۔ ۱۹۸۱ء ص ۲۳۰ تا ۲۳۲۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر خیر شاہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

(۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۲۰ء)

مولانا پیر محبوب احمد الملقب بہ خیر شاہ کی ولادت امرتسر (حال مشرقی پنجاب، بھارت) میں ہوئی۔ آباؤ اجداد کشمیری تھے۔ بسلسلہ تجارت امرتسر آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ آپ نے قرآن مجید و بعض کتب فارسی والد گرامی سے پڑھ کر ترجمہ قرآن پاک، کتب صرف ونحو اور فقہ مولانا غلام رسول قاسمی امرتسری (۱۸۳۹ء۔۱۹۰۲ء) سے پڑھیں۔ پھر دیگر بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔ دورانِ تعلیم والدین رحلت فرما گئے۔ ۲۷/رجب المرجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۶/فروری ۱۸۹۲ء (شب معراج) امرتسر میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ مبارک پر سعادتِ بیعت حاصل کی۔

آپ بڑے عالم، بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کے خاص خلفاء میں سے تھے۔ حضرت اقدس کی معیّت میں آپ نے بکثرت تبلیغی دورے کئے اور گاؤں گاؤں جا کر تبلیغ وارشاد کی شمع فروزاں کی۔ دکن، میسور، کالی کٹ وغیرہ دور دراز علاقوں میں ایسی شاندار خدماتِ تبلیغ انجام دیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لوگ آپ کو ''میر واعظ'' کے نام سے پکارتے تھے۔

آپ فنِ مناظرہ میں طاق تھے۔ بیسیوں (۲۰) مناظروں میں آپ نے مخالفین کو شکست دی اور پنجاب و دکن میں ہزاروں لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہو کر سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ آپ حقیقت میں فنا فی الشیخ تھے۔ حضرت امیر ملّت

قدس سرّہٗ بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں راقم الحروف علی پور شریف میں حاضر تھا کہ ایک دن سجادہ نشین ثانی حضرت شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۸ء) نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"ہماری دادی صاحبہ قریب المرگ تھیں تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ رات دن تیمارداری میں مصروف رہتے تھے۔ ایک دن دادی صاحبہ نے کسی پھل کی خواہش کا اظہار فرمایا جو اُن دنوں صرف لاہور یا امرتسر سے ہی مل سکتا تھا۔ اتفاق سے پیر خیر شاہ دربارِ عالیہ میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میں امرتسر جا کر لے آتا ہوں۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے فرمایا، ہاں تم جاؤ۔ پھل بھی لے آؤ اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھی ایک دو روز گزار آؤ۔ چنانچہ پیر خیر شاہ صبح کی نماز کے بعد روانہ ہو گئے۔ ان دنوں ریل گاڑی یا ٹرانسپورٹ کی سہولتیں میسّر نہیں تھیں۔ لوگ پیدل ہی سفر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ پیر صاحب بھی پیدل روانہ ہو گئے۔

دوسری صبح حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ تہجّد کی نماز کے لئے اُٹھے تو اچانک پیر خیر شاہ بھی پہنچ گئے۔ حضرت اقدس، اُنہیں دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور فرمایا، "خیر شاہ! تم آ گئے، ہم تو سمجھتے تھے کہ تم ایک دو روز اپنے بچوں کے پاس ٹھہر کر آؤ گے"۔ یہ سُن کر پیر صاحب نے عرض کیا، حضور! آپ کا حکم ہو اور میں پھر بال بچوں کو ملتا پھروں، میں تو پھل لے کر بچوں کا خیال تک لائے بغیر سیدھا یہاں حاضر ہو گیا ہوں"۔

یہ سُن کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے پیر خیر شاہ کو سینے سے لگا لیا اور "نورٌ علیٰ نور" کر دیا۔

گونا گوں مصروفیات کے باوجود آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں:۔

(۱) برکاتِ علی پور شریف (۲) شرح اورادِ فتحیہ

(۳) الکتاب المجید فی وجود التقلید

(۴) السیّوف البارقہ علیٰ رؤس الملاحدہ الملقب بہ تیغ براّں بر دشمن محبوب سبحانی المعروف فاتحہ خوانی (مطبوعہ امرتسر ۱۹۰۷ء)

(۵) الغضب من اللہ علیٰ من تبع ثناء اللہ المعروف بہ خاص بجلی بر دشمنِ جماعت علی (مطبوعہ امرتسر ۱۳۲۹ھ) اُن اعتراضات کے جواب میں جو ایڈیٹر ''اہلحدیث'' امرتسر نے اپنے اخبار ۲۶/مئی، ۲۱ جولائی ۱۹۱۱ء میں کیے تھے۔

(۶) الفضل من اللہ علیٰ من قراءِ شیاءً للہ (۷) چہل حدیث

(۸) فیضانِ علی پور (۹) تقویۃ الدجال حصہ اول، دوم

پیر خیر شاہ کی وفات حسرت آیات ۹/ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۷/مئی ۱۹۲۰ء بروز جمعۃ المبارک امرتسر میں ہوئی اور وہیں آخری آرامگاہ بنی۔

ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت مئی جون ۱۹۲۰ء ٹائیٹل صفحہ ۳ پر آپ کی رحلت پر یوں شذرہ شائع ہوا۔

''آہ! ایک چراغِ دین گل ہوگیا!''

''نہایت ہی رنج وملال اور آہ وبکا کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ عدیم النظیر فقید المثال طوطیٔ بیاں عالم باعمل جامع اخلاق حسنہ حضرت مولانا مولوی خیر شاہ صاحب میر واعظ امرتسری جن کے نامِ نامی واسم گرامی سے اکثر ہمارے ناظرین رسالہ بخوبی واقف ہوں گے۔ ۹/ رمضان المبارک شریف ۱۳۳۸ھ بروز جمعۃ المبارک بوقت عین نماز جمعہ اُن کے جسدِ عنصری سے رُوح پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا صاحب مرحوم کے اوصافِ حمیدہ اور خصائل جمیلہ تو کسی امرتسری دوست اور بالخصوص مولانا غلام احمد اخگرؔ سے توقع کی جاتی ہے کہ پورے طور پر قلمبند فرماویں گے۔ ناظرین منتظر رہیں۔

مختصراً گزارش ہے کہ مولانا صاحب موصوف کا وجود مبارک اس قحط الرجال زمانہ میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا۔ مولانا صاحب علماء احناف میں ایک ہی فردِ واحد تھے جو علمِ مناظرہ میں کماحقہ، استعداد رکھتے تھے۔ بالخصوص غیر مقلدین اور مرزائی جماعت کے ساتھ آپ کی چھیڑ چھاڑ لگی ہی رہتی تھی۔ چنانچہ اُن کی تردید میں آپ نے کئی رسائل ''مثل رسالہ تقلید، چہل حدیث، فاتحہ خوانی، تقویۃ الدّجال حصہ اول وحصہ دوئم'' وغیرہ وغیرہ طبع کئے ہیں۔ انہی اوصاف کے ہوتے ہوئے علماءِ امرتسر نے چند سال ہوئے آپ کو ''میر واعظ'' کے لقب سے ملقب فرمایا تھا۔

مولانا صاحب مرحوم جناب حضرت شاہ صاحب قبلۂ عالم روحی فداہم علی پوری مدظلہم العالی کے اوّلین غلاموں میں سے ہونے کے باعث فی الواقعہ اپنے تمام سلسلہ میں سے السابقون کے مصداق تھے۔ اور یہ بلا مبالغہ امر ہے کہ وہ وابستگانِ دامن علیہ میں آپ بھی ایک خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے اور صاحبِ مجاز بھی تھے۔ آپ ہی کی بدولت دکن میں مثل میسوُر، بنگلور، نیل گڑھی اور کورگ وغیرہ کے یارانِ طریقت کو حضرت قبلۂ عالم روحی فداہم کی ذاتِ اقدس سے فیض حاصل ہوا ہے۔ جس کی نسبت یارانِ دکن خود جانتے ہیں۔ دکن کے علاوہ آپ کا زیادہ تر قیام داناپور، بنگال کے علاقہ میں بہت رہتا تھا جہاں آپ کی ذات سے اکثر احباب آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوتے تھے اور کئی انجمنیں قائم کی تھیں۔ مولانا صاحب مرحوم نے حضرت قبلۂ عالم کی خدمات ادا کرنے میں بھی کسی یارِ طریقت سے کمی نہیں کی جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ مخدوم و مالک پر مغفور و مرحوم کی خدمات روشن ہیں۔ آپ تقریباً ہر

سال عرس شریف اور جلسہ انجمن خدام الصوفیہ میں علی پور شریف حاضر ہوا کرتے تھے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے ہمیشہ حاضرینِ جلسہ کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ امسال حاضر ہونے والے احباب کو معلوم ہوگا کہ مولانا صاحب مرحوم نے کس مؤثر پیرایہ سے دلائل وبراہینِ قاطع سے مسئلہ خلافت کو بیان کیا۔ جس کو اب قلم میں لانا مشکل ہو گیا ہے۔ ورنہ مولانا صاحب کا وعدہ تھا کہ انشاءاللہ میں اپنی تقریر کو قلمبند کر کے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ آہ! وہ اپنے سب خیالات ساتھ ہی لے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض جمعہ کے دن ہی اس مہرِ سپہرِ آسمانِ خوبی کو سپرد خاک کیا گیا اور سب لوگ بادلِ بریاں وچشمِ گریاں واپس ہوئے

ع خدا بخشے بہت سے خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مرحوم دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اپنی یاد میں چھوڑ گئے ہیں۔ لڑکا ابھی چار پانچ سالہ ہے۔ خداوند کریم اُس کی عمر میں برکت دے۔ اور مولانا صاحب مرحوم کے نقشِ قدم پر ہو۔ آمین۔ ایک لڑکی کی شادی قریب تھی اور دوسری ابھی بہت چھوٹی ہے۔ اور ایک ہمشیرہ زادی بھی بوجہ یتیمی کے زیر پرورش تھی۔ جن کی ابھی شادی ہونے والی ہے۔ مرحوم کی کوئی جائیداد نہیں، محض توکل پر اُن کا گزارہ تھا۔ اب افسوس ہے کہ یتیم بچوں اور بیوہ کو سوائے خداوند کریم کے اور کسی کا سہارا نہیں اور نہ کوئی ذریعہ معاش ہے۔ اللہ تعالیٰ اب ان پسماندگان کو صبر واستقامت کی توفیق بخشے اور مولانا صاحب مرحوم کی روحِ مبارک پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیوے۔ آمین ثم آمین"۔

بہت سے شعراء حضرات نے آپ کی رحلت پر قطعاتِ تاریخ وفات کہے، چند

ایک درج ذیل ہیں:۔

(۱)

(حافظ محمد مطیع اللہ قادری جماعتی سجادہ نشین سموال شریف ضلع میرپور (ریاست جموّں)

مولوی محبوب احمد خیر شاہ صاحب کہ بود | میر واعظ در جہاں مشہور در ہندو جبال
خدمتِ دیں را کمربستہ باکنافِ جہاں | وعظ فرمودے بہر شہرے بہ نسوان و رجال
صرف شُد عمرِ عزیزش درچنیں خدماتِ دیں | سُنّی و حنفی وصوفی بود آں صاحبِ کمال
گشت روشن چشمِ من از دیدنِ دیدارِ شاں | حسرتے باقی ست دردل چوں نشد دیگر وصال
وادریغا حسرتا ، خورشیدِ اوجِ معرفت | شُد نہاں زیرِ زمیں پوشیدہ آں ماہِ جمال
نہم رمضان المبارک روز جمعہ از جہاں | داعی پیکِ اجل را گفت لبیک وتعال
بہر سالِ انتقالِ آں ولیِ دیں پناہ | دردلِ پُر دَرد حافظ موجزن شُد ایں خیال
تاکہ درگوشم سروشِ غیب ریزد ایں ندا | کُن رقم ازنامِ نامیش ، تو سالِ ارتحال

"حاجی محبوب احمد خیر شاہ" شُد سالِ فوت

۱۳۳۸ھ

نیز گو "محبوب احمد میر واعظ" اتصال

۱۳۳۸ھ

(۲)

(فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ)

حضرتِ خیر شاہ فخرِ زماں | چوں زمارُوئے خویش رانہفت
سالِ تاریخِ عیسوی جُستم | ہاتفم گفت ،"زیرِ خاک بخفت"

۱۹۲۰ء

ایضاً

مولوی خیر شاہ فردِ زماں | فخرِ احناف کرد چوں رحلت
بسرِ آہ سال تارخش | ہاتفم گفت ،"رفت درجنت"

۱

۱۳۳۷+۱=۱۳۳۸ھ

(۳)

(خواجہ عبدالعزیز خواجہ امرتسری ــــــــ امرت سر)

میر واعظ جنابِ مولانا حضرتِ خیر شاہ پیر وحید

روزِ آدینہ نہم رمضان رفت وگلہائے باغِ جنت چید

در بہارِ ریاضِ جانش چوں بادِ ایام برگ ریز وزید

گفت سالِ وفاتِ اُو خواجہ "نامبردہ کنوں بخُلد رسید"

۱۳۳۸ھ

(۴)

(پیرزادہ محمد عبدالعزیز صاحب عزیز مخدومیؒ ۔۔۔۔امرت سر)

کون اس دُنیا سے اے قلبِ حزیں جاتا رہا آہ شیدائے شفیع المذنبینؐ جاتا رہا

کیوں نگاہوں میں سماجائے نہ ظلمت کا سماں نورِ شمعِ محفلِ اہلِ یقیں جاتا رہا

میر واعظ مولوی محبوب احمد خیر شاہ امرِ حق سے جانب خلد بریں جاتا رہا

سعدیؒ پندو نصیحت جامیؒ علم وعمل رشکِ خسرو وغیرتِ ابنِ یمیں جاتا رہا

کون قرآن کے معارف اب سنائے گا ہمیں جبکہ وہ روشن دل اسرارِ دیں جاتا رہا

نقش ہستی کیوں نہ آنکھوں میں مری معدوم ہو خاتمِ دستِ رسالتؐ کا نگیں جاتا رہا

گمرہوں کو کون دکھلائے گا اب راہِ ہُدیٰ رہنمائے جادۂ شرعِ مبیں جاتا رہا

وعظ میں ہوتی تھی پیدا کیفیت وجدان کی قول ہوجاتا تھا جس کا دلنشیں جاتا رہا

اے دیارِ بوحنیفہؒ کے مکینو آہ ! آج کشور حنفیہ کا حسنِ حسیں جاتا رہا

بوئے عرفاں سے جو شامِ سالکاں محروم ہے آہ باغِ معرفت سے یاسمیں جاتا رہا

لرزہ ہے قصرِ عمل میں اس تزلزل سے عزیز

اس جہاں سے ہائے "رُکن الواعظیں" جاتا رہا

۱۳۳۸ھ

(۵)

(فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلویؒ، کوٹلی لوہاراں ضلع سیال کوٹ)

"مطلعِ انوار در جنت رسید" "زیبِ عرفاں شُد بفردوسِ بریں"

۱۳۳۸ھ ۱۳۳۸ھ

الیضاً

چوں آں خیر شاہ، ''زاہد غمگسار'' تنِ خویش از اہلِ دُنیا نہفت
۱۳۳۸ھ
دلم باسرِ آہ تاریخ اُو ''لقد فوزاً عظیما''، بہ گفت
ا ۱۳۳۷+۱=۱۳۳۸ھ

الیضاً

مولوی خیر شاہ واعظِ دیں چوں زما رفت وگشت گوشہ نشیں
سالِ تاریخ اُو بگفت شریف ''زینتِ بزم رفت زیرِ زمیں''
۱۹۲۰ء

الیضاً

وا دریغا حسرتا صد آہ وآہ رفت ازما مولوی‌ئے خیر شاہ
ہمتش عالی ببیں اے نیکنام اُو مہاجر شُد سوئے دارالسّلام
بہرِ ہجرت جائے خود جنت گزید ترکِ دنیا کرد وور جنت رسید
وقتِ رحلت رحمتِ رحماں یافت روزِ آدینہ مہ رمضاں یافت
ا
بہرِ سالِ رحلتِ اُو زیں جہاں سیزدہ صدوسی وہشت آمد عیاں
چونکہ اُو در نظرِ حق منظور بود گفت ہاتف سالِ اُو ''مغفور بود''
۱۳۳۸ھ
از غم ودردش دلم شُد ناصبور رشتۂ صبر از کفِ ماگشت دُور
از فغانہا حشرہا انگیختم اشک ہائے خوں زدیدہ ریختم
اے حبیبِ مشفق وغمخوارِ ما وائے علاجِ علّت و آزارِ ما
تو چرا از دوستاں پنہاں شُدی از ہمہ احباب رُوگرداں شُدی
در دِلت منظور شُد سیرِ جناں از پست احبابِ تو گریہ کناں
گرچہ جنت دردلت آمد پسند لیک ماسوزیم جُز توچوں سپند
سروشاں درباغِ دُنیا کُن ظہور درگذر کُن ہرچہ شُد ازماقصور
بہرِ حق بنما جمالِ خویش را مرہمے نہ ایں دلِ صدریش را

دوستانت از غمت افسرہ اند — از حیاتِ خویش گویا مُردہ اند

خدمتِ اسلام کردی بے شمار — بادبرتو رحمتِ پروردگار

۱۔ نہم ماہِ رمضان کہ عشرۂ اوّل است بحکمِ حدیث اولہ رحمۃ رحمت شُد۔

ایضاً، اُردو

ہے یہ دُنیا بھی عجب عبرت فزا — مٹ گئے افسوس کیا کیا نامور

کیسے کیسے اہلِ دل جاتے رہے — صاحبانِ علم ودیں عقل وہنر

موت کے پنجہ سے چھٹنا ہے محال — بادشاہ ہویا کوئی دریوزہ گر

میرے مشفق مولوئے خیر شاہ — پاک طینت نیک خو عالی گہر

ناگہاں فردوس میں وہ چل بسے — دے گئے وہ داغِ دل داغِ جگر

گرچہ صورت میں بھی زیبا حسین — لیک سیرت میں تھے سب سے خُوبتر

خندہ رُو ملتے تھے سب احباب کو — تھی تواضع اُن کے دل میں اسقدر

ہائے اب ہم سے جدا کیوں ہوگئے — کیوں چھپایا ہم سے منہ رشک قمر

وہ محبت اوروہ اُلفت کیا ہوئی — کیوں گئے ہیں ہم کونالاں چھوڑ کر

اُن کے چھپ جانے کا جوصدمہ ہوا — تابِ گویائی نہیں طوقِ بشر

گرچہ اس صدمے سے ہے جینا محال — پرہیں ہم راضی رضائے یار پر

حق تعالیٰ کی رضامنظور ہے — اُن کے ہاتھوں میں ہے حنظل بھی شکر

بولا ہاتف سالِ تاریخِ وفات — آخری مصرعہ میں ہے موزوں تر

ہائے ہم سے ایک زاہد چھپ گئے — ''جاملے محبوب کووہ خوش سیّر''

۱۷ — ۱۳۵۵-۱۷=۱۳۳۸ھ

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۷۰۹۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۷۴۔

(۳) ''گلزار مدینہ'' مطبوعہ ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔

(۴) ''فیضانِ علی پور'' از پیر خیر شاہ مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ ص ۵۴۔

(۵) ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ (تکملہ) مطبوعہ ۱۹۷۶ء ص ۵۳۹۔

(۶) ''تذکرہ اسلاف'' از بہاؤالحق قاسمی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۴۸۔

(۷) ''جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا'' جلد اوّل مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۵۸۴۔

(۸) ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' لاہور بابت مئی جون ۱۹۲۰ء ص ۳۷، ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۲۴، اکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۵۴۔

(۹) ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر بابت ۱۹/ جولائی ۱۹۲۰ء، ۷/ جون ۱۹۴۲ء ص ۱۰۔

(۱۰) ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور بابت ۱۴/ جون ۱۹۷۶۔

مولانا محمد عظیم گکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ

(۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۲۲ء)

مولانا محمد عظیم بن پیراں دتہ (ف ۱۹۱۷ء) قصبہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور سے فارغ التحصیل ہوکر فنِ کتابت پر مہارتِ تامہ حاصل کی۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے محبوب مریدوں اور خلفاء میں سے تھے۔ نہایت خوش بیان اور شعلہ افشاں مقرّر تھے۔ پنجاب سے لے کر حیدر آباد دکن تک آپ کی جادو بیانی کا ڈنکا بجتا تھا۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی معیّت میں اور علیحدہ بھی بہت سے تبلیغی دورے کئے۔ مشہور مورّخ منشی محمد الدین فوق (۱۸۷۷ء۔۱۹۴۵ء) سے آپ کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ کشمیر کے دوروں پر جلسوں میں آپ تقریر فرماتے اور منشی صاحب نظم پڑھا کرتے تھے۔ آپ کی خوش بیانی سے متاثر ہوکر میر عثمان علی خان (۱۸۸۶ء۔۱۹۶۷ء) والئ حیدر آباد دکن نے ماہوار مشاہرہ پر اپنے پاس بلا لیا اور آپ مدّت تک وہاں مقیم رہے۔ بعد از وفات عرصہ تک آپ کی اہلیہ کو حیدر آباد دکن سے پنشن ملتی رہی۔

ایک دفعہ الہ آباد (یوپی، بھارت) میں تشریف فرما تھے۔ مقامی ریلوے سٹیشن کا سٹیشن ماسٹر آپ کا بہت معتقد تھا۔ اُس زمانے میں ولایت سے شاہی خاندان کا ایک انگریز ہندوستان کی سیر و سیاحت کے لئے آیا ہوا تھا اور اُس وقت ریلوے سٹیشن الہ آباد پر موجود تھا۔

پولیس نے ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم کو غیر آدمیوں سے خالی کرا کے پہرے کا بڑا انتظام کیا۔ صاحب بہادر پلیٹ فارم پر کُرسی بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ چونکہ سٹیشن ماسٹر کے خاص آدمی تھے، بدیں وجہ پولیس نے آپ کو اندر جانے سے منع نہ کیا اور آپ بھی پلیٹ فارم پر جا کر ٹہلنے لگے۔ صاحب بہادر نے جب آپ کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہیں؟ کسی نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کے پادری ہیں۔ کہا، ان کو بلاؤ۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور صاحب بہادر نے کرسی پر بٹھایا اور پوچھا، "اسلام کی حقانیت کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟" آپ نے فرمایا کہ: "آپ نے کون کون سے علوم کی ڈگری حاصل کی ہے؟" صاحب بہادر بولا، "میں آٹھ دس علوم کا ماہر ہوں"۔ آپ نے پوچھا تمہیں سب سے زیادہ کون سے علم سے دلچسپی اور مہارت ہے؟"۔ صاحب بہادر نے کہا کہ "میں علم ہیئت کا بڑا ماہر ہوں اور اس سے خصوصی دلچسپی ہے"۔ آپ نے فرمایا "میں علمِ ہیئت کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور سچائی کی ایسی دلیل پیش کروں گا کہ آپ پر روشن ہو جائے گا کہ اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ آپ گھڑی نکال کر بتایئے کہ اس وقت الٰہ آباد میں کیا وقت ہے؟۔ صاحب بہادر نے کہا، گیارہ بجے ہیں، کلکتہ میں کیا بجا ہوگا؟ کہا، بارہ۔ رنگون میں کیا وقت ہوگا؟ ایک بجا ہے۔ سنگاپور میں؟ دو بجے ہیں۔ جاپان میں تین۔ ہونولولو میں؟ چار۔ مشرقی امریکہ میں سُورج غروب ہو رہا ہے۔ غرضیکہ مختلف مقامات کے اوقات صاحب بہادر نے بتائے۔ آپ نے فرمایا۔

"دیکھئے دُنیا میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے پیروکار دُنیا کے کسی نہ کسی حصّہ میں خداوند کریم عزّ وجل کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں۔ الٰہ آباد میں چاشتِ کبریٰ ہے تو رنگون میں زوال کی نماز کا وقت، سنگاپور میں ظہر کی نماز پڑھی جا رہی ہے۔ جاپان میں عصر کا وقت ہے۔ مشرقی امریکہ میں مغرب کی اذان ہو رہی ہے۔ مغربی

امریکہ میں عشاء کی نماز پڑھی جارہی ہے۔''

غرضیکہ ایسی مدلّل اور مؤثر تقریر فرمائی کہ انگریز مبہوت ہوگیا اور اسی وقت آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔

پاکستان کے نامور ادیب ومصنّف مولوی محمد عبداللہ قریشی (۱۹۰۵ء۔۱۹۹۴ء) سابق مدیر ماہنامہ ''ادبی دُنیا'' لاہور نے آپ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

''مولانا محمد عظیم نقشبندی گکھڑ ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے ایک عالمِ باعمل اور نہایت ہی خوش بیان واعظ تھے۔ اُنہیں حضرت قبلۂ عالم پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری (قدس سرّہٗ) کے خادم ہونے کا فخر حاصل تھا۔ بدعقیدہ اور مخالفینِ اسلام کو دندانِ شکن جواب دینے میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ کئی غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ مدّت تک حضور نظامِ دکن کی طرف سے ریاست میں خلق خدا کو وعظ ونصیحت سُنانے پر مامور رہے۔ اُنہوں نے اپنے پُر تاثیر وعظ اور دلکش طرزِ بیان سے وہ ہر دلعزیزی حاصل کی کہ نہ صرف حیدر آباد دکن کا بچہ بچہ بلکہ ہندوستان کے کئی دوسرے شہروں کے مسلمان بھی آپ کے وعظ کے مشتاق ہوگئے۔ ہزارہا بندگانِ خدا کو آپ کے طفیل ہدایت نصیب ہوئی۔ مثنوی مولانا رومؒ ایسی پُرسوز لَے میں پڑھتے تھے کہ سُننے والے وجد میں آجاتے تھے۔ وفات سے چندروز قبل ضلع اٹک میں تشریف لے گئے تھے۔ جہاں ایک شیعہ خاندان نے آپ کے وعظ سے متاثر ہوکر رافضیّت سے توبہ کی اور سوادِاعظم میں داخل ہوگئے۔

آپ کو ظاہری جاہ وجلال کے پیروں اور شرعی احکام سے لاپروائی کرنے والے عالموں سے سخت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ظاہر

و باطن کو یکساں کیوں نہیں رکھتے؟ تصوّف کے موضوع پر ایک طویل سلسلۂ مضامین رسالہ ''تصوّف'' لاہور میں شروع کیا تھا۔ مگر افسوس کہ موت نے تکمیل کی مہلت نہ دی۔

اس سے قبل اسی قسم کا ایک سلسلۂ مضامین منشی محمد الدین فوقؔ کے رسالہ ''طریقت'' لاہور میں شروع کیا تھا جس سے کئی گدی نشین ناراض ہو گئے تھے اور رسالہ بھی بند ہو گیا تھا''۔

آپ کی وفات حسرت آیات بعارضہ ذیا بیطس ۲۱/نومبر ۱۹۲۲ء مطابق یکم ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ بروز منگل بوقت ۴ بجے صبح اپنے گاؤں گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی اور یہاں ہی آخری آرامگاہ بنی۔

عمر ہا در کعبہ بتخانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بُروں

آپ نے بہت سے کتابیں بھی لکھیں مگر ہمیں صرف چند کے نام ہی معلوم ہو سکے ہیں۔ (۱) ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم (۲) علمِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم (۳) شریعت اور طریقت (۴) خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم (۵) دُعائے عظیم (۷) پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے حالات (۷) صوفیوں کے اسرار (۸) تازیانہ نقشبندی۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۰۲،۱۷۰۔

(۲) ''غلامی سے آزادی تک'' از قریشی غلام فرید مطبوعہ سیال کوٹ ۱۹۶۹ء ص ۱۵۔

(۳) ''پنج گنج علی پوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور طبع دوم ص ۱۸۴،۱۸۳۔

(۴) ''حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں''۔ از محمد عبداللہ قریشی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء۔ ۳۰۰،۲۸۸۔

(۵) ماہنامہ ''اقبال ریویو'' کراچی بابت جنوری ۱۹۶۱ء ص ۱۹،۱۶۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت رجب ۱۳۲۲ھ (ٹائیٹل) ص ۱۳، جنوری ۱۹۲۱ء ص ۲،۱، نومبر ۱۹۲۲ء، ص ۲۴۔

(۷) ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر بابت ۷/ جون ۱۹۴۲ء، ص ۱۰۔

(۸) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور فروری، ۱۹۷۵ء۔

(۹) مکتوب گرامی مولانا عبدالصبور ہزاروی از گکھڑ بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۲/ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

(۱۰) مکتوب گرامی محمد عبداللہ قریشی از لاہور بنام محمد صادق قصوری محررہ ۲۴/ جنوری ۱۹۷۷ء۔

(۱۱) قلمی یادداشت استاذی حکیم ملّت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۸ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۲۷ء)

حضرت مولانا محمد حسین بن حضرت مولانا غلام احمد (ف ۱۸۸۸ء) کی ولادت ۲۱/ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو قصور میں ہوئی۔ والد گرامی امرت سر میں فارسی کے مدرّس رہے تھے اور اپنی دینداری اور نیکوکاری میں بہت مشہور تھے۔ اُنہوں نے اپنے صاحبزادے (مولانا محمد حسین) کی تربیّت بڑے احسن انداز سے کی۔ صرف چھ ماہ میں ہی آپ نے قرآن مجید ختم کرلیا۔ قصور میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد امرتسر چلے گئے اور باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔ ابھی ایف اے کے طالب علم تھے کہ والد ماجد نے رحلت فرمائی۔ ۱۸۹۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرکے ایم اے (فلسفہ) میں داخلہ لے لیا مگر مجبوریوں کے باعث چھوڑ کر ایس اے وی کا امتحان پاس کرکے تدریسی سلسلہ کی ابتدا کردی۔

ابتدائی دوسال ڈیرہ غازی خاں میں خدمات انجام دینے کے بعد آپ کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول قصور میں ہوگیا۔ یہاں آپ دس سال تک سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کی آسامی پر فائز رہے۔ آپ کی قوّتِ سماعت ذرا کمزور تھی۔ اس کی آڑ لے کر ایک متعصب ہندو انسپکٹر نے ۲۰/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو محکمہ تعلیم سے سبکدوش کروادیا۔ یہاں سے فارغ ہوکر آپ علی پور شریف

حاضر ہو گئے اور ارادہ تھا کہ باقی عمر اپنے شیخ کے حضور بسر کر دیں مگر حضرت امیر ملت قدس سرہٗ نے رُہتک (بھارت) میں اشاعتِ سلسلہ عالیہ و تبلیغ کا حکم دیا۔

رُہتک میں آ کر ۱۱/ جولائی ۱۹۰۳ء کو "کلرک آف دی کورٹ" کی آسامی پر مامور ہو گئے۔ چودہ سال بعد آپ کا تبادلہ کرنال (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ہو گیا۔ ۱۹۰۹ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ فروری ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۶ء "ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کرنال" کی عدالت میں بحیثیت مترجم مامور رہے۔ ۱۹۲۶ء میں پنشن پانے کے بعد کرنال ہی کو مستقل مسکن بنا لیا۔ اور سلسلہ عالیہ کی اشاعت پر توجہ مرکوز کر دی۔ ہریانہ کے علاقہ میں ہزار ہا لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور ہزاروں مسلمان آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔

آپ نے ۱۸۹۰ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ واقعہ یوں ہے کہ:۔

"آپ بی اے کے امتحان کا آخری پرچہ دے کر فارغ ہوئے تھے کہ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ اجازت و خلافت سے سرفراز ہو کر سیدھے لاہور تشریف لائے اور کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں آپ سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی نظر میں آپ کو گرویدہ بنا لیا"۔

اس طرح سب سے پہلے مرید ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہوا۔ بہت تھوڑی مدّت میں اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ بعد ازاں حضرت بابا جی فقیر محمد چوراہیؒ (۹۸-۱۷۹۷ء) نے بھی چورہ شریف (ضلع اٹک) کے سالانہ جلسے کے موقعہ پر دستارِ خلافت عطا فرمائی۔

آپ نے اپنے مرشد گرامی حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے حکم پر تمام دینی، ملّی اور علمی تحریکوں میں حصہ لیا۔ بلقان فنڈ، سمرنا فنڈ، حجاز ریلوے لائن، تحریکِ خلافت اور فتنۂ ارتداد وغیرہ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ چندے اکٹھے کئے اور پورے انہماک اور جوش کے ساتھ ان تحریکوں کا کامیاب بنانے میں لگے رہے۔ فتنۂ ارتداد میں آپ نے دردِ قولنج کے

شدید عارضہ کے باوجود تندہی سے حصہ لیا۔

آپ کی انہی خدمات کی بنا پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔آپ اپنے شیخ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں اور آپ کے صاحبزادے حضرت حافظ نور احمد قصوریؒ (۱۹۰۷ء۔۱۹۸۶ء) سب سے آخری خلیفہ ہیں۔

آپ تمام عبادات ومعاملات میں اتباعِ شریعت اور پیرویٔ سُنّت پر شدّت سے عمل فرماتے تھے۔رفتار و گفتار، نشست و برخاست اور گفت وشُنید میں آپ کی ذاتِ برکات ایک مومنِ کامل کا نمونہ پیش کرتی تھی۔آپ مریدین کو ''بھائی'' اور ''یارِ طریقت'' کے نام سے یاد کرتے تھے اور اُن میں اسلامی اخوّت اور دینی محبت کی رُوح پیدا کرنے کی کامل سعی فرماتے تھے۔

دوسروں کی خدمت کر کے آپ بے حد خوش ہوتے تھے۔جود وسخا آپ کا خاصا تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت حافظ نور احمد قصوری (۱۹۰۷ء۔۱۹۸۶ء) کا بیان ہے کہ:

> ''ایک دفعہ آپ ہم سب کو لینے قصور آئے تو دادی صاحبہ نے فرمایا کہ بیٹا! کپڑے بدل لو۔مگر معلوم ہوا کہ آپ کے پاس دوسرا جوڑا ہی نہیں ہے۔اس لئے کہ سارے کپڑے محتاجوں، حاجتمندوں اور ضرورت مندوں کو دے دیئے تھے۔پھر جب ہم لوگ رُہتک پہنچے تو گھر میں چائے کے برتن نہیں تھے۔معلوم ہوا کہ وہ بھی آپ نے کسی ضرورت مند کو دے دیئے تھے۔''

تبلیغی دورے فرمانا آپ کی سرشت بن گیا تھا۔سکول اور کچہری کی ملازمت کے دوران خالی اوقات تبلیغ میں صرف فرماتے تھے۔ہفتہ کی شام کو دیہات کی طرف چلے جاتے تھے۔اسی طرح تعطیلات کا سارا زمانہ گاؤں گاؤں میں تبلیغ کرنے میں صرف ہوتا تھا۔اس مقصد کے لئے کبھی کبھی کئی کئی مہینہ کی رُخصت بھی لیتے تھے اور مختلف قصبات اور دیہات میں پہنچ کر دن اور رات میں کئی کئی وعظ فرماتے، مجلسِ میلاد منعقد کرتے اور تبلیغ وارشاد کا کام بحُسن وخوبی انجام دیتے۔

اسی طرح آپ دینی مدارس اور جدید تعلیم کے سکول، جن میں قرآنِ مجید تعلیم لازمی ہوتی تھی، قائم کرنے میں بھی کوشاں رہتے تھے۔ ہریانہ کے علاقہ میں کئی مقامات پر اس طرح کی درسگاہیں جاری کیں۔ کلانور ضلع رُہتک کا "مُسلم راجپوت ہائی سکول" اور رُہتک کا "نصرت الاسلام پرائمری سکول" خاص طور پر مشہور ہوئے۔ اس طرح آپ مذہبی اور اسلامی مضامین لکھ کر رسائل اور اخبارات میں چھپواتے رہتے تھے۔ نیز اپنے خطوط میں مکتوب الیہم کو دینی اُمور کی خصوصیّت سے تعلیم دیتے تھے۔

آپ کی وفاتِ حسرت آیات ۳/ شوال المکرّم ۱۳۴۵ھ مطابق ۶/ اپریل ۱۹۲۷ء بروز بُدھ کرنال میں ہوئی۔ اگلے روز حضرت شاہ بوعلی قلندر قدس سرّہٗ کے روضہ مبارک کے قریب جرنیلی سڑک پر آپ کی تدفین ہوئی، جس پر شاندار مقبرہ تعمیر ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی رحلت پر بہت سے شعراء نے "قطعاتِ تاریخِ وفات" کہے۔ چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(۱) (مولانا غلام احمد اخگرؔ امرتسریؒ خلیفہ مجاز حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ)

چُوں محمد حسین مولانا — از پئے آخرت کمر بر بست!
روز چہارم بُد از مہِ شوال — رشتہ زیں دارِ بے بقا بگست
بے گماں سالکِ طریقت بُود — شاغلِ ذکرِ حق بحق پیوَست

کلکِ اخگرؔ نوشت سالِ وصال
"کوکبِ سالکاں بجنّت رفت"
۱۳۴۵ھ

(۲) منشی عاشق علی خان ناطقؔ کلانوریؒ نے یہ قطعہ کہا ؎

ایں یادگار ست سردارِ دیں — محمد حسین عالم و پیشوا
ولیٔ کامل و حاجی و متقی — خلیق و سخی صوفیٔ باصفا
عزیزِ دِل مُرشدِ باکمال — جماعت علی شاہ نُور الہُدیٰ
چہارم چو تاریخِ شوال شُد — بفرمود رحلت بدارِ بقا

جُدا کن سرِ یاس ناطق بگو

۱۰

''محب خدا، عاشق مصطفےٰؐ''

۱۳۵۵-۱۰=۱۳۴۵ھ

(۳) پروفیسر حامد حسن قادری جماعتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قطعہ ''لوحِ مزار'' پر کندہ ہے۔

بجنت رفت مولٰینا قصوری — کہ عرفاں یافت زُو آنے وشانے

پئے سالِ وصالش یافت درشعر — سنین ہجری و شمسی قرانے

''فنا فی اللہ وشیخِ نیک باطن'' — ''فنا فی الشیخ ومخدومِ جہانے''

۱۳۴۵ھ — ۱۹۲۷ء

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۴۳۱، ۷۰۶، ۷۰۸۔

(۲) ''خزینۂ فیضِ قصوری'' از پروفیسر منشاد علی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۲۴، ۲۸، ۲۹، ۳۵۔۳۶،

(۳) ''پنج گنج قصوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور (۱۹۵۶ء ص ۱۹ا۔

(۴) ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' از مولانا نور بخش توکلیؒ (تکملہ از محمد صادق قصوری) ص ۵۴۵۔

(۵) ''پنج گنج علی پوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور طبع دوم ص ۸۲۔

(۶) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری، مطبوعہ لاہور، ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔

(۷) ''تذکرہ شہِ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۷۳۔

(۸) ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور بابت ۲۸/ جون ۱۹۷۶ء ص ۲۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا غلام احمد اخگر امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۴ء ——— ۱۹۲۷ء)

حضرت مولانا غلام احمد اخگر بن لعل محمد کی ولادت ۱۸۶۴ء مطابق ۱۲۸۱ھ میں

امرتسر (مشرقی پنجاب، بھارت) کے ایک کشمیری بٹ گھرانے میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے عالم دین، واعظ، مناظر، بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ آپ نے ۱۹۰۶ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ مبارک پر سعادتِ بیعت حاصل کی اور ۱۱/مئی ۱۹۱۴ء کو بر موقعہ گیارھواں سالانہ اجلاس انجمن خدام الصوفیہ علی پور سیّداں، ختم شریف سے قبل آپ کو خرقۂ خلافت عطا ہوا۔

آپ اکثر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے تبلیغی دوروں میں ہمراہ رہتے تھے۔ جلسوں میں تقریریں کرتے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے خلقِ خدا کو فیض یاب کرتے تھے۔ بہت لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ امرتسر سے اخبار ''اہلِ فقہ'' جاری کیا۔ آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے محبوب اور جان نثار خلفاء میں سے تھے۔ امرتسر میں جماعت اہلحدیث کا اخبار ''اہلحدیث'' حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا رہتا تھا۔ آپ اور مولانا پیر خیر شاہ امرتسریؒ (ف ۱۹۲۰ء) ہفت روزہ ''الفقیہہ'' میں مفصّل اور مدلّل جوابات شائع فرماتے تھے۔ اور علماءِ اہلحدیث کو قائل کرتے تھے۔ اہلحدیث جماعت کے سرگروہ مولوی ثناء اللہ امرتسری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء) سے بھی دونوں حضرات کے اکثر و بیشتر مناظرے ہوتے رہتے جن میں فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ اکثر ہدایت فرماتے کہ ''جوابِ جاہلاں باشد خاموشی''۔ مگر ان دنوں بزرگوں کی دینی حمیّت اور شیخ کی محبت وحمایت اُن کو مجبور کرتی تھی کہ مخالفین کے چیلنج کا جواب دیں اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دیں کہ وہ میدان سے ہٹ گئے۔ مذاہب باطلہ کے لئے شمشیر برہنہ تھے۔

آپ بڑے عابد و زاہد اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ بچپن میں ایک مرغ خریدا تھا۔ آپ کے والد ماجد بہت نیک آدمی تھی، اُنہوں نے دریافت کیا کہ مرغ کا کیا کرو گے؟ تو عرض کیا کہ یہ اذان دے گا تو صبح کو بیدار ہو کر نوافل پڑھوں گا۔ خیال پاکیزہ تھا مگر والد صاحب اور بھی بلند خیال تھے۔ انہوں نے کہا کہ ''انسان ہو کر حیوان کا محتاج ہوتا ہے''۔ آپ کو ہوش آ گیا اور مرغ کو اُسی وقت ذبح کر دیا اور بفضلِ خدا تمام زندگی نماز تہجدّ کے لئے

از خود بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لئے آپ نے اپنی علالت اور پیرانہ سالی کی پروا کئے بغیر عرصہ تک آگرہ میں شاندار خدمات انجام دیں۔ ۲۱/ مئی ۱۹۲۳ء کو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے پندرہ افراد پر مشتمل جو پہلا وفد آگرہ بھیجا تھا۔ آپ اُس کے امیر تھے۔ شب و روز کام کرنے کی وجہ سے جب آپ کی علالت خطرناک صورت اختیار کر گئی تو بامرِ مجبوری واپس آ گئے اور آپ کی جگہ قاضی حفیظ الدین رُہتکی (۱۸۷۱ء۔۱۹۴۴ء) کو امیرِ وفد چُنا گیا۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی خاصا ذوق تھا۔ اخگرؔ تخلص فرماتے تھے۔ زیادہ تر نعت کے مضامین ہی کہتے تھے۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد کا شجرۂ طریقت بھی لکھا تھا۔ جس کا ہر ایک شعر آپ کے عشق و محبت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ بطور تبرک ایک نعت ہدیۂ قارئین ہے۔ پڑھیئے اور اپنے قلب و جگر کو عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور کیجئے۔

تصوّر میں رسولِ پاک کے ضبطِ فغاں کیوں ہو ... نہیں یہ راز سربستہ تو سینے میں نہاں کیوں ہو

تصوّر ہے دلِ عشاق میں گلزارِ طیبہ کا ... تو اِس پھولے پھلے گلشن میں تاثیرِ فغاں کیوں ہو

مدینہ جانے والو! روضۂ حضرتؐ پر جب پہنچو ... تو کہنا یا محمدؐ! تیرا بسمل نیم جاں کیوں ہو

خدا نے دل ہمیں بخشا مگر شیشے سے نازک تر ... تو اس پر فرقتِ احمدؐ کا یہ سنگِ گراں کیوں ہو

اگر مٹ جانا جرمِ عشقِ احمدؐ کی سزا ٹھہری ... زمیں پر عاشقِ مجرم کا پھر باقی نشاں کیوں ہو

ہے دِل زخمی خیالِ اَبروئے مژگانِ حضرتؐ سے ... تو میرے مارنے کو حاجتِ تیغ و سناں کیوں ہو

خدا کا گھر ہو مکّہ میں، رسولؐ اللہ مدینے میں ... تو حسرت یہ ہے کہ پھر اپنا وطن ہندوستان کیوں ہو

مسلمانو! تمہیں ہے خوف گر طوفانِ محشر کا ... گناہوں کے عمل کی ناؤ پر یہ بادباں کیوں ہو

ہمارے دل میں ہے نورِ خدا "لطفِ جماعت" سے ... تو یہ دل عرشِ اعظم بن کے شیدائے بُتاں کیوں ہو

شہنشاہِ علی پور جس کے حامی ہوں قیامت میں ... اسے دوزخ کا ڈر کیوں ہو وہ ڈر سے خستہ جاں کیوں ہو

نہیں تاریکئ مرقد کا کھٹکا مجھ کو اے اخگرؔ!
دہکتی آگ ہے سینے میں پھر پیدا دھواں کیوں ہو

نثر میں بھی کافی کتابیں لکھیں مگر ہمیں اِن کا ہی پتہ چل سکا ہے۔ "مرزائیت کا

جنازہ‘‘ ’’اہل حدیث واہل سُنّت‘‘۔

آپ کوفنِ تاریخ گوئی پر بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ بہت سے بزرگانِ دین کے قطعاتِ تاریخ وفات لکھے۔ ۸/ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پیر مولانا پیر غلام رسول قاسمی امرتسریؒ کا انتقال ہوا تو آپ نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا۔

فاضلِ دہر وحامیٔ توحید — کردزاینجا سفر بخُلد رسید
نام پاکش بُدان غلام رسول — شُد ز طاعوں براہِ صدق شہید
شور ماتم بپا شدہ ہرسُو — ملک الموت رُوحِ اُو چوکشید
وادریغا کہ رُوئے مولیٰنا — تاقیامت کسے نہ خواہد دید
بُود اُوبدرِ کاملِ اسلام — آفتابِ علومِ دینِ مجید
تیرہ گردید صبحِ ماچُوں شام — شُد محرّم عیاں بجائے عید
خبر انتقالِ مولیٰنا — اخگرؔ خستہ حال چُوں بشنید
از خرد ہم زہاتفِ غیبی — سالِ تاریخِ رحلش پُرسید

دادہاتف ندا کہ اے اخگرؔ

’’بشہادت رسید نفسِ سعید‘‘

۱۳۲۰ھ

۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال پُرملال ہوا تو آپ نے جو قطعہ تاریخ رحلت کہا، اُس کے لفظ لفظ سے غم واندوہ ٹپکتا ہے۔

حامیٔ دینِ متیں احمد رضا — رفت از دُنیا سوئے خلدِ بریں
ایں جہاں از رفتنش تاریک شُد — شُد غروب آں آفتابِ علمِ دیں
واصف وشیدائے محبوبِؐ خدا — قاطع اعناقِ جملہ ملحدیں
وادریغا رفت زیں دارِ فنا — مومناں زاندوہ غم زار وحزیں

گفت اخگرؔ بہر تاریخِ وصال

’’نادرالعصر آفتابِ علم ودیں‘‘

۱۳۴۰ھ

ولہ

وصلِ حق چوں رضائے احمد یافت   قدوۂ عالمانِ برّ و بحر

کلکِ اخگرؔ نوشت سالِ وفات   ''زُبدۂ مومنین وفاضلِ دہر''

----۱۳۴۰ھ----

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۶/صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۵/اگست ۱۹۲۷ء بروز پیر امرتسر میں ہی ہوئی اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ بہت سے اخبارات و رسائل نے آپ کی رحلت پر ادارئیے لکھے، چند ایک درج ذیل ہیں۔

انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ماہواری رسالہ بابت جولائی اگست ۱۹۲۷ء نے صفحہ ۶۰ پر یوں لکھا:۔

''مَوت العَالِم مَوت العَالَم''

''حضرت مولوی غلام احمد صاحب المتخلص بہ اخگرؔ کی خبر وفات اخبار میں پڑھ کر سخت رنج وملال ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اہلسنت وجماعت کو سخت نقصان پہنچا۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی صاحب مرحوم واقعی امرتسر میں حنیف حنفیوں کی طرف سے ایک لائق وعمدہ مباحث اور مناظر تھے۔ جس سے وہابیہ اور مرزائیہ کی رُوح کانپتی تھی۔ ایسے دندان شکن جواب تحریر فرمایا کرتے تھے کہ فریقِ مخاصم کو جواب کی گنجائش نہ رہتی تھی۔ غالباً ایسے غیر عاقبت اندیش مخالفین کو تو کسی قدر راحت ہوئی ہوگی جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی اس قیمتی نصیحت پر بھی ایمان نہ رکھتے ہوں۔

اے دوست بر جنازۂ دُشمن چو بگذری

شادی مکن کہ بر تو ہمیں ماجرا رَود

مولوی صاحب مرحوم باوجود کئی سال سے سخت مصائب

وآلام میں مبتلا رہنے کے علالت کی حالت میں بھی مخالفین کی تردید

میں نہایت مدلّل و مبرہن مضامین لکھتے رہے اور مباحثہ اور مناظرہ کے لئے بھی سفر کی تکالیف برداشت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ، مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں قبول فرمائیں اور معاد میں مدارج علیا"۔

مدیر (تاج الدین احمد)

پندرہ روزہ "ارشاد" امرتسر بابت یکم/ پندرہ ستمبر ۱۹۲۷ء نے صفحہ ۴ پر یوں اداریہ لکھا:۔

"وفات حسرت آیات"

ناظرین! اس خبر کو نہایت رنج واندوہ سے سُنیں گے کہ امرتسر کے مشہور حنفی مناظر اور کہنہ مشق اخبار نویس مولانا غلام احمد صاحب اخگرؔ سابق ایڈیٹر اخبار "اہل فقہ" امرتسر مورخہ ۱۵/ اگست ۱۹۲۷ء کو بروز دوشنبہ چھ سات سال کی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے کام کے آدمی تھے۔ اور اُن کی حنفیوں کو ابھی بڑی ضرورت تھی لیکن کیا کیا جائے ؎ رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

مرحوم کی وصیّت کی مطابق نماز جنازہ حضرت قبلہ مولانا پیر غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی مفتیٔ امرتسر مدظلہم نے پڑھائی۔ مرحوم کے پسماندگان میں آپ کی بیوہ، ایک (نابینا حافظہ قرآن)۔۔۔۔ ہمشیرہ، دو لڑکیاں (جن میں سے ایک بیوہ اور دوسری نابالغہ ہے) اور تین لڑکے ہیں۔ بڑا لڑکا ۱۷ سال کی عمر کا ہے۔ باقی دو نابالغ ہیں۔ مرحوم قرضدار تھے اور اب پسماندگان کے پاس قوّتِ لایموت کے لئے کچھ بھی موجود نہیں۔ کاش کوئی مخیّر مسلمان اس طرف متوجہ ہوتا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مدیر (محمد بہاء الحق قاسمی)

بہت سے شعراء نے آپ کی رحلت پر قطعاتِ تاریخِ وفات کہے۔ چند ایک درجِ ذیل ہیں۔

زدُنیا چوں غلام احمد اخگرؔ ! سفر اندر صفر سُوئے جناں کرد

ازیں فانی سرائے پے مواسا شُد وجادر دیارِ جاوداں کرد
سیہ پوشم نہ تنہا از غمِ اُو رُخِ خود نیلگوں برآسماں کرد
سنِ نقلِ مکانش گفت خواجہ
"مکاں صد شُکر اندر لامکاں کرد"

۱۳۴۶ھ (خواجہ عبدالعزیز خواجہ امرتسریؒ)

☆

دو بجے شب کے صَفر کی سولھویں تاریخ تھی دن دوشنبہ کا تھا وہ، لیکن قیامت کی نظیر
یک بیک رُوحِ غلام احمد فدائے مصطفےٰ ہوگئی پیک اجل کے ساتھ تا آخر ہمسفیر
تھی وہابی گُش یہ ذاتِ پاک اِک پنجاب میں تھا زباں دوزِ لعیناں اس کی علمیّت کا تیر
خدمتِ اسلام کی خاطر ملے جنت اُنہیں تھے جوانِ ملّتِ احمدؐ، بظاہر گو تھے پیر
تھے معینِ "الفقیہہ" بھی اور خادم "اہلِ فقہ" کے یہ دُعا ہے دوسرا پیدا کرے اُن سا قدیر
مصرعۂ تاریخ کی تھی فکر مجھ کو اے ظہور!
کہہ دیا ہاتف نے لکھدے "نیک خو صافی ضمیر"
۱۹۲۷ء

(مولانا ظہور الحسن درسؒ، کراچی)

☆

مولوی جو غلام احمد تھے، شیرِ پنجاب تھا لقب اُن کا
سُنّی و سنّی گروہ تھے بے شک آہ ہم سے وہ ہوگئے ہیں جُدا
اسد اللہ کے وسیلے سے باغِ فردوس کا اُنہیں ہو عطا
فکرِ تاریخ تھی جو سُلطان کو
"غفر اللہ" کی یہ آئی ندا
۱۳۴۶ھ

(مولانا سُلطان احمد بریلویؒ)

-----------ماخذ-----------

(۱)''سیرتِ امیرِ ملّت''مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۲۹، ۴۳۱۔۱۰۷، ۱۱۷،
(۲)''تذکرہ شہ جماعت''مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔
(۳)''کراماتِ امیرِ ملّت''مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۵۸، ۱۲۴۔
(۴)''گلزارِ مدینہ''مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔
(۵)''شعرائے امرتسر کی نعتیہ شاعری''از پروفیسر محمد سلیم مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۶ء ص ۵۱، ۵۲۔
(۶)''پنج گنج علی پوری''مطبوعہ لاہور طبع دوم ص ۳۹، ۵۹۔
(۷)''غلامی سے آزادی تک''مطبوعہ سیال کوٹ ۱۹۶۹ء ص ۱۵۔
(۸)''مُحاسن کنز الایمان''مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ، ص ۵۵۔
(۹)''تذکرۂ اسلاف''مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۳۳ (حاشیہ)۔
(۱۰) ہفت روزہ''الفقیہہ''امرتسر بابت ۱۴/ستمبر، ۷/اکتوبر ۱۹۲۷ء۔
(۱۱) پندرہ روزہ''ارشاد''امرتسر بابت یکم و ۱۵/ستمبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۱۔
(۱۲) ماہنامہ''انوار الصوفیہ''لاہور جون ۱۹۱۴ء ص ۴۔
(۱۳)''انجمن نعمانیہ ہند لاہور کا ماہواری رسالہ''بابتِ جولائی اگست ۱۹۲۷ء ص ۶۰۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

(۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۲۹ء)

مولانا عبدالرحمٰن موضع توی تربیلہ ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) کے رہنے والے تھے۔ نہایت متقی، پرہیز گار اور نمونۂ سلف بزرگ تھے۔ تقریر و تحریر میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ علی پور سیّداں شریف کے سالانہ اجلاسِ انجمن خدّام الصوفیہ میں ہر سال اپنی جادو بیانی کا ڈنکا بجا کر خلقِ خدا کو راہِ ہدایت دکھایا کرتے تھے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے ۱۲/

مئی ۱۹۱۱ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب کے اجلاس میں بموقعہ سالانہ اجلاس انجمن خدّام الصوفیہ، خلافت عطا فرما کر سلسلۂ عالیہ کی تبلیغ وترویج کی ہدایت فرمائی۔ بے شمار لوگوں نے آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے سعادتِ دارین حاصل کی۔

آپ کی رحلت دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۸ھ میں ہوئی۔

-----------ماخذ-----------

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں، ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔

(۲) ''گلزارِ مدینہ'' مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ء ص ۶۴۔

(۳) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۷۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت جون ۱۹۱۱ء ص ۹۔ اپریل ۱۹۲۲ء ص ۶۔

جنوری ۱۹۳۰ء ص ۴۱۔

☆☆☆☆☆

نواب محاسب یار جنگ رحمۃ اللہ علیہ

(---------------------۱۹۳۰ء)

مولانا غلام احمد المخاطب بہ نواب محاسب یار جنگ کا شمار حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے خواص میں ہوتا تھا۔ آپ والئی دکن نواب میر عثمان علی خان نظام سابع (۱۸۸۶ء۔ ۱۹۶۷ء) کی خانگی جاگیر جس کو ''صرفِ خاص'' کہا جاتا تھا اور جو دو کروڑ روپیہ سالانہ آمدنی کی تھی، میں ''محاسب'' تھے۔

۱۱/مئی ۱۹۱۸ء کو انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر رات کے وقت آپ کو ''دستارِ خلافت'' سے نوازا گیا۔ آپ کے ساتھ حاجی میر نوازش علی وکیل حیدر آباد دکن، مولانا غلام محمد بمبئی والے اور ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہی کو بھی ''اجازت وخلافت'' سے سرفراز کیا گیا۔

آپ کو شعر وشاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ طالبؔ تخلّص کرتے تھے۔ پیر ومرشد

کی شان میں بہت سی منقبتیں لکھیں، ایک درج ذیل ہے:۔

مزا گرچہ فرقت نے اچھا چکھایا — مگر پھر بھی قسمت نے پلٹا ہے کھایا
جماعت علی شاہ کو اللہ ہے لایا — کہ مُردہ دلوں کو ہے زندہ بنایا
عجب دھوم تھی جب کہ اُتری سواری — کہیں چیخ تھی اور کہیں آہ زاری
وُرود آپ کا جب سے اِس جا ہوا ہے — خلائق کا ہر وقت تانتا بندھا ہے
شب و روز یہ مشغلہ آپ کا ہے — کہ ذکرِ خدا یا رسولِ خدا ہے
یہ مجلس ہے گوشہ بہشت بریں کا — جہنم سے محفوظ دل ہمنشیں کا
وہ خُلقِ حسن حق نے بخشا ہے اُن کو — وہی جانتا ہے جس نے دیکھا ہے اُن کو
وراثت سیادت کی زیبا ہے اُن کو — غریبوں سے اُلفت کا چسکا ہے اُن کو
ہے نفع خلائق کا ہر لحظہ شیوہ — بسر عمر کا اس میں ہوتا ہے حصہ
ہر اک شخص پر اُن کی یکساں نظر ہے — یہی رازِ اُلفت طلسم اثر ہے
نہ مطلب کسی سے نہ مطلوب زر ہے — گزرتی ہدایت میں شام و سحر ہے
زباں پر ہے اللہ کا نام جاری — زبس وردِ اسلام دل میں ہے ساری
نہ افعال میں اُن کے سمع وریا ہے — بَری کبر و نخوت سے ہر اک ادا ہے
خدا کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے — غضب بھی اگر ہے تو رحمت بھرا ہے
ہے تصویر لُطف و کرم ذاتِ عالی — جلالی پہ غالب صفاتِ جمالی
دُعا پر کریں ختم اَب مدعا کو — ملے خضر کی عمر اس پیشوا کو
رہے تقویت اِن سے دینِ ہدیٰ کو — ہیں محبوب ایسے رسولؐ خدا کو

سدا اِن کا سایہ ہو طالب کے سر پر
پڑے پر تو اُن کا دلِ ہر بشر پر

آپ کی وفات حسرت آیات ۲/محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ۳۱/مئی ۱۹۳۰ء بروز ہفتہ ہوئی اور قبرستان ''خطۂ صالحین'' حیدر آباد دکن میں آخری آرامگاہ بنی۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور بابت جون ۱۹۱۸ء ص ۱۰، جولائی ۱۹۱۸ء ص ۱۸، ۱۹۔
(۲) مکتوبِ گرامی حضرت مرزا ذوالفقار علی بیگ جماعتی ؒ بنام محمد صادق قصوری از حیدر آباد دکن محررّہ ۱۶/ اپریل، ۶/ اگست ۱۹۷۷ء۔

میاں محمد امیر اللہ کلانوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۳۹ء ـــــــــ ۱۹۳۴ء)

میاں محمد امیر اللہ بن میاں نور محمد کی ولادت ۱۸۳۹ء میں کلانور ضلع گورداسپور (حال مشرقی پنجاب، بھارت) میں ہوئی۔ میاں نور محمد اپنے قصبہ کے نمبردار و علاقہ کے ذیلدار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت نیک سیرت اور درویش منش انسان تھے اور اُنہیں کلانور کے مشہور بزرگ حضرت سیّد بڈھن شاہ ؒ سے گہری ارادت تھی اور میاں صاحب اُن چند خوش نصیبوں میں سے تھے جن کو ہر وقت حضرت بڈھن شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اجازت تھی۔

میاں محمد امیر اللہ ؒ، نمبردار، ذیلدار ہونے کے علاوہ آنریری مجسٹریٹ، میونسپل کمیٹی کے چیئرمین اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر بھی تھے۔ آپ کے سر میاں محمد شفیع آف باغبانپورہ، لاہور (۱۸۶۹ء۔۱۹۳۲ء) کے ساتھ گہرے روابط تھے۔ آپ نے کئی دفعہ انجمن ارائیاں کے جلسوں کی صدارت بھی کی۔ اپنی گوناگوں مذہبی، ملّی اور سیاسی خدمات کی بدولت ہر دلعزیز تھے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مُسلم بھی عزت کرتے تھے۔ جب کبھی گھر سے نکلتے تو بازاروں میں لوگ اپنے کاروبار چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے۔ بیماروں کی تیمارداری اور غریبوں کی مالی امداد آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

آپ کا دستور تھا کہ روزانہ تہجد، نماز فجر اور تلاوتِ قرآن مجید سے فارغ ہو کر باہر

زمینوں پر تشریف لے جاتے اور واپسی پر ملاقات کے لئے منتظر لوگوں سے ملاقات فرماتے اور اُن کے کام سرانجام دیتے۔ دوپہر کا کھانا تناول فرمانے کے بعد آرام فرماتے اور ظہر کی اذان ہوتے ہی مسجد میں تشریف لے جاتے۔ نماز سے فارغ ہو کر حُجرے میں قیام کرتے جہاں لوگ ملاقات کے لئے آتے جاتے۔

میاں صاحب کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ مگر ساری عمر کسی کو بیعت نہیں کیا۔ پیرومرشد کی نظر عنایت سے کئی ایک عملیاتِ ودَم کی بھی اجازت تھی۔ مثلاً تلی کا علاج، سانپ کا کاٹا، بچھو کا کاٹا، کُتے کا کاٹا، ہجیراں، چنبل وغیرہ کا علاج دَم سے کرتے تھے اور لوگ صحت یاب ہو جاتے تھے۔

میاں صاحب کو اپنے پیرومرشد سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ درحقیقت ''فنافی الشیخ'' تھے۔ آپ کے صاحبزادے میاں محمد صدیق کو شکار کا بہت زیادہ شوق تھا۔ کلانور سے دریائے راوی چار میل کے فاصلے پر ہے جہاں مرغابی وغیرہ کثرت سے ہوتی تھی۔ جب بھی میاں محمد صدیق مُرغابی، تیتر اور سُرخاب وغیرہ کا شکار کر کے لاتے تو میاں صاحب وہ شکار حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں علی پور سیّداں بھیج دیتے اور حضرت اظہارِ خوشنودی فرماتے۔

ایک دفعہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کلانور تشریف لائے تو کھانے کے وقت بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ، میاں صاحب کو ساتھ لے کر اندرونِ خانہ تشریف لے گئے اور تیار شدہ کھانے پر دَم کر دیا۔ پھر فرمایا کہ:۔

''اِس پر چادر ڈال دو اور اُس وقت تک چادر ڈالے رکھو جب تک لوگ کھانا نہ کھا لیں''۔

چنانچہ سب لوگوں نے کھانا کھا لیا اور کافی مقدار میں بچ بھی رہا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے آپ کی قُربت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ کے برادرِ اکبر حضرت پیر سیّد نجابت علی شاہ (۔۔۔ء۔۱۹۱۸ء) کی اہلیہ وفات پا گئیں تو عرصے تک اُنہوں نے شادی نہ کی۔ ایک دفعہ میاں صاحب (میاں

امیر اللہ) حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ شاہ صاحب سے شادی کے لئے پوچھنا چاہئے۔ حضرت نے فرمایا: ''مجھ میں تو اتنی جرأت نہیں ہے، آپ خود دریافت فرمالیں''۔ چنانچہ میاں صاحب نے سیّد نجابت علی شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شادی کے لئے گزارش کی تو وہ رضا مند ہو گئے لیکن شرط یہ لگائی کہ ''لڑکی نجیب الطرفین سیّد زادی ہو اور شادی ایک ہفتہ کے اندر اندر ہو جانی چاہئے''۔ چنانچہ میاں صاحب، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ خوشخبری سُنائی اور رشتہ تلاش کرنے کی ذمّہ داری اپنے اوپر لے لی۔

کلانور واپس آ کر میاں صاحب نے سیّد محمد حسین سجادہ نشین سیّد بڈھن شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کی ہمشیرہ کے متعلق بات چیت کی اور رشتہ طے پا گیا۔ بارات میں حضرت امیر ملّت کے مریدوں اور عقیدتمندوں میں سے بڑے بڑے لوگوں نے شرکت کی۔ کلانور میں شادی کا سارا بندوبست میاں صاحب نے نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ آپ کی انہی خدمات کی بدولت حضرت امیر ملّت آپ پر خصوصی لطف و کرم فرماتے تھے۔

میاں صاحب نے ۱۹۲۱ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر اشکبار آنکھوں سے حاضری دی۔ عربوں کی دل و جان سے خدمت کیا کرتے تھے۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تہوار بڑی دُھوم دھام سے منایا کرتے تھے۔ اُس دن مٹھائی اور کھانا تقسیم کرتے اور جلسہ و جلوس کا اہتمام کرتے۔

آپ کا قد دراز، جسم پتلا اور رنگ سفید تھا۔ داڑھی مبارک سفید تھی۔ عام طور پر سفید پگڑی باندھا کرتے اور بہت خوش پوش تھے۔ باوجود رئیس ابنِ رئیس ہونے کے طبیعت میں بے حد انکسار تھا۔ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے۔

آپ کی وفات حسرتِ آیات کے بارے میں آپ کے پوتے میاں ارشاد احمد ایڈووکیٹ لاہور، راوی ہیں کہ میری ہمشیرہ کی شادی کی تاریخ مقرر کرنا تھا۔ تاریخ مارچ کے پہلے یا دوسرے ہفتہ میں مقرر کرنے کا خیال تھا لیکن میاں صاحب نے فرمایا کہ:۔

''یہ تاریخ موزوں نہیں ہے۔ شادی کی تاریخ

اس سے دو تین ہفتے پہلے مقرر کی جائے کیونکہ ہم نے خداوند کریم سے کچھ دن زندہ رہنے کی مہلت مانگی ہے"

چنانچہ شادی کی تاریخ ۲۲/ فروری ۱۹۳۴ء مقرر کی گئی۔ شادی بخیر و خوبی انجام پائی۔ اس کے بعد ایک ہفتہ علیل رہ کر ۱۱/ مارچ ۱۹۳۴ء مطابق ۲۴/ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ بروز اتوار قبل اذانِ فجر خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔

نماز جنازہ حسبِ وصیّت مولوی محمد یوسفؒ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ چار دفعہ ادا کی گئی کیونکہ بے شمار لوگ اِرد گرد سے چلے آ رہے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ بھی فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائے اور واپسی پر شہر سے دو میل دُور تک بے شمار لوگ رخصت کرنے کے لئے آئے اور حضرت بھی اُن لوگوں کے ساتھ دو میل پیدل ہی چلے"۔

-----------ماخذ-----------

(۱) "سیرتِ امیر ملّت" مطبوعہ علی پور سیدّاں ۱۹۷۵ء ص ۲۰۴، ۲۴۷۔

(۲) قلمی حالات مرتبہ میاں ارشاد احمد ایڈووکیٹ لاہور (نبیرہ میاں صاحبؒ) مملوکہ محمد صادق قصوری)

/☆/☆/☆/☆/

سیّد محمد غوث سکھو چکی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۷۱ء-------------------۱۹۳۶ء)

الحاج مولانا حکیم پیر سیّد محمد غوث بن مولانا حکیم سیّد برکت علی سہروردیؒ کی ولادت ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں موضع آوانکہ متصل دینا نگر ضلع گورداسپور (بھارت) میں ہوئی۔ تاریخی نام "منظور احمد" اور عرفی نام محمد غوث تھا۔ سلسلۂ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔

آپ کے والد ماجد نہایت متقی، پرہیز گار، عالمِ باعمل اور طبیب اکمل تھے۔ آپ نے قرآن مجید مع ترجمہ اور عربی و فارسی کی دیگر کتابیں والد گرامی سے پڑھیں۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں والد گرامی نے رحلت فرمائی تو آپ کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ برادر خورد سیّد احمد غوث کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ کوئی سر پرست نہ تھا، اِن پریشان کن حالات میں آپ کے والد گرامی کے مخلص مریدوں جو موضع ٹُور تحصیل گورداسپور میں تھے، نے آپکی ہر قسم کی سر پرستی کا بیڑا اُٹھایا۔ چنانچہ آپ نے مولانا الف دین دینا نگری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ پھر لاہور، لُدھیانہ اور دہلی میں مختلف اساتذہ سے تکمیل علم کی۔ اور کتب طب قانونِ شیخ تک مولانا حکیم شمس الدین لدھیانویؒ اور مولانا حکیم محمد امام الدینؒ سے پڑھیں۔ بعد از فراغت اپنے چھوٹے بھائی سیّد احمد غوث کو قرآنِ پاک حفظ کرایا اور علومِ دین سے فائز المرام فرمایا۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں سُکّھو چک ضلع گورداسپور (حال ضلع نارووال) میں تشریف لائے تو مسلمانانِ سُکّھو چک نے اپنے ہاں سکونت اختیار کرنے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل کر کے سُکّھو چک جلوہ افروز ہو گئے۔ اور ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء تک محض لوجہ اللہ خدمتِ دین کی اور عوام کو علم کی برکت سے بہرہ ور فرمایا۔ طبابت میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ اعلیٰ درجے کے نباض تھے۔ علاقہ بھر کے لوگ آپ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ آپ کا وجود دینی و دنیوی حاجات کے لئے مرجع خاص و عام تھا۔ ہندو، مسلمان سب آپ کے گرویدہ تھے اور دیدہ دل فرش راہ کرتے تھے۔ غریبوں کی دستگیری اور یتیموں کی سر پرستی آپ کا شعار تھا۔

ضلع گورداسپور میں آپ کے پایہ کا کوئی عالم نہیں تھا۔ فرقہ وہابیہ اور شیعہ آپ کا نام سُن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مناظر تھے۔ تبحرِ علمی کا یہ حال تھا کہ علمائے لاہور و امرتسر حضرت مفتی محمد عبداللہ ٹونکیؒ (۱۸۵۰ء۔۱۹۲۰ء) مولانا غلام قادر بھیرویؒ (۱۸۴۹ء۔۱۹۰۹ء)، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسریؒ (۱۸۵۳ء۔۱۹۳۳ء)، مولانا غلام احمد اخگر امرتسریؒ (۱۸۶۴ء۔۱۹۲۷ء)، مولانا پیر خیر شاہ امرتسری

(۔۔۔۱۸ء۔۱۹۲۰ء)، مولانا پیر سلام الدینؒ (ف ۱۹۴۸ء) خطیب جامع مسجد میاں محمد جان امرتسر اور مولانا ابو یوسف عبد الصمد رحمہم اللہ علیہم جیسے مقتدر حضرات نے آپ کو ''شمس العلما'' کے خطاب سے نوازا تھا۔

حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو ۱۱/مئی ۱۹۱۱ء بروز جمعرات بر موقعہ سالانہ اجلاس علی پور سیّداں اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ اور کئی دفعہ آپ کی تقریر دلپذیر سے خوش ہو کر دستار مبارک اور نقری تمغے عنایت فرمائے۔ علاوہ ازیں آپ کو حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ ثانی علی پوریؒ (۱۸۶۰ء۔۱۹۳۹ء)، حضرت قاضی سلطان محمود اعوان شریف (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۹ء)، حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑویؒ (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) اور حضرت پیر سیّد نجم الدین آف دوکوہا سے بھی خلافت واجازت تھی۔

عالم، فاضل، حکیم اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اعلیٰ درجے کے ادیب بھی تھے۔ آپ کے مضامین اکثر اخبار ''الفقہ'' امرتسر اور ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ فنِ مناظرہ میں تو مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ ۱۹۱۲ء میں موضع فنڈر تحصیل رنبیر سنگھ پورہ ضلع جموں (حال مقبوضہ کشمیر) میں جو مناظرہ ہوا، اُس نے آپ کی دھاک چارسُو بٹھادی۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ کا اشہبِ قلم خوب دوڑا۔ مندرجہ ذیل تصانیف یادگار چھوڑیں۔

(۱) ''آفتابِ محمدیؐ دررِدِ غیر مقلدان''، یہ کتاب فرقہ باطلہ وہابیہ کے رَد میں پنجابی زبان میں منظوم قلمبند فرمائی تاکہ معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔ (۲) مثنوی ہدیۃ السّالکین۔ (۳) مراد العاشقین (دیوانِ غوث) (۴) البحرح علی البخاری۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شعر وشاعری کا وہ پاکیزہ ذوق عطا فرمایا تھا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ تمام عمر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مناقبِ اہل بیتِ اطہار وصحابہ کبار واولیاء کرام کے سوا کوئی نظم نہیں لکھی۔ اکثر اوقات نماز تہجد کے بعد غلبۂ محبتِ رسول اکرم علیہ التحیہ والثناء میں سرشار ہو کر پُرنم آنکھوں سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کرتے۔

ادعوک کل یوم یا سیّدِ الا نامؐ

تازندہ ام نگردم من ہذا العقیدہ

اذیت فی فراقِ احبتی بلطفٍ

آبِ حیاتِ وصلت بر میستم چکیدہ

مزید عرض کرتے ہیں۔

جمالک فی عینی وذکرک فی فمی وحبک فی قلبی فاین لغیب

حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی شانِ اقدس میں آپ نے عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی میں بے شمار قصائد لکھے۔ ذیل میں ایک پنجابی قصیدہ نقل کیا جاتا ہے۔ جسے بارگاہِ امیرِ ملّت قدس سرّہٗ سے شرفِ قبولیت بھی حاصل ہے۔

میں صدقے جاں اُس مُرشد دے جس سبق پڑھایا الا اللہ

کر دُور سیاہی اندر دی وچ چانن لایا الا اللہ

جس دُور کیتا وسواساں نوں جھب رُناں پیا خنّاساں نوں

بَر لایا دل دی آساں نوں جی وچ بسایا الا اللہ

اوہ مرشد صورت نوری اے جہدے ڈٹھیاں قرب حضُوری ہے

اوہدی رب اگے منظوری اے دَہ مزا چکھایا الا اللہ

اوہدی حافظ ذات الٰہی ہے اوہدا نام جماعت شاہی ہے

وچ باطن بے پرواہی ہے، سینے نور سمایا الا اللہ

اوہ عارف پاک ربانی اے، اوہ ولیاں وچ لاثانی ہے

اوہدی چن جیہی پیشانی اے وچ نقش لکھایا الا اللہ

اوہ پیر علی پور والا ہے اوہدا شان مبارک اعلیٰ ہے

اوہدا مُلکاں وچ اجالا اے سَر چھتر سہایا الا اللہ

اس جگ وچ نور کھنڈایا اے بے سمجھاں نوں ولی بنایا ہے

بے خبراں دین سکھایا اے بھر جام پلایا الا اللہ

اس بگڑے کم سوارے نے کئی ڈبدے جاندے تارے نے
بن گئے خدادے پیارے نے جد ذکر کمایا الا اللہ

ہاں سائل کئی مہینے دے بھر نور دئیں وچ سینے دے
جیویں تینوں وچ مدینے دے پرنور بنایا الا اللہ

محمد غوثؔ تے کریں نگاہ شاہا ہو خودی غرور فنا شاہا
تیں اوپر فضلِ الہٰ شاہا خوش رنگ چڑھایا الا اللہ

آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ نہایت متقی، متبعِ شریعت اور واقف اسرارِ طریقت تھے۔ مزاج مبارک میں حد درجہ تواضع تھی۔ نہایت سخی تھے۔ غرباء کا علاج مفت کرتے تھے بلکہ خوراک کا بندوبست بھی فرماتے تھے۔ خدمتِ خلق آپ کا شعار تھا اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادہ و دَلق نیست،

آپ کی وفات حسرت آیات ۹/ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۱۹۳۶ء بروز پیر بعد نماز عصر سکھّو چک تحصیل شکر گڑھ ضلع سیالکوٹ (حال ضلع نارووال) میں ہوئی۔ مزارِ اقدس مرجعٔ خاص و عام ہے۔ آپ کے صاحبزادے سیّد محمد حسین ظفرؔ (ف ۱۹۷۸ء، فیصل آباد) نے آپ کی یہ تاریخ وصال کہی ۔

چشمِ دنیا چراست گریہ کناں — از غم کیست چاک جیبِ جہاں
شورِ ماتم چرا است در ہر جا — بیقرار است قلبِ ہر انساں
گشت ویراں گلشنِ آفاق — شُد پریشاں سنبل و ریحاں
چشم واماند نرگس از حیرت — سرو ایستادہ بادلِ حیراں
والدی سیّد محمد غوث — ہادیٔ خلق و مُرشدِ دوراں
فخرِ صُلحا و سیّد السّادات — بحرِ عرفاں و ہادیٔ دوراں
قدوۂ عارفاں فی الدّرجات — شبلیٔ وقت بایزید زماں

کرد پرواز بُلبُلِ رُوحش | شُدز دنیا بسُوئے باغ جناں
بود ہمچُو جنابِ جدّ ِ امجد | مُونس بے کساں وخستہ رواں
از دہاں مے فشاند برگِ گُل | چُوں نمودے تلاوتِ قرآں
وعظ گفتے چوں از کلام اللہ | بحرِ توحید مے نمود۔ رواں
''بے بدل مدّاحِ پیغمبر'' | ہست تاریخِ آں ولئِ زماں

۱۳۵۵ھ

ماخذ

(۱)''سیرتِ امیرِ ملّت''مطبوعہ علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ ۱۹۷۵ء ص ۲۰۴۔
(۲)''انوارِ لاثانی''مطبوعہ لاہور، ۱۳۶۴ھ ص ۲۳۲، ۳۳۳۔
(۳)''گلزار مدینہ''مطبوعہ لاہور، ۱۳۳۷ھ، ص ۶۵۔
(۴)''مرادالعاشقین''از سیّد محمد غوث مطبوعہ اُردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور، ص ۱۰۶۔
(۵) ماہنامہ''انوار الصوفیہ''لاہور بابت جون ۱۹۱۱ء، ص ۸۔
(۶) ماہنامہ''انوار الصوفیہ''سیال کوٹ بابت مئی، ۱۹۴۰ء ص ۲۔
(۷) مکتوبِ گرامی حضرت الحاج پیر محمد عبدالحمید خاںؒ از ظفر وال بنام محمد صادق قصوری محررہ ۴/ اگست ۱۹۷۶ء۔

/☆/☆/☆/☆/

خواجہ احد شاہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

(ـــــــــــــــــــــــــ ۱۹۳۶ء)

حضرت خواجہ احد شاہ بڑے عالم، نیک، متقی اور پارسا بزرگ تھے۔ بہت لوگوں کو فیض پہنچایا اور داخل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ کر کے پکّا دیندار بنایا۔ آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ ہال بازار امرتسر (بھارت) میں کتابوں کی دکان تھی اور اپیل نویسی کا کام بھی کرتے تھے۔

اُستاذی حکیم ملّت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ثم لاہوریؒ (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) کے ارشاد کے مطابق آپ کی وفات حسرت آیات ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ ہوئی۔ واللہ اعلم۔

---------- ماخذ ----------

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' از سیّد اختر حسین علی پوری / پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۳۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور۔۱۹۷۳ء ص ۴۷۔

(۳) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ، ص ۱۶۳۔

(۴) ''برکاتِ علی پور شریف'' از پیر خیر شاہ امرتسری مطبوعہ امرتسر (حال بھارت) ۱۳۲۶ھ ص ۱۵، ۱۶۳۔

(۵) مکتوبِ گرامی الحاج ڈاکٹر محمد یٰسین امرتسریؒ از راولپنڈی بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۴/ جنوری ۱۹۷۷ء۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر زہیر عاقل شاہی میسوُری رحمۃ اللہ علیہ

(-------------- ۱۹۳۷ء)

آفتابِ میسوُر پیر سیّد قلندر پیراں قادری نقشبندی المعروف زہیر عاقل شاہی درگاہ شریف چنپٹن ضلع بنگلور، ریاست میسوُر (بھارت) کے سجادہ نشین اور سلاطینِ میسور کے مرشد زادہ تھے۔ آبائی سلسلہ قادری تھا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بھی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ میں خلافت یافتہ تھے۔

زہیر عاقل شاہی نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی زیرِ قیادت مذہبی، ملّی اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ مرکزی خلافت کمیٹی کے ممبر اور صوبائی خلافت کمیٹی بنگلور کے نائب صدر کی حیثیت سے فعال رہے۔ انسدادِ فتنۂ قادیاں کے لئے تقریری و تحریری

میدان میں مؤثر اور قابل ذکر کام کیا۔ نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھیں جو طبع بھی ہوئیں مگر سب کی سب نایاب اور عنقا ہیں۔

۱۹۳۴ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ جب میسوُر تشریف لائے تو مخالفین کے ایماء شہر میسوُر کے کسی فرضی نامہ نگار نے اخبار ''مدینہ'' بجنور میں یہ گمراہ کُن خبر چھپوادی کہ ''پیر جماعت علی شاہ نے عصر کی فرض جماعت ترک کر کے اپنا سارا وقت وعظ و نصیحت میں گزار دیا اور باوجود آگاہی کے اس طرف توجہ نہ دی''۔ حضرت زہیر عاقل شاہیؒ نے ''اظہارِ حق'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اس کذب و افتراء کی پرزور تردید کی گئی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ جب بھی میسوُر کے علاقہ میں تشریف لاتے تو آپ اُن کے قدموں کے ساتھ ساتھ رہتے اور جلسوں سے خطاب فرماتے۔

شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی تھی۔ افسوس کہ آپ کی کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوسکی۔ ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں غازی علم الدین شہیدؒ کی شہادت پر آپ نے جو بے مثال قطعۂ تاریخ کہا وہ نقل کیا جاتا ہے۔

ہزار آفریں لاکھوں ستائش تجھ پر	تو عشقِ سرورؐ عالم میں لے گیا بازی
کیا جو اہلِ بدر نے وہ کام تو نے کیا	نہ کیوں ہو خلد بریں میں تیری سرفرازی
سر اپنا اُونچا کیا تیری سرفروشی نے	دلوں میں شمعٔ شہادت ہے تیری جانبازی
ہیں تر زباں تیری مدحت میں مُسلمِ دہر	ہوں چینی رُومی و ہندی کہ مصری و تاتاری
یہ اِک مثال ہے تیری حیاتِ ابدی پر	تھی تیری نعش نکل کر بھی قبر سے تازی
سنِ شہیدِ ملّت یہ یادگار ہے	ہے ہجری عیسوی سالِ شہادتِ غازی

سرِ ادب سے سُنایا ہے قدسیوں نے زہیر

''زہے تقاضۂ قسمت''۔ ''شہید ہو غازی''

۱۹۲۹=۱۹۲۸+۱ ۔ ۱۳۴۸ھ

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے آپ کو جو عقیدت و محبت تھی وہ ذیل کی منقبت سے ظاہر ہے۔

تذکرہ خلق میں اب شام وسحر کس کا ہے آج ہر دیدۂ مشتاق میں گھر کس کا ہے
آج ہر قلبِ مصفا میں گزر کس کا ہے آج پھر شان وتجمّل سے سفر کس کا ہے

کون بیٹھا ہے یہاں شاہِ جماعت بنکر
بزمِ اسلام میں اللہ کی رحمت بنکر

ہند میں کس کو علی ابنِ علیؓ کہتے ہیں سندھ وپنجاب ودکن حق کا ولی کہتے ہیں
کس کو گلزارِ نبوّت کی کلی کہتے ہیں کس کے کوچہ کو ہدایت کی گلی کہتے ہیں

دھوم سے خلق میں اللہ کا پیارا ہے پھر
حق کے محبوب کی آنکھوں کا ستارا ہے پھر

تجھ سے کیوں زندہ نہ ہو دینِ رسولِ عربیؐ تو ہے ہمنامِ علیؓ ابن علیؓ سبطِ نبیؐ
وصفِ عثمانؓ بھی تیرے میں ہے اور خُوئے علیؓ کیوں نہ خورسند رہیں تیرے سے عثمانؓ وعلیؓ

کفر والحاد کے آثار مٹائے تو نے
دین وعرفان کے اسرار دکھائے تو نے

مسجدیں تیری ہدایت سے ہوئیں پھر معمور پھر برسنے لگا ہر منبر ومحراب سے نور
مئے عرفان سے رہا ہر دلِ مُسلم میں سرور بادۂ عشق ومحبت سے ہیں سارے مخمور

بادۂ مہر جب آنکھوں سے چھلک جاتا ہے
گردشِ ساغرِ عرفاں کا مزہ آتا ہے

تجھ سے پھر مسجد ومحراب نے پائی رونق پھر پڑھے جانے لگے حکمت وعرفان کے سبق
خنجرِ عشق سے پھر ہونے لگے سینے شق چشمِ باطن میں سمانے لگا حسنِ مطلق

غش پہ غش کھاتے ہیں یاروں نے ترے کیا دیکھا؟
تیری صورت میں کہیں یار کا جلوہ دیکھا

ہند سے سُوئے دکن قُدسی بشر آیا ہے حیدر آباد میں حیدرؓ کا پسر آیا ہے

خلق کہتی ہے ہدایت کو خضرؑ آیا ہے نخلِ اُمید میں بَن بَن کے ثمر آیا ہے

پھول یک پل میں تمناؤں کے کِھل جاتے ہیں

بندے بھٹکے ہوئے اللہ سے مل جاتے ہیں

جب ہدائت کیلئے گھر سے سفر کرتے ہیں دلِ اغیار میں کس لطف سے گھر کرتے ہیں

جب سیہ کاروں پہ رحمت سے نظر کرتے ہیں ہتھیلیاں قدموں پہ ایثار گُہر کرتے ہیں

جب نگاہوں سے ہدائت کی جھلک ہوتی ہے

ہر مسِ قلب میں کُندن کی دمک ہوتی ہے

آمد ورفت سے تیری یہ زمیں ہے پُر نور چشم ودل بن گئے پھر جلوہ گہِ نور وسرور

کیوں حضوری سے تری فیض نہ پائینگے حضور شرفِ دید ترا باعثِ رحمت ہے ضرور

بزمِ اقدس سے تری خُلد کو نسبت کیا ہے

سامنے اُس کے وہ جنت کی حقیقت کیا ہے

ہے وہاں کوثر وتسنیم یہاں آبِ لقا حُور وغلمان وہاں اور یہاں قربِ خُدا

شہد وشیر وہاں اور یہاں نورِ ہُدیٰ مئے گل رنگ وہاں یاں نگہِ ہوش رُبا

فخر جو تیری حضوری کا یہاں رکھتے ہیں

باغِ فردوس کی پرواہ کہاں رکھتے ہیں

آج پھر پیرِ علی پور سفر کرتے ہیں اپنے مشتاقوں کو مجبور اِدھر کرتے ہیں

جب وہ غمگینوں پہ رحمت سے نظر کرتے ہیں سب یہ کہتے ہوئے ایثارِ گُہر کرتے ہیں

یہ جہاں جائیں زہیرؔ حفظِ خدا یار رہے

فضلِ حق جملہ مصائب سے نگہدار رہے

حضرت زہیرؔ عاقل شاہی نے سترہ اٹھارہ دن کی علالت کے بعد مئی ۱۹۳۷ء میں شہر میسوُر میں انتقال فرمایا۔ بعد نماز جمعہ مسجد درگاہی میسوُر میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

ارادتمندانِ منڈیا نے بصد منتِ ورثاء ۵ بجے شام جنازہ منڈیا لاکر سپردِ خاک کیا۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''تذکرہ شاہِ جماعت'' از فیاض بلگوڈوی مطبوعہ میسور ۱۹۵۴ء ص ۲۰۷ تا ۲۱۳۔

(۲) ''آفتابِ عالمتاب'' از بخشی مصطفیٰ علی خان مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء ص ۳۱۔

(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت فروری ۱۹۳۰ء ص ۲۵ تا ۳۱۔ جون ۱۹۳۷ء ص ۴۰۔

(۴) ''تذکرہ شعرائے جماعتیہ'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں ضلع قصور ۲۰۰۶ء صفحہ ۴۷، ۴۸

/☆/☆/☆/☆/
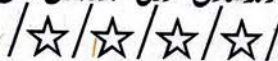
سیّد جعفر علی کلانوری رحمۃ اللہ علیہ

(-----------------------۱۹۴۰ء)

حضرت سیّد جعفر علی، کلانور ضلع گورداسپور (حال مشرقی پنجاب، بھارت) کے رہنے والے اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے حقیقی ماموں زاد بھائی اور خلیفہ تھے۔ کلانور اور بیکانیر کے علاقہ میں سلسلہ عالیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی وفات حسرت آیات ۱۹۴۰ء میں ہوئی اور بیکانیر (راجستھان، بھارت) میں مزار مقدس بنا۔

۱۵/ اگست ۱۹۴۰ء کو حضرت امیر ملّتؒ کے مریدان باصفا سیّد فیض محمد بیکانیریؒ اور منشی عمر الدین شیدا بیکانیریؒ (ف ۱۹۶۷ء) نے احباب کے ہمراہ آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ ختم خواجگان پڑھا، دُعا کی اور نعت خوانی بھی ہوئی۔ اس کے بعد سیّد فیض محمدؒ نے یہ قصیدہ آپ کی شان میں پڑھا۔

کیا گلِ باغِ طریقت کا یہ اک انبار ہے ۔۔۔ یا خدا کوئی مزار پاک پُر انوار ہے

آج ہے کیا رحمتِ باری تعالیٰ کا نزول ۔۔۔ آج ہر زائر محبت میں جو یوں سرشار ہے

منبعٔ فیضان عجب تھے سیّد جعفر علی ! ۔۔۔ جن کا یوں پُرفیض قائم آج یہ دربار ہے

اُس کو سونا چھوڑ کر جو جا بسے باغِ جناں ۔۔۔ وہ یہی تو باغباں تھے جن کا یہ گلزار ہے

اُن کو تھی یارانِ بیکانیر سے اُلفت کمال ۔۔۔ اُن کا رہنا بھی یہاں کب خالی از اسرار ہے

اُن کے پرتو سے چمک اُٹھا ہے ذرّہ ذرّہ آج اُن کے جلوہ سے ہی روشن ہر در و دیوار ہے

فیض اپنا جانشیں ہم کو دیا وہ شیخ نے
سلسلہ میں اُن کے جو یکتا ہے اور سردار ہے

منشی عمر الدین وکیل شیدا بیکانیری نے بھی عقیدہ عقیدت پیش کیا۔

غم میں اس پردہ نشیں کے شیشۂ دل چور ہے کیا کرے کچھ بس نہیں چلتا ہے یہ مجبور ہے
جب سے پردہ آپ نے ہم سے کیا ہے سیّدی چشم بھی گریاں ہمارا قلب بھی رنجور ہے
شیخ کا اپنے اُنہوں نے نام روشن کر دیا یہ وہ ہی بستی ہے یارو جو بہت مشہور ہے
وہ پلایا جامِ اُلفت آپ نے مولا ہمیں آج جو محفل میں ہے وہ مست اور مسرُور ہے
دیکھ کر جلوہ تمہارا ہو گئے بے ہوش سب جلوۂ پردہ نشیں کیا برقِ کوہ طُور ہے
وہ مئے عرفاں ملی ہے شیخ سے اپنے تمہیں پس پلادی جس کو تم نے مست اور مسرُور ہے
پیر بھائی بھی ہیں یہ اور خادمِ دیرینہ بھی آپ کی خدمت کی خاطر ایک اک مامور ہے
رات دن رحمت برستی ہے مزار پاک پر حضرت جعفر کا روضہ، روضۂ پُر نور ہے
حاضری اپنی ہوئی ہے آج اس دربار میں آج شیدا ہر بلا اپنی پرائی دُور ہے
فیض ہے شیخ علی پوری کا شیدا دیکھ لو آج بیکانیر میں یہ دولت مستُور ہے

ہو مبارک تم کو شیدا مل گئی ہے شیخ سے
اللہ اللہ کی وہ دولت جو سراپا نور ہے

-------------ماخذ-------------

(ا) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت ستمبر ۱۹۴۰ء ص ۱۶، ۲۸ تا ۳۰۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد وقی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

(---------------------۴۱_۱۹۴۰ء)

مولانا محمد وقی پانی پت (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ شیعہ مذہب سے تعلق

رکھنے کی وجہ سے علماء ومشائخِ اہلسنت کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھے۔میانوالی میں جبکہ آپ نقل نویس کی آسامی پر فائز تھے، ایک دفعہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ اس علاقہ میں جلوہ افروز ہوئے۔آپ بھی حضرت اقدس کا واعظ سُننے کے لئے تشریف لے گئے۔ دورانِ وعظ حضرت والا مرتبت کی نظرِ کیمیا اثر آپ پر پڑی تو شیعہ مذہب سے تائب ہوکر حلقۂ غلامی میں داخل ہوگئے اور پھر اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

آپ ہر سال بلاناغہ علی پور شریف سالانہ جلسہ پر حاضر ہوتے تھے۔یارانِ طریقت سے بہت محبت کا اظہار فرماتے تھے۔حضرت مولانا عبدالمجید قصوری (۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۶ء) سے خصوصی روابط تھے۔حضرت الحاج مولانا ذاکر علی رُہتکی (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۹ء) نے بھی رُوحانی استفادہ کیا۔

۳۸۔۱۹۳۷ء میں پنشن لے کر سونی پت میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔یہاں محلّہ پیرزادگان میں آپ کی شادی ہوئی تھی اور آپ کی دختر نیک اختر کی شادی بھی اسی محلّہ کے رہنے والے ماسٹر مہدی حسن صاحب سے ہوئی تھی۔اسی قیام کے دوران بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔قریب کی مسجد میں بعد نماز مغرب حلقہ بھی کرایا کرتے تھے۔تصوّف کے موضوع پر بہت بڑا کتب خانہ تھا۔

۴۱۔۱۹۴۰ء میں آپ کی رحلت ہوئی اور پانی پت میں مدفون ہوئے۔جہاں آخری بیماری میں اُن کے عزیز واقارب لے گئے تھے۔وصال سے قبل وصیّت فرمائی کہ اُن کی تمام کتابیں حاجی ذاکر علی صاحب رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ کو دے دی جائیں۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

-------------ماخذ-------------

(۱) مکتوب گرامی حاجی ذاکر علی صاحب ازکراچی بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۱۴/ مارچ ۱۹۷۸ء

پیر حیات محمد سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

(-------------------۱۹۴۲ء)

حضرت پیر حیات محمد بن پیر بہار شاہ کی ولادت سیال کوٹ میں ہوئی۔آپ کے

آباؤاجداد بیج وہاڑہ (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ چند پشت اوپر بزرگ وہاں سے نقل مکانی کر کے سیال کوٹ کے دیہات میں مقیم ہو گئے تھے۔آپ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے خصوصی مرید اور اکابر خلفاء میں سے تھے۔۱۲/مئی ۱۹۳۹ء بروز جمعۃ المبارک سالانہ اجلاس علی پور شریف، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو دوبارہ خلافت سے نوازا اور ہمیشہ خصوصی شفقت فرماتے رہے۔آپ نے بھی دین کی سربلندی کے لئے بڑی خدمات انجام دیں۔

آپ بڑے متقی، بزرگ، شب زندہ دار، صاحبِ کشف وکرامت ولی اللہ، خوش وضع، خوش خلق اور اسم با مسمی تھے۔علم باطن میں بحرِ بیکنار تھے۔مجلس میں رونق افروز ہوتے تو مجلس منوّر ہو جاتی۔بہت باحیا اور صاحبِ اسرار تھے۔حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے کشمیر کے دوروں میں آپ ہمراہ ہوتے اور حضرت کے مواعظ حسنہ کشمیری زبان میں ترجمہ کر کے عوام کو مسحور کرتے۔خود بھی اکثر کشمیر کے دوروں پر تشریف لے جاتے اور وعظ ونصیحت سے خلقِ خدا کو فیض یاب فرماتے۔آپ نے اپنی عمر شریف کا بیشتر حصہ مخلوقِ خدا کی خدمت، دینِ حقہ کی رہنمائی اور سلسلہ عالیہ کی ترویج میں بسر فرمایا اور تمام ملّی تحریکوں میں پیر ومرشد کی زیر قیادت حصہ لیا۔۱۹۳۲ء میں حجِ بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضہ شریف سے مشرّف ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۱/ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۶/ جون ۱۹۴۲ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب ہوئی۔وفات کی خبر آناً فاناً شہر سیال کوٹ میں پھیل گئی۔اور یارانِ طریقت ملک عبدالعزیز کوٹلوی، عبدالکریم اور نظام الدین موٹر سائیکل کے ذریعے علی پور شریف پہنچے اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کو رحلت کی خبر دی۔دوسرے دن چار بجے بعد نماز عصر محلّہ کچی مسجد سے جنازہ اُٹھایا گیا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ تشریف لائے اور پیر صاحب مرحوم کے چہرہ کو دیکھا جو نہایت نورانی تھا۔فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلویؒ (۱۸۶۱ء۔۱۹۵۱ء) مولانا مفتی نور الحسنؒ (۱۸۶۰ء۔۱۹۵۵ء) خطیب جامع مسجد ملاّ عبدالحکیمؒ، مولانا امام الدین رائے پوریؒ

(۱۸۶۷ء۔۱۹۵۲ء) ایڈیٹر ''انوار الصوفیہ''، مولانا عبدالغنیؒ خطیب دو دروازہ (ف ۱۹۴۳ء)، مولانا محمد یوسف سیال کوٹیؒ (ف ۱۹۶۸ء)، مولانا سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری لاہوریؒ (۱۹۰۱ء۔۱۹۷۸ء) و دیگر علماء کرام کے علاوہ ہزاروں افراد کے اشکوں کے ہجوم میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خود بہ نفس نفیس پیر صاحب کے جنازہ کو اپنا کندھا دیتے ہوئے قبر تک پہنچے۔ اور اپنے رُوبرو اپنے محبوب خلیفہ کو سپُردِ خاک فرمایا۔ ماسٹر خواجہ محمد کرم الٰہی سیال کوٹی (۱۸۸۰ء۔۱۹۵۹ء) و دیگر دو ساتھیوں نے قبر میں اُتارا۔ قبر میں اُتارتے وقت چہرۂ انور منوّر و نورانی تھا۔

آپ کی رحلت پر ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ نے اپنی اشاعت ماہ جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۳ پر یوں تعزیتی شذرہ لکھا:۔

انتقالات

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

موت سے کس کو رُستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

''ناظرینِ کرام! ہمارے سلسلہ میں کون نہیں جانتا کہ عالیجناب حضرت مولانا الحاج پیر حیات محمد صاحب سیال کوٹی خلیفۂ مجاز اعلیٰ حضرت امیر الملّت سرکار علی پوری دامت برکاتہم نہایت مقبول و معروف ہستی تھے۔ عرصہ دراز سے سلسلِ البول بیمار تھے چنانچہ ہر ماہ کے رسالہ میں اُن کی صحتِ مزاجِ وہاج کے لئے آپ حضرات سے التماس کی جاتی ہے کہ ۱۱/ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۶/ جون ۱۹۴۲ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب اس دار المحن سے دار السرّ ور کو تشریف لے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اپنی زندگی میں نہایت زاہد و متورع و بزرگ الغرض ہر وصف و خلق پاکیزہ سے متصف تھے۔ نہایت پاک دل و سادہ مزاج ہونے کے علاوہ مہمان نواز و متواضع تھے۔ مگر جو منظر اُن کے جنازے کا تھا وہ صاف بتلا رہا تھا کہ یہ مرحوم و مغفور وجود ہے۔ حُسنِ اتفاق سے ہی بڑے بڑے شاندار اور مقتدر حضرات علمائے کرام جنازہ پر تشریف فرما ہوئے۔ ہفتہ کے دن ۴ بجے بعد دوپہر دائرہ لگے زئیاں میں ہزارہا مومنین و حفّاظ و علماء کی شمولیت میں

عالیجناب جامع الشریعت والطریقت شناورِ بحر حقیقت و معرفت اعلیٰ حضرت امیر ملّت سرکار علی پوری مدظلہٗ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنازۂ مرحوم کو قبل و بعد نماز کندھا مبارک دیا اور قبر مرحوم کے کنارہ پر بیٹھ کر اپنے مقبول و محبوب کو سپردِ خاک کیا۔ یہ منظر بالخصوص کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے۔ قبر میں اُتارنے کا شرف مخدومنا و مکرمنا حضرت مولٰینا خواجہ محمد کرم الٰہی صاحب و میاں محمد باقر صاحب و مہر محمد دین صاحب کو حاصل ہوا۔ مرحوم کا قبر شریف میں جاتے وقت چہرۂ انور نہایت منوّر و نورانی تھا۔ ایسے بزرگوں کے لئے موت بحکم الموت صبر وسیل الحبیب الیٰ الحبیب محبوب کے ملنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ حضرت پیر صاحب مرحوم نے اپنی وفات سے قبل پورے دو دن رات کسی کی طرف مخاطب ہو کر کلام نہیں کی۔ اپنے آپ کو اپنے مولا حقیقی کی طرف متوجہ کر کے ذکر فکر مراقبہ میں مشغول رہے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ محمد خلیل، محمد جمیل، محمد بشیر و محمد شریف۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اقبال مند بنادے اور اپنے والد مرحوم کے قدم بقدم چلادے تا کہ سلسلہ کی کمی کو جو آپ کی وفات سے ہوئی ہے، پورا کر دے۔ آپ کے چہلم کے ختم شریف کی تاریخ ۲۲/ رجب المرجب مطابق ۲۲/ ساون مطابق ۶/ اگست ۱۹۴۲ء قرار پائی ہے۔ ہر ارادتمند و دوست کا فرض ہے کہ وہ تاریخِ مقررّہ پر تشریف لا کر مجلس ختم شریف کی رونق کو دوبالا کریں"۔

آپ کے برادرِ طریقت پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے مندرجہ ذیل قطعاتِ تاریخ وصال کہے۔

"بسم اللہ الکافی العظیم" ۱۳۶۱ھ — "تواریخ وصال ابدی" ۱۳۶۱ھ

"مرقدِ پاک مولٰینا الحاج پیر حیات محمد صاحب" ۱۳۶۱ھ — "طاب ثراہٗ و انار اللہ بُرھانہٗ دائماً" ۱۳۶۱ھ

"یلقون فیها تحیة وسکاماً خٰلدین" (سورہ فرقان آخری آیات: پارہ:۱۱)

۱۹۴۲ء

(۱)

کان فی الدُنیا ولیا مُرشدا　　قد جزاہُ اللہ بالفوزِ اعظیم

قلت تاریخاً اِذا فات الحیات ''ادخلہٗ اللہ جنات النعیم''
۱۳۶۱ھ

(۲)

برفتی اے حیات اے خاصۂ خاصانِ اہل اللہ جوارِ رحمتِ خلاقِ عالم جائے تو بادا
بدنیا دست خود دادی بدست قبلۂ عالم بعقبیٰ سایۂ دامانِ اُوملجائے تو بادا
بدُنیا نخلِ بندِ گلشنِ صدق وصفا بودی بعقبیٰ فیض ولُطفِ حق چمن آرائے تو بادا
ہمیں سالِ وصالت، ہم دعائے مغفرت باشد کہ می گویم ''نسیم خُلد جاں افزائے تو بادا''
۱۳۶۱ھ

فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلویؒ (۱۸۶۱ء۔۱۹۵۱ء) نے بھی تاریخ رحلت کہی ؎

''تاریخ وصال پاک'' ''قبلۂ عصر عاشقِ شاہِ لولاک ﷺ'' ''زُبدۂ ملک''
۱۳۶۱ھ ۱۳۶۱ھ ۱۳۶۱ھ

''پیر حیات محمد صاحب قدس سرّہٗ''
۱۳۶۱ھ

سنِ ھجری

چوں ازیں دارِ فنا پیر محمد حیات رُوئے خود از ہمہ احباب بپوشید ونہفت
بہر تاریخ وصالش چوں نگوں کردم سَر ''رفت در جنتِ جاوید'' دلم سالش گفت
۱۳۶۱ھ

سنِ عیسوی

پیرِ ما عالی گُہر والا مقام رفت از دُنیا سُوئے دار السّلام
بہرِ سالِ رحلتِ اُوفی البدیہہ گفت ہاتف، ''بے مثل ذی احترام''
۱۹۴۲ء

---------ماخذ---------

(۱) ''سیرتِ امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۳۷۔
(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔
(۳) ''گلزارِ مدینہ'' مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔
(۴) ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' (تکملہ) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۵۷۔

(۵) ''بلاد الاولیا لاہور'' از طاہر لاہوری مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۳۴۹۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳، جولائی ۱۹۴۲ء ص ۳۳۔ اگست ۱۹۴۲ء ص ۳۱، ۳۲۔

(۷) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت جولائی ۱۹۵۲ء ص ۲۶۔

(۸) ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر بابت ۷/ مارچ ۱۹۳۲ء۔

(۹) ہفت روزہ ''الھام'' بہاولپور بابت ۱۴/ جولائی ۱۹۷۶ء۔

(۱۰) ''راحت القلوب'' از مفتی محمد شفیع مطبوعہ سیال کوٹ ص ۱۷۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا حکیم غلام احمد شوقؔ فریدی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۷ء ـــــــــــ ۱۹۴۳ء)

مولانا حکیم غلام احمد شوقؔ بن مولانا شیخ غلام محمد فریدی فاروقیؔ کی ولادت ۱۴/ ربیع الاوّل ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۶/ جولائی ۱۸۶۷ء کو محلّہ سرائے کبیر قصبہ سنبھل ضلع مراد آباد (بھارت) میں ہوئی۔ نوعمری میں ہی والدین کا سایۂ شفقت و عاطفت سر سے اُٹھ گیا تو آپ کی اور آپ کے چھوٹے بھائی احمد حسن حسنؔ کی پرورش آپ کی پھوپھی صاحبہ نے نہایت احسن طریقے سے کی۔ اُن کی غیر معمولی توجہ اور بہترین تربیت کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے بہت جلد قرآن مجید ختم کر لیا۔ اس کے بعد اُردو، فارسی مولانا مظفر اللہ اور شیخ طریقت وقطب زماں حضرت علامہ الحاج بہادر الدین افغانی (ف ۱۳۱۹ھ) سے پڑھی۔ حضرت علامہ افغانیؒ آپ کے مکان پر ہی قیام پذیر تھے۔ فارسی میں ایسی عمدہ استعداد پیدا کی کہ اپنے ہم عصر فارسی داں حضرات سے فوقیت لے گئے اور ایک ممتاز حیثیت میں سب سے نمایاں نظر آنے لگے۔

فارسی میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے بعد حضرت مفتی عبدالسلام سنبھلی

رحمۃ اللہ علیہ کے حضور زانوئے ادب تہہ کر کے عربی میں کمال حاصل کیا۔ پھر دہلی جا کر حضرت حکیم اجمل خاں (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۸ء) کے چچا حکیم محمود خاں سے طب میں استفادہ کیا۔ پھر استاذ گرامی علامہ افغانی کے دست حق پر سلسلہ قادریہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ اُن کی رحلت کے بعد بریلی شریف جا کر ۲۰/ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۶/ستمبر ۱۹۱۹ء کو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) سے سعادتِ بیعت وخلافت حاصل کی۔

مارچ ۱۹۲۵ء میں صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء) نے حضرت امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرّہٗ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) کی زیر سرپرستی "آل انڈیا سُنّی کانفرنس" مرادآباد کا انعقاد کیا تو اس موقع پر امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ نے بھی خلعتِ خلافت سے نوازا اور آپ کے مکان پر بھی قدم رنجہ فرمایا۔

آپ کی زندگی ابتداء ہی سے زُہد وریاضت، تقویٰ وطہارت کا نمونہ تھی۔ دین سے ایسا لگاؤ تھا کہ دُنیا سے توجہ بالکل ہٹ گئی۔ تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ ترکِ موالات کے زمانہ میں کانگرس کی عیاریوں اور ابلہ فریبیوں کے پردے چاک کئے اور مضامین وتقاریر نیز نظموں کے ذریعے مسلمانوں کو راہِ راست دکھائی۔

جب نواحِ آگرہ میں آریوں خصوصاً پنڈت شردھانند کی شُدھی سنگھٹن کی تحریک یعنی فتنۂ ارتداد کا سلسلہ شروع ہوا اور ناواقف راجپوت مسلمانوں کو جبر وتشدد سے یا خوف وطمع کے ذریعے معاذ اللہ مرتد اور ہندو بنایا جانے لگا تو اس خطرناک فتنہ کا سدِّ باب کرنے کے لئے اور مُرتد شدہ لوگوں کو دوبارہ مسلمان بنانے کی غرض سے حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ میدان میں آئے اور "انجمن خدام الصوفیہ ہند" کو منظّم کر کے تمام علاقہ میں مبلغین کی جماعتوں کو پھیلا دیا۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی بھی "جماعت رضائے مصطفےٰ" کو لے کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے شریک کار ہو گئے تو مولانا غلام احمد شوق نے اپنے خالہ زاد بھائی (حضرت صدر الافاضل) کے دوش بدوش تبلیغ اسلام کی اور ناگفتہ بہ آلام ومصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

آپ کی تمام زندگی مذہب وملّت کی خدمت میں گزری ۔ گونا گوں مصروفیت کے باوجود آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں جو آپ کے تجرِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔(۱) اسرار اللہ بالشہادتین ،(۲) انوار الحسنات ،(۳) سلطان التواریخ، (۴) فضیلۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ کل الوریٰ ،(۵) مکتوباتِ غریب نواز ،(۶) مخبر الواصلین، (۷) سیر العارفین (۸) رسالہ تعبیر وقیافہ ،(۹) معجزہ شق القمر (۱۰) سیف اللہ المسلول ،(۱۱) جمالِ محبوب ،(۱۲) چراغِ اصلاب ،(۱۳) مثنوی جوشِ رحمت ،(۱۴) مثنوی زہر عشق ،(۱۵) قصّہ خضرؑ وموسیٰؑ ،(۱۶) اسلامِ عمرؓ ،(۱۷)، اسرار الصلوٰۃ ،(۱۸) اسرار غوثیہ ،(۱۹) طوفانِ محشر ،(۲۰) مسدّس آئینہ اسلام ،(۲۱) قومی نظم ونثر (۲۲) تاریخ آئینہ عرب ،(۲۳) تفسیر سورۂ فاتحہ ،(۲۴) تہذیب النساء ،(۲۵) حالات مخدوم صابر کلیری، (۲۶) جامِ فنا ،(۲۷) مثنوی فریادِ رُوح ،(۲۸) جنگِ مصر ونجد ،(۲۹) آئینہ وہابیت ،(۳۰) وہابی نامہ منظوم ،(۳۱) احسن التواریخ سنبھل ۔

آپ کو ابتدا ہی سے شعر وشاعری سے بھرپور دلچسپی تھی ۔اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے ۔اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف کردیا تھا۔ چنانچہ تازیست حمد ونعت اور اولیائے کرام کی منقبتوں کے سوا کچھ اور نہ کہا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی شان میں بے شمار منقبتیں کہیں لیکن ہمیں صرف دو ہی دستیاب ہوسکیں جو قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے درج ذیل ہیں۔ پہلی منقبت فارسی میں اور دوسری منقبت اُردو میں۔

اے پیرِ دستگیرِ مریداں بصد نوال — نوری لقا شاہ جماعت علی خوش خصال
عرفاں پناہ صاحبِ علم وعمل بفضل — ہم معدنِ عطاء وکرم مخزنِ کمال
آلِ رسولِ پاکؐ بخُلقِ محمدی — مقبولِ بارگاہِ خداوندِ ذوالجلال
اے قطبِ وقت مظہرِ انوارِ دینِ حق — ماحی شرک وبدعت وہم کفر وہم ضلال
اے آفتابِ شرع مُبیں ماہتابِ دیں — بہرِ طریقت آمدہ ذاتِ تو بے مثال
نازد بنامِ پاکِ تو ہم دہر وَہم فلک — فخرِ اولیائے خدائی بصد کمال
ملّت فدائے تُست کہ تو میرِ ملّتی — یار ومعین باد بتُو لُطفِ ذُوالجلال

سازد چہ وصفِ پاکِ تو ایں شوق بے نوا — اے مجمعِ محاسن وائے مایۂ جمال

☆/☆/☆/☆

للہ الحمد ز ہے صاحبِ عزّت وقدرت — شانِ وحدت میں ہے مظہر بہ ظہورِ کثرت

ذرّہ ذرّہ میں ظہور اُس کا ہے نور اُس کا ہے — گلشنِ دہر کے ہر گُل میں ہے اُس کی رنگت

اُس کے محبوب پہ صلوٰۃ وسلام بے حد — قُدسی وجنّ وبشر سے ہو بشرطِ کثرت

مرحبا ہادیٔ کُل ، شمعِ سُبل ، ختمِ رُسل — حبذا آپ کے صدقے میں ہے ساری خلقت

فرش سے عرش تک آپ کا جلوہ ہر سو — لامکاں تک ہے عیاں آپ کی شان وشوکت

آل واصحاب پہ لاکھوں ہوں دُرود اور سلام — اہلِ بیتِ نبوی پر بھی ہوں صد بار رحمت

جو بھی ثابت قدم اسلام پر اس دور میں ہیں — اُن پر جورِ فلک ودہر سے آئی آفت

حفظِ ذات و روشن وطرزِ بزرگاں مشکل — مفلسی گھونٹتی ہے دم تو کہاں جمعیّت

للہ الحمد مگر یاس کے اس دور میں آج — حق نے مایوسیوں سے آس کی دے دی صورت

یعنی اک ذات علی پور میں ہے مایۂ فخر — عالم وعارف وکامل ومحدّث لقبت

سیّد وآلِ نبی ، قُدوۂ اولادِ علی — واعظ وناصرِ اسلام وامیرِ ملّت

بانٹتے رہتے ہیں وہ نعمتِ دین ودُنیا — چشمے ہر فیض کے جاری ہیں بجود وشفقت

گر ولایت کے ہیں طالب تو ولی بن کر آئیں — نہ تامل ہو نہ وقفہ ہو نہ کچھ ہو حُجت

اور جو دنیا کے ہوں طالب تو ذرا دیر نہیں — بھر کے دامن چلیں اس در سے بعیش وعشرت

حاضر درگہِ اللہ ونبی ہیں ہر سال — ایک حج کیا نہیں کچھ جن کی شمارِ کثرت

فقر میں رکھتے ہیں شاہانہ مزاجِ اقدس — جُز نعم لا نہیں کہنے کی ہے ہرگز عادت

اے خدا دمِ قدم اُن کا تو سلامت رکھنا — باہمہ جود وسخا باہمہ عزّت وعظمت

چشمۂ فیض مدام اُن کے رہے در سے رَواں — دین ودنیا کی ملے سائلوں کو واں دولت

آل واحباب واعزّہ سے رہیں شاد مدام — حضرت قبلۂ عالم مرے اعلیٰ حضرت

والئ مُلک کی تعریف میں جُز دام ودرم — اور کیا ملتا ہے پھر یہ تو ہے فانی دولت

ہاتھ میں جس کی ہے ہر دولتِ دین ودُنیا

شوقؔ! اُس شہ سے کروں کیوں نہ میں عرضِ حاجت

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۳/ ربیع الاوّل ۱۳۶۲ھ مطابق ۳۰/ مارچ ۱۹۴۳ء بروز منگل مراد آباد (بھارت) میں ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین شوقؔ فریدی نعیمیؒ (ف ۱۹۸۷ء) نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وصال کہا ۔

بندہ است غلام احمد سرکار رسولؐ اللہ ہم جملہ رَسولاں راسردار رسولؐ اللہ

ہر آئینہ اُو شافع ماأمتیاں باشد از بہرِ گنہ گاراں شُد یار رسولؐ اللہ

آنکس کہ دلش خالی از حُبِّ نبیؐ باشد شافع نہ شود وے راز نہار رسولؐ اللہ

درنزع ولحد آخر درحشر معینِ تو اے شوقؔ! تُرا ہر دم غمخوار رسولؐ اللہ

فارق زہمہ ازماواصلِ بخدا گشتی برتو کرم ولُطفِ سرکار رسولؐ اللہ

درمدحت ونعتِ وے شُد صَرف ہمہ عُمرت درگنبدِ خضرا خوش زیں کار رسولؐ اللہ

برتُربتِ توبادا انوار خدا نازل ہم رحمتِ محبوب ومختار رسولؐ اللہ

شوقؔ تو اگر خواہی تاریخِ وصالِ اُو

سہ بار ''محمدؐ'' خواں سہ بار ''رسولؐ اللہ''

۲۷۶=۳x۹۲ ۱۰۸۶=۳x۳۶۲

۱۳۶۲ھ

---------------ماخذ---------------

مولانا غلام احمد شوقؔ فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین فریدی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے مرحمت فرمائے (قصوری)

ضروری نوٹ: ۔مولانا غلام احمد شوقؔ فریدی فاروقی تھے۔آپ کے صاحبزادے مولانا غلام محی الدین نعیمی فریدی فاروقی (۱۹۸۷ء۔۱۹۲۲ء) غالباً ۱۹۷۹ء میں حضرت امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب محدّثؒ علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ (حال ضلع نارووال) کے سالانہ عرس مبارک سے واپسی پر احقر کے غریب خانہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ رات کو خوب علمی گفتگو

رہی۔ انہوں نے اپنی زبانی بھی ارشاد فرمایا کہ ہم فاروقی فریدی (اولادِ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ مگر کتاب مستطاب ''انوارِ علمائے اہلسنّت سندھ'' مرتبہ جناب صاحبزادہ سیّد زین العابدین راشدی مطبوعہ کراچی ۲۰۰۶ء صفحہ ۶۳۰ پر اُنہیں اُن کے بیٹے ناظر الدین کے حوالے سے ''سیّد'' لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ (قصوری)۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر نیک عالم گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۵۷ء ــــــــــــــــ ۱۹۴۳ء)

پیر نیک عالم بن چوہدری فیض احمد بن چوہدری محمد بخش جاٹ چیمہ کی ولادت ۱۸۵۷ء میں موضع موہلہ (متصل کٹھالہ ریلوے اسٹیشن) ضلع گجرات (پنجاب) میں ہوئی۔

۱۸۷۵ء میں مڈل پاس کر کے کڑیالہ ضلع گجرات کے پرائمری سکول میں مدرّس ہو گئے پھر نارمل سکول راولپنڈی سے کورس کر کے مڈل سکول جلالپور جٹاں میں نائب مدرس بن گئے۔ بعد ازاں گورنمنٹ ہائی سکول کوہاٹ میں ریاضی ٹیچر مقرر ہو گئے۔ اسی دوران میٹرک (انگلش) اور منشی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کر لئے۔ پھر اُردو میں وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں مدرّسی چھوڑ کر وکالت شروع کی۔

پیر صاحب کو اُردو، فارسی، پنجابی کے علاوہ ریاضی کے مضمون میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ علم وادب سے قلبی لگاؤ تھا۔ شاعری میں حضرت میاں محمد بخش (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۴ء) صاحبِ ''سیف الملوک'' سے تلمذّ تھا۔ اور پیرؔ تخلّص کرتے تھے۔ ''سراج الاخبار'' جہلم میں اُن کے مضامین ومنظومات شائع ہو کر عوام وخواص سے خراجِ تحسین حاصل کرتے تھے۔ اُن کی پنجابی شاعری کی اکناف واطراف میں دُھوم تھی۔ سیّد وارث شاہؒ (۱۷۱۰ء۔۱۷۹۸ء) کو اپنے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں اُن کی یادگار ہیں۔

(۱) اصغر صُغریٰ:۔ ہیر وارث شاہؒ کے مقابلے میں یہ عشقیہ مثنوی ہے۔
(۲) سچی مالا:۔ ایک نصیحت آموز نظم ہے۔
(۳) پوہ پھُٹی:۔ مسدّس کی صورت میں ہے۔
(۴) عشقِ محمدّیؐ۔ (۵) پیرداونجارہ۔ (۶) مدحیاتِ مشائخ، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کتابیں چھپ کر مقبول خاص وعام ہوئیں مگراب سب کی سب نایاب وعنقا ہیں۔

پیر صاحب، حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ ہر سال سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے موقعہ پر اپنی نظم ونثر سُنا کر پیرو مرشد سے خوشنودی کا تمغہ حاصل کرتے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے ''سچی مالا'' کے نام سے پنجابی نظم میں کتاب لکھی تو اس کا انتساب حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے نام کیا۔ ۱۰/مئی ۱۹۲۴ء کو برموقعہ سالانہ جلسہ علی پور سیّداں رات کے اجلاس میں آپ نے یہ کتاب حضرت امیر ملت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پیش کی۔ ''حضرت والا نے حکم دیا کہ'' یہ کتاب تمام حاضرین کو پڑھ کر سُنائی جائے''۔ چنانچہ بہت سا حصہ پڑھ کر سُنایا گیا۔ جملہ حاضرین جلسہ نے اس کتاب کو بہت پسند کیا۔ پیر صاحب نے اپنی کتاب میں نہایت محنت اور جانفشانی سے نکاتِ تصوّف کو آسان پنجابی اشعار میں بیان کیا تھا۔

حضرت امیرِ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہوکر خوشنودیٔ مزاج کا تمغہ پیر صاحب کوعنایت فرمایااوراپنی لنگی مبارک جو اُس وقت اوڑھے ہوئے تھے، وہ بھی پیر صاحب کوعطا کردی۔ پھر خرقہٗ خلافت عطا کر کے پیر صاحب کو اپنا مقبول ومحبوب خلیفہ بنالیا۔ چنانچہ پیر صاحب نے اس میدان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔

پیر صاحب کی وفات حسرت آیات ۱۹۴۳ء میں ہوئی اور آبائی گاؤں گلا چور نزد جلالپور جٹاں''، ضلع گجرات میں آخری آرامگاہ بنی۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ''پنجابی شاعراں دا تذکرہ'' از مولا بخش کشتہ مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۲۸۳ تا ۲۸۶۔
(۲) ''خفتگانِ خاکِ گجرات''۔ از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ مطبوعہ گجرات، ۱۹۹۶ء ص ۲۶۷۔

(۳) مکتوبِ گرامی جناب سیّد عارف محمود مہجور رضوی بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۱۸/ مارچ ۱۹۸۳ء از گجرات۔

(۴) مکتوبِ گرامی جناب سجاد حیدر (از خاندان پیر صاحب) بنام محمد صادق قصوری محررّہ لاہور مورخہ ۶/ اپریل ۱۹۸۳ء۔

/☆/☆/☆/☆/

سیّد حسین شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۹ء ـــــــــــــــ ۱۹۴۴ء)

حضرت پیر سیّد حسین شاہؒ بن سیّد امام حسین شاہؒ کی ولادت ۱۸۶۹ء میں موضع کھیوہ ضلع گجرات میں ہوئی۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفہ حضرت پیر حیات محمد سیالکوٹیؒ (۔۔۔۱۸ء۔۱۹۴۲ء) سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ "انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں" کے بیسویں (۲۰) سالانہ اجلاس مورخہ ۹/۱۰/ اپریل ۱۹۲۳ء کے موقعہ پر حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے اجازت وخلافت سے نوازا۔

۱۹۳۲ء میں اپنے پیر و مرشد پیر حیات محمد سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور مدینہ شریف حاضر ہو کر حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی زیارت کا شرف حاصل کر کے اپنی رُوح کو تسکین پہنچائی۔

بد مذہبوں سے آپ کو انتہائی نفرت تھی۔ وہابی، مرزائی، شیعہ وغیرہ سے میل جول تو کیا مصافحہ تک نہیں کرتے تھے۔ برادری میں اکثر لوگ شیعہ عقائد کے حامل تھے۔ اُن کی پوری کوشش کے باوجود کوئی رشتہ داری نہ کی۔ خلافِ شرع اُمور کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایسے لوگوں سے بائیکاٹ کرتے اور کرواتے تھے۔ جب وہ لوگ توبہ کرتے تو پھر راضی ہوتے۔ غیر مسلم کی بنی ہوئی چیز سے مکمل پرہیز کرتے تھے۔

آپ کے گاؤں میں ایک زمیندار مرزائی ہو گیا تو اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھایا گیا۔ بچوں سے تالیاں لگوا کر گلی کوچوں میں پھرا کر رُسوا کیا گیا، اُس کے مرنے کے بعد

اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت نہ دی۔ لوگوں کی آپس میں صلح کرواتے۔ نکاح وطلاق کے مسائل حل فرماتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۶/اکتوبر ۱۹۴۴ء مطابق ۱۹/شوال ۱۳۶۳ھ بروز جمعۃ المبارک کھیوہ شریف ضلع گجرات میں ہوئی۔ جہاں ہر سال آپ کے پوتے سیّد عزیز الحسن شاہ کی نگرانی میں عرس شریف ہوتا ہے۔

سیّد عزیز الحسن شاہ نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا ؎

علم کے میدان کا تھا شہسوار — علم بھی کرتا تھا جس کا احترام
مصطفیٰؐ کی اُن کو قربت تھی نصیب — ذکر حق کرتے تھے صبح وشام
میر ملّت ؒ سے پیا تھا آپ نے — حیدرؓ وصفدرؓ کے میخانے کا جام
پیشوا کامل تھے عزیز الحسنؔ — اُن کی راہ پہ جو چلا ہے شادکام
نور کا گلشن ہے اور ابنِ علیؓ — شاہ حسین اور "ملکِ رضوان السّلام"
۱۳۰۹ھ

تاریخی مادہ درست نہیں نکالا گیا۔ ۱۳۶۳ھ ہونا چاہیے تھا جبکہ ۱۳۰۹ھ نکالا گیا ہے۔ راقم الحروف صادقؔ قصوری نے بھی تاریخ وفات کہی جو درج ذیل ہے:۔

سیّد حسین شاہ اولادِ علیؓ — آج پنہاں ہوئے تہہ مدفن
تھے عالم بے بدل، مردِ مومن — چُھٹ گیا اُن سے دہر کا گلشن
کہہ دو صادقؔ صوروی تاریخ
یعنی انیس سو چوالیس سَن

---ماخذ---

(۱) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور بابت اپریل ۱۹۲۴ء ص ۲۴۔

(۲) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیال کوٹ بابت اپریل ۱۹۳۲ء، ص ۴۰۔

(۳) ہفت روزہ "الفقیہہ" امرتسر بابت ۷/مارچ ۱۹۳۲ء۔

(۴) مکتوبِ گرامی سیّد عزیز الحسن سجادہ نشین کھیوہ شریف ضلع گجرات بنام مصنّف محررّہ

از منڈی بہاؤالدین موصولہ ۱۴/ستمبر ۱۹۹۴ء۔

/☆/☆/☆/☆/

(۱۸۷۱ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۴۴ء)

حضرت مولانا قاضی حفیظ الدین بن شیخ کریم الدین ۱۸۷۱ء میں محلّہ خطیباں رُہتک شہر (حال مشرقی پنجاب ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ اسرائیلی شیوخ سے تعلق رکھتے تھے۔ والد گرامی مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، خاندان میں شاہی زمانے سے خطابت اور عہدۂ قضا چلا آتا تھا۔ آپ نے ۱۹۱۰ء میں حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پر رُہتک شہر میں بیعت کا شرف حاصل کیا، اُس وقت جالندھر میں گرداور کی آسامی پر فائز تھے۔ اُسی وقت سے سوز وگداز اور تڑپ کا یہ حال تھا کہ ذرا سی آواز بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔

۱۹۲۲ء میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لئے حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اُن کا احاطہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جب آگرہ میں اس فتنۂ کے انسداد کے لئے حضرت اقدس امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ مرکز قائم فرمایا تو حضرت مولانا غلام احمد اخگؔر امرتسریؒ (۱۸۶۴ء۔۱۹۲۷ء) کو ناظم، آپ کو نائب ناظم اور مولانا عبدالمجید قصوری جھجرویؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۵۶ء) کو انسپکٹر مدارس اور مبلّغ مقرر فرمایا تھا۔ آپ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے بے بہا خدمات انجام دیں۔ ان خدمات سے خوش ہو کر حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ نے اسی سال یعنی ۱۹۲۲ء میں ہی خلافت سے سرفراز فرمایا۔

آپ کا قد بلند وبالا، رنگ سانولا، آواز شیریں اور دلکش، تقریر دلپذیر تھی۔ عام طور پر سفید لباس پہنتے اور سر پر سفید عمامہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی گول کھڑی ٹوپی بھی زیبِ سر فرماتے تھے۔ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو واسکٹ اور قبا بھی پہنتے اور عالمانہ شان وتمکنت کا اظہار

ہوتا۔ طبیعت نہایت سادہ تھی۔ تصنّع اور بناوٹ نام کو بھی نہ تھا۔ کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا۔ پان بھی استعمال فرماتے تھے مگر حُقہ نہیں پیتے تھے بلکہ نفرت تھی۔

آپ درویش کامل اور بلند پایہ ولی تھے، سلوک میں جذب شامل تھا اور جذب کی یہ کیفیّت تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر چیخیں مارنے اور تڑپنے لگتے تھے۔ ذرا کسی کا ہاتھ چھو جائے، کوئی بلند آواز کان میں پڑ جائے، کوئی نعرہ سُن لیں، شیخ کا ذکر کان میں پڑ جائے، غرض ذرا سی بات پر جذب کی کیفیّت پیدا ہو جاتی تھی اور بعض دفعہ بڑی دیر تک قائم رہتی تھی۔ کشف بہت بڑھا ہوا تھا۔ تصرّف اور فیوضات کے عجیب عجیب واقعات لوگ روزانہ مشاہدہ کرتے تھے۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں۔ مکاشفات اور تصرّفات کے بھی بہت سے واقعات ہیں، یاروں کی امداد کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔ اور اُن کی مشکلات حل فرماتے تھے۔

۱۹۳۱ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ حج وزیارت کے لئے تشریف لے جاچکے تھے۔ حضرت شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۸ء) فرزند اصغر و سجادہ نشین دوم حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ) نے قاضی صاحب کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ نے مدینہ منورہ تار دے کر حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ العزیز سے اجازت حاصل کی اور حج وزیارت سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت الحاج ذاکر علی رُہتکیؒ (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۹ء) اور حضرت الحاج نصیب خان رُہتکیؒ (۱۸۷۹ء۔۱۹۶۰ء) بھی اس سفر مبارک میں شامل تھے۔ طواف کے وقت یہ حال تھا کہ مُرغِ بسمل کی طرح تڑپتے تھے۔ آخر مطوف نے بغل میں ہاتھ دے کر بڑی دشواری سے طواف کرایا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے عقیدت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی یاد میں اکثر وبیشتر رو رو کر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے ؎

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے کوئی لادے درِ پیرِ مغاں سے
کہ اُن کو جوڑ کر پھر توڑ ڈالوں میں اک جامِ شرابِ ارغواں سے

آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۶ پر شائع ہوا۔ افسوس کہ اس وقت

مذکورہ شمارہ پیش نظر نہیں ہے ورنہ وہ قصیدہ نقل کر دیا جاتا۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۲/ ذیقعد ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو رُہتک (حال بھارت) میں نماز عشاء ادا کرتے ہوئے ہوئی۔ حضرت مولانا عبد المجید خاں قصوری (۱۸۸۲ء۔۱۹۵۶ء) نے نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد شہیداں کے شہداء کے مزارات میں آخری آرامگاہ بنی۔ حضرت مولانا علامہ پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے آپ کی تاریخ وفات اور مرثیہ لکھا۔

تاریخہائے وفات

"بسم اللہ الباقی العظیم"
۱۳۶۳ھ

"آرامگاہِ جناب مولانا حفیظ الدین علیہ الرحمۃ"
۱۹۴۴ء

"ربکم ذو رحمۃ واسعۃ"
۱۳۶۳ھ

"خلیفۂ مجاز محبوب زبدۃ اولالیاء قبلۂ عالم پوری ارواحنا فداہم"،
۱۹۴۴ء

مرثیہ

حضرت قاضی حفیظ الدین تھے ۔۔۔ پیشوائے سالکاں ، ہادیٔ دیں
باخدا تھے حاجیٔ بیت الحرم ۔۔۔ زائرِ دربار ختم المرسلینؐ
قبلۂ عالم علی پوریؒ سے تھا ۔۔۔ اُن کو حاصل فیضِ عرفان ویقیں
فیض اُن کا عُروۃ الوثقائے دہر ۔۔۔ خُلق اُن کا خلق کو حبلِ متیں
وعظ اُن کا رُوح پرور، جاں نواز ۔۔۔ بات اُن کی دل کے اندر جاگزیں
عشقِ شیخ ایسا کہ مشکل ہے مثال ۔۔۔ جذبِ دل ایسا کہ دیکھا ہی نہیں
چلتے پھرتے بات کرتے دفعۃً ۔۔۔ نعرۂ اللہ تھا بس دلنشیں
ڈھونڈو عالم میں نہ پاؤ گے مگر ۔۔۔ باہمہ وبے ہمہ ایسا کہیں
وہ صفائے دل کہ فخر الاصفیاء ۔۔۔ اور تقویٰ وہ کہ راس المتقین
خود علائق سے مجرّد بھی رہے ۔۔۔ صاحبِ تجرید بھی تھے بالیقیں
شُغل اُن کا روز وشب، شام وسحر ۔۔۔ خدمتِ مخلوقِ ربّ العالمیں

اک جہاں کا درد اُن کے دل میں تھا — ہو کسی کو غم ، وہ ہوتے تھے حزیں
کوئی ہو کیسا ہی مشکل کام ہو — وہ بجز "ہاں" کے نہ کرتے تھے "نہیں"
دہلی ورُہتک کی سب تاریکیاں — اُن کے نورِ دل سے روشن ہو گئیں
آگرہ میں بھی ہے جاری اُن کا فیض — تھے یہاں وہ ناظمِ دینِ مُبیں
تھی رفیقوں کو بھی تاکیدِ نماز — اور یہی اُن کا عمل تھا آخریں
کی نمازِ شب کی نیّت باندھ کر — جان نذرِ ایزدِ جان آفریں
بارہویں ذیقعد کی دن پیر کا — پائے دن ، تاریخ بھی کیا بہتریں
رحمتِ حق اُن کی رُوحِ پاک پر — پائیں قربِ رحمۃ للعالمینؐ
تا قیامت اُن کے درجے ہوں بلند — اُن کا مسکن باغِ فردوسِ بریں

بھائی جی کا سالِ رحلت قادرؔی!

کہہ دو "فی جناتِ عدن خالدین"

۱۳۶۳ھ

-----------ماخذ-----------

(۱) "سیرتِ امیرِ ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۰،۷۱،۷۲۔

(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۳) "پنج گنج قصوری" از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء ص ۱۹،۲۰،۲۲۔

(۴) "پنج گنج علی پوری" از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ص ۱۴۳،۱۴۴،۱۶۶،۱۶۸،۲۴۲۔

(۵) ہفت روزہ "الفقیہہ" امرتسر بابت ۷/ تا ۱۴/ نومبر ۱۹۴۴ء ص ۱۰،۱۱۔

(۶) ماہنامہ "انوارالصوفیہ" سیال کوٹ بابت اگست ۱۹۵۷ء، ص ۲۹۔

/☆/☆/☆/☆/

پروفیسر عابد حسن فریدی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۷۹ء-------------۱۹۴۵ء)

حضرت مولانا پروفیسر عابد حسن فریدی بن مولوی احمد حسن (ف ۱۹۱۳ء) کی ولادت ۲۴/ستمبر ۱۸۷۹ء کو بچھراؤں ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ آپ مولانا پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) کے برادر اکبر تھے۔ اسٹیٹ ہائی سکول رامپور سے ۱۹۰۹ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۳ء میں امتیازی حیثیت سے بی اے پاس کیا۔ ۱۹۱۴ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایل ٹی کی سند حاصل کی۔

حصولِ تعلیم کے بعد اسلامیہ ہائی سکول اوٹاوہ میں مدرس ہوگئے۔ ۱۹۱۷ء میں حلیم مُسلم ہائی سکول کانپور میں تبدیل ہوکر چلے گئے۔ ۱۹۱۸ء میں ایم اے فارسی کیا اور ۱۹۲۰ء سینٹ جانسن کالج آگرہ میں فارسی کے پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے اور تادمِ واپسیں اسی عہدہ پر فائز رہے۔

نومبر ۱۹۲۴ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے سلسلے میں آگرہ تشریف لائے تو آپ نے اُن کے دستِ اقدس پر سعادتِ بیعت حاصل کی۔ اس کے بعد جب بھی حضرت قدس سرّہٗ آگرہ شریف لاتے تو آپ کی درخواست پر آپ کے گھر ہی قیام فرما ہوتے۔ ہر سال کالج کی تعطیلات کے دوران آپ بلا ناغہ علی پور شریف حاضر ہوتے اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے فیوض و برکات کے خزانے لُوٹتے۔ حضرت اقدس نماز مغرب کے بعد آپ کو حکم دیتے کہ حاضرین مجلس کو مسئلہ سناؤ۔ آپ تقریباً ایک گھنٹہ تقریر فرماتے اور دُعا کے بعد حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوکر دست بوسی کا شرف حاصل کرتے، ایسے موقع پر کئی بار حضرت نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور یہ مصرع پڑھا۔

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی

آپ جب بھی علی پور شریف حاضر ہوتے تو آگرہ کی مشہور و معروف دریاں اور جانمازیں لاکر پیش کرتے جو اپنی خوبصورتی، عمدگی اور دیرپا ہونے کے سبب اپنی مثال آپ ہوتی تھیں۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ العزیز نے آپ کو آگرہ میں امیر حلقہ مقرر کیا تھا

اور پھر ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۰ء کو علی پور شریف میں خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ اُنہوں نے اپنی عادت کے مطابق خلعتِ خلافت کو اخفاء میں رکھنا چاہا مگر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر لوگوں کو داخل سلسلہ کرنا پڑا۔

آپ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ مگر اس کے اظہار سے گریز فرماتے تھے۔ احکام شریعت کی پابندی اور اتباع سُنت کا خاص التزام مدّنظر رہتا تھا۔ خوش مزاجی، بذلہ سنجی، مہمان نوازی اور بُردباری آپ کا خاصا تھا۔ آپ کو کبھی غصہ نہیں آیا۔ ایک دفعہ اپنے بڑے صاحبزادے پروفیسر زاہد حسن فریدی کو بچپن میں نماز نہ پڑھنے پر قمچیوں سے مارا تھا ورنہ اس سے پہلے یا بعد میں نہ اُن کو سزا دی نہ کسی اور بچے کو۔ اتباعِ سُنّت کی ایک دلچسپ مثال ملاحظہ ہو کہ مرض الموت میں بار بار فرماتے کہ ''مجھ پر پانی چھڑکو''۔ حالانکہ بہت تیز بخار تھا، پروفیسر محمد طاہر فاروقیؒ (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۸ء) راوی ہیں کہ میں نے حضرت الحاج مولانا سعادت اللہ بنی اسرائیلی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ (جو بہت بڑے عالم، محدّث اور ولی اللہ تھے) کی خدمت میں تمام صورتِ حال عرض کی تو اُنہوں نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد مجھے الگ لے جا کر کہا کہ ''وہ تو اتباعِ سُنّت انجام دے رہے ہیں''۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض مبارک میں اپنے جسم اطہر پر پانی کے چھینٹے دینے کا حکم دیا تھا۔

مئی ۱۹۴۵ء میں آپ علیل ہوئے اور نو دس دن صاحبِ فراش رہ کر ۴/ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۷/مئی ۱۹۴۵ء بروز جمعرات اس عالم فنا سے عالمِ بقا کی طرف سدھار گئے اور سیّد میر ابوالعلاء رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ کے باہر حضرت شاہ نور الزماں نور اللہ مرقدہٗ کے مزار شریف کے بالمقابل سڑک کی دوسری جانب دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ اُن دنوں سفر دکن پر تھے، واپسی پر آگرہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کے مزار شریف پر تشریف لے جا کر فاتحہ پڑھی اور کافی دیر وہاں رُکے رہے۔

آپ نے انگریزی اور اُردو میں کئی کتابیں یادگار چھوڑیں مگر افسوس کہ اُن کے نام، موضوع اور تفصیل تک رسائی نہیں ہو سکی۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ لاہور میں حضور والا کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ لاہور میں ہم نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے کیوں کیا بات ہے؟ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ آگرہ میں ہر اتوار کو حلقۂ ذکر مولانا پروفیسر عابد حسن فریدیؒ (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۵ء) کے ہاں ہوتا تھا اور سب پیر بھائی ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ لاہور میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اگر لاہور میں بھی انتظام ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ حضرت والا اتبار نے فرمایا کہ یہ بات منظور ہے، تم کہاں چاہتے ہو کہ یہ حلقہ ہوا کرے۔ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ حکیم مبارک احمدؒ (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۰ء) کے یہاں کوچہ فقیر خانہ میں۔ حضرتؒ نے ارشاد کیا کہ منظور ہے۔ اُسی وقت حکیم مبارک احمدؒ کو طلب کر کے فرمایا کہ آئندہ سے حلقۂ ذکر تمہارے یہاں ہوا کرے گا اور تم ہی حلقہ کرانا۔

۱۹۴۹ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آخری حج سے واپسی پر حکیم مبارک احمدؒ کے ہاں کوچہ فقیر خانہ میں قیام فرما تھے اور تین چار یوم تک جلوہ افروزی فرمائی۔ آفریدی صاحب روزانہ راج گڑھ چوبر جی سے کوچہ فقیر خانہ جا کر تہجدّ کی نماز حضرت اقدسؒ کی اقتداء میں پڑھتے تھے۔ اُس وقت حضرتؒ کی بینائی بالکل جاتی رہی تھی۔ ایک روز، بعد نماز تہجدّ حضرتؒ نے فرمایا کہ کیا محمد یونس خاں یہاں موجود ہے۔ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ خادم حاضر ہے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ تم نے ''قل ھواللہ شریف'' کے عمل کی اجازت مانگی تھی، ''آج تم کو اجازت دیتا ہو، کہو قبول کی''۔ پھر فرمایا کہ محمد یونس خاں کے طفیل جتنے یہاں حاضرین ہیں، میں نے اب سب کو ''قل ھواللہ شریف'' کے عمل کی اجازت دی۔ اور پھر دوسرے موقعہ پر ختم معصومیہ کی اجازت فرمائی۔

آفریدی صاحب کے علاوہ اُن کے والدین، اہلیہ محترمہ اور ہر دو برادران محمد یعقوب خان آفریدی برادرِ بزرگ اور برادر اصغر ڈاکٹر ایم اے شکیل بھی حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بیعت تھے اور یوں یہ گھرانہ ''نور علیٰ نور'' ہو گیا تھا۔

آفریدی صاحب علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔ آپ دینی مسائل ایسے دلنشیں انداز اور سائنس کی رُو سے بیان فرماتے کہ انسان اُنہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُن کی

گفتگو نکھری ہوئی اور بڑی لطیف ہوتی تھی۔ بھاری بھرکم بات کو ہلکے پھلکے انداز میں بیان کرنے کا اسلوب حاصل تھا۔ جمالی طرز کے باغ و بہار انسان تھے۔ گفتگو قرآن و حدیث اور اقوالِ صالحین سے مرصّع ہوتی تھی۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور بیان میں ساحری اور زبان میں دلیری تھی۔ باضمیر اور غیوّر انسان تھے۔ آپ نے اپنا فیضان قریہ بہ قریہ اور کوبہ کو پہنچایا۔

مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے قلم گوہر بار سے نکلیں۔ مجمع البحرین دو جلد، پیام عمل، ذکرِ الٰہی، NEW THEORY OF SOLAR SYSTEM کے علاوہ قرآن پاک کی تفسیر تحریر کر رہے تھے کہ داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۔ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۸۸ء بروز جمعتہ المبارک بوقت عصر ہوئی اور قبرستان میانی صاحب فصیح روڈ (نزد چوبر جی) لاہور آخری آرامگاہ بنی۔

حضرت یونس آفریدیؒ نابغۂ روزگار علم و فضل جن کا دنیا کے لیئے اک یادگار
الغرض خادم کی یہ مختصر تعریف و توصیف متقی، عابد، نمازی، شب زندہ دار

------------ماخذ------------

(۱) ''مجمع البحرین'' جلد دوم از محمد یونس خاں آفریدی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۹۰ تا ۹۷، ۱۶۰ تا ۱۶۸، ۲۵۵ تا ۲۵۶ و دیگر صفحات۔

(۲) ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور بابت ماہ مئی ۱۹۸۸ء ص ۴۱ تا ۴۶۔

(۳) روزنامہ ''مشرق'' لاہور بابت ۶۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء

(۴) مکتوب گرامی خالد جمال پاشا پسر حقیقی حضرت آفریدیؒ بنام محمد صادق قصوری محررہ از لاہور مورخہ ۳۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

(۵) ''وفیات اعیان پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۸۸۔

/☆/☆/☆/☆/

استفسار فرمایا کہ "میر صاحب! آپ نے اب تک کتنے لوگوں کو مرید کیا ہے"۔ عرض کیا حضور! "ابھی تک تو اپنے نفس ہی کو تابع کر رہا ہوں"۔

آپ کا سارا خاندان حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دامنِ عقیدت سے وابستہ تھا اور سب کے سب پیر خانہ کی خدمت میں سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ آپ کے برادرِ بزرگ میر حبیب اللہ آنریری مجسٹریٹ ورئیسِ امرتسر (ف ۱۹۱۸ء)، برادرِ خورد میر سعید اللہ ڈپٹی کلکٹر محکمہ انہار (ف ۱۹۲۶ء) دیگر بھائی میر عنایت اللہ پولیس انسپکٹر (ف ۱۹۲۱ء)، میر ضیاء اللہ، تاجر (ف ۱۹۱۵ء) بھی حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کے مرید و شیدائی تھے۔ میر سعید اللہ مرحوم تو ایسے شیدائی تھے کہ حضرت اقدس کی شان میں کئی قصیدے اور دوہے لکھے۔ یہ قصیدے سالانہ اجلاس مبارک کے دنوں میں ہزاروں کی تعداد میں بکا کرتے تھے۔ اُن کا ایک مجموعۂ کلام "ذخیرہ آخرت" بہت مقبول ہوا۔ اور اس کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے۔ میر صاحب نہایت حسین اور دیدہ رُو جوان تھے مگر قلبی حالت یہ تھی کہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کو دیکھتے ہی بیتاب ہو جایا کرتے تھے اور اُن کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ جتنا عرصہ وہ پیر و مرشد کی خدمت میں رہتے، تڑپا ہی کرتے۔

ڈاکٹر میر ہدایت اللہ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں۔ (۱) لیکچر اِن سرجری، (۲) فریکچر ٹیبل (۳) ڈسٹوکیشن ٹیبل (۴) رہنمائے تشخیص۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات حسرت آیات بمرضِ فالج ۱۹۴۵ء میں بروز جمعۃ المبارک پونے تین بجے سہ پہر ہوئی اور امرتسر میں سپُردِ خاک ہوئے۔

-----------ماخذ-----------

(۱) سیرتِ امیر ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۴۳۔
(۲) "خزینۂ فیضِ قصوری" از پروفیسر منشاد علی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۲۰۳، (حاشیہ)
(۳) "مکتوباتِ مولانا محمد حسین قصوری" از پروفیسر منشاد علی مطبوعہ دہلی ص ۱۔
(۴) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور جون، ۱۹۱۱ء، ص ۹۔
(٦) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور، جون ۱۹۶۵ء ص ۲۷۔

(۷) مکتوبِ گرامی میر نسیم محمود خلف الرشید ڈاکٹر صاحبؒ بنام محمد صادق قصوری از مسقط محررّہ ۹/ جولائی ۱۹۷۷ء۔
(۷) انٹرویو ڈاکٹر سلیم محمود خلف الرشید ڈاکٹر صاحبؒ مورخہ ۹/ جولائی ۱۹۷۷ء۔

شیخ محمد ابراہیم آزاد بیکانیری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۸ء ـــــــــــــــــــــ ۱۹۴۷ء)

شیخ محمد ابراہیم آزاد کی ولادت یکم ذیقعد ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵/ فروری ۱۸۶۸ء کو بمقام حسین پور ضلع مظفر نگر (بھارت) میں ہوئی۔ تاریخی نام ''غلام باری'' تھا۔ فارسی کی تعلیم والد ماجد حضرت منشی نبی بخش نقشبندی (المتوفی ۶/ ستمبر ۱۸۸۷ء در فیروز پور) سے حاصل کی۔ دیگر علوم کا اکتساب مختلف جگہوں سے کیا۔ ۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۷ء ریاست فرید کوٹ میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۸۹۷ء میں بیکانیر میں وکالت شروع کی اور پھر تا زیست اس شغل کو اختیار فرمائے رکھا۔ درمیان میں فروری ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۱ء جج و چیف جج، چیف کورٹ بیکانیر رہے۔

آپ بڑے کامیاب وکیل اور معززین شہر میں شمار ہوتے تھے۔ بڑے دیندار، نیکوکار، بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی غلامی کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ ۱۰/ مئی ۱۹۱۳ء بروز ہفتہ برموقعہ سالانہ اجلاس انجمن خدّام الصوفیہ ہند'' علی پور سیّداں شریف خرقۂ خلافت عطا ہوا۔ آپ کا شمار حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے اوّلین خلفاء میں ہوتا ہے۔ علی پور شریف حاضر ہوتے تو طویل قیام فرماتے۔ حضرت اقدس پیرومرشد امیر ملّت قدس سرّہٗ کو کئی بار باصرار دعوت دے کر بیکانیر لے گئے۔ حضرتؒ جب بیکانیر تشریف لے جاتے تو آپ مہاراجہ بیکانیر سے ہاتھی مُستعار لے کر پیر و مُرشد کو ہاتھی پر سوار کر کے جلوس کی صورت میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں گشت کراتے اور پھر اپنے گھر لے جا کر مہمان رکھتے اور خدمت گزاری کی سعادت حاصل کرتے۔ بیکانیر کے علاقے میں تبلیغ وارشاد اور توسیع سلسلہ عالیہ میں آپ کی خدمات

ناقابل فراموش ہیں۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی اچھا خاصا ذوق تھا۔ شاعری کی ابتداء بیکانیر میں عشقیہ شاعری سے ہوئی۔ منشی عبدالشکور خاں برقؔ اجمیری شاگرد رشید حضرتِ داغِ دہلویؒ (۱۸۲۱ء۔ ۱۹۰۵ء) نے اصلاح دی۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء) میں جب حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی غلامی اختیار کی تو خود ہی یہ عہد کیا کہ اب حمد و نعت کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو چار غزلیں مولوی عبدالحی بیخودؔ بدایونی کو دکھائیں جو حضرت فصیح الملک داغؔ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں بسلسلہ شاگردی حضرت امتیاز الشعراء افتخار الملک حاجی منشی سیّد وحید الدین احمد بیخودؔ دہلوی جانشین حضرت فصیح الملک داغؔ دہلوی میں داخل ہوئے۔

آپ کو اپنے شیخ طریقت حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ ہر سال علی پور سیّداں کے سالانہ جلسہٗ پر حاضر ہوتے اور اپنی نظم کے ذریعے عقیدت و محبت کے پھول پیش کرتے۔ ۱۹۱۴ء میں آپ نے پیر و مُرشد کی شان میں جو قصیدہ پڑھا وہ خاصے کی چیز ہے اور درج ذیل ہے۔

بخت بیدار رسانید بہ یارے عجبے ۔۔۔ خرقہ پوشے عجبے شاہسوارے عجبے
خوشہ چیں ہم گلِ فردوس زبوئے خُلقش ۔۔۔ گل بداماں ہمہ عالم زبہارے عجبے
شوقِ دیدار رساں مُژدہ بموئے امروز ۔۔۔ جلوہ فرما سرِ بام است نگارے عجبے
اے علی پور ترا مصر کہ کنعاں خوانم ۔۔۔ چشم بد دور کہ میداری نگارے عجبے
یوسفے آنکہ کریم ابن کریم ابنِ کریم ۔۔۔ ذی وقارے عجبے، والا تبارے عجبے
بہر سود دو جہاں آنکہ دو دستت بکشاد ۔۔۔ می شناسم بلے میداری تو یارے عجبے
رُوح پرور شُدی از دستِ فقیر عالی ۔۔۔ رحمتِ حق بُرو کردست چہ کارے عجبے
برروان شہِ شاہاں کہ کریمش خوانند ۔۔۔ لطفِ حق باد کہ پروردِ نگارے عجبے
ازخیالِ رُخ رنگین ونگاہش دیدم ۔۔۔ مرغزارے عجبے صید وسوارے عجبے

لوحِ دل راچو کنم سادہ زنقشِ عالم ... بازبینم دروصد نقش و نگارے عجبے

سالہا حرفے نویسد نہ بسُوئے آزاد ... دل وجان بادفدا زُود نگارے عجبے

چشم بکشا کہ علی پور ہمیں است آزاد

شکر صد شکر رسیدی بہ دیارے عجبے

بطورِ نمونہ چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

از کہ آموختہ ایں شور دہانِ بُلبل ... چوں کہ بنہاد گلِ آتش بزبانِ بُلبل

حیرت افزا است عجب نالۂ عاشق بنگر ... گل شدہ چاکِ گریباں زفغانِ بُلبل

شمع پروانہ بسوزد کہ رقیب سوز است ... گُل بچہ وجہ شررداد بجانِ بُلبل

گل زاوراق بدیں گونہ کتابے دارد ... تانویسد درد از نام ونشانِ بُلبل

نکہتِ گُل بشہ شاہِ جماعت دادند ... بس نمودند بہ آزاد فغانِ بُلبل

آپ کا مجموعۂ کلام ''ثنائے محبوبِ خالق''، یعنی ''دیوانِ آزاد'' کے نام سے ۱۳۵۰ھ ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۲ء) میں مطبع مرتضائی آگرہ میں طبع ہوا۔ تمام دیوان حمد ونعت اور قصائد ومنقبت سے مالا مال ہے۔ اُردو اور فارسی شاعری سے مزّین یہ دیوان اُن کی استادانہ شاعری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اپنے اس دیوان کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔

''میرا یہ کلام میرے حضرت قبلہ شیخ والا کی توجہ قلبی اور استاد مدظلہ کی خاص عنایت کا نتیجہ ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے۔

اُستاد نے زبان دی مضمون شیخ نے ... دیوان میرا مفت میں تیار ہو گیا

آپ کی رحلت ۸/ جون ۱۹۴۷ء/ ۱۸/ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ اتوار کی شب کو بیکانیر (بھارت) میں ہوئی اور وہیں آخری آرامگاہ بنی۔

ـــــــــــــــــ ماخذ ـــــــــــــــــ

(۱) ''سیرت امیر ملّت''، مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۰۷۔

(۲) ''دیوانِ آزاد''، از شیخ محمد ابراہیم آزاد بیکانیری مطبوعہ آگرہ ۱۹۳۲ء ص ۲۴۴، ۲۸۰ تا ۲۸۲۔

(۳) ''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

(۴) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ، ص ۶۴۔

(۵) ''یارانِ طریقت یا پیر بھائی'' از پیر جماعت علی شاہ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء ص ۳۴۔

(۶) ''پنج گنج علی پوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ص ۱۸۰۔

(۷) ''پنج گنج قصوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء ص ۴۲۔

(۸) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور جون ۱۹۱۳ء ص ۱۰/ فروری ۱۹۱۷ء ص ۱۔

(۹) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت فروری ۱۹۸۱ء۔

/☆/☆/☆/☆/

شاہ محمد امین اللہ خاموش ناروی رحمۃ اللہ علیہ

(_________ ۱۹۴۹ء)

آپ کے آباؤ اجداد قصبہ نارہ تحصیل سراتھو ضلع الٰہ آباد (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے نانا مولوی حکیم احسان علی خاں قادری (۱۸۱۴ء۔۱۸۷۷ء) (برادر اکبر مولوی رحمان علی مؤلف ''تذکرہ علمائے ہند'') بہت بڑے زمیندار تھے اور علم و حکمت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی طبّی تصانیف موسوم بہ ''طبِ احسانی'' قرابا دین احسانی''، ''معالجاتِ احسانی'' اور ''مرکباتِ احسانی'' وغیرہ علم طب کی رُوح ہیں۔ حکیم صاحب اضلاع فتح پور اور باندہ میں سرکاری وکیل کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے اور حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ (۱۷۶۰ء۔۱۸۳۴ء) سے شرفِ بیعت رکھتے تھے۔

شاہ محمد امین اللہ نے اپنے نانا جان کی پیروی کرتے ہوئے دینی تعلیم کے علاوہ طب میں بھی دسترس حاصل کی، بڑے بڑے ڈاکٹر اور حکیم آپ کی رائے کے محتاج رہتے تھے۔ آپ کی اچھی خاصی زمینداری بھی تھی۔ پابندیٔ شریعت اور جذبۂ عشق ورثے میں ملا تھا۔ سب سے پہلے حضرت شاہ صدر الدین احمد ناروی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں

بیعت کی لیکن رحلتِ مُرشد کے سبب منازلِ فقر کی تکمیل تشنہ رہ گئی۔ پھر عرصہ دراز تک تکالیف واخراجاتِ کثیرہ برداشت کرنے کے بعد حضرت سیّد فرخ شاہ مجذوب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رُوحانیت کا درس لیا مگر تشفی نہ ہوسکی اور تلاشِ حق برابر جاری رہی اور حضرت حکیم عبدالقوی ملقب بہ لسّان الحق رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ قادریہ غوثیہ حزبیہ میں شرف بیعت حاصل کیا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالقیوم عرف منظور احمد شاہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ امیر ملّتؒ) آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ دوران قیام برابر محافلِ افکار ہوتی رہیں۔ طبیعتوں کی یکسانیت نے رشتۂ اُلفت ومحبت قائم کردیا۔ مولانا عبدالقیوم عرف منظور احمد شاہ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے اوصافِ حمیدہ سے متعارف کرایا تو آپ پر علی پور شریف پہنچنے کی دُھن سوار ہوگئی اور فوراً تمام کاموں کو چھوڑ کر علی پور شریف حاضر ہوگئے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی نظرِ کیمیا اثر نے پہلی ہی نگاہ میں طالبِ صادق کے جذبِ صادق کا پورا حال معلوم کرلیا اور آپ کو بیعت کی سعادت سے بہرہ اندوز کرنے کے بعد ۱۱/ مئی ۱۹۱۵ء کو برموقعہ بارہویں سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ علی پور شریف، خرقہ خلافت سے بھی نواز دیا۔

آپ تادمِ زیست ہر دوسرے یا تیسرے سال علی پور شریف حاضری دیتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۸ء) فرزندِ اصغر وسجادہ نشین دوم حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ) بھی آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ جذبۂ عشق میں زیادہ بے خود ہوجاتے تو علی پور سیّداں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

آنکھوں سے دُور رہنے کا صاحب گلہ نہیں
دل سے قریب ایسے ہو کچھ فاصلہ نہیں

آپ نے طول وعرض کے دورے کرکے سلسلۂ عالیہ کی خوب تبلیغ کی۔ آپ نے بزبانِ فارسی ایک شجرۂ طریقت بھی لکھا جو ۱۹۳۱ء میں ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور میں شائع

ہوا تھا۔ اس شجرہ کی اشاعت پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے خوشنودی کا خط لکھا تھا۔ رحلت سے چند ماہ قبل آپ نے اپنے بھتیجے محمد حاجی جماعتی کو داخل سلسلہ کر کے اپنا خلیفۂ مجاز مقرر کر دیا تھا۔ آخر عمر میں شوقِ عبادت بہت ہی بڑھ گیا تھا اور اتباعِ سُنّتِ مصطفوی میں تو آپ عدیم النظر تھے۔ حلقۂ ذکر کا سلسلہ تا زیست قائم رہا۔

آپ کی وفاتِ حسرت آیات ۸/صفر ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۹/نومبر ۱۹۴۹ء بروز منگل ہوئی اور اپنے خاندانی قبرستان قصبہ نارہ (الٰہ آباد) میں سپردِ خاک ہوئے۔ مزارِ مقدس زیارت گاہِ خلائق ہے۔

----------ماخذ----------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۰۷۔
(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۶۷۔
(۳) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری مطبوعہ لاہور ۱۳۲۷ھ ص ۶۴۔
(۴) ''تذکرہ علماء ہند'' از مولوی رحمان علی (اُردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء۔ ص ۸۴، ۸۵۔
(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور جون ۱۹۱۵ء۔ ص ۱۸۔
(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور جنوری ۱۹۶۴ء، ص ۲۲ تا ۲۵۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد شریف کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۱ء-----------۱۹۵۱ء)

فقیہِ اعظم ابو یوسف مولانا محمد شریف بن مولانا عبدالرحمٰن (ف ۱۸۸۱ء) کی ولادت ۱۸۶۱ء میں کوٹلی لوہاراں (غربی) ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ درس نظامی کی تکمیل والد ماجد سے کرنے کے بعد مشقِ مناظرہ کی۔ فراغت کے بعد تبلیغِ مسلکِ حقہ اہل سُنّت

وجماعت کے لئے کمر باندھی۔ ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر میں آپ نے فقہ حنفی اور مذہب حقہ اہلسنت کی حمایت میں جومضامین لکھے اُن کا وزن مولوی ثناء اللہ امرتسری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء) جیسے متعصّب اور کٹڑ وہابی بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مشہور اہلحدیث عالم مولوی محمد ابراہیم میر سیال کوٹی (۱۸۷۴ء۔۱۹۵۶ء) سے بھی آپ کے متعدد مناظرے ہوئے۔ لیکن بفضلِ خدا اور بطفیلِ مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء آپ کی شخصیّت ہمیشہ چھائی رہی۔ حضرت صدر الشریعۃ مولانا محمد امجد علی اعظمیؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۴۸ء) اور حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء) آپ کے علمی تجر کے معترف تھے۔

آپ تحریر وتقریر، بحث ومناظرہ اور شعر وشاعری میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ لاہور سے لے کر بمبئی تک آپ کی جادو بیانی کا ڈنکا بجتا تھا۔ تاریخ گوئی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اُردو، فارسی اور عربی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اور تینوں زبانوں میں عمدہ شعر کہتے تھے۔ حضرت حافظ محمد عبدالکریم نقشبندی مجدّدیؒ (۱۸۴۸ء۔۱۹۳۶ء) عید گاہ شریف راولپنڈی سے بیعت وخلافت تھی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا شاہ احمد رضا خاںؒ (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) نے بھی اکتوبر ۱۹۱۹ء میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں خلافت واجازت سے مشرّف فرمایا۔ آپ کو سنوسئ ہند امیر ملّت قدس سرّہٗ ،(۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) سے بھی خصوصی طور پر عقیدت ومحبت تھی۔ برصغیر کے مختلف علاقوں کے تبلیغی دوروں میں آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے ساتھ ہوتے تھے۔ ۱۹۲۵ء کی آل انڈیا سُنّی کانفرنس مراد آباد میں بھی آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی معیّت میں شامل ہوئے۔ آپ کی مذہبی وملّی اور علمی خدمات سے خوش ہوکر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اپنے مریدین کو استفادہ کے لئے آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

''پنجاب اور ہند میں علمائے اہلسنّت کے سرتاج عالم

اورصوفی کامل ہمارے مولوی محمد شریف صاحب ہیں اُن کی خدمت میں جایا کرو"۔

آپ عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی زیرِ قیادت "آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس" کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے اور تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی۔ آپ کے پاس جب لوگ مرید ہونے کے لئے آتے تو اکثر و بیشتر کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔ بعض کو خود مرید کر لیتے تھے۔

آپ نے نوّے برس کی عمر میں ۱۵/ جنوری ۱۹۵۱ء مطابق ۶/ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بروز پیر رحلت فرمائی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفۂ خاص مولانا نور الحسنؒ (۱۸۶۰ء۔۱۹۵۵ء) خطیب مسجد ملّا عبدالحکیمؒ سیال کوٹ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دارے والی مسجد (مسجد شریفی) کے عقب میں سپردِ خاک ہوئے۔ مزار پُر انوار مرجع عام وخاص ہے۔

آپ کی رحلت پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے فرمایا:۔

"مولانا محمد شریف کو میں جانتا ہوں کہ وہ کیا تھے؟

وہ تو قطبِ زمانہ تھے اور میرا دایاں بازو تھے"۔

آپ کی رحلت پر متعدد حضرات نے قطعاتِ تاریخ وفات کہے اور بعض نے منظوم خراجِ تحسین پیش کیا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفہ ارشد حضرت حکیم خادم علی سیالکوٹیؒ (۱۸۶۶ء۔۱۹۷۱ء) نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا۔

تھی ملی قطبِ ولایت سے خلافت اس کو
اور حاصل تھی تصوّف کی نہایت اس کو
ڈھونڈتی پھرتی ہے اب اس کو نگاہِ بیتاب
پر نہیں ملتا ہے اُن کا زمانے میں جواب

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دوسرے منظورِ نظر خلیفہ پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے مندرجہ ذیل قطعاتِ تاریخ وفات کہے۔

(۱)

''مفتیِ جلیل مولوی محمد شریف کوٹلوی''

۱۹۵۱ء

وہ محمد شریف نیک صفات — منبعِ فیض ومجمعِ حسنات
مفتیِ دیں، محدّثِ فاضل — معدنِ خیر ومخزنِ برکات
پردہ فرما کے دارِ فانی سے — ہوگئے باقی فنا فی الذات
سوگوار اُن کا سارا پاکستان — ہوں وہ جنت میں فائزِ برکات
اُن کی مدح وثنا کہاں ممکن — قادریؔ لکھ دو اُن کا سالِ وفات
کہدو: ''پاکیزہ طینت وذی علم'' — کہدو: ''عارف صفات وپاک حیات''
۱۳۷۰ھ — ۱۳۷۰ھ

(۲)

تھے یہاں فردِ کاملِ دُنیا — ہوں وہاں جاکے فردِ کاملِ خُلد
قادریؔ لکھئے اُن کا سال وصال — کہ: ''محمد شریف داخلِ خُلد''

۱۹۵۱ء

آپ نے باون کتب تصنیف کیں جن میں سے ۴۵ زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں اور سات غیر مطبوعہ حالت میں چھوڑیں۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

مطبوعہ کُتب:۔

(۱) ضرورتِ فقہ (۲) کتابِ التراویح (۳) صداقت الاحناف (۴) کشف الغطاء (۵) اباعۃ السیف (۶) نمازِ حنفی بدلّل (۷) نجدیوں سے نفرت (۸) تصوّرِ شیخ (۹) اربعین حنفیہ (۱۰) فرقہ شیعہ کی ابتداء (۱۱) وہابیہ سے مناکحت (۱۲) مستورات کی نماز (۱۳) اربعینِ نبویہ (۱۴) تائید الامام باحادیثِ خیر الانام ﷺ (۱۵) کتاب الوتر (۱۶) فقہ دراصل حدیث ہے (۱۷) دُعا بعد نمازِ جنازہ (۱۸) ندائے یارسولؐ اللہ (۱۹) اجتہاد

(۲۰) تحقیقِ بدعت (۲۱) اخلاق الصالحین (۲۲) القول الحسن (۲۳) شمس الحق (۲۴) الحق المُبین (۲۵) مناظرہ بہلولہ (۲۶) مسئلہ طلاقِ ثلاثہ (۲۷) رسالہ تقلید (۲۸) مُنہ مانگی مراد (۲۹) ثبوتِ تقلید (۳۰) آیاتِ بیّنات (۳۱) اظہارِ حق (۳۲) انتفاع الاموات بالصدقات (۳۳) سنان المقلدین فی صدر غیر المقلّدین (۳۴) القول الصائب (۳۵) نفیٔ فییٔ (۳۶) علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳۷) نعرہ الحق (۳۸) اباحۃ السلف البناء علیٰ قبور المشائخ والعلماء (۳۹) حقیقتِ نماز جنازہ (۴۰) فقہ وہابیہ (۴۱) ختم یافاتحہ مروّجہ (۴۱) درِّ مختار پراعتراضات کے جوابات (۴۲) پردۂ نسواں (۴۳) شرح مشکوٰۃ شریف (۴۴) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات (۴۵) ماتم کا شرعی حکم۔

غیر مطبوعہ کُتب :۔

(۱) مشکوٰۃ شریف کا پنجابی ترجمہ (۲) فاتحہ خلف الامام (عربی، اُردو) (۳) مفقود الخبر (۴) مرزائیت کی تردید (۵) تحقیق الکلام (۶) ترجمہ موطا امامِ محمدؒ (۷) ترجمہ آثارِ محمدؒ۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۲۰۷۔
(۲) ''تذکرہ خلفاء اعلیٰ حضرت'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء ص ۲۶۲ تا ۲۶۴۔
(۳) ''تذکرہ علماء اہلسنّت'' از شاہ محمود احمد قادری مطبوعہ کانپور (بھارت) ۱۳۹۱ھ ص ۲۲۵۔
(۴) ''حیاتِ کامل'' از مولانا عبدالحکیم مطبوعہ سرگودھا، ثنائی پریس ص ۴۷۔
(۵) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از مولانا نور بخش توکلیؒ (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۶۳۔۵۶۴۔
(۶) ''مقالاتِ یومِ رضا'' حصہ سوم از قاضی عبدالنبی کوکبؔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء ص ۲۸۔
(۷) ''اولیائے سیال کوٹ'' از رشید نیاز مطبوعہ سیال کوٹ۔ ۱۹۹۲ء ص ۸۴ تا ۸۵۔
(۸) ''انوار الکریم'' از پروفیسر انیس احمد شیخ مطبوعہ لاہور طبع دوم ۱۹۷۹ء ۲۸۸۔
(۹) ''تذکرہ فقیۂ اعظم'' از پروفیسر مجیب احمد مطبوعہ مرید کے ضلع شیخوپورہ ۱۹۹۴ء متعدد صفحات۔

(۱۰) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیالکوٹ فروری ۱۹۵۱ء ص ٹائٹل صفحہ ۳، ۳۰۔

(۱۱) روزنامہ ''سعادت'' لائل پور بابت ۲۳/ مئی ۱۹۶۹ء۔

(۱۲) روزنامہ ''مساوات'' لاہور بابت ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔

(۱۳) ''سوانح فقیہ اعظم'' (قلمی) از صوفی محمد رضا المصطفیٰ چشتی کوٹلوی مرحوم۔

(۱۴) مکتوبِ گرامی حضرت سیّد اختر حسین شاہ علی پوری بنام محمد صادق قصوری محررہ ۲۱/ ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۱۵) سہ ماہی ''پیغام آشنا'' اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۱۱۱ تا ۱۱۷۔

/☆/☆/☆/☆/

میاں رجب علی جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۱ء ـــــــــــــــــــ ۱۹۵۱ء)

حضرت میاں رجب علی بن سردار بخش ولد حشمت علی بن معظم خان کی ولادت ۱۸۶۱ء میں موضع جھنگی بلوآنہ چک نمبر ۲۰۳ ج ب تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ میں ہوئی۔ جٹ سپرا قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ والدہ ماجدہ کا اسم مبارک سلماں بی بی تھا۔

آپ بڑے قد وقامت والے اور طاقتور نوجوان تھے۔ ڈاکہ زنی، بدمعاشی اور چوری کے سلسلہ میں تمام ضلع میں مشہور ومعروف تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگ آپ کا نام سن کر کانپ اُٹھتے تھے، یہاں تک کہ جو عورت اپنے بچے کو ڈرانا چاہتی تو کہتی کہ ''دیکھو! رجّو (رجب علی) آرہا ہے''۔ بچہ یہ سُنتے ہی مارے ڈر کے سہم جاتا۔ غرض لوگ بہت تنگ آچکے تھے۔ حکومت نے آپ کی اِن روز افزوں کاروائیوں سے تنگ آکر آپ کے گاؤں میں پولیس چوکی قائم کردی۔ کئی مرتبہ پولیس چوکی سے آپ کی جھڑپیں ہوئیں اور پولیس کا نقصان بھی ہوتا رہا۔ غرض پولیس چوبیس گھنٹے آپ کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

۱۹۱۴ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ کے گاؤں کے قریب موضع

پسلیانوالہ تشریف لے گئے تو پیر بخش تھانیدار جو حضرت اقدس سے بیعت تھا، آپ کو لے کر حاضر خدمت ہوا اور سلام کے بعد عرض کیا کہ:۔

"حضور! دُعا فرمائیے کہ یا تو ہماری تبدیلی ہو جائے یا رجب علی مرجائے۔"

حضرت اقدس نے فرمایا، کیوں؟ تھانیدار نے کہا "یہ ڈاکے ڈالتا ہے، لوگوں کو تنگ کرتا ہے اور ہمیں بھی بے عزّت کرواتا ہے، ہم اس کی ان حرکتوں سے بہت تنگ آ چکے ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

"میں نے ساری عمر کسی کے لئے بددُعا نہیں کی، ہاں دُعا کرتا ہوں"۔

یہ سُن کہ آپ (رجب علی) نے کہا کہ "میں نے بڑے بڑے پیر دیکھے ہیں"۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"تو نے تو بڑے بڑے پیر دیکھے ہیں لیکن تجھے کسی نے نہیں دیکھا"۔

اُس وقت ایک دو آدمی حضرت اقدس امیر ملّت قدس سرّہٗ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ بھی پاؤں دبانے لگے اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں پورے زور سے دبانے لگے۔ حضرت اقدس نے فرمایا، "یہ کون ہے؟" عرض کیا گیا، "رجب علی ہے"۔ حضرت نے فرمایا، "باقی سب چھوڑ دو، اور آپ کو ہدایت کی کہ دونوں ہاتھوں سے خوب زور سے دباؤ"۔ آپ نے دبانا شروع کیا، حضرت برابر یہی فرماتے رہے، "اَور زور سے، اَور زور سے"۔ آخرکار آپ تھک کر پسینہ پسینہ ہو گئے اور حضرت اقدس برابر اَور زیادہ زور لگانے کا حکم دیتے رہے۔ القصّہ آپ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:۔

"حضور! میں اگر بھینس کی ٹانگ اتنے زور سے دباؤں تو چُور چُور کر دوں۔ میں تو بھینس کو دونوں جبڑوں سے پکڑ کر دو کر دیتا ہوں، مگر آپ کے مٹھی بھر وجود نے مجھے پسینہ پسینہ کر دیا ہے۔ یہ جسم صرف مٹی نہیں بلکہ نور ہے۔ میں جتنا زور لگاتا ہوں، حضور اَور زیادہ حکم دیتے ہیں"۔

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

''تُو تو بہت مشہور اور زور آور ڈاکو شمار کیا جاتا ہے یہ کیسا زور ہے کہ پاؤں نہیں دبا سکتا''۔

آپ گڑگڑانے لگے اور عرض کیا:۔

''میں توبہ کرتا ہوں، اپنے اعمالِ بد سے باز رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ حضور بھی رب تعالیٰ کے حضور میری مغفرت کی دُعا کریں اور مجھے سلسلہ میں داخل کریں''۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ''کل اگلے گاؤں آنا''۔ چنانچہ دوسرے دن حاضر ہوئے تو حضرت نے حلقہ میں بٹھا کر توجّہ دی تو بے ہوش ہو کر تڑپنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے تو حضرت اقدس نے چند اسباق پڑھائے اور فرمایا:۔

''رجب علی! کیا اب بھی چوری ڈاکہ میں حصّہ لے گا؟''

عرض کیا:۔ حضور! آج سب کچھ ختم''۔

اس واقعہ کے بعد آپ اپنا زیادہ تر وقت مسجد میں گزارتے۔ نماز کے ایسے پابند ہو گئے کہ تہجدّ اور اشراق کا بھی ناغہ نہ ہوتا۔ فنافی الشیخ ہو گئے اور ہمیشہ سر پر چادر ڈالے رہتے اور نظر اٹھا کر بھی اُوپر نہ دیکھتے۔ سحر کے وقت ذکر کرتے ہوئے ایک آدھ دفعہ آواز بلند ہو جاتی تو اُس کی گونج دُور تک جاتی اور بڑی پیاری معلوم ہوتی۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے اجازت وخلافت سے بھی نواز دیا۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنی جھولیاں گوہرِ مراد سے بھر کر لے جاتے۔ ہر صبح نو بجے تک حجرہ میں محوِ عبادت رہتے اور پھر باہر آ کر حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے۔ لوگوں کو پانی دم کر کے دیتے تو مایوس مریض بھی خدا کے فضل وکرم سے صحت یاب ہو جاتے۔ عصر کی نماز سے لے کر مغرب تک کسی سے گفتگو نہ کرتے، آپ سے جو بیعت کرتا پابندِ شریعت ہو جاتا۔

زُہد وتقویٰ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ بے نماز کے ہاتھ کی روٹی نہ کھاتے تھے۔ اگر کوئی

بے نماز عورت روٹی پکاتی تو روٹی دیکھ کر فوراً کہہ دیتے کہ ''یہ بے نماز کے ہاتھ کی روٹی ہے''۔ اپنے گھر کے قریب ہی ''جامع مسجد نور شہِ جماعت'' کے نام سے ایک شاندار مسجد تعمیر کی، جود وسخا میں اپنی مثال آپ تھے۔ رمضان المبارک میں اکثر غریب لوگ آپ کے ہاں روزے رکھتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ پر خصوصی نظر کرم فرماتے تھے۔

حضرت منشی احمد دین گجراتی (۱۸۹۷ء۔۱۹۸۰ء) روای ہیں کہ میں نے میاں رجب علی کی توبہ کا واقعہ ۱۹۲۱ء میں ''لائل پور ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس'' کے موقعہ پر یارانِ جھنگ سے سُنا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ اس کانفرنس کی صدارت فرما رہے تھے اور مجھے نعت خوانی کے لئے بلایا تھا۔ میں نے اس کانفرنس میں حضرت کی شان میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا تھا۔

ہے شاہِ جماعت پیر میرا سبحان اللہ سبحان اللہ

کئی ڈاکو سَن وچہ باراں دے   اوہ کپڑے لاہن اسواراں دے

ہُن وڑ بیٹھے وچہ غاراں دے   ہے شاہِ جماعت پیر میرا سبحان اللہ سبحان اللہ

صبح رجب علی مجھے ملے تو کہنے لگے: ''وَت بیلیا نہیوں ناں ٹلیا''۔

۱۹۳۱ء میں بھی حضرت منشی صاحب نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اس میں بھی رجب علی کے واقعہ کا یوں ذکر کیا۔

ڈاکو حلقے وچہ لیا کے   واپس کیتے غوث بنا کے

جاری قلب کرا علی پور والڑیا

سانوں رہندا تیرا چا علی پور والڑیا

حضرت الحاج حافظ نور احمد قصوریؒ (۱۹۰۷ء۔۱۹۸۶ء) خلیفۂ امیر ملّتؒ نے ایک دفعہ بیان فرمایا تھا کہ:۔

''ایک دفعہ مَیں علی پور شریف کی ''مسجد نور'' میں نماز باجماعت ادا کر رہا تھا کہ ایک شخص میرے ساتھ آ کر شامل نماز ہوا۔ اُس کے قلب سے اَللّٰہ اللہ کی آواز آ رہی تھی۔ میں حیران تھا

کہ یہ شخص کون ہے؟ بعد میں پتہ چلا کہ یہ میاں رجب علی تھے"۔

آپ شریعت کے بہت زیادہ پابند تھے۔ آپ کے ملازم وغیرہ بھی پابندِ صوم وصلوٰۃ تھے۔ جب علی پور شریف عُرس پر جانا ہوتا تو تمام یارانِ جھنگ آپ کے ہاں جمع ہوجاتے اور پھر قافلہ کی حیثیت سے روانہ ہوتے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کو بھی آپ سے بہت پیار تھا۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ سے آپ کو کمبل ارسال فرمایا۔ ساری عمر کوئی مال جمع نہ کیا اور عمر بھر زکوٰۃ فرض نہ ہوئی۔

مُستجاب الدعّوات ایسے کہ جو منہ سے نکلا، پورا ہوا۔ آپ کے دونوں صاحبزادے نور محمد اور نور احمد حافظ قرآن ہوئے۔ ایک دن اپنی بیٹی مریم کے منہ پر لب لگا کر فرمایا کہ "خدا تمہیں بھی حافظ قرآن بنادے گا"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بھی حافظ بنادیا۔

وصال سے قبل صاحبِ فراش ہوئے تو بسترِ علالت پر بھی تبلیغ وتوسیعِ سلسلہ عالیہ کا کام جاری رہا۔ اپنے گھر والوں کو وصیّت کی کہ:۔

"میری رحلت کے بعد کوئی عورت ہاتھ کھڑے کر کے نہ روئے۔ میرے پلنگ کو کوئی بے نماز ہاتھ نہ لگائے۔ میرے جنازے کے ساتھ قرآن خوانی اور نعت خوانی کریں۔ میرے مزار پر بہتّر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا جائے"۔

وصال سے چند منٹ پہلے فرمایا کہ وقت قریب آگیا ہے لہذا مجھے وضو کراؤ۔ چنانچہ وضو کرایا گیا اور نماز کی تیاری شروع کردی۔ فرشتۂ اجل نے عین نماز ظہر کی حالت میں ۱۴/ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹/ جون ۱۹۵۱ء بروز منگل آپ کو خالقِ حقیقی سے ملادیا۔ مزار اقدس آج بھی مرجعِ خاص وعام ہے۔ لوگ آتے ہیں اور فیض کے خزانے لوٹ کر واپس جاتے ہیں۔

--------------ماخذ--------------

(۱) "سیرتِ امیر ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء، ص ۲۵۹، ۴، ۷۰۔

(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ اگست ۱۹۳۱ء، ص ۵۴۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور جون ۱۹۶۸ء ص ۲۲۔

(۵) مکتوب گرامی حضرت منشی احمد دین گجراتیؒ بنام محمد صادق قصوری از سانگلہ ہل محررّہ ۲۰/ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۶) مکتوب گرامی الحاج حافظ نور محمد جماعتی (خلف الرشید میاں رجب علی) بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۲۲/ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۷) مکتوب گرامی مہر نور محمد نمبر دار ساکن بلوآنہ بنام محمد صادق قصوری موصولہ ۱۰/جنوری ۱۹۷۷ء۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد عبدالقیوم عرف منظور احمد شاہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۷۲ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۵۱ء)

مولانا محمد عبدالقیوم عرف منظور احمد شاہ کی ولادت باسعادت ۲۲/جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۷/اگست ۱۸۷۲ء بروز منگل جناب رحیم دادخاں کے ہاں الٰہ آباد (بھارت) میں ہوئی۔ عالمِ شیرخوارگی میں ہی واقعاتِ نادرہ وحالاتِ عجیبہ کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آپ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں بالکل حصہ نہیں لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اُستاد المکرّم نے بچوں کو کھیلنے کے لئے رخصت عطا فرمائی تو آپ نے اپنے ہمعصر بچوں کو ساتھ لے کر نماز باجماعت ادا کرنے کا مشغلہ شروع کیا۔ جملہ بچے مقتدی بنے اور آپ امام۔ اُستاد نے جب یہ دیکھا تو محبت کے ساتھ سینے سے لگالیا اور فرمایا:۔

''کیسا اچھا امام ہے اور کیسے اچھے مقتدی ہیں''۔

آپ کو بچپن ہی سے بزرگانِ دین کی خدمت بابرکت میں حاضر رہنے کا لامتناہی شوق تھا۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد جب والدہ ماجدہ نے حضرت سیّد بہاء الدین نقشبندی مجدّدی مظہری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تو آپ نے بھی اوّل چاشنی اس درگاہِ والا جاہ سے فیض کی چکھی مگر سن شریف صرف تیرہ سال تھا۔ بدیں وجہ کوئی تعلیم طریقہ عالیہ کی حاصل نہ کر سکے۔

سنِ شعور کو پہنچنے پر تلاش مُرشد میں مسلسل دس سال ہندوستان کے اطراف واکناف میں پھرتے رہے اور اس دوران میں قوّتِ لایموت کے حصول کے مختلف اسباب وذرائع اختیار فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک عطر فروشی کرتے رہے۔ اسی حال میں ۱۹۱۰ء میں اجمیر شریف میں عرس مبارک کے موقعہ پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے شرفِ نیاز حاصل ہوا۔ مختصر گفتگو کے بعد حضرت قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ:۔

"علی پور شریف آؤ تو وہاں خریدیں گے"۔

چنانچہ بعد میں ۱۲/ مئی ۱۹۱۰ء کو علی پور سیّداں حاضر ہوئے۔ ایک کمرے میں ٹھہرا دیئے گئے۔ پیر کی تلاش میں دس سال کی یہ حوصلہ فرسا مدّت گزارنے کے بعد انتہائی ذوق وشوق سے اُسی لباس میں جس میں دس سال گزرے ہیں، دوسرے داخل ہونے والوں کی کثیر جماعت کے ساتھ پیر کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ دس سال کی اس طویل مدّت میں ستر پوشی کے لئے صرف ایک کمبل استعمال کیا جاتا رہا جو آج بھی عجیب دلربا انداز میں زیب تن فرمایا گیا ہے، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ دیکھتے ہی حکم دیتے ہیں کہ:۔

"اس دیوانہ کو جماعت سے نکال دو"۔

یہی معاملہ دو دن پیش آتا رہا۔

۱۴/ مئی ۱۹۱۰ء کو بعد نماز مغرب حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے بکمال محبت طلب فرما کر حجامت بنوا کر غُسل کرایا اور نئے کپڑے پہنا کر سر پر عمامہ بندھوایا۔ جب اس شانِ محبوبی کے ساتھ مُرشد کے حضور حاضر ہوئے تو سعادتِ بیعت سے سرفراز کئے گئے اور "منظور احمد" کا خطاب عطا ہوا۔ حضرت اقدس نے جملہ فیوض وبرکات سے نواز کر نکاح کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر بعد از اعتکاف ۱۱/ مئی ۱۹۱۵ء کو بر موقع ۱۲/ واں سالانہ جلسہ علی پور شریف خلافت عظمٰی سے نوازا۔

خلافت حاصل کرنے کے بعد بحکم امیر ملّت قدس سرّہٗ محبت پور پینسہ تحصیل سراتھو ضلع الٰہ آباد (بھارت) تشریف لے گئے اور عرصہ تک قرب وجوار کے مواضعات میں سلسلۂ تبلیغ وتعلیم جاری رہا۔ ایک جماعت کثیر تائب ہو کر داخلِ سلسلہ ہوئی۔ مسلمانوں

کے علاوہ ہندو، عیسائی و دیگر غیر مسلم بھی آپ سے ہدایت یاب ہوئے۔ ہندوستان کے اطراف و جوانب میں تبلیغ و تلقین کا بازار گرم کر کے اپنے سلسلہ کی اشاعت کی۔

آپ کی ہر بات سامعین کے قلب و جگر میں پیوست ہو جاتی تھی۔ دشمن بھی آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے معترف تھے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ آپ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے پرائے سب کے سب مستفید و مستفیض ہوتے۔ لوگ خالی ہاتھ آتے اور گوہر مراد سے دامن بھر کر واپس جاتے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی آنکھیں پُر نم ہو جاتیں۔ اشدآءُ علی الکفار رحماءبینھم کی سچی تصویر تھے۔

آپ دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ تحریک خلافت میں پیر و مرشد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھرپور حصہ لیا۔ اوائل عمری میں پہلوانی کا بھی شوق تھا مگر جب فقیری میں وارد ہوئے تو یہ شغل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔ آپ نہایت سادہ طبیعت، خوبصورت، قد آور، نورانی چہرہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ لباس بھی نہایت سادہ پہنتے تھے۔ زیادہ تر مارکین کی شلوار شرعی اور مارکین کا کُرتہ اور لدھیانہ کا جوتا استعمال فرماتے۔ مریدوں پر الطافِ کریمانہ ہمہ وقت رہتا تھا۔ مریدوں کی دست گیری کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے۔

آپ کی رحلت ۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۷/ جون ۱۹۵۱ء بروز بدھ ہوئی اور محلّہ رسول پور الٰہ آباد میں آپ کے آموں کے باغ میں آخری آرامگاہ بنی۔

محمد صادق قصوری نے یہ قطعہ تاریخ کہا ؎

خلیفۂ امیرِ ملّتِ اسلام رفت — آں منظور احمد سوئے قصرِ جناں
فکرِ سالِ رحلت کرد چوں صادقؔ — گفت ہاتف، بگو ”رُخِ رخشاں“
۱۹۵۱ء

ایضاً

منظور احمد شاہ بعزّ و جاہ — آج دُنیا سے ہوگئے رُخصت
فکر جو کی سالِ رحلت کی صادقؔ — بولا ہاتف، کہو ”مقصودِ خلقت“
۱۳۷۰ھ

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء، ص ۷۰۴۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت جون ۱۹۱۵ء، ص ۸۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت ماہ جنوری ۱۹۶۳ء ص ۳۳ تا ۳۵۔

(۵) مکتوبِ گرامی غلام الصالحین حاجی بھائی ماڈرن بیٹری فیکٹری محلہ اٹالہ، الہ آباد (بھارت) بنام محمد صادق قصوری محررہ ۵/ دسمبر ۱۹۷۶ء

/☆/☆/☆/☆/

میاں جی محمد محبوب عالم بجنوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۱ء---------------۱۹۵۱ء)

میاں جی محمد عالم کی ولادت ۱۸۸۱ء میں گینڈی کھاتہ (جنگل) نجیب آباد ضلع بجنور (بھارت) کے ایک گوجر گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بڑے بزرگ اور عالم تھے۔ وہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں جموں (کشمیر) سے علی پور سیّداں حاضر ہوئے اور چند سال حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں حاضر رہے۔ بعد ازاں ڈیرہ دون (بھارت) میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں وہ اپنے صاحبزدے میاں جی محمد عالم کو ساتھ لے کر علی پور سیّداں دوبارہ آئے اور حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی غلامی میں دے دیا۔

چنانچہ داخلِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ ہونے کے بعد میاں جی محمد عالم ہمیشہ دربار شریف میں حاضر ہوتے رہے۔ عُرس مبارک سے ایک دو ماہ قبل علی پور سیّداں شریف حاضر ہوتے اور درویشوں کے ساتھ ہر خدمت سرانجام دیتے اور جلسے کے بعد انعام و اکرام سے سرفراز ہو کر واپس اپنے جنگل میں چلے جاتے اور دُودھ کے کاروبار میں مصروف ہو جاتے۔

۱۹۴۰ء میں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی مگر آپ نے کسی سے اظہار نہیں کیا۔ دو سال بعد ۱۹۴۲ء میں آپ کے ساتھ آپ کے بھائی بھی دربار شریف حاضر ہوئے اور حضرت اقدسؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ بہت سے لوگ داخل سلسلہ ہونے کے مشتاق ہیں لیکن حاضری سے معذور ہیں۔ اس پر حضرت امیر ملت نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

> ''تم لوگوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے ہم نے مولوی جی کو تمہیں دے دیا ہے۔ اِن سے داخل سلسلہ کرا دیں''۔

حضرت امیر ملت قدس سرہٗ آپ کو پیار سے ہمیشہ ''مولوی جی'' فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگوں کے مجبور کرنے پر آپ نے سلسلۂ بیعت جاری کر دیا اور ایک سو کے قریب اشخاص کو داخلِ سلسلہ کیا۔

آپ بڑے عابد و زاہد، ذاکر و متقی، پرہیز گار اور تہجد گزار تھے۔ دو مرتبہ مع اہل و عیال حج و زیارت کے لئے گئے۔ پہلے حج ۱۹۴۴ء میں آپ کی اہلیہ اور ایک چھوٹا بچہ وہاں فوت ہو گئے اور مبلغ چار ہزار روپیہ کی ہمیانی گم ہو گئی۔ مفلس اور غریب الدیار رہ گئے۔ لیکن ان صدمات پر صبر کیا اور اپنے پیر و مرشد پیر روشن ضمیر حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کا تصور کیا۔ فوراً یہ کرامت ظہور پذیر ہوئی کہ اس قافلے میں کاٹھیاواڑ کا ایک سیٹھ تھا۔ اُس نے اپنی امانت زرِ نقد آپ کے سپرد کی اور نہایت اصرار کے ساتھ آپ کے انکار کے باوجود تمام مصارفِ سفر برداشت کئے۔ اپنے ہمراہ کراچی تک پہنچا کر بذریعہ ہوائی جہاز لکھنؤ تک پہنچایا۔ پھر لکھنؤ سے آپ اپنے جنگل میں تشریف لے گئے۔ تقسیم ہند کے بعد سفر کی دشواریوں کے سبب علی پور شریف کی حاضری کے لئے بے قرار رہتے تھے۔

۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء میں دوبارہ حج کو تشریف لے گئے۔ ارادہ تھا کہ واپسی پر علی پور شریف حاضر ہوں گے لیکن وہاں علیل ہو گئے اور علالت آخر تک رہی۔ جب حج و زیارت سے واپس آئے تو معلوم ہوا کہ ایک شادی شدہ بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے اور دوسری کا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ یہ دونوں صدمے بھی برداشت کر کے صبر کیا اور راضی برضائے مولا رہے۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ کو ''مولوی محمد عالم گنگا والا'' بھی فرمایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا قیام دریائے گنگا کے کنارے تھا۔ جنگل میں رہ کر بھینسوں کا دودھ فروخت کرتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے۔ علالت کے زمانے میں بھینسیں فروخت کر دیں۔ جو کچھ پاس ہوتا راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔ پیر و مُرشد کے قدم بقدم چلتے۔ شیخ کی سُنت کا ہمیشہ لحاظ کرتے اور عشقِ مُرشد میں بے تاب رہتے۔ مسائل فقہ سے خوب واقف تھے۔

۳۰/ اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعرات حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کا انتقال ہوا تو یہ جانکاہ خبر نجیب آباد میں ۳/ ستمبر ۱۹۵۱ء کو پہنچی۔ آپ یہ خبر سُنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ رات کو کچھ ہوش آیا تو اپنے ایک مرید صوفی احمد بخش سے فرمایا کہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کا فاتحہ جمعرات کو کریں گے۔ ضعف حد سے بڑھ گیا تو نماز تہجّد چارپائی پر ادا فرمائی اور وصیّت کی کہ ''کشمیری میاں کے قبرستان میں جو مسجد ہے، وہاں رہنے کو ہمارا دل چاہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہاں تھوڑی سی زمین خرید لو، ہماری قبر وہیں بنادی جائے''۔

اس کے بعد نماز فجر کے لئے پھر وضو کیا اور اشاروں سے نماز فجر ادا کی۔ بعد ازاں مراقب ہو گئے اور اپنے شیخ و مُرشد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے تصوّر میں یکم/ ذوالحجہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۴/ ستمبر ۱۹۵۱ء بروز منگل داعیٔ اجل کو لبیّک کہا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کے برادرِ طریقت اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا۔

تابِ ہجرِ قبلۂ عالم نداشت عشق ایں است و بس غم ایں غم است
داد جاں چوں رحلتِ مُرشد شُنید در جناں با مُرشدِ خود خرّم است

قادری گفتہ است تاریخِ وفات
''عاشقے صادق محمد عالم است''
۱۳۷۰ھ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) ''سیرت امیر ملت''، مطبوعہ علی پور سیداں، ص ۷۰۴۔
(۲) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت اکتوبر ۱۹۵۱ء ص ۵ تا ۷۔
(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت اپریل مئی ۱۹۶۱ء ص ۶۶۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد خادم حسین شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۰ء_______________۱۹۵۱ء)

خادم الملّت حضرت صاحبزادہ پیر سیّد حافظ خادم حسین شاہ ابن امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری (۱۸۴۱ء - ۱۹۵۱ء) کی ولادت باسعادت ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ (پنجاب) میں ہوئی۔ آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ بچپن ہی سے ذہین، متقی اور پرہیزگار تھے۔ اتباعِ شریعت کا آپ کو ابتدا سے خاص اہتمام مدّنظر رہتا تھا۔ حضرت حافظ قاری شہاب الدین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں میں کلام مجید حفظ کیا۔ پھر اُردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم اسی درسگاہ سے حاصل کرنے کے بعد تشنگی علم کشاں کشاں لاہور لے آئی۔ یہاں آپ نے مسجد پٹولیاں اندرون لوہاری گیٹ کے ایک حُجرے میں قیام کیا اور علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ ازاں بعد اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہو کر ۱۹۱۳ء میں مولوی فاضل کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔

یہ امر محتاجِ وضاحت نہیں کہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، برّصغیر کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قادیانی آپ کا نامِ نامی اسم گرامی سُن کر ہی حواس باختہ ہو جاتے تھے اور حضرت اقدس کو کسی نہ کسی طرح گزند پہنچانے کیلئے مذموم منصوبے بناتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت قدس سرّہٗ کے خلاف اشتہار بازی کی گئی۔ مقدمے

دائر کئے گئے، اور مناظروں کے چیلنج بھی دیئے گئے مگر بفضلِ خدا ہر دفعہ ذلّت وخواری اُن کا مقدر ٹھہری۔ چنانچہ شکست خوردہ قادیانیوں نے اب بدلہ لینے کی ایک نئی سکیم بنائی اور حضرت صاحبزادہ سیّد خادم حسین شاہ پر ایک فوجداری مقدمہ دائر کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب اُس وقت اورنٹیل کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔

اس مقدمہ کی پیروی کے لئے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ تقریباً ایک سال تک مسجد پٹولیاں لاہور میں قیام پذیر رہے۔ دشمن چاہتے تھے کہ حضرت اقدس کو اس طرح پریشان کریں کہ تبلیغ وارشاد کا سلسلہ ختم ہو کر رہ جائے، لیکن ؎ ''عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد'' کے مصداق معاندین کا یہ اقدام اُن کی منشا کے بالکل برعکس نکلا۔ مسجد پٹولیاں کے قیام کے زمانے میں حضرت کا فیضِ عام جاری رہا۔ بڑے پیمانے پر آپ کا لنگر قائم تھا، سامانِ خورد ونوش برابر گھر سے منگواتے رہے اور مہمانوں کی خاطر مدارت جاری رہی۔ مسجد میں ہر رات آپ وعظ فرماتے جس میں دُور ونزدیک کے لوگ شرکت کے لئے آتے اور فیضیاب ہوتے۔ اِن ایّام میں بے شمار لوگ تائب ہو کر سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔

مقدمہ کی پیروی کے لئے لاہور کی مشہور علمی، ادبی، مذہبی، سیاسی اور قانونی شخصیّت مولانا محرم علی چشتیؒ (۱۸۶۳ء۔۱۹۳۴ء) حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی طرف سے وکیل تھے۔ دوسرے وکلاء بھی شریک تھے۔ مگر بحث سر میاں محمد شفیع بیرسٹر (۱۸۶۹ء۔۱۹۳۲ء) نے کی اور کسی محنتانہ کے روادار نہ ہوئے۔ ماسٹر خواجہ محمد کرم الٰہی ایڈووکیٹ سیال کوٹیؒ (۱۸۸۰ء۔۱۹۵۹ء) مقدمہ کی پیروی کے لئے سیال کوٹ سے برابر آیا کرتے تھے۔ جس رات کی صبح کو فیصلہ سنایا جانا تھا وہ رات حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربارِ گوہر بار میں بسر کی۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اپنے خادم حاجی عبداللہ امرتسری (ف ۱۹۲۱ء) کو حکم دیا کہ ''آج فیصلے کی تاریخ ہے، زردہ پلاؤ کی دیگیں چڑھادو''۔ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ ''بری ہو جانے کا فیصلہ ہو جائے تو دیگیں چڑھادیں گے''۔ فرمایا! تم ابھی سے کام شروع کر دو، اللہ تعالیٰ بری کرے گا''۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب باعزت طور پر بری ہو گئے۔

مقدمہ سے برأت کے بعد صاجزادہ صاحب برصغیر کے نامور عالم دین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدّث سورتی (۱۸۳۶ء۔۱۹۱۶ء) کے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت (یوپی، بھارت) میں تشریف لے گئے اور بھرپور علمی استفادہ کیا۔ دورانِ تعلیم آپ نے ''منیۃ المصلیٰ'' کی شرح لکھنے کے لئے حضرت محدّث سورتیؒ سے عرض کیا۔ چنانچہ استاذ گرامی نے اپنے لائق وذہین شاگرد کی درخواست پر ''منیۃ المصلیٰ'' کی شرح ''التعلیق المجلّی'' کے نام سے لکھی اور اس کی غرضِ تصنیف بیان کرتے ہوئے اپنے شاگردِ عزیز سیّد خادم حسین شاہ کی ذہانت کی تعریف کی ہے۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۶ء آپ نے ''مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت'' میں استفادہ کیا۔ ۱۹۱۶ء میں حضرت محدّث سورتی کے سانحۂ ارتحال کے بعد ''مدرسہ جامع العلوم کانپور'' (بھارت) میں داخلہ لے کر باقاعدہ درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر معقولی علوم حاصل کئے اور پھر ۱۹۲۰ء میں دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔

دورانِ تعلیم ''مدرسہ جامع العلوم کانپور'' صاجزادہ سیّد خادم حسین شاہؒ نے ۱۲/ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ مطابق ۷/جنوری ۱۹۱۷ء کو جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھی اور پھر ہر سال یہ جلسہ بڑی دُھوم دَھام سے مناتے رہے۔ ۱۲/ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ مطابق ۶/دسمبر ۱۹۱۹ء کا جلسہ خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ اڑھائی سو شرکاء کو صاجزادہ صاحب نے اپنی گرہ سے شاندار کھانا کھلایا۔ صبح نو بجے سے بارہ بجے تک تقاریر، نعت خوانی اور صلوٰۃ وسلام کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریب کے آخر میں صاجزادہ صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

> ''یہ میرا آخری سال ہے، بعد تکمیل رخصت ہو جاؤں گا۔ اُمید ہے کہ میرے بعد یہ سلسلہ جسے میں نے تین سال جاری رکھا، جاری رہے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ تمام خرچہ میں ادا کرتا رہوں گا''۔

حصولِ تعلیم کے دوران گھر سے دُور رہ کر آپ کو گوناگوں مشکلات کا بھی سامنا

کرنا پڑا لیکن تحصیلِ علم کے ذوق وشوق میں آپ نے ہر سختی کو سہل سمجھا اور عالم وفاضل بن کر گھر واپس آئے اور والد گرامی حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پر بیعت کر کے اجازت وخلافت حاصل کی۔

آپ کی زبانِ مبارک میں معمولی سی لُکنت تھی لیکن اس پر بھی علمی اور تبلیغی مشاغل میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ہمیشہ نمازِ فجر کے بعد کلام مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ تبلیغ وارشاد کیلئے دُور دُور تک دورے فرماتے۔ بڑے وسیع الاخلاق، خوش مزاج، بُردبار اور اوصافِ حسنہ سے آراستہ تھے۔ آپ کی سخاوت اور دریادلی کے واقعات زبان زدِ عام وخاص تھے۔ غرباء ومساکین کی دستگیری اور حاجت روائی آپ کا شیوہ اور ہر ایک کی امداد واعانت آپ کا خاصہ تھا۔

آپ کو مطالعۂ کتب کا بہت شوق تھا، اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس میں قیمتی کتابوں کا قابل قدر ذخیرہ تھا۔ سارا کتب خانہ مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف کے لئے وقف کر دیا تھا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے تبلیغی، دینی، ملّی اور فلاحی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے تھے اور اس مقصد کے لئے دُور دراز مقامات کے دورے فرماتے رہتے تھے۔ تین مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین اور مدینہ منوّرہ سے مشرّف ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۵۱ء میں کچا کھوہ ضلع ملتان کے قریب ایک پیر بھائی صوبیدار غازی خاں کی اہلیہ کے چہلم پر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے گئے۔ اُس وقت کچا کھوہ ریلوے اسٹیشن پر گاڑی بہت کم وقت کے لئے رُکتی تھی۔ چنانچہ ابھی آپ ریل سے اُترنے نہ پائے تھے کہ گاڑی چل پڑی۔ آپ چلتی گاڑی سے اُترے تو گر پڑے اور دونوں پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ جس سے کافی خون بہا۔ اسی حالت میں آپ کو خانیوال ہسپتال پہنچایا گیا لیکن زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ڈاکٹر بھی کچھ نہ کر سکے۔ اور وہیں آپ نے ۲۲/اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق ۲۱/محرم الحرام ۱۳۷۱ھ بروز پیر جامِ شہادت نوش فرمایا۔ میّت شریف، علی پور سیّداں لائی گئی تو ایک کُہرام برپا ہوگیا۔ آپ کے برادرِ اکبر سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) (سجادہ نشین اوّل حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ) نے زیارت کی تو

بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آتے ہی فرمایا:۔

''تابوت کو حضور قبلۂ عالمؒ کی خدمت میں لے چلو''۔

چنانچہ تابوت مبارک کو ''روضۂ امیر ملتؒ '' پر لایا گیا۔ حضرت سراج الملت رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت امیر ملت نور اللہ مرقدہٗ کے روضۂ شریف میں مرقدِ منور کے بائیں طرف مشرق میں آخری آرامگاہ بنی۔

پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے عربی اور اُردو میں قطعاتِ تاریخ وفات کہے۔

(۱)

عاش حمید ومات شہیدا — جاء ولیا وراح نقیا
مات غریب الدیار فجاء — تار مقام الخلود وعلیا
کان لرب العیاد مطیعا! — عند عبادالا الہ تقیا
کان لجاہ النبیؐ کریما — کان بفضل الا الہ سخیا

قلت لتاریخ رحلت خَادم

''عاشق رشدا ومات زکیا''

۱۳۷۱ھ

(۲)

''مخدومِ آفاق خادم حسین شاہ''

۔۔۔۔۔۱۹۵۱ء۔۔۔۔۔

حضرتِ خادم ومخدومِ جہاں — رحمتِ رب کا تمہیں تاج ملا
وصلِ حق کو ملا ہو کے شہید — واہ کیا پایۂ معراج ملا
قادری نے یہ لکھا سالِ وصال — ''گلشن خُلدِ بریں آج ملا''

۱۳۷۱ھ

خلیفۂ امیر ملتؒ حضرت ڈاکٹر محمد اللہ دتہ گنجاہیؒ (۱۸۸۶ء۔۱۹۵۸ء) نے بھی قطعۂ تاریخ کہا۔

صداقت تھی چہرے سے اُن کے عیاں — وہ زندہ دلی کے تھے ظاہر نشان

لکھا ''غم'' سے طالبؔ نے سالِ وصال — ''ہوئے آپ دُنیا سے اکدم نہاں''

۱۰۴۰ — +۳۳۱=۱۳۷۱ھ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو صاحبزادے عطا فرمائے۔ بڑے صاحبزادے سیّد حامد حسین سات آٹھ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ دوسرے صاحبزادے سیّد نذر حسین ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ جو ماشاء اللہ بقیدِ حیات ہیں اور بڑے عالم و فاضل اور متقی و پرہیز گار شخصیت کے مالک ہیں۔

-----------ماخذ-----------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۵۱۔۲۵۲، ۶۹۰، ۶۹۲۔

(۲) ''تذکرہ محدّث سورتی'' از خواجہ رضی حیدر مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء ص ۲۶۷۔

(۳) ''وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۷۰۔

(۴) ''انوارِ طالب'' از ڈاکٹر محمد اللہ دتہ گنجاہی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۲۵۔

(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت جون ۱۹۱۳ء ص ۱۰، فروری ۱۹۱۵ء ص ۷، جنوری ۱۹۲۰ء ص ۱۴ تا ۱۶۔

(۶) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت نومبر، دسمبر ۱۹۵۱ء ص ۲۰۔

(۷) ''تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں (قصور) ۱۹۹۸ء ص ۶۳ تا ۶۷۔

(۸) ''تاریخ مشائخ نقشبند'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء ص ۵۲۲ تا ۵۲۳۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا امام الدین رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۷ء-----------------۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا امام الدین بن مولانا کرم الٰہی کی ولادت ۱۸۶۷ء میں چک عادل

ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی (۱۸۶۱ء۔۱۹۵۱ء) کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور پھر سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے گاؤں میں توحید و رسالت کا ڈنکا بجانے لگے۔ اسی دوران آپ کی شادی موضع رائے پور اعواناں (سیالکوٹ) میں ہوگئی۔ تو وہیں مستقل طور پر رہائش پذیر ہوگئے۔ ایک دن حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ رائے پور اعواناں تشریف لائے تو شرفِ بیعت سے مشرّف ہوگئے اور پھر عرصہ بعد ۱۲/مئی ۱۹۳۹ء بروز جمعۃ المبارک خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔

مولانا امام الدین نے متحدہ پنجاب کے کونے کونے میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے حکم پر طوفانی دورے کر کے مذہب حقّہ اہل سُنّت و جماعت کی تبلیغ فرمائی۔ اس کے علاوہ مُرشدِ گرامی نے آپ کو ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' کی ادارت اور جامع مسجد گھنٹہ گھر سیال کوٹ چھاؤنی کی خطابت کے فرائض بھی سونپ دیئے جنہیں آپ نے تادمِ زیست بحُسن وخوبی نبھایا اور ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلموں کو کفر وشرک کی وادی سے نکال کر مشرّف بہ اسلام کیا۔

آپ بہت بڑے عالمِ دین، اعلیٰ پائے کے خطیب اور فنِ مناظرہ میں یکتا تھے۔ اوصافِ پسندیدہ اور اخلاق کریمانہ کے حامل، پابندئ شریعت اور اتباع سُنّت میں مستعد اور تقویٰ و پرہیز گاری میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ریاست جموّں اور اطرافِ ہند میں آپ نے تبلیغ وارشاد کیلئے بہت دورے کئے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کے تبلیغی دوروں میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے ساتھ رہے۔ فتنۂ ارتداد (۱۹۲۲ء) کے زمانے میں راجپوتانہ اور یوپی کے اضلاع میں گاؤں گاؤں پہنچے۔ آریوں اور مرزائیوں سے مناظرے کئے۔ شُدھی تحریک کو روکنے میں بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے، بد مذہب اور بدعقیدہ لوگوں سے سخت متنفر تھے۔ تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پیرو مرشد کے ارشاد پر ضلع مسلم لیگ کے جلسوں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیتے رہے۔ اپنی شعلہ بیانی سے

سیال کوٹ کے ہر گاؤں، ہر شہر بلکہ قریہ قریہ اور محلّہ محلّہ مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ شب و روز دورے کر کے عوام کو تحریکِ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لئے بہت سرگرمی سے کام کیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۵/ رجب المرجب ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۲/ اپریل ۱۹۵۲ء بروز ہفتہ صبح سات بجے بعمر ۸۵ برس ہوئی۔ اگلے روز دس بجے صبح چار ہزار کے اجتماع کی آہوں اور سسکیوں کے دوران حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے شہزادۂ اکبر اور سجادہ نشین اوّل حضرت سراج الملّت پیر سیّد حافظ محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جامع مسجد رائے پوراعواناں کے صحن میں دفن کر دیا گیا۔ مزار مقدّس مرجعٔ خلائق ہے۔

بعد از وفات تُربتِ مادر زمیں مجُو

در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ما است

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفۂ خاص اور نامور ادیب و شاعر مولانا پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے قطعۂ تاریخ وصال کہا ؎

پردہ فرما گئے دُنیا سے امامِ دیں بھی — قبلۂ اہلِ صفا، نیک سیر، پاک صفات

طالبانِ رہِ حق کے لئے وہ شمعِ ہُدیٰ — تشنہ کاموں کے لئے وہ خضرِ آبحیات

جن کی تحریر سے باطل کی گردن جھک جائے — جن کی تقریر سے کافر کو ملے راہِ نجات

جن کے فیضان سے گلزارِ جہاں عالم جاں — جن کے انوار سے مانندِ سحر روشن رات

قادریؔ تُربتِ مرحوم پہ لکھنے کے لئے

سال ہے "منبع انوار و فیوض و برکات"

۱۹۵۲ء

ایضاً

حضرت امام الدین تھے فخر جہاں قطب زماں — پہنچے جوارِ شیخ میں حاصل ہوا قُربِ خدا

رحلت سے اُن کی قادریؔ سب بے سروپا آج ہیں — "رُشد و ہُدیٰ، صبر و رضا، دین و ورع، زُہد و غنا"

ش د ب ض ی ر ہ ن

۵۰ ۵ ۲۰۰ ۱۰ ۸۰۰ ۲ ۴ ۳۰۰

۱۳۷۱ھ

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' از سیّد اختر حسین / پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۴۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۷، ۲۹۷۔

(۳) ''کراماتِ امیر ملّت'' از بخشی مصطفیٰ علی خاں مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۵ء ص ۷۹۔

(۴) ''تذکرہ نقشبندیہ'' از مولانا نور بخش توکلی (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۵۰۔

(۵) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری مطبوعہ لاہور، ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت ماہ مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳، مئی ۱۹۵۲ء ص ۲۷، ۲۸۔

(۷) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت اگست ۱۹۷۵ء ص ۶۔

(۸) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت مئی ۱۹۵۲ء ص ۲۷۔

(۹) ماہنامہ ''ترجمان اہلسنّت'' کراچی بابت جولائی اگست ۱۹۷۶ء ص ۶۳۔

(۱۰) ہفت روزہ ''الھام'' بہاولپور بابت ۷/ جولائی ۱۹۷۶ء ص ۶۔

(۱۱) روزنامہ ''مساوات'' لاہور بابت ۱۷/ اگست ۱۹۷۵ء۔

(۱۲) ''تاریخ سیال کوٹ'' از رشید نیاز مطبوعہ سیال کوٹ طبع دوم ۱۹۹۸ء ص ۲۲۷، ۲۲۸۔

(۱۳) ''وفیاتِ مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۳۲۔

(۱۴) ''تذکرہ فقیہ اعظم'' از پروفیسر مجیب احمد مطبوعہ مرید کے ضلع شیخوپورہ ۱۹۹۴ء ص ۳۸۔

(۱۸۸۲ء ---------------- ۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا سیّد عبد القاضی بن سیّد محبوب علی شاہ کی ولادت ۱۸۸۲ء میں مقام

سوہلن ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔آپ حضرت سیّد محمود شاہ محدّث ہزارویؒ (۱۹۱۶ء۔ ۱۹۹۲ء) کے برادرِ اکبر تھے۔ بڑے عالم وفاضل اور فن تقریر میں اُستادی کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی تقریر دلپذیر کے سامنے بڑے بڑے مقرّروں کا رنگ پھیکا پڑ جاتا تھا۔آپ کی بیعت سلسلہ چشتیہ میں تھی۔

غالباً دو تین جگہ سے اجازت وخلافت یافتہ تھے۔حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ۱۲/مئی ۱۹۳۹ء کو سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ ہند کے موقعہ پر علی پور سیّداں میں خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی تقریر دلپذیر سے خوش ہوکر فرمایا:

> ''میں نے ۹۶، ۹۷ سال کی عمر میں یہ وعظ آج ہی سُنا ہے۔کسی مولوی نے بھی ایسا وعظ نہیں سنایا اور میں نے بھی کبھی نہیں سنایا۔اس واسطے کہ مخالف کہیں گے کہ اپنی قوم کی یا اپنی تعریف کر رہا ہے۔مگر میں وعدہ کرتا ہوں ، انشاء اللہ تعالیٰ اب میں ایسا سُنایا کروں گا۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم لوگوں نے چھوڑ دی ہے تو آپ ﷺ کی اولاد کی کون کرے گا۔میں شاہ صاحب کے لئے دُعا کرتا ہوں۔میں بہت خوش ہوا ہوں۔جو میرے پیر سے مجھے سلسلۂ طریقت کی اجازت پہنچی ہے میں ان کو اجازت دیتا ہوں''۔

آپ نے ''حبلِ متین'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ برصغیر پاک وہند میں آپ کے بے شمار مرید پائے جاتے ہیں۔۹/محرم الحرام ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۹/ستمبر ۱۹۵۲ء بروز پیر صبح ساڑھے سات بجے آپ کی رحلت ہوئی اور ریلوے سٹیشن حویلیاں ضلع ہزارہ کے متصل آپ کی آخری آرامگاہ بنی۔

---------------ماخذ---------------

(۱)''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۳۹۔
(۲)''جامع الخیرات'' از سیّد محمود شاہ ہزاروی مطبوعہ منظور عام پریس پشاور ص ۱۴۷۔
(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ جون ۱۹۳۹ء ص ۲۔

(۴) مکتوب گرامی مولانا ظاہر میاں قادری از مدین (سوات) بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۵/نومبر ۱۹۷۶ء۔

میاں نبی بخش قصوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۰ء ـــــــــــــــــ ۱۹۵۳ء)

میاں نبی بخش بن میاں کرم بخش کی ولادت ۱۸۸۰ء/۱۲۹۷ھ میں بُلھے شاہؒ (۱۶۹۲ء۔ ۱۷۵۸ء) کی نگری قصور میں ہوئی۔ آپ نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنی شیخ برادری کے رواج کے مطابق بہی کھاتہ کا کام سیکھنے کے لئے ہندی زبان پڑھی کیونکہ اُن دنوں بہی کھاتہ کا کام ہندی زبان میں ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کام میں مہارتِ تامہ اور شہرتِ عامہ حاصل کی۔

جب آپ کا شہرہ رئیس قصور میاں فضل الدین گورہ نے سُنا تو اُنہوں نے آپ کو اپنی دوکان پر بہی کھاتہ کے کام کے لئے ملازمت کی پیش کش کی۔ آپ نے نہایت ایمانداری، تن دہی اور خلوصِ نیّت سے کام کر کے میاں فضل الدین کے دل میں گھر کر لیا اور وہ آپ کو اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھنے لگے۔ بعد میں آپ کو اپنی شہری جائیداد اور زرعی اراضی کا مینجر مقرر کر دیا اور اس طرح آپ تقریباً پچاس ساٹھ برس تک اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

آپ بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ نماز کبھی قضا نہیں کی اور تقریباً پچپن برس تک نمازِ تہجدّ قضا کیے بغیر پڑھی۔ ۱۹۰۰ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے داخل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ ہوئے۔ بیعت کے بعد آپ نے اپنے پیرو مُرشد کے نقش قدم کو اپنی زندگی کا مقصدِ وحید بنالیا۔ اور اُمورِ شریعت کی پابندی پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے۔ ۱۹۳۰ء میں حضرت قدس سرّہٗ نے اجازت وخلافت سے نواز کر

سلسلہ عالیہ کی توسیع و اشاعت کا حکم دیا۔

آپ نہایت بلند اخلاق اور درد مند انسان تھے۔ مذہب و ملّت کی خدمت کا اُن کا لائحہ عمل تھا۔ تادمِ واپسیں "انجمن خدّام الصوفیہ" قصور کے صدر رہے۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اُٹھتے تھے۔ انہی خوبیوں کی بنا پر شہر کے لوگ اُنہیں "لالہ جی" اور گاؤں والے "میاں جی" اور تعلیم یافتہ "بھائی صاحب" کے نام سے پکارتے تھے۔

آپ صحیح معنوں میں فنا فی الشیخ تھے۔ اپنے شیخ کی خدمت کے لئے ہمہ وقت کمربستہ رہتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ بھی آپ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سفرِ حج سے واپس تشریف لا کر کراچی میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کے صاحبزادے ظہور احمد، سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ ضعف کی وجہ سے اُن دنوں حضرت اقدس کی بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ حضرت صاحبزادہ شمس الملّت سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۸ء) ہر آنے والے کا نام بتاتے تھے۔ ظہور احمد کے حاضر ہونے پر صاحبزادہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ بھائی نبی بخش کا لڑکا ظہور احمد آیا ہے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے استفسار فرمایا کہ یہاں کب آئے ہو اور کیا کرتے ہو؟ ظہور احمد نے عرض کیا کہ دہلی کے تمام دفاتر یہاں آگئے ہیں، اس وجہ سے میں بھی یہاں آگیا ہوں۔ پھر دریافت کیا کہ اب میرے پاس کیوں آئے ہو؟ عرض کی کہ دُعا کے لئے۔ ارشاد کیا:

> "برخوردار! میری دُعا سے کیا ہوگا، تمہارا باپ نبی بخش مجھ سے زیادہ اللہ والا ہے۔ تم نے اُسے پہچانا نہیں، جاؤ! اُس کے پاس جا کر دُعا کراؤ"۔

اس واقعہ سے میاں صاحب کی اپنے مُرشد کے حضور باریابی اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ کی رحلت کے بعد حضرت سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) (خلف اکبر و سجادہ نشین اوّل حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ) فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائے تو مریدین نے عرض کیا کہ آپ عرصہ بعد تشریف لائے ہیں۔ اب

پہلے کی طرح تشریف لاتے رہا کریں۔ اس پر اُنہوں نے فرمایا کہ:۔

"اگر کوئی اور نبی بخش پیدا کرو گے تو آجایا کریں گے۔ کیونکہ پہلے نبی بخش ہی کی وجہ سے آیا کرتے تھے"۔

یہ دونوں واقعات آپ کی بزرگی، خدار سیدہ اور ولی اللہ ہونے کے مظہر ہیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳/ صفر المظفّر ۱۳۷۳ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۵۳ء بروز جمعرات لاہور میں ایک تیز رفتار کار کی زد میں آجانے کی وجہ سے ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور قصور کے بڑے قبرستان مین آخری آرامگاہ بنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے برادرِ طریقت حضرت پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے تاریخِ وفات کہی۔

"حادثۂ جانکاہ رحلتِ ناگہانی" ۱۳۷۳ھ "قدوۂ اولیاء میاں نبی بخش قصوری رحمۃ اللہ علیہ" ۱۹۵۳ء

(۱)

تصادم قضا را بہانہ شدہ است پیامِ اجل ناگہاں آمدہ

بتاریخ آمد ندائے سروش "نبی بخش اندر جناں آمدہ"

۱۳۷۳ھ

(۲)

یہاں تھے نبی بخش فخرِ زماں وہاں جلوہ آرا ہیں وہ خُلد میں

حضوری میں ہیں مُرشدِ پاک کی نہ سمجھو کہ تنہا ہیں وہ خُلد میں

لکھا قادریؔ نے یہ سالِ وفات

کہ "آرام فرما ہیں وہ خُلد میں"

۱۳۷۳ھ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) "سیرتِ امیرِ ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴، ۷۰۵۔

(۲) "وفیاتِ مشاہیر پاکستان" از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۹۰ء ص ۲۹۴۔

(۳) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیال کوٹ بابت جنوری ۱۹۵۳ء ص ۱۳، دسمبر ۱۹۵۳ء ص ۱۴۔

(۴) مکتوبِ گرامی ظہور احمد قصوری پسرِ حقیقی میاں نبی بخش قصوریؒ از کراچی بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۱۶/اپریل ۱۹۷۷ء۔

مولانا نور الحسن سیال کوٹی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۰ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۵۵ء)

حضرت مولانا نور الحسن بن مولانا محمد علی قادریؒ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۰ء میں محلّہ خراسیاں سیال کوٹ شہر میں ہوئی۔ والد گرامی اپنے وقت کے شیخ کامل اور نامور شخصیت تھے۔ مولانا نور الحسن کی والدہ ماجدہ کو اپنے بچے کی اقبال مندی کا یقین ایک خواب سے ہو گیا تھا جو اُن کی ولادت سے پہلے دیکھا کہ:۔

"چاند آسمان سے اُتر کر اُن کی گود میں آ گیا ہے اور تمام گھر بدرِ منیر کی روشنی سے درخشاں ہو گیا ہے"۔

آپ نے چھ سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا اور ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن کوٹلویؒ (ف ۱۸۸۱ء) کے حضور زانوئے تلمذّ تہہ کر کے فقہ و اصول کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں دیگر مدارس سے تفسیر و حدیث اور علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ صرف اُنیس سال کی عمر میں معقولات و منقولات میں دسترس حاصل کر کے فارغ التحصیل ہو گئے۔

علوم ظاہری میں مہارتِ تامہ اور شہرتِ عامہ حاصل کرنے کے بعد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت اقدسؒ نے بیعت فرما کر خلق کی مذہبی، ملّی، رُوحانی اور سیاسی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ بعد اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا سرمایۂ حیات تھا۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دِل چُور چُور تھا۔ آپ کی شخصیت رُشد وہدایت کا منبع تھی۔ آپ کا دِل نورِ ایمان سے معمور اور آنکھیں ہر وقت دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے قرار رہتی تھیں۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور اسی کیف وسرور کے عالم میں شبانہ روز تبلیغِ دینِ حق میں مصروف رہے۔

آپ ایک عدیم النظیر مناظر بھی تھے۔ ایک منطقی اور معقولی ہونے کی وجہ سے میدانِ مناظرہ میں اپنے مدِّ مقابل پر حاوی رہتے تھے۔ پنجاب بھر میں اپنی شعلہ نوائی اور جادو بیانی کی وجہ سے مشہور تھے۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ سامعین کے قلب وجگر میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتا تھا۔ جب آپ تقریر کرتے تو حاضرین کی آنکھیں نمناک رہتی تھیں۔

آپ انگریزی اقتدار کو ملک وقوم کے لئے لعنت سمجھتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندو ذہنیت کی مسلم دشمنی سے بھی بے خبر نہ تھے۔

ظاہر میں لچکدار ہے شرمیلا بہت ہے
ہندو سے خبر دار کہ زہریلا بہت ہے

۱۹۰۰ء میں پرانے بجلی گھر سیال کوٹ میں دوسہرہ منایا جا رہا تھا۔ دوسہرے کی آخری رسوم ختم ہونے کے بعد ہندو جلوس کی صورت میں تحصیل بازار میں مسجد ملّا عبدالحکیمؒ کے سامنے اشتعال انگیز نعرے لگانے لگے۔ مولانا نور الحسن اُن دنوں یہاں نائب خطیب تھے۔ باہر تشریف لائے اور ہندوؤں کو سمجھایا کہ عصر کی نماز کا وقت ہے، آپ اشتعال انگیز نعروں کی بجائے خاموشی سے گزر جائیں، مگر ہندو باز نہ آئے۔ مولانا نے فرمایا: ''دوستو! ابھی ہمارے ساتھ تمہارے تحریری معاہدۂ امن کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی اور تم خلاف ورزی پر اُتر آئے ہو''۔ اس پر آریہ سماج کا صدر سیٹھ کرپا رام اور غلہ منڈی کا مشہور آڑھتی شھو رام جو کہ جلوس کی قیادت کر رہے تھے، کہنے لگے، جلوس نکالنا ہمارا مذہبی حق ہے، جلوس نکلے گا اور نعرے بھی لگیں گے۔ باقی رہا معاہدہ تو وہ رائے بہادر گوپال داس اور رائے بہادر دیوان چند نے کیا ہے، ہم نہیں جانتے معاہدے کو۔ ابھی یہ تلخ کلامی ہو رہی تھی کہ ایک گتکے باز آریہ نے

مولانا نور الحسن کو گنگاہ کی چھڑی سے زخمی کر دیا۔ مولانا کا لہو کیا بہا کہ تحصیل بازار میں ہر جگہ لہو ہی لہو نظر آنے لگا، مسلمانوں کے ہاتھ جو آیا، لے کر میدان میں آ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دس ہندوؤں کی عبرت انگیز لاشوں کے سوا سارا بازار ہندوؤں سے صاف ہو چکا تھا۔ مشہور عطّار لالہ نند پال، بھگوان داس وید اور پنڈتاں دی ہٹی کو تباہ و برباد کر کے خاکستر کر دیا گیا۔ انتظامیہ فوراً حرکت میں آ گئی اور بڑی مشکل سے حالات پر قابو پایا گیا۔

۱۹۱۹ء میں سیال کوٹ میں تحریکِ خلافت کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا نور الحسن کو صدر منتخب کیا گیا جبکہ آغا محمد صفدر (۱۸۸۵ء۔۱۹۳۵ء) سیکرٹری چُنے گئے۔ سیال کوٹ میں خلافت کمیٹی کے رُوحِ رواں آپ ہی تھے۔ تحریک شروع ہوئی تو ہر روز جلوس نکلنے لگے اور گرفتاریاں ہونے لگیں۔ اس دوران حکیم اجمل خاں (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۸ء) سیال کوٹ تشریف لائے تو اُن کے استقبال کے لئے تھل سے دو سو اونٹ، لاہور کی ایک سرکس سے دس ہاتھی منگوائے گئے۔ آراستہ اونٹوں اور زرق برق ہاتھیوں کے علاوہ ہزاروں شمشیر بردار خلافتی رضا کاروں کے اس جلوس کے سامنے بادشاہوں اور مہاراجوں کے جلوس بھی ماند تھے۔ چوک رام تلائی میں جلوس پہنچا تو مشہور خلافتی رہنما ملک لال خاں (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۶ء) کی صدارت میں جلسۂ عام ہوا۔ ہر طرف عوام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ حکومت نے بُوکھلا کر دو ہزار سے زائد مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ اس جلوس اور جلسہ کی کامیابی کا سہرا مولانا نور الحسنؒ کے سر پر تھا۔

۱۹۲۱ء میں ڈپٹی کمشنر سیال کوٹ نے میدانِ امام صاحبؒ میں کھلی کچہری لگائی۔ کشمیری محلے کے ایک نوجوان محمد سلیم ڈار نے اپنے علاقہ کے تھانیدار رام چند کے متعلق تحریری شکایت کی۔ ڈی سی نے یہ کہہ کر "غور کیا جائے گا"، وقتی طور پر بات ٹال دی۔ تھانیدار کا اس سے اور حوصلہ بڑھا اور اُس نے سلیم ڈار کو تھانے بلا کر اتنا تشدّد کیا کہ اُس کے منہ سے خون نکل آیا۔ جب یہ خبر کشمیری محلّے پہنچی تو لوگوں کا انبوہِ کثیر وہاں پہنچ گیا اور تھانیدار فرار ہو گیا۔ عوام کے جلوس نے ضلع کچہری کی طرف مارچ کیا۔ عوام کا مطالبہ یہ تھا کہ تھانیدار کو سرِ عام کوڑے مارے جائیں۔ ڈی سی نے تھانیدار کو معطّل تو کر دیا مگر کوڑے مارنے کا دوسرا مطالبہ نامنظور

کر دیا۔ سیال کوٹ کے عوام نے دھمکی دی کہ اگر ہمارا دوسرا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو یہ احتجاج تحریک کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ انگریز ڈی سی نے پرواہ نہ کی اور یہ احتجاج تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔

مولانا نورالحسن کی زیر قیادت روزانہ صبح رامتلائی تالاب سے جلوس نکلتا اور کچہری یا چوک سنگھ سبھا (موجودہ علامہ اقبال چوک) میں گرفتاریاں پیش کر دیتا۔ پہلے دن دوسو کے قریب مسلمان گرفتار ہوئے۔ ایک ہفتہ تک تحریک جاری رہی۔ کاروبار ٹھپ رہا۔ عوام کا غصہ شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ مشتعل عوام نے چوک سنگھ سبھا میں اینگلو انڈین ٹریفک سارجنٹ کو چھُرا گھونپ دیا۔ سٹی مجسٹریٹ مسٹر ڈزنی (Disney) نے فائرنگ کا حکم دے دیا۔ بیس کے قریب مسلمان زخمی ہوئے۔ اس پر پنجاب حکومت حرکت میں آئی۔ تھانیدار رام چندر کو چوک سنگھ سبھا میں بیس کوڑوں کی سزا دے کر نوکری سے فارغ کر دیا گیا اور ڈی سی کا تبادلہ کر دیا گیا۔ تمام گرفتار شدگان رہا کر دیئے گئے۔ یہ سب کچھ مولانا نورالحسن کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔

۱۹۳۵ء میں تحریک کشمیر اور تحریک شہید گنج میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں پیرومُرشد کے حکم پر تحریکِ پاکستان کے لئے وقف ہوگئے اور مسلم لیگ کی حمایت میں تقریریں شروع کیں۔ آپ نے کانگرسی اور احراری علماء کو ہر میدان سے بھگایا اور نظریۂ پاکستان کی دل و جان سے تبلیغ و اشاعت کر کے عوام کو تحریک پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں ''قراردادِ پاکستان'' پاس ہوئی تو اُس کی حمایت میں ''علمائے سیال کوٹ'' سے فتویٰ جاری کروایا۔ اور مسلمانوں پر پاکستان کی حقیقت واضح کرنے کے لئے پنجاب کے اکثر اضلاع کا دورہ کیا۔ ۴۶۔۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگی اُمیدواروں کی کامیابی کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ ضلع سیال کوٹ میں مُسلم لیگ کی کامیابی میں آپ کی کوششوں کا بہت عمل دخل ہے۔ اس کے بعد بھی جدوجہد جاری رکھی۔ یہاں تک یہ آزادی کی صبح طلوع ہوگئی۔ یاد رہے کہ ان سب تحریکوں میں حصہ لینے کی پاداش میں آپ کو کئی بار داخلِ زنداں بھی ہونا پڑا۔

ان سب مصروفیات کے باوجود آپ نے میدانِ تحریر میں بھی خاصا کام کیا۔ ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور، سیال کوٹ، ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر، ''رسالہ انجمن نعمانیہ'' لاہور ودیگر جرائد میں آپ کے علمی، ادبی، اعتقادی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ جو اہل علم کی رُوحانی غذا تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں جو آپ کے علم وفضل کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ (۱) قصۂ قربانی (۲) القول الصائب فی الصلوٰۃ علی الغائب (۳) علم النبی ﷺ (۴) حرمتِ القبور (۵) فریادِ مرید (۶) ندائے غائبانہ (۷) تحقیق وظیفہ شیء للہ (۸) حقیقت نماز جنازہ (۹) غضبِ آسمانی بر مرزائے قادیانی (۱۰) آنحضرت ﷺ کی بشریت (۱۱) یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۱۲) مسئلہ نفی فی۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے اپنے مقامی علماء ومشائخ سے بڑے گہرے روابط تھے۔ فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی (۱۸۶۱ء۔۱۹۵۱ء)، مولانا امام الدین کوٹلوی (۔۔۔ف ۱۹۶۱ء)، حضرت حکیم خادم علی (۱۸۶۶ء۔۱۹۷۱ء)، مولانا فقیر اللہ نیازی (۱۸۹۲ء۔۱۹۶۲ء) سیّد فتح علی شاہ کھروٹہ سیّداں (۱۸۷۹ء۔۱۹۵۸ء)، مولانا عبدالغنی (۔۔۔ف ۱۹۴۳ء)، سیّد نور اللہ شاہ (۱۸۶۳ء۔۱۹۴۸ء) مفتی عزیز احمد (۔۔۔۔۱۹ء) اور دیگر علمائے پنجاب آپ کی علمیّت وفضیلت کے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں آپ نے شدید بڑھاپے کے باوجود ''تحریک ختمِ نبوّت'' میں بھرپور حصہ لیا۔ آخرکار ساری زندگی جامع مسجد عبدالحکیم سیالکوٹ میں رُشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد پچانوے سال کی عمر میں ۱۶/ جون ۱۹۵۵ء مطابق ۲۴/ شوال ۱۳۷۴ھ بروز جمعرات واصل بحق ہوگئے۔ نمازِ جنازہ کے فرائض آپ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف (ف ۱۹۶۸ء) نے ادا کئے۔ آپ کا مزار قبرستان بابا شہیداں میں مرجعٔ خاص وعام ہے اور ہر سال عرس مبارک بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔

راقم الحروف محمد صادق قصوری نے قطعاتِ تاریخ وفات کہے ؎

عالمِ بے بدل نور الحسن — رفت ازیں گیتی ناپائیدار

بہرِ سالِ وفاتِ اُو صادق — بگو ''مختارِ عالی تبار''

۱۹۵۵ء

دیگر

رفت نُور الحسن سوئے فردوس مردِ دیندار وعاقل وقابل

مصرعۂ سال زد رقم صادق رفت ازیں دار۔ "فاضل کامل"

۱۹۵۵ء

دیگر

لیاقت ذہانت میں فرد تھے نورالحسن بزرگِ نامدار

ملے عیسوی سن میں سال وفات کہو: مُختارِ عالی تبار"

۱۹۵۵ء

دیگر

مولانا نور الحسن عالیجناب جو تھے شہر اقبال میں مستطاب

معلم وہ صادق تھے ذی شعور کہ جن کا نہ تھا فی زمانہ جواب

کہا بہر تاریخ ہاتف نے آہ

کہاں اب وہ "غفران مآب"

۱۳۷۴ھ

---ماخذ---

(۱) "تاریخ سیال کوٹ" از رشید نیاز، مطبوعہ سیال کوٹ طبع اوّل ۱۹۵۸ء ص ۲۴۰، طبع دوم ۱۹۹۸ء ص ۸۶، ۱۲۱۔

(۲) "عظیم قائد عظیم تحریک" جلد اوّل از ولی مظہر ایڈووکیٹ مطبوعہ ملتان ۱۹۸۳ء ص ۴۱۲۔

(۳) ہفت روزہ تلوار راولپنڈی بابت ۲۵/ فروری ۱۹۷۷ء ص ۱۰۔

(۴) روزنامہ "مساوات" لاہور بابت ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔

(۵) "تذکرہ فقیہ اعظم" از پروفیسر مجیب احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء۔ ص ۲۷۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا عبدالمجید خاں جھجروی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۲ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۵۶ء)

مولانا عبدالمجید خاں بن غلام محمد خاں کی ولادت ۱۸۸۲ء میں جھجر ضلع رُہتک (بھارت) میں لال خانیوں کے خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی بڑے عابد وزاہد اور داخل سلسلہ عالیہ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے ایک بار اُن سے فرمایا تھا کہ

''خان صاحب! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں مولوی صاحب سا فرزند عطا فرمایا''۔

آپ کی طبیعت بچپن ہی سے لہولعب سے متنفّر تھی۔ جھجرؔ سے انگریزی مڈل پاس کیا اور پھر جامع مسجد کے مدرسہ عربیہ میں فارسی اور عربی کی تحصیل کی۔ آپ کو جملہ علومِ عربیہ پر عبور حاصل تھا۔ جعفر اور کیمیا وغیرہ سے علمی دلچسپی رہی اور شائقین کو ان علوم کے نکات سے بہرہ ور فرماتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ اس فن کے طالبوں کو آپ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ شعروشاعری سے بھی خصوصی دلچسپی تھی۔ اور فی البدیہہ وبرجستہ بہت خوب اشعار کہتے تھے۔ چونکہ آپ کے شیخ حضرت مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ قصور کے رہنے والے تھے اس وجہ سے آپ نے تخلّص ''قصوریؔ'' اختیار فرمایا تھا۔

آپ نے اپریل ۱۹۱۱ء میں حضرت مولانا محمد حسین قصوریؒ (۱۸۶۸ء۔۱۹۲۷ء) خلفیۂ اعظم حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ اقدس پر سعادتِ بیعت حاصل کی تھی۔ اور خلافت واجازت کا شرف حضرت قبلۂ عالم امیر ملّت قدس سرّہٗ سے حاصل کیا تھا۔ آپ کی نسبتِ عالیہ سراپا جمال تھی۔ کبھی زبان سے ''اللہ'' بالجہر سُننے میں نہیں آیا۔ جب نسبت کا زیادہ غلبہ ہوتا تو آپ پر گریہ طاری ہوجاتا۔ آپ ضبط وتحمّل کے کوہِ گراں تھے۔ ہر وقت ''سلطان الاذکار'' کے شغل میں محو رہتے تھے۔ سلسلہ عالیہ میں داخل ہونے سے پہلے حصار (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ''واصل باقی نویس'' تھے۔ حصار سے واپسی پر پٹواری بھی رہے۔ اور پھر عرائض نویس ہوگئے۔ فتنۂ ارتداد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

آپ کا قد میانہ اور جسم بھاری تھا۔ رنگ گندمی اور چہرہ گول تھا۔ داڑھی مبارک میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ بینائی آخر تک درست رہی۔ خود فرمایا تھا کہ

"ایک جمعہ میں حضرت مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ خطبۂ جمعہ پڑھنے لگے تو چشمہ موجود نہ تھا۔ تمام جیبیں ٹٹولیں نہ ملا۔ میں نے بڑھ کر اپنا چشمہ پیش کیا۔ جمعہ کے بعد واپس فرمانے لگے، مگر میں نے قبول نہیں کیا۔ اُس وقت تک مجھے پڑھنے کے لئے چشمے کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد یہ حالت ہوگئی ہے کہ چاند کی روشنی میں لکھ پڑھ لیتا ہوں۔ گویا مجھ سے چشمہ لے کر حضرت قبلہ نے مجھے بینائی عنایت فرمادی۔"

آپ نے چند کتابیں بھی تالیف فرمائیں جن کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:۔

(۱) تحیات الکمالات:۔

اس میں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا محمد حسین قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات قلمبند فرمائے۔

(۲) چودھویں صدی کا فتنہ:۔

اس مختصر کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

(۳) حرزِ حقانی بجواب حربۂ قادیانی:۔

اس کتاب میں ایک قادیانی کے پچپن سوالات واعتراضات کا مدلّل اور مفصّل جواب تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد خود پچپن سوالات قائم کئے ہیں۔ آپ کے اعتراضات ایسے مضبوط ہیں کہ اب تک کوئی قادیانی اُن کا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سکا۔

(۴) قومی کارنامے:۔

اس مختصر رسالہ میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی دینی وملّی خدمات پر بڑی خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

جیسا کہ سطور گزشتہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔

آپ نے بہت سی غزلیں اور قصیدے وغیرہ لکھے۔ ذیل میں بطور مُشتے نمونہ از خروارے نعتیہ غزل درج کی جارہی ہے۔

نقابِ چہرۂ زیبا اُٹھا لوگے تو کیا ہوگا
جمالِ بے حجابانہ دکھادوگے تو کیا ہوگا

تمہاری ایک ہی ٹھوکر میں اس کا کام بنتا ہے
دلِ مردہ مسیحا دم جلادوگے تو کیا ہوگا

ہزاروں عاقل ودانا ترے کوچہ میں بیخود ہیں
مجھے بھی اپنا دیوانہ بنالوگے تو کیا ہوگا

سرِ محشر میرے عیبوں کا پردہ فاش ہوتا ہے
مجھے گر اپنی کملی میں چھپالوگے تو کیا ہوگا

سیہ کارانِ اُمّت کوتمہارا ہی سہارا ہے
ہمیں بھی نارِ دوزخ سے بچالوگےتو کیا ہوگا

مری اے بی شروع ہے اور میرا مقصود بی اے ہے
خطِ معکوس کا جھگڑا مٹادوگے تو کیا ہوگا

خضر میں بھی تو اک گمگشتۂ وادیٔ حیرت ہوں
درِ جاناں کا رستہ گر بتادوگے تو کیا ہوگا

بھٹکتا پھرتا ہے عبدالمجیدؔ ناتواں حضرت!
اسے بھی گر مدینہ میں بلالوگےتو کیا ہوگا

تقسیم ملک کے بعد اوّل قصور میں مقیم ہوگئے اور پھر سرگودھا کو مستقل طور پر اپنا مسکن بنالیا۔ اور سرگودھا میں ہی ۱۴/ جون ۱۹۵۶ء مطابق ۴/ ذیقعد ۱۳۷۵ھ بروز جمعرات رحلت فرمائی۔ آپ کے صاحبزادے عبدالحمید خاںؒ کا بیان ہے کہ:۔

"۱۳/ جون کو آپ کو بخار ہوا۔ ڈاکٹر نے دوا دی اور کہا کہ ملیریا ہے جاتا رہے گا، مگر بخار تیز ہوتا گیا۔ ؎ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ۱۴/ جون کو دو بجے آپ نے نماز کی نیّت باندھ لی۔ میں نے سمجھا کہ غفلت میں ایسا کیا ہے لہذا ہاتھ کھول دیئے۔ دوسرے بار پھر ہاتھ باندھ لئے۔ میں نے پھر کھول دیئے۔ مگر آپ نے جلدی ہی پھر باندھ لئے۔ جب تیسری دفعہ ہاتھ کھولنے کا ارادہ کیا تو آپ نے نیم باز آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے ہاتھ ہٹا لئے اور پھر چند لمحوں میں آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی"۔

سرگودھا میں اہلِ جھجر نے قبرستان میں سڑک کے کنارے نئی مسجد بنائی ہے، اس

سے ذرا آگے بڑھ کر آپ کا پختہ مزار ہے۔

ایک دفعہ آپ نے فارسی کے مشہور شعر پر اضافہ کر کے یہ قطعہ ترتیب دیا تھا اور خیال ظاہر کیا تھا کہ یہی قطعہ کندہ کرا کے آپ کے مزار پر لگا دیا جائے تو بہتر ہے۔

"قصوریؔ دفن شُد ایں جاسرِ راہ" سراپا نادم از جُرم وخطائے

مگر صاحبدے روزے بہ رحمت کُند درحقِ ایں مسکیں دُعائے

آپ کے وصال کے بعد حضرت مولانا پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء ۔۱۹۶۴ء) کو آپ کی وفات کی اطلاع کی گئی، ساتھ ہی "قطعۂ تاریخ وصال" کی فرمائش کی گئی اور یہ قطعہ بھی خط میں رکھ دیا گیا۔ حضرت قادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں لکھا کہ:۔

"خدا جانے کتنا عرصہ ہوا جب اُنہوں نے یہ قطعہ فرمایا تھا۔ لیکن اُن کی کرامت دیکھئے کہ اس کے پہلے مصرع میں گویا اپنی تاریخ وفات ارشاد فرمادی تھی۔ میں نے اس مصرع کے عدد نکالے تو پورے ۱۳۷۵ھ نکلے"۔

حضرت قادری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ "قطعہ تاریخ رحلت" لکھا۔

"لھم من اللہ فضلا کبیرا" (سورۂ احزاب)
۱۳۷۵ھ

زچشمِ خلق فرمودہ است پردہ جناب محترم عبدالمجید آہ

بفیض ولُطفِ مولانائے[1] مغفور ہمانا بود حق بیں وحق آگاہ

فنا فی الشیخ بودہ درجہانش برفت وشُد فنا فی اللہ واللہ

بہ جھجر قطعۂ فرمودہ بود اُو ازاں ظاہر کرامت گشت ناگاہ

کہ یک مصرع ازآں شُد سالِ فوتش

"قصوری دفن شدایں جاسرِ راہ"
۱۳۷۵ھ

[1]:۔ حضرت مولانا محمد حسین قصوریؒ (قصوریؔ)

دیگر

آج عبدالمجید خاں صاحب جاہی پہنچے جوار رحمت میں

''آج وہ گلستانِ خُلد میں ہیں'' نورِ عرفاں تھا جن کی طینت میں

۱۳۷۵ھ

''فخرِ زُہادِ عصر واہل اللہ'' جہانِ عرفاں تھے وہ حقیقت میں

۱۳۷۵ھ

''منبع خیر وبرگزیدۂ خلق'' نیک خصلت میں پاک سیرت میں

۱۳۷۵ھ

کہدو''حاصلِ وصال ذات ہے اب'' قادریؔ، اُن کے سالِ رحلت میں

۱۳۷۵ھ

اور بھی ہے دُعا میں ایک تاریخ

ہوں وہ قُربِ شفیعؐ اُمّت میں

۱۳۷۵ھ

دیگر

حق کو پیارے ہوئے قصوری نورانی تھی حیات جن کی !!!

اُن کے رُتبے کا پوچھنا کیا حق سے واصل ہو ذات جن کی!!!

ثابت ان دونوں مصرعوں سے ہو تاریخِ وفات جن کی !!!

''جن کا ہو قلب مظہر جود'' ''دن سے روشن ہو رات جن کی!!!

۱۳۷۵ھ ۱۳۷۵ھ

''از راقم حامد حسن قادری نقشبندی جماعتی''

۱۹۵۶ء

آپ نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادے صوفی عبدالحمیدؒ یادگار چھوڑے جو بہت مُتقی اور پرہیز گار تھے۔ اُن کی رحلت ۳/نومبر ۱۹۷۶ء بروز بدھ علی الصبح ڈیڑھ بجے سرگودھا میں ہوئی۔

--------------ماخذ--------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۳۱، ۲۱۷ تا ۲۲۳۔
(۲) ''پنج گنج قصوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء متعدد صفحات۔
(۳) ''پنج گنج علی پوری'' از محمد اویس غوری ص ۱۸۲۔
(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت جولائی اگست ۱۹۵۶ء، ص ۷۔
(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ، بابت اگست ۱۹۵۷ء، ص ۳۰۔
(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور، بابت جنوری ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۔

/☆/☆/☆/☆/

حافظ علی احمد جان پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۴ء ـــــــــــــــــ ۱۹۵۷ء)

حضرت حافظ علی احمد جان کی ولادت باسعادت ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں پشاور شہر کی مشہور و معروف شخصیّت صاحبزادہ عبدالقیوم کے ہاں ہوئی۔ آپ کا تمام گھرانا حافظ قرآن تھا۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی۔ آپ نے بارہ برس کی عمر میں حضرت حافظ میاں خان محمد آسیا والےؒ سے قرآن پاک حفظ کیا، اور اگلے سال تراویح میں سُنایا۔ پھر ابتدائی تعلیم حضرت مولانا مولوی بجوڑ ملاؒ سے حاصل کی۔ منقول و معقول کی تعلیم اُستاذ العلماء حضرت مولانا پیر علی شاہؒ ساکن ڈھکی نعلبندی کی خدمت میں حاضر ہو کر مکمل کی۔

سندِ حدیث محدّث جلیل مولانا مولوی محمد ایوب (۱۸۳۴ء۔۱۹۱۷ء) صدر المدرسین مدرسہ جٹاں کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کر کے صحاح ستّہ کا دورہ مکمل کر کے حاصل کی۔ بعد ازاں سیّد گوہر علی شاہؒ سے فنِ تحریر سیکھا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے سترہ برس کی عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اپنے گھر کے سامنے کی مسجد میں ''مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حنفیہ'' قائم کیا۔ عصر سے عشاء تک درس دیتے۔ عصر سے مغرب تک حدیث کا اور مغرب سے عشاء

تک قرآن مجید کا درس ہوتا۔ تہجد کی نماز پڑھ کر آپ اپنی آبائی ''مسجد ڈھیری باغبانان'' تشریف لے جاتے، صبح کی نماز وہاں پڑھتے۔ آپ کی ان خدماتِ جلیلہ اور شرافت و بزرگی کی بدولت پشاور شہر کا بچہ بچہ آپ کو عزت واحترام سے دیکھتا۔ آپ نہایت متواضع، ملنسار، منکسر المزاج، صاحبِ اخلاق اور مہمان نواز تھے۔

درس وتدریس کے علاوہ آپ نے ملازمت بھی کی ہوئی تھی۔ ضلع کچہری پشاور میں محافظِ دفتر تھے۔ لیکن درس وتدریس میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔ آخری وقت تک کچہری کی مسجد کے خطیب بھی رہے۔ حق گوئی سے کبھی گریز نہ کیا۔ افسروں اور حکومت کو ببانگ دہل ٹوکتے تھے۔ اس وجہ سے کئی بار آپ کے مکان کی تلاشی ہوئی، جواب طلبیاں ہوئیں مگر آپ کے پائے استقلال میں کبھی بھی لغزش ولرزش نہ آئی۔ اقبالؒ نے سچ کہا ہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

آپ نے حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پر بیعت کی ہوئی تھی۔ بعد ازاں حضرت اقدس نے آپ کی مذہبی، علمی اور ملّی خدمات سے خوش ہو کر ۱۰/ مئی ۱۹۱۳ء کو برموقعہ سالانہ جلسہ علی پور سیّداں خلافتِ عظمیٰ سے بھی نواز دیا تھا۔ آپ نے اپنے مُرشد گرامی کی معیّت میں شُدھی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پانچ ماہ تک ہندوستان کے اطراف واکناف کا دورہ کر کے ہزاروں مسلمانوں کو قعرِ مذلّت میں گرنے سے بچالیا۔ اور بے شمار غیر مسلموں کو دولتِ ایمان سے مالا مال کیا۔ اِس دورہ میں حضرت امیرِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پچاس کے قریب علماء تھے۔ مگر آپ کا وعظ سب پر چھایا رہتا تھا۔ چنانچہ آپ کی ان تبلیغی خدمات سے خوش حضرت اعلیٰ نے آپ کو ''رئیس الواعظین'' کا خطاب دیا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ علاوہ ازیں لوگ آپ کو ''شیخ الحدیث'' اور ''صدر المدرسین'' کے القاب سے بھی پکارتے تھے۔

تحریک خلافت میں بھی آپ نے پوری تن دہی سے حصہ لیا۔ تحریکِ ہجرت میں خود غرض لوگوں کی وجہ سے بد دل ہو کر سیاست سے کنارہ کشی کر کے تبلیغِ دین اور تعلیم وتعلّم

کے لئے وقف ہو گئے۔ آپ کے درس میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر بہتے تھے۔ چونکہ عشقِ رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ لہذا لوگ یہ دولتِ لازوال لوٹنے کے لئے جوق در جوق آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

پشاور شہر میں مجلسِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کی ذات پیش پیش تھی۔ مگر جب اس مجلس پر غیر مقلدین کا غلبہ ہوا تو آپ نے شاہی مہمان خانہ میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اجتماع میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف پر تقریر کر کے اس مجلس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر ''مجلسِ میلاد'' کے زیر اہتمام میلاد شریف کے موقعہ پر جلوس کا اہتمام کرایا۔

پہلا جلوس ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں یکّہ توت پشاور سے نکلا۔ جورات کے نو بجے آپ کے دولت کدہ پر ختم ہوا۔ پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہوا۔ یہ آپ ہی کے جذبۂ صادقہ کی برکت ہے کہ آج پشاور میں ہر محلّہ اور ہر کوچہ میں میلاد شریف کی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

آپ ایک اُستاذ اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ مایۂ ناز مفتی بھی تھے۔ ہر استفساء کا جواب فقہ حنفی کی روشنی میں مدلّل تحریر فرماتے۔ آپ کے فتاویٰ آپ کی فقاہت اور علمی تبحّر کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ ان سب مصروفیات کے علاوہ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ (۱) شبِ برات، (۲) فضیلت رمضان (۳) اطاعتِ مُرشد (۴) سراج المشکوٰۃ فی مسائل زکوٰۃ۔

آخر الذکر کا بنگالی ترجمہ آپ کے ایک شاگرد آغا محمد جان نے شائع کیا تھا۔ ''اصول حدیث'' پر حضرت شاہ محمد غوث قادریؒ (ف۔۱۷۳۹ء) کے رسالہ ''اصولِ حدیث'' کا ترجمہ بھی کیا۔ قرآن پاک کا حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا مگر پورا نہ ہو سکا۔

ایک دفعہ آپ پر تپ محرقہ کا شدید حملہ ہوا۔ ڈاکٹر، حکیم، دوست احباب سب ہی آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ آپ پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ طبیعت ذرا سنبھلی تو فرمایا:

''میں اس بیماری سے نہیں مرتا کیونکہ ابھی ابھی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور فرمایا ہے کہ دس برس تجھے

اور زندگی دے دی گئی ہے"۔

چنانچہ آپ دس برس مزید زندہ رہے۔

آخری ایّام میں بالکل از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ اپنی ہستی کو فراموش کر دیا تھا۔ اور ذاتِ مبارک حضور سیّدِ عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمہ وقت مراقب رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیّد محمد امیر شاہ قادریؒ (ف ۲۰۰۴ء) سجادہ نشین یکہ توت پشاور راوی ہیں کہ "ایک بار میں آپ کے سامنے بیٹھے حدیث شریف پڑھ رہا تھا کہ آپ پر ایک وجدانی کیفیّت طاری ہو گئی۔ فرمایا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا حدیث پڑھنا سُن رہے تھے اور بہت خوش تھے۔ ذالک فضل اللہ یوٗتیہ من یشآء۔

آپ کی رحلت ۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴/ اپریل ۱۹۵۷ء بروز اتوار ہوئی اور اگلے روز آبائی قبرستان میں سپُردِ خاک ہوئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---ماخذ---

(۱) "سیرتِ امیرِ ملّتؒ" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۱، ۷۳۵، ۷۳۸۔
(۲) "تذکرہ شہ جماعتؒ" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔
(۳) "تذکرہ علماؤ مشائخ سرحد" حصہ اوّل از سیّد محمد امیر شاہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۵۲ تا ۲۵۷۔
(۴) "حفاظ پشاور" از سیّد محمد امیر شاہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۲۲۹۔
(۵) "گلزارِ مدینہ" مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ، ص ۶۵۔
(۶) "سیرت النبی ﷺ بعد از وصال النبی ﷺ" از محمد عبد المجید صدیقی ایڈووکیٹ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۳۵۱۔
(۷) "شخصیاتِ سرحد" از پروفیسر محمد شفیع صابر مطبوعہ پشاور ۱۹۹۰ء ص ۱۹۳ تا ۱۹۴۔
(۸) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور جون ۱۹۱۳ء، ص ۱۰۔

/☆/☆/☆/☆/

ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کُنجاہی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۶ء ــــــــــــــ ۱۹۵۸ء)

ڈاکٹر محمد اللہ دتہ بن شیخ پیر بخش کی ولادت ۱۲/فروری ۱۸۸۶ء کو فارسی زبان کے شہرۂ آفاق شاعر ملاّ غنیمتؔ کنجاہیؒ (۱۶۳۰ء۔۱۶۹۵ء) کے وطن کنجاہ ضلع گجرات (پنجاب) میں ہوئی۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوج میں سب اسسٹنٹ سرجن کی آسامی پر فائز ہو گئے اور اپنی ڈیوٹی بحسن وخوبی سرانجام دے کر اپنی عظمت وسطوت کا لوہا منوایا۔ ''کسبِ کمال کُن کہ عزیز جہاں شوی'' کے مصداق وہ ہر دلعزیزی حاصل کی کہ دوسرے ساتھی اس کا عشرِ عشیر بھی حاصل نہ کر سکے۔

مئی ۱۹۰۹ء میں آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے بعد آپ نے پابندئ شریعت اور عاملِ سُنّت کا پورا پورا نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ ۱۱/مئی ۱۹۱۸ء کو سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے موقعہ پر پیرومُرشد نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ اور پھر محبوب خلفاء میں شمار ہوئے۔ ۱۲/مئی ۱۹۳۹ء کو جمعۃ المبارک کے دن پھر سالانہ جلسہ کے موقع پر دوبارہ دستار خلافت عطا ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب نے ابتدائے ملازمت میں داڑھی رکھ لی تھی۔ اس پر انگریز کمانڈر نے طنزاً کہا کہ آپ ایک اچھے ڈاکٹر ہیں لیکن آپ نے اپنا چہرہ بگاڑ لیا ہے۔ یہ سُنتے ہی آپ نے جوش میں آگئے اور فرمایا:۔

''اَب تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کے مطابق چہرہ بنا ہے''۔

اور پھر پوری جرأت سے شعائرِ اسلام کی پاسداری اور تبلیغ فرمانے لگے۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران آپ انگلینڈ، فرانس، شمالی افریقہ، اور مشرقِ وسطیٰ گئے۔ انگلینڈ میں آپ کے دستِ حق پر چند انگریز مسلمان ہوئے۔ مصر میں قیام کے دوران تحریکِ خلافت کے لئے چندہ اکٹھا کر کے بھجواتے رہے۔ اسی دوران انگریزوں نے

ہندوستانی فوجی مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد خلافتِ ترکی کے خلاف شریف مکہ کی تائید وحمایت کے لئے حج کے موقعہ پر روانہ کیا۔ آپ کو اس سازش کا علم ہوا تو برملا مخالفت کی۔ اس پر آپ کو زیرِ نگرانی رکھا جانے لگا اور خفیہ رپورٹوں میں "سلطنتِ برطانیہ کا بڑا دشمن" لکھا جانے لگا۔ کورٹ مارشل ہوا اور رپورٹ سعید سے جزائر انڈیمان تبدیل کر کے کڑی نگرانی میں رکھے گئے۔ لیکن وہاں کے حکام آپ کی فراستِ ایمانی سے متاثر ہونے لگے۔ اور بہت سے غیر مسلم آپ کے دستِ اقدس پر مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کی ان سرگرمیوں سے بوکھلا کر حکام نے آپ کو ملایا بھیج دیا۔ جہاں آپ کے مقبول ومحبوب خلیفہ بابا فیروز دین آپ سے بیعت ہوئے۔ یہاں سے آپ ۱۹۲۰ء میں فوج سے مستعفیٰ ہو کر واپس وطن آگئے اور پریکٹس شروع کردی۔

۱۹۲۲ء میں جب شُدھی تحریک زوروں پر تھی۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ اس تحریک کو کُچلنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا کر میدانِ عمل میں اُتر چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس تحریک کے انسداد تک اپنے شیخ کی معیّت میں کام کرتے رہے۔ ۳۳-۱۹۳۲ء میں کشمیر ایجی ٹیشن میں بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ تک ملتان جیل میں قید وبندکی صعوبتوں سے نبرد آزما رہے۔

مشرقی پنجاب کے اضلاع رُہتک، کرنال اور حصار میں آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغ واشاعت کے لئے مقدُور بھر کوششیں کیں۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں لوگ صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگئے۔ تحریک پاکستان کا دور آیا تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے اپنے روز وشب اسی لئے وقف کردیئے اور برّصغیر کے کونے کونے میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ ڈاکٹر صاحب بھی پریکٹس چھوڑ کر تحریکِ پاکستان کی کشتی کو ساحلِ کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنے مُرشد کی خاکِ پاء کو سرمۂ چشم بناتے رہے۔ حتیٰ کہ آزادی کی صبح طلوع ہوگئی۔

آپ سچّے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فنافی الشیخ تھے۔ شعروشاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ طالب تخلّص فرماتے تھے۔ تازیست ماہنامہ "انوار الصوفیہ" میں اپنا کلام شائع

کرواتے رہے۔ مجموعۂ کلام ''انوارِ طالبؔ'' کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوکر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکا ہے۔ ذیل میں بطورِ تبرک نمونۂ کلام درج کیا جاتا ہے ۔

بُلا لو یارسولؐ اللہ! اب مجھ کو مدینے میں ۔۔۔ اُٹھا کر یا مدینے ہی کو رکھ دو میرے سینے میں
دکھا دو چہرۂ انور بٹھا کر سامنے اپنے ۔۔۔ مرے سینے میں ہو مجلس کہ ہو حضرت مدینے میں
مثالِ ماہیٔ بے آب تڑپے ہے جدائی میں ۔۔۔ دلِ مضطر کہاں ٹھہرے مدینے میں کہ سینے میں
کٹی سب انتظارِ وصل میں عمرِ گراں مایہ ۔۔۔ یہ بیمارِ محبت اب ہے مرنے میں نہ جینے میں
رہے آقاؐ کے قدموں سے لگا تا حشر یہ خادم ۔۔۔ بٹھا لو یا نبیؐ! اپنی محبت کے سفینے میں
سُنا ہے جب سے حضرتؐ قبر میں تشریف لائیں گے ۔۔۔ مزہ مرنے میں آتا ہے، رہی طاقت نہ جینے میں
رہے پیشِ نظر یارب! حیاتِ قبر کا منظر ۔۔۔ میں سَو سَو بار مر جاؤں اگر اِک اِک مہینے میں

ہزاروں حسرتوں کا خون ہوتے دیکھنا ہو اگر
تو حضرتؐ! دیکھ لو آ کر کسی طالبؔ کے سینے میں

آپ کی وفاتِ حسرت آیات ۱۱/ شعبان ۱۳۷۷ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۵۸ء بروز پیر ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت پیر سیّد ولایت شاہ گجراتیؒ (۱۸۸۸ء۔۱۹۷۰ء) نے پڑھائی اور کنجاہ کی سرزمین میں ہی مزار اقدس بنا۔

پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے یہ تاریخ وصال کہی ۔

ڈاکٹر اللہ دتہ کنجاہی ۔۔۔ صاحبِ فیض وعارفِ کامل
تھے وہ شیدائے قبلۂ عالم ۔۔۔ سَر بسَر پاک جان وروشن دل
تربتِ پاک اُن کی نورانی ۔۔۔ رشکِ خلد اُن کی اوّلیں منزل
اُن کا جاری ہے فیض بعد وفات ۔۔۔ پردہ فرما کے حق سے ہیں واصل
قادری نے یہ اُن کا سالِ وصال ۔۔۔ لکھ دیا، ''وصلِ ذات کا حاصل''
۱۳۷۷ھ
سالِ شمسی ''غریقِ رحمت'' ہے ۔۔۔ رحمتِ رَب ہے سدا شامل
۱۹۵۸ء

---------------ماخذ---------------

(۱)''سیرت طالب'' از کیپٹن محمد امین عاصی مطبوعہ کنجاہ ضلع گجرات، ۱۹۹۱ء متعدد صفحات۔

(۲)''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء، ص ۱۷۷۔

(۳)''انوار طالب'' از ڈاکٹر محمد اللہ دتہ طالب مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳، ۲۷۔

(۴)''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم گکھڑوی مطبوعہ ۱۳۳۷ھ ص ۶۵۔

(۵)''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۷۔

(۶)''تاریخ گجرات'' از شیخ کرامت اللہ مطبوعہ گجرات ۱۹۷۷ء ص ۳۴۲، ۳۴۳۔

(۷)''تصوف'' از ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہی مطبوعہ گنجاہ ۱۹۸۰ء (مقدمہ) ص ۳۱۔

(۸)''تذکرہ شعرائے گُنجاہ'' از محمد صدیق مجاہد مطبوعہ کنجاہ، ۲۰۰۰ء ص ۸۱۔

(۹)''خفتگانِ خاکِ گجرات'' از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ مطبوعہ گجرات ۱۹۹۶ء ص ۴۲۔

(۱۰) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور مئی، جون ۱۹۱۸ء ص ۱۰، اگست ۱۹۲۰ء ص ۱۹۔

(۱۱) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ فروری، مارچ ۱۹۵۸ء ص ۳۸ تا ۴۱۔ اپریل ۱۹۵۸ء ص ۹ تا ۱۳۔

(۱۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور اگست، ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۲۱۔

(۱۳)''وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد۔ ۱۹۹۰ء ص ۱۳۱۔

/☆/☆/☆/☆/

مفتی عبد الحفیظ حقانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۱ء---------------۱۹۵۸ء)

حضرت مولانا مفتی محمد عبد الحفیظ حقانی بن حضرت مولانا علامہ حکیم حافظ عبد المجید (ف ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کی ولادت باسعادت ۱۳۱۸ھ/۱۹۱۰ء میں آنولہ ضلع بریلی شریف (یوپی، بھارت) کے ایک علمی گھرانہ میں ہوئی۔ تاریخی نام ''حفظ الرحمٰن'' رکھا گیا جس سے ۱۳۱۸ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔

حفظ قرآن پاک کے بعد والد گرامی سے جملہ علوم وفنون میں سندِ فراغت حاصل کی۔ کچھ عرصہ مدرسہ نظامیہ دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلیؒ (ف ۱۹۶۴ء) اور قیام الدین والملّت حضرت مولانا محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۲۶ء) کے حضور بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مؤخر الذکر سے مُسلم شریف اور علم ہیأت کی کتابیں بطور تبرک وحصولِ برکت دوبارہ سبقاً سبقاً پڑھیں۔

۱۷/ برس کی عمر میں علوم متداولہ کی فراغت کے بعد والد گرامی کی زیرنگرانی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۲۰ء میں اہلسنّت کی مشہور ومعروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں بطور مدرس تقرّر ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں بدایوں میں شادی ہوئی۔ ۱۹۲۶ء میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں بحیثیت صدر مدرّس تقرّر ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں انجمن حنفیہ قصور کی درخواست پر قصور تشریف لائے اور درس وتدریس کے جوہر دکھائے۔ یہاں کئی طلبہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے امتحان میں شریک ہوئے اور اعلیٰ پوزیشن حاصل کی۔ پھر قصور سے اپنے والد گرامی کی درسگاہ "مدرسہ منظرِ حق" ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یوپی، بھارت) تشریف لے گئے۔

فنِ تقریر میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ امرتسر اور حزب الاحناف لاہور کے جلسوں میں اپنی جادو بیانی کی باعث شہرتِ عامہ حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر کے زیرِ اہتمام "مسجد سکندر خاں ہال بازار" میں خطابت کی ذمہ داریاں قبول فرمالیں۔ علاوہ ازیں بعد نماز فجر درس قرآن اور بعد نماز عشاء درسِ حدیث کا سلسلہ جاری فرمایا۔ قیام امرتسر کے دوران ہی تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری فرمایا۔ مرزائیوں اور غیر مقلدین کی مذموم سرگرمیوں کو رد کیا جس سے وہ بوکھلا گئے۔ امرتسر سے نکلنے والے ماہناموں اور ہفت روزوں میں علمی اور تحقیقی مضامین چھپوا کر اپنی مذہب دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ یہاں غیر مقلدین اور احراریوں سے مناظرے بھی کئے اور اُن لوگوں کو سوائے فرار کے کوئی راہ نہ ملی۔

آپ نے حضرت امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرّہٗ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) کے دستِ حق پرست پر سعادت بیعت حاصل کی تھی۔ ۱۴/ شعبان ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۳۲ء بروز منگل بسلسلۂ شب برأت حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ امرتسر

تشریف لائے۔ یہ جلسہ مسجد میاں جان محمد مرحوم میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوا۔ اگلی صبح مسجد سکندر خاں مرحوم میں تشریف لے جا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے دستارِ خلافت عطا فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ کو حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھویؒ (۱۸۵۰ء۔۱۹۳۶ء) سے بھی خلافت حاصل تھی۔

۱۹۳۶ء میں مدرسہ نعمانیہ فراش خانہ دہلی میں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ مسجد دوجانہ بازار مٹیا محل میں بعد نماز عشاء اور باڑہ ہندوراؤ کی حوض والی مسجد میں بعد نماز فجر درس ''قرآن حکیم'' دیتے رہے اور یہ سلسلہ جولائی ۱۹۳۹ء یعنی قیام دہلی تک جاری وساری رہا۔ اس دوران دہلی میں مذہبی جلسوں سے برابر خطاب بھی کرتے رہے۔ اور اپنے پیرومُرشد امیر ملّت قدس سرّہٗ کے صدارتی خُطبات سے بھی لوگوں کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع جلاتے رہے۔

۱۹۳۷ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ براہِ دہلی، شملہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اہالیانِ دہلی کو جب اس بات کا علم ہوا تو یہ فیصلہ کیا کہ جامع مسجد دہلی میں حضرت اقدس کی بعد نمازِ جمعہ تقریر دلپذیر کرائی جائے۔ چنانچہ اخبارات کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان سے احراری اور کانگرسی مولویوں میں کھلبلی مچ گئی اور اُنہوں نے اس جلسہ کو ناکام بنانے کی ٹھان لی۔ چنانچہ نماز جمعہ ختم ہوتے ہی ایک کانگرسی مولوی جس کا نام عظمت اللہ تھا، فوراً مکبّر کی سیڑھی پر چڑھا اور اعلان کیا کہ اب ''جمعیت علماء ہند'' کا جلسہ ہوگا لہذا سب لوگ تشریف رکھیں۔ اس پر آپ یعنی مفتی محمد عبدالحفیظ مکبّر کی سیڑھی پر تشریف لائے اور ابھی کچھ کہنے والے تھے کہ مذکورہ کانگرسی مولوی آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُسے وہیں روک دیا اور وہ مزید بات کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

آپ نے اپنی گرجدار آواز میں فرمایا:۔

حضرات! آپ کو اخبارات واشتہارات کے ذریعے یہ اطلاع مل چکی کہ ''حضرت امیر ملّت دامت برکاتہم عالیہ آج صبح دہلی تشریف لائے ہیں اور شام کو واپسی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت

کچھ ارشاد فرمائیں گے"۔
پھر آپ نے بڑے پُر جوش انداز میں پون گھنٹہ تک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ نے آپ کی تقریر دلپذیر سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنی اُونی شال مبارک جو اُس وقت اوڑھے ہوئے تھے، آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

آپ کی پُر اثر تقریر کے بعد حضرت اقدس امیر ملت قدس سرّہٗ نے ایک گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ مجمع میں بڑا جوش وخروش تھا، نعرۂ تکبیر ورسالت کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ اس طرح یہ عظیم الشان جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ وہ کانگرسی مولوی پھر نظر نہیں آیا۔

محلّہ پھاٹک حبش خان دہلی میں غیر مقلّدین کی اکثریت تھی۔ اُن کا ایک مدرسہ جامعہ صدیقیہ، ایک لائبریری تھی اور "اہلحدیث" کے نام سے اسی مدرسہ سے ایک رسالہ بھی شائع ہوتا تھا۔ اس محلّہ میں حاجی محمد عارفین گھی والے جو صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان تھے، نے اپنے چند احباب سے مشورہ کے بعد اس محلّہ میں ۲۴۔۲۵۔۲۶/ ربیع الاوّل شریف کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور جلسہ میں خطاب کے لئے صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء) حضرت محدّث اعظم کچھوچھویؒ (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۱ء)، مولانا صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلی (ف ۱۹۶۴ء)، مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی (۔۔۔ف۔۱۹۷۵ء)، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (۱۸۸۳ء۔۱۹۶۶ء)، مولانا مفتی محمد مظہر اللہ امام وخطیب مسجد فتح پوری دہلی (۱۸۸۶ء۔۱۹۶۶ء)، مولانا عبدالحامد بدایونی (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۰ء) مولانا جمال میاں فرنگی محلی (۱۹۱۹ء۔زندہ) وغیرھم کے علاوہ آپ کو بھی دعوت دی۔ جلسہ شروع ہونے سے قبل ہی مخالفین کی طرف سے سوالات آنا شروع ہو گئے۔ آپ اسٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ جب آپ کی تقریر کا اعلان ہوا تو آپ نے تقریر سے قبل اعلان فرمایا کہ جن حضرات نے پرچے بھیجے ہیں۔ وہ اپنے علماء کو لے آئیں اور جس موضوع پر چاہیں مناظرہ کر لیں۔ دو روز تک یہ جلسہ اور ہوگا، میں بھی دو روز تک یہاں ہوں اور ہمارے اکابرین بھی یہاں تشریف فرما ہوں گے۔ پھر دو گھنٹہ تک جامع تقریر فرما کر غیر مقلّدین کے تمام اعتراضات کا شافی جواب دیا۔ مخالفین کو راستہ ماپنے کے سوا چارہ نہ رہا۔

اگست ۱۹۳۹ء میں آپ اہالیانِ آگرہ کے پُر زور اصرار پر شاہی جامع مسجد آگرہ میں بحیثیت مفتی ٔ آگرہ، مدرس اور خطیب تشریف لے گئے۔ یہاں آپ کے جوہر خوب کھلے۔یہیں سے آپ نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور کانگرسی علماء کے چھکے چھڑا دیئے۔ جمعیت علماء کانپور کے آپ مفتی تھے۔مسلم لیگی جلسوں سے خطاب فرماتے اور تحریک پاکستان کو جلا بخشتے۔ ۱۹۴۶ء میں جبکہ تحریک پاکستان کی مخالفت زوروں پر تھی۔مجلس احرار کے لیڈر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۱ء) آگرہ آئے اور جامع مسجد آگرہ کے شمالی حصّہ میں بعد نماز جمعہ تقریر کا پروگرام بنایا۔آپ چونکہ جمعہ کے بعد یہاں تقریر فرمایا کرتے تھے۔لہٰذا طے پایا کہ جب آپ تقریر ختم کرلیں گے تو بخاری صاحب مجمع کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔آپ نے بغیر لاؤڈ سپیکر مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں اڑھائی گھنٹے باندازِ محققانہ ایسی دھواں دھار تقریر فرمائی کہ بخاری صاحب بمع اپنے ساتھیوں کے زچ ہوکر چلے گئے اور کہنے لگے کہ ''مفتی صاحب کا مقابلہ کرنا دشوار ہے''۔

آپ نے ''بنارس کی آل انڈیا سُنّی کانفرنس'' منعقدہ ۲۷/تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء میں بھی شرکت کی اور پھر تحریک پاکستان کے لئے وقف ہوگئے۔ پاکستان بننے کے بعد آگرہ میں ہی رہ کر مسلکِ اہلسنّت کی پاسبانی کی۔ جولائی ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لے آئے اور جناح مسجد برنس روڈ میں خطیب و مفتی رہے۔پھر کچھ عرصہ بعد دارالعلوم مظہریہ کی بنا رکھی اور آرام باغ کی جامع مسجد کے بالائی خانہ پر افتاء نویسی، درس قرآن اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔خرابیٔ صحت اور آب وہوا راس نہ آنے کے باعث نومبر ۱۹۵۷ء میں غزالیٔ دوراں علامہ سیّد احمد سعید کاظمی (۱۹۱۳ء۔۱۹۸۶ء) کے اصرار پر مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت ''شیخ الحدیث'' تشریف لے گئے۔

چونکہ طبیعت کی ناسازی بوجہ ریاحی مرض عرصۂ دراز سے تھی۔ چنانچہ ۱۹/ جون ۱۹۵۸ء کو ''جامعہ نعیمیہ'' لاہور کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔۲۱/ جون کو واپسی ہوئی تو راستہ میں ریاحی درد شروع ہوگیا۔۵/ ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۳/ جون ۱۹۵۸ء بروز پیر رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔قبرستان حسن پروانہ کالونی ملتان میں

مزارِ پُر انوار بنا۔

آپ کے برادرِ طریقت پروفیسر حامد حسن قادری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے قطعۂ تاریخ وصال کہا۔

"ذو فضل علی العالمین"	"غریقِ رحمت"	"مآثر تواریخ"	"ہو واللہ وہاب غفور"
۱۳۳۷ھ	۱۹۵۸ء	۱۹۵۸ء	۱۹۵۸ء

مفتی عبدالحفیظ صاحب آج   پردہ فرما کے حق سے ہیں واصل

نیک دل نیک طبع نیک اوصاف   سر بسر پاک جان وروشن دِل

واعظ خوش بیاں وبحر علوم   صاحبِ فیض وفاضلِ کامل

تُربت پاک اُن کی نورانی   رشکِ خُلد اُنکی اوّلیں منزل

قادری نے بھی اُن کا سالِ وصال

لکھ دیا۔ "وصلِ ذات کا حاصل"

۱۳۷۷ھ

آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ زیورِ طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوئیں اور کافی غیر مطبوعہ حالت میں ہیں۔ چند کُتب کے نام (۱) السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ (ردِّ قادیانیت) (۲) الحسنیٰ المزید لمحب التقلید، (۳) علم غیب (۴) آئینۂ سُنت (۵) مجموعۂ فتویٰ (۶) تکمیل الایمان، (۷) تہافت الوہابیہ (۸) متروکہ جائیداد پر مساجد کی تعمیر، (۹) کلمہ طیّبہ اور نماز (۱۰) ادغام ہاز ربجوابِ نقش ماہر (ماہر القادری کے رسالہ "فاران" کراچی کے "توحید نمبر" کے رد میں) (۱۱) فضائل معاویہ (۱۲) الھاویہ شاتم معاویہ (۱۳) فارقلیط (۱۴) کلمۂ اسلام کی تشریح، (۱۵) حق وصداقت کی آواز (۱۶) لاؤڈ سپیکر پر نماز کا جواز، (۱۷) حاشیہ مشکوٰۃ شریف (۱۸) دیوان مجاز (۱۹) عباداتِ اسلام، (۲۰) عقائد حقہ اہل سُنت وجماعت، (۲۱) تبلیغی جماعت (۲۲) علم طب (۲۳) اسلام اور عیسائیت (۲۴) مفقود الخبر، (۲۵) ریڈیو کے اعلان کا شرعی طریقہ وحکم (۲۶) مرزائیت پر تبصرہ، (۲۷) مودودی پر تنقید (۲۸) بشارت اسمۂ احمد وغیرہ وغیرہ

آپ کے شاگردوں میں آپ کے صاحبزادے مولانا محمد حسن حقانی (کراچی)

مفتی سیّد سعادت علی قادری (کراچی) مفتی سیّد شجاعت علی قادریؒ (کراچی) مولانا مشیر احمد دہلوی (کراچی) مولانا محمد شفیع عرف بیکل اُتساہی (بھارت) مولانا عبدالعزیزؒ بورے والا (پنجاب) ودیگر بہت سے علماء شامل ہیں۔

ــــــــــــــــ ماخذ ــــــــــــــــ

(۱) ''سوانح مفتیٔ اعظم آگرہ'' از مولانا محمد جمیل الرحمٰن سعیدی رضوی (قلمی) مملوکہ محمد صادق قصوری۔

(۲) ''قلمی یادداشتیں'' از مولانا شبیر احمد دہلوی ثم کراچوی، مملوکہ محمد صادق قصوری۔

(۳) سہ ماہی ''تصوف'' کراچی اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۳۳۔

(۴) ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی جون ۱۹۶۵ء ص ۸۲۔

(۵) مکتوبِ گرامی مولانا محمد حسن حقانی (پسر حقیقی) بنام محمد صادق قصوری محرّرہ از کراچی مورخہ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۸۸ء۔ ۲۲/ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

(۶) مکتوبِ گرامی مولانا محمد جمیل الرحمٰن سعیدی رضوی بنام محمد صادق قصوری از کراچی موصولہ ۲۸/ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

(۷) ''جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا'' جلد دوم مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۹۵۳۔

(۸) ''سیّد ابوالبرکات اپنے مکاتیب کے آئینے میں'' از صاحبزادہ محمد محبّ اللہ نوری مطبوعہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ ۱۹۹۹ء ص ۴۹ تا ۵۰۔

(۹) ماہنامہ ''سوئے حجاز'' لاہور بابت جولائی ۲۰۰۲ء ص ۳۱ تا ۴۵۔ (انٹرویو مولانا محمد حسن حقانی پسر حقیقی مولانا مفتی محمد عبدالحفیظ حقانیؒ)

☆☆☆☆☆

(ـــــ ء ـــــــــــ ۱۹۵۹ء)

مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین ابن مولانا احمد بخش کی ولادت موضع پیر کوٹ

سدانہ ضلع جھنگ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کرنے کے بعد صرف ونحو کے لیئے مولانا حافظ جمال اللہ گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حافظ صاحب کے وصال کے بعد شمس العلماء مولانا غلام حسین قریشی ساکن تلیری کی خدمت میں زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور پھر قطب البلاد دہلی جا کر طبیہ کالج دہلی میں داخل ہو کر تین سال تک مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاںؒ (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۸ء) سے استفادہ کر کے ۱۳۔ جولائی ۱۹۱۵ء مطابق یکم رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ بروز منگل ''فاضل طب و جراحت'' کی سند اور تمغہ حاصل کیا۔

آپ کو دور طالب علمی سے ہی تقریر و مناظرہ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ قیام دہلی کے دوران مسلمانانِ دہلی نے فوارہ کے مقام پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیئے آپ ہی کو منتخب کیا تھا۔ آپ نے دہلی، آگرہ اور دیگر شہروں میں عیسائی اور آریوں سے مناظرے کیئے اور انہیں شکست فاش دی۔ بڑے بڑے مناظر آپ کے سامنے آنے سے کتراتے تھے۔ ایک دفعہ آگرہ میں ایک آریہ کے ساتھ آپ کا مناظرہ ہوا۔ شرائط مناظرہ میں سے ایک بات یہ طے ہوئی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے جو فریقین میں مشترک ہو۔ آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے۔ مثلاً جب کسی مسلمان کی ہوا خارج ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس جگہ کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا:۔

> ''تم شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے۔ دیکھو! جب تمہارا کوئی آدمی مر جاتا ہے تو اس کے چند رشتہ دار چاہے اس سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہوں، خبر سنتے ہی غسل کرتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، برتنوں اور چوکے کی صفائی کرتے ہیں۔ حالانکہ مرنے والا ہزاروں میل دور ہے اور اس کی پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے، وضو کے اعضاء تو پھر بھی قریب

ہیں۔"

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض کیا:۔

"تم چند کلمات پڑھ کر جانور کو چھری سے ذبح کرتے ہو۔ میں پوچھتا ہوں وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا۔ اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی ضرورت؟ اور اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہیئے کہ بلّی، کتّے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کر کے کھا جاؤ۔"

مولانا نے فرمایا:۔

"پنڈت جی! ذرا ہوش سے بات کرو، تم پھر شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے۔ دیکھیئے! جب آپ بیاہ کرتے ہیں تو آپ کا برہمن "بھوج" پڑھتا ہے اور دولہا کو دلہن کے گرد چند چکر دلاتا ہے۔ اب بتایئے کہ بھوج پڑھنے اور چکّر دلانے سے دلہن دولہا پر حلال ہوئی ہے یا پہلے ہی حلال تھی؟ اگر پہلے ہی حلال تھی تو پھر بھوج پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر پڑھنے سے حلال ہوئی ہے تو چاہیئے کہ بھوج پڑھ کر اور چکّر کاٹ کر ماں بہن کو بھی حلال کر کے مصرف میں لے آؤ۔"

غرض مولانا کی سخت گرفت پر آریہ مناظر کو راہ فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

تحصیل علم کے بعد آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ کچھ عرصہ بعد اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ آپ کو اپنے پیرومرشد سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔ آپ کی استدعا پر حضرت امیر ملّتؒ اکثر و بیشتر جھنگ کے علاقہ میں تشریف لاتے اور تبلیغ وارشاد کی شمعیں فروزاں کر کے گمگشتگانِ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کرتے۔ آپ نے کئی دفعہ حضرت امیر ملّتؒ کی معیّت میں حج وزیارت

کی سعادت حاصل کی۔ حضرت قدس سرّہ، سے آپ کی محبت فنافی الشیخ کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ حضرت بھی خصوصی شفقت اور توجہ سے نوازتے تھے۔

آپ اچھے انشا پرداز اور صاحب قلم تھے۔ آپ کے مضامین عرصہ تک مجلّہ "طبیّہ" دہلی، "المنبر" دہلی، "الفقیہہ" امرتسر، "شمس الاسلام" بھیرہ ضلع سرگودھا، "لمعات الصوفیہ" سیالکوٹ، اور "انوارالصوفیہ" سیالکوٹ میں چھپتے رہے، بہت سی کتابیں بھی آپ نے تالیف فرمائیں جن میں سے دو زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہیں، "فیصلہ شرعیہ در ردّ روافض" اور "خونی داستان"۔

مسئلہ تقلید شخصی پر آپ نے موضع بدوآنہ تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں مولوی ثناءاللہ امرتسری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء) سرخیل وہابیہ سے مناظرہ کیا اور فتح مبین حاصل کی۔ اس مناظرہ میں احناف کی طرف سے آپ کے علاوہ مولانا غلام حسین تلیری، مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مولانا نظام الدین ملتانی شریک تھے اور غیر مقلدین کی طرف سے مولوی ثناءاللہ امرتسری، مولوی عبدالحمید بدوآنوی، مولوی عبدالوہاب دہلوی اور مولوی محمد یار حویلی بہادر شاہ ضلع جھنگ موجود تھے۔ ۲۵۔ ستمبر ۱۹۲۵ء کو "روڈو چدھڑ" ضلع فیصل آباد (تب لائل پور) میں مولوی فیض محمد لکھیانوی "مخالف صحابہ" سے مناظرہ کیا اور پانچ اہم مسائل پر گفتگو کر کے زبردست فتح حاصل کی۔

آپ بڑے متقی، صالح، بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مدتوں آپ کی یہ عادت رہی کہ مغرب کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھا کر سو جاتے۔ دس بجے کے قریب بیدار ہو کر باجماعت عشاء کی نماز ادا کرتے، پھر اسی مصلّے پر بیٹھے رہتے، درود شریف اور وظائف پورے کرتے۔ اسی وضو سے تہجد کی نماز ادا کرتے اور فجر تک درود شریف اور اوراد میں مشغول رہنے کے بعد تھوڑی دیر آرام فرماتے۔

قرآن مجید اور علوم دینیہ سے تو عشق تھا۔ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو قرآن مجید حفظ کرایا تھا۔ ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھا رہے تھے کہ ۲۵۔ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز جمعرات تین بجے بعد دوپہر

رُوح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ مرقد انور ''قطب آباد چک نمبر ۲۳۲ جوتیانوالہ ڈاک خانہ چک نمبر ۲۳۳ ضلع جھنگ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ ایک حافظ حکیم محمود الحسن جو طب کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور دوسرے مولانا عبدالرشید جھنگوی، دین متین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔ ثانی الذکر نے آپ کے مزار اقدس کے پاس آپ کی یاد میں ''جامعہ قطبیہ رضویہ'' قائم کیا ہے۔ جو اہلسنت کی معیاری درسگاہ ہے۔

حضرت مولانا حکیم خادم علی سیالکوٹیؒ (۱۸۶۶ء۔۱۹۷۱ء) نے تاریخ وصال کہی، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

عالم و فاضل فقیہِ نامدار — بُود در دنیا ، زدنیا برکنار
ماہر اسرارِ تفسیر و حدیث — مخزن انوار و شیخِ روزگار
در شریعت بُد مثالِ کوہسار — در طریقت بحرِ ناپیدا کنار
حاملِ تاثیر ہا تقریرِ اُو — بود تحریرش چودرِ شاہوار
فیض یاب از آفتاب معرفت — حضرت شاہِ جماعت باوقار
از نگاہش قطبِ دیں ابدال شد — کرد سمیں سینہ اش را زرنگار
آہ، آں فرّخ سیر، شیریں مقال — شد درون خاک مرقد پردہ دار
ہست در الفاظ سال رحلتش — سہ صدو ہفتاد و نہ با یک ہزار
---۱۳۷۹ھ---
از ربیع الآخر آمد بست و پنج — چوں برفت اوجانب دار القرار

وقت ظہرش بود وقت انتقال
پنجشنبہ روز بودہ در شمار

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۹۷۔
(۲) ''تاریخ جھنگ'' از بلال زبیری مطبوعہ جھنگ ۱۹۷۶ء ص ۴۹۷۔

(۳) ہفت روزہ ''محبوب حق'' لائل پور بابت ۲۰۔ستمبر ۱۹۶۳ء ص ۷۶۔

/☆/☆/☆/☆/

خواجہ کرم الٰہی سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۸۰ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۵۹ء)

ماسٹر خواجہ محمد کرم الٰہی ابن میاں غلام قادر نائیک کی ولادت ۱۸۸۰ء میں موضع بڈیانہ تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے ایک راجپوت گھرانے میں ہوئی۔آپ کے پردادا خواجہ عبدالکریم نائیک کشمیر سے ہجرت فرما کر موضع بڈیانہ میں تشریف لا کر رہائش پذیر ہوئے تھے اور بڑی باعزت زندگی گزار کر اللہ کو پیارے ہوئے۔

آپ نے مقامی پرائمری سکول سے پرائمری کا امتحان پاس کرنے کے بعد پسرور سے مڈل پاس کیا اور پھر ۱۸۹۵ء میں سیال کوٹ سے اعلیٰ پوزیشن کے ساتھ میٹرک کیا۔اس کے بعد بطور مدرس محکمہ تعلیم میں بھرتی ہو کر کوہاٹ چلے گئے۔یہاں ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھا اور ۱۹۰۰ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔۱۹۰۲ء میں ''مختاری'' کا امتحان دیا جو کہ ''وکالت'' کا پہلا امتحان ہوتا ہے۔اور ''مختار'' بنتے ہی ''وکالت'' کا کام شروع کر دیا۔۱۹۰۴ء میں بی اے اور ۱۹۰۵ء میں ایل ایل بی کے امتحانات پاس کر لیئے۔اور اسی سال ہی میں دیوانی،فوجداری اور محکمہ مال کے مقدمات کی اجازت مل گئی۔چونکہ طبعاً آزادی پسند تھے لہذا سرکاری ملازمت کی بجائے سیال کوٹ میں رہائش پذیر ہو کر پریکٹس شروع کر دی اور جلد ہی اپنی محنت، دیانت، لیاقت اور صداقت کی بدولت نامور وکلاء میں شمار ہونے لگے۔ابتدائی زندگی ''مدرسی'' میں گزارنے کی وجہ سے ''ماسٹر'' کا لفظ نام کا جزو بن گیا۔

آپ نے دور طالب علمی میں ہی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست اقدس پر سعادتِ بیعت حاصل کر لی تھی۔اور پھر ''فنافی الشیخ'' کی منزل تک جا پہنچے۔اپنی تمام زندگی

اپنے شیخ طریقت پر نثار کردی۔ ۱۱۔ مئی ۱۹۳۱ء کو بر موقعہ سالانہ اجلاس ''انجمن خدام الصوفیہ ''علی پور سیّداں، حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے آپ کو شرفِ خلافت سے نواز کر خلقِ خدا کی رہنمائی کا فریضہ بھی سونپ دیا۔ آپ نے اپنے پیرومرشد کے ساتھ برصغیر کی تمام تحریکوں مثلاً ''تحریکِ کشمیر''، ''فتنہءِ ارتداد''، ''تحریک خلافت''، ''ساردا ایکٹ''، مسجد شہید گنج'' اور ''تحریک پاکستان'' میں بھرپور کردار ادا کیا۔ درمے، دامے، قلمے، سخنے، اور قدمے ہر طرح سے خدمات انجام دیں اور تبلیغی دوروں میں بھی شریک رہے۔ مرزائیوں اور دیگر معاندین نے حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کے خلاف جو مقدمات دائر کئے آپ ان سب میں بڑی محنت اور مہارت سے وکالت فرماتے رہے۔

آپکی گوناگوں خوبیوں کی بنا پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے علاوہ یکم اپریل ۱۹۳۸ء مطابق ۲۹۔ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ بروز جمعتہ المبارک بر موقعہ عرس شریف حضرت بابا جی فقیر محمد چوراہیؒ (۱۷۹۸ء۔۱۸۹۷ء)، سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک حضرت پیر سید شاہؒ (۱۸۶۲ء۔۱۹۳۹ء) نے بھی آپ کو دستارِ خلافت سے نوازا۔ دستارِ خلافت پیر سید شاہ اور حضرت امیر ملّتؒ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے باندھی۔ آپ فرط جذبات سے روتے ہوئے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے قدموں میں گر پڑے۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''ماسٹر صاحب بزرگ آدمی ہیں۔'' آپ میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، دستر خوان بہت وسیع تھا، روزانہ کم و بیش چالیس پچاس آدمی آپ کے ہاں کھانا کھاتے تھے۔ آپ کو دینی تعلیم پر بھی کافی عبور تھا اور ہر موضوع پر سیر حاصل بحث کر سکتے تھے۔ زبان کی شیرینی، کڑاکے کی آواز، دینی اور شرعی علم جس کے ساتھ دینوی قانون کی بہرہ مندی کا امتزاج ہوتا، مجمع پر چھا جاتے۔ معترض کا سوال ختم ہونے سے پیشتر ہی جواب حاضر کر دیتے۔

مذہبی اور قانونی مصروفیات کے باوجود آپ نے سیاسی امور میں بھی حصہ لیا۔ برس ہا برس تک سیال کوٹ کے ''میونسپل کمشنر'' رہے۔ دو دفعہ میونسپل کمیٹی کے آنریری سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس طرح آپ شہری عوام اور اعلیٰ حکّام کے مابین مضبوط رابطہ تھے۔ وقت کے ڈپٹی

کمشنروں نے آپ کی کارکردگی کو سراہا اور شکریہ ادا کیا۔ میونسپل کمیٹی کی ''تعلیمی کمیٹی'' کی سربراہی کا قرعہ ہمیشہ آپ کے نام ہی نکلتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اس میدان میں مسلمانوں کی ترقی کے لیئے نہ صرف راہ ہموار کی بلکہ اپنی عین حیات میں اپنی کمیونٹی کو پھلتے پھولتے دیکھا۔ بے شمار لڑکے لڑکیوں کو وظائف اور ملازمتیں دلوائیں۔

آپ ''آل انڈیا کشمیر مسلم کانفرنس'' کے سیکرٹری بھی رہے۔ لاہور میں ۲۰۔ جنوری ۱۹۱۵ء کو مہاراجہ جموں و کشمیر کو جو ایڈریس دیا، اس میں کشمیری مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیئے مختلف سہولتوں کا مطالبہ کیا۔ ان سب امور نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگادیئے اور آپ آل انڈیا سطح کے لیڈر بن گئے۔ ۱۹۲۰ء میں آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کے آنریری وکیل مقرر ہوئے۔

عشق رسول ﷺ آپ کی رگ و ریشے میں سمایا ہوا تھا۔ پانچ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور اٹھارہ حج بدل کروائے۔ شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ لیکن تازیست نعت و منقبت کے سوا کچھ نہ کہا۔ ایک نعت ملاحظہ ہو:۔

عرش سے بالا ہے اُوجِ آستانِ مصطفیٰؐ ۔۔۔ آدمی تو کیا ملک ہیں پاسبانِ مصطفیٰؐ
کیا کرے انساں ثنا و عزّ و شانِ مصطفیٰؐ ۔۔۔ جز خدا کوئی نہیں ہے رتبہ دانِ مصطفیٰؐ
حکم جو اللہ کا ہے۔ ہے وہی حکم آپ کا ۔۔۔ ہے زبان اللہ کی۔ گویا زبانِ مصطفیٰؐ
دنگ ہو جاتے ہیں سنتے ہی فصیحانِ عرب ۔۔۔ کس قدر تھا ابلغ و افصح بیانِ مصطفیٰؐ
قاب قوسین اور اوادنیٰ سے ثابت ہو گیا ۔۔۔ لامکاں سے ہے کہیں ارفع مکانِ مصطفیٰؐ
حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ و عثمانؓ و علیؓ ۔۔۔ تھے یہی چاروں خلیفہ رازدانِ مصطفیٰؐ

جنتی ہیں جنتی ہیں آپ کے سب دوستدار
دوزخی ہیں۔ دوزخی ہیں دشمنانِ مصطفیٰؐ

جیسا کہ ابتداء میں ذکر ہو چکا ہے کہ آپ فنافی الشیخ کی منزل تک پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کا اسم گرامی سنتے ہی ان کی آنکھیں اشکوں کے ہار پرونا شروع کر دیتی تھیں۔ لیجئے بطور ثبوت منقبت ملاحظہ فرمایئے:۔

شاہِ جماعت شہِ علی محبوب ربِّ ذوالجلال — نیک دل نیکو سیر نیک رُو نیکو خصال
خوبرو و پاک باطن، پاک جان و پاک دل — مخزن کشف و کرامت صاحبِ حسن و جمال
سیّد السادات مقبولِ خدائے دوسرا — نام پاکش دافع رنج و بلاء و ہر ملال
بس شگفتہ خاطر و ہم عکسِ رُوئے مصطفیٰؐ — سیّد عالی نسب والا حسب شیریں مقال
مصدر لطف و عنائت مخزن جودو سخا — معدن رُشد و ہدایت منبع لطف و کمال
مظہر نورِ نبیؐ و پر تو خلقِ عظیم — قاسم ایمان وایقان آں شہِ فرخندہ حال
ہر دُعا یش می شود مقبول پیش از التجا — استجابت زودمی آید ربِّ ذوالجلال
او مجدد ہم محدث بود قیومِ زماں — معطی انوارِ ایماں قاسمِ جاہ وجلال
اے خدا ایں دودماں را تا ابد محفوظ دار — از ہمہ فکر و بلاو از ہمہ رنج و ملال

ایں دُعائے بینوا کرم الٰہی کُن قبول
ازطفیل خواجگاں محبوب ربّ ذُوالجلال

حافظ ظفر علی پسروریؒ (۱۸۷۰ء۔۱۹۱۸ء) کی رحلت کے بعد حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے آپ کو ''انجمن خدام الصوفیہ ہند'' کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا اور تازیست اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ حضرت مولانا امام الدین رائے پوریؒ (۱۸۶۷ء۔۱۹۵۲ء) کی رحلت کے بعد ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' سیال کوٹ کے تازیست ایڈیٹر بھی رہے۔ کم وبیش چالیس سال تک ''انوارالصوفیہ'' کا دفتر آپ کے دفتر وکالت میں رہا۔

آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے زمانہء قیام میں ہر ہفتہ کی شام علی پور سیّداں پابندی کے ساتھ حاضری دیا کرتے تھے اور اتوار کا دن مرشد عالی مقام کے قدموں میں گزار کر واپس سیال کوٹ جاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی خاص مجبوری کا بنا پر حاضر نہ ہو سکے، جس کا تازیست افسوس رہا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت جوہر ملّت سیّد اختر حسین شاہ علی پوریؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) کی زبان فیض ترجمان سے سنیئے:۔

''حضرت قبلہء عالم اپنی آخری بیماری میں ہفتہ کے دن ماسٹر صاحب کو بہت یاد

کرتے رہے مگر بعض مجبوریوں کے سبب اس دفعہ ماسٹر صاحب اتوار کی صبح حاضر ہوئے تو حضور نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نزع میں بھی ذوقؔ کو تیرا ہی بس ہے انتظار
جانب در دیکھتا ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

ماسٹر صاحب تڑپ گئے اور قدموں سے لپٹ کر رونے لگے اور عرض کیا، "بندہ خطاوار ہے، معافی کا خواستگار ہے۔"

آپ کو تصنیف و تالیف اور شعروشاعری کا بھی خاصا ذوق تھا۔ ماہنامہ "انوارالصوفیہ" میں آپ کے بے شمار مضامین شائع ہوئے۔ "آدابِ مرید" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی جس کے مطالعہ سے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے آپ کی محبت وشیفتگی کا پتہ چلتا ہے۔ نعتوں اور منقبتوں کے بھی کئی دفتر چھوڑے جو آپ کے سچے عاشق رسول ﷺ اور فنافی الشیخ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

آپ کی رحلت ۲۵۔ دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۲۴۔ جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ بروز جمعۃ المبارک بوقت شام بعارضہ چندہ روزہ بخار ہوئی اور سیال کوٹ میں آخری آرامگاہ بنی۔ دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمود علی جون ۱۹۶۶ء اور بڑے صاحبزادے خواجہ محمد حیدر علی اکتوبر ۱۹۷۱ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

راقم السطور محمد صادق قصوری نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا۔

"گہر علم خواجہ محمد کرم الٰہی"
۱۳۷۹ھ

داغ فراق دے کر دنیا سے چل دیئے ہیں | جان امیر ملّت خواجہ کرم الٰہی
صادقؔ قصوری کہدو سال وفات ان کا | "ہیں حق شناس جنّت خواجہ کرم الٰہی"

------۱۹۵۹ء------

---------------ماخذ---------------

(۱) "سیرت امیر ملّت" ص ۴۶۴، ۴۹۷، ۷۱۸، ۷۱۹۔
(۲) "تذکرہ شہ جماعت" ص ۷۷۔

(۳)''اقبال اور انجمن حمایت اسلام'' از محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۵۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۳۶، اپریل ۱۹۳۸ء ص ۱۶، مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳، اپریل ۱۹۵۳ء ص ۳، دسمبر ۱۹۵۴ء ص ۲۴، دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۳۱۔

(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور ستمبر ۱۹۶۰ء ص ۵۔

(۶) مکتوب گرامی حضرت حافظ عبدالحمید خاںؒ آف ظفر وال بنام محمد صادق قصوری محررہ ۴۔ اگست ۱۹۷۶ء

(۷) مکتوب گرامی جناب فرخ سعید (نواسۂ خواجہ محمد کرم الٰہیؒ) از راولپنڈی بنام محمد صادق قصوری محررہ ۱۹۔ فروری ۱۹۷۷ء

/☆/☆/☆/☆/

الحاج نصیب خاں رہتکی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۷۹ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۰ء)

الحاج نصیب خاں کی ولادت موضع کاہنی تحصیل گوہانہ ضلع رہتک (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ۱۸۷۹ء میں ہوئی۔ بڑے ہو کر فوج میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۰۵ء میں جب آپ کا رسالہ لورالائی چھاؤنی سے سیالکوٹ چھاؤنی آیا۔ تو اس وقت حضرت امیر ملت قدس سرّہ، حج و زیارت کی سعادت حاصل کر کے واپس تشریف لائے تھے۔ آپ نے حاضر ہو کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد اکثر علی پور شریف حاضر خدمت رہتے تھے یا پھر تبلیغی دوروں میں حضرت امیر ملتؒ کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ بلند آواز اور خوش الحان تھے، نعت خوانی بڑے ذوق و شوق سے فرماتے تھے۔ خود کہتے تھے کہ

''جوانی میں میری آواز میل میل بھر تک سنائی دیتی تھی''

۱۲۔ مئی ۱۹۳۹ء بروز جمعتہ المبارک سالانہ جلسہ انجمن خدّام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے موقعہ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ لیکن آپ نے

مرتے دم تک اس مرتبے کی نمود و نمائش نہیں کی۔

فتنہء ارتداد کے زمانہ میں آپ نے حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کی معیّت میں بڑا کام کیا۔ آپ بڑے عابد و زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ کئی بار پیر و مرشد کے قدموں کے ساتھ حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ تلاوت کلام پاک روزانہ کا معمول تھا جس میں کبھی ناغہ نہ ہوا۔ پہلی جنگ عظیم میں فوج کے ساتھ یورپ کا سفر بھی کیا لیکن معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انگریزی خوب جانتے تھے۔ شاعر نہ تھے لیکن سخن فہم نہایت اعلیٰ درجے کے تھے۔ نعت شریف ایسے والہانہ انداز میں پڑھتے تھے کہ سماں بندھ جاتا تھا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ، کے محبوب و مقبول خلیفہ تھے۔

قیام پاکستان کے بعد منڈی بورے والا ضلع ملتان میں رہائش پذیر ہو گئے اور سلسلہء عالیہ کی مقدر بھر خدمت کرتے رہے۔ ۱۲۔ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۔ دسمبر ۱۹۶۰ء بروز جمعتہ المبارک ۸۱ برس کی عمر میں رحلت فرمائی اور بورے والا ہی میں آخری آرامگاہ بنی۔

آپ کے برادر طریقت پروفیسر حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) نے مندرجہ ذیل تواریخ وصال کہیں۔

(۱)

آہ رخصت ہو گئے بھائی نصیب چھپ گیا خورشید گویا زیر خاک

کیا شغف رکھتے تھے عشقِ شیخ میں کس قدر حبّ نبیؐ میں انہماک

ایسا خوش اوقات، خوشدل، خوش مزاج مل نہیں سکتا سمک سے تا سماک

رحمت رب اُن کی رُوحِ پاک پر نورِ رب سے ان کی تربت تابناک

قادری نے سال ہجریء وفات

لکھ دیا: ''حاصلِ وصالِ ذاتِ پاک''

۱۳۸۰ھ

(۲)

ناگاہ آہ کر گئے رحلت نصیب خاں تھے جامع فیوض و فضیلت نصیب خاں

محبوبِ بارگاہِ سیادت نصیب خاں — مقبولِ آستانِ رسالت نصیب خاں

گو اپنے آپ کو وہ چھپائے ہوئے تھے — تھے صاحبِ اجازتِ بیعت نصیب خاں

ان کو جوارِ رحمتِ رب میں جگہ ملے — پائیں خلودِ خلد کی نعمت نصیب خاں

تاریخ انتقال جو لکھنی ہو قادری

کہدو، "ہیں آج داخلِ جنّت نصیب خاں"

۱۹۶۰ء

---ماخذ---

(۱) "سیرت امیر ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۳۷۔

(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۳) "پنج گنج قصوری" از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء ص ۴۴۔

(۴) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیالکوٹ بابت مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳۔

(۵) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور دسمبر ۱۹۶۰ء ص ۲۶، جنوری ۱۹۶۱ء ص ۲۳، ۳۳۔

مولانا محمد عظیم فیروزپوری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۷۷ء ---------------- ۱۹۶۱ء)

مولانا صوفی محمد عظیم بن مولانا شاہ محمد کی ولادت ۱۸۷۷ء میں موضع رجّی والا ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب، بھارت) کے ایک دیندار آرائیں گھرانے میں ہوئی۔ والد گرامی فیروز پور چھاؤنی میں معلّم تھے اور نہایت پرہیز گار، ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ان کی بلند کرداری کی بنا پر عوام وخواص جان چھڑکتے تھے۔

مولانا محمد عظیم نے میٹرک کا امتحان فیروز پور چھاؤنی سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کر کے کمشنری بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد ایف سی کالج لاہور میں داخل ہو کر بی اے کیا اور ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ فیروز پور میں تحصیل داری کی پیش کش ہوئی مگر فقیر منش طبیعت نے منظور نہ فرمایا۔ ازاں بعد اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور کے دفتر

میں کلرک کی آسامی کے لیئے منتخب ہو گئے۔ مگر جب میڈیکل کے لیئے کپڑے اتارنے کو کہا گیا تو آپ نے کہا کہ

"یہ خلاف شریعت ہے مجھے ایسی نوکری کی ضرورت نہیں۔"

اس کے بعد آپ شیرانوالہ گیٹ ہائی سکول لاہور میں مدرّس ہو گئے اور بڑی محنت ومشقت سے طلباء کو پڑھا کر اپنی علمی سرفرازیوں، فکری بلندیوں اور نظریاتی عظمتوں کا لوہا منوایا۔ ۱۹۱۴ء میں اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور معرض وجود میں آیا تو اپنی ٹرانسفر اس سکول میں کروالی اور تمام ملازمت اس سکول میں ہی پوری کر کے ۱۹۳۷ء میں ریٹائر ہوئے۔ اس دوران مختلف ملازمتوں کی پیشکش ہوتی رہی۔ ایک دفعہ انسپکٹر آف سکولز کی آسامی پیش کی گئی مگر آپ نے قبول نہ کی۔ اسی طرح ایک دفعہ ہیڈ ماسٹر بنا کر گوجرانوالہ بھی بھیجا گیا مگر قناعت پسند طبیعت جلد ہی مستعفی ہو کر واپس آ گئی۔

۱۸۹۵ء میں بی اے کی طالبعلمی کے دوران آپ نے حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کے دست اقدس پر سعادت بیعت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد جوں جوں جذبۂ محبت روبہ ترقی ہوتا گیا، تعلق خاطر بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ "تو من شدی من تو شدم" والا معاملہ بن گیا۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، جب بھی لاہور تشریف لاتے تو آپ سے ملنے کے لیئے اسکول ضرور جاتے، آپ بھی حتی المقدور حاضر خدمت ہونے کی کوشش کرتے رہتے۔ ایک دفعہ ایک ماہ کی رخصت لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر رہے اور کثرت وظائف و مراقبہ میں مصروف رہتے تھے۔

ایک دفعہ ۱۹۰۲ء میں بیٹھے بیٹھے بے چینی سی ہوئی اور علی پور شریف حاضر ہونے کی خواہش مچلنے لگی۔ چنانچہ درخواست رخصت دے کر بغیر منظوری کے انتظار کے علی پور شریف حاضر ہو گئے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے فرمایا:۔ "مولوی صاحب! آج رات کو اس کمرے میں سونا"۔ چنانچہ آپ سو گئے اور رات کو خواب میں دیکھا کہ "ایک دربار لگا ہوا ہے اور کرسیوں پر مختلف اولیاء بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک کرسی خالی تھی، ایک بزرگ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو آپ اس کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں آنکھ کھل گئی۔

اس کے بعد حضرت اقدس سرّہ، نے خادم بھیج کر بلوایا۔ چنانچہ آپ حاضر ہو کر دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت اقدس نے باکمال شفقت و مہربانی شرف خلافت سے نواز کر بیعت لینے کا حکم دیا۔ چند وظائف کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے ارشاد کیا:۔

"مولوی صاحب! آج صبح کی نماز آپ پڑھائیں گے اور نماز کے بعد فوراً لاہور واپس چلے جائیں کیونکہ میں نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ وظائف میں مشغول رہتا ہوں اور کسی سے بات نہیں کرتا۔"

پھر گلے مل کر خدا حافظ کہا۔ آپ حسب الحکم صبح کی نماز پڑھا کر لاہور واپس تشریف لے آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ آپ کو ملازمت سے معطل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ بغیر رخصت منظور کرائے چلے گئے تھے۔ چنانچہ آپ اپنے بچوں کو لے کر اپنے گاؤں رجّی والا ضلع فیروز پور (حال بھارت) میں آ گئے۔

یہاں لوگ جوق در جوق حاضر خدمت ہو کر بیعت ہونے لگے، آپ حیران تھے کہ اتنے لوگ کہاں سے آ رہے ہیں۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت بابا فقیر محمد چوراہیؒ (۱۷۹۸ء۔۱۸۹۷ء) (پیرومرشد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ) ہاتھ میں تلوار لیئے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "گبھرایئے مت! یہ سب لوگ یہاں آنے والے میرے یار ہیں۔"

چند یوم بعد حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کا والا نامہ موصول ہوا کہ:۔

"ہم نے تجھے یہ نہیں کہا تھا کہ تم نوکری چھوڑ کر چلے جاؤ اور دنیا سے یوں منہ موڑ لو۔ فوراً لاہور پہنچو"۔

چنانچہ لاہور واپس آ گئے۔ متعلقہ اسکول سے ملازمت کی بحالی کا خط آ چکا تھا۔ آپ باعزت طور پر بحال ہو گئے اور معطّلی کے عرصہ کی تنخواہ بھی مل گئی۔ اسکول کے سیکرٹری جس نے مجلس عاملہ کی منظوری کے بغیر آپ کو معطّل کیا تھا، اس کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا اور یوں آپ پیرومرشد کی کرامت سے بحال ہو گئے۔

آپ جب بھی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے اور کبھی لوگوں کو پھاندتے ہوئے آگے بڑھنے کی

کوشش نہ کرتے۔ جب حاضر ہوتے تو فوراً سلام عرض کرنے کے بعد دوزانو بیٹھ کر مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔ ۱۹۳۰ء میں سعادت حج بیت اللہ حاصل کرنے کے لیئے تشریف لے گئے تو اس سال حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہ، بھی تشریف لے جا چکے تھے۔ چنانچہ وہاں مقدور بھر پیر و مرشد کی خدمت کرتے رہے۔ واپسی پر قرآن مجید اور دلائل الخیرات کی چند جلدیں بطور تبرک لاکر اپنے بچوں کو دیں۔

آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ رات بارہ بجے کے بعد کبھی نہیں سوئے۔ ہمیشہ بارہ بجے رات اٹھ بیٹھتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ نماز فجر کے بعد مراقبہ میں چلے جاتے اور ایک گھنٹہ تک کسی سے بات نہ کرتے۔ اس کے بعد دلائل الخیرات و دیگر وظائف پڑھتے۔ بزرگان دین کے مزارات پر حاضری زندگی کا مقصد وحید تھا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر ہر روز بعد نماز عشاء حاضری لازمی تھی۔ علاوہ ازیں ہر سال اجمیر شریف، پاکپتن شریف، سرہند سریف اور دہلی وغیرہ حاضری دیتے۔ ایک دفعہ ننگے پاؤں سرہند شریف میں حاضری دی۔ اپنی اولاد کو ہمیشہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے ازراہ مذاق پوچھا کہ آپ ہر روز دربار داتا صاحبؒ میں بیٹھے رہتے ہیں، کبھی داتا صاحب کی زیارت بھی کی ہے، یہ سن کر آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا:۔

”تم بے وقوف ہو، جب تک حضور داتا صاحبؒ مجھے اجازت نہیں دیتے، میں وہاں سے اٹھتا ہی نہیں ہوں“۔

آپ کو تحریر و تقریر میں یکساں عبور حاصل تھا۔ بیگم شاہی مسجد لاہور میں مدّت تک اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے رہے۔ علی پور سیّداں شریف میں برموقعہ سالانہ جلسہ انجمن خدّام الصوفیہ ہند آپ کی تقریر ہزاروں کے اجتماع کو مسحور کیئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ مدت تک آپ ماہنامہ ”انوار الصوفیہ“ کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ اپنے تحقیقی اور بامقصد مضامین کے ذریعے قارئین کو روحانی سکون بہم پہنچاتے رہے۔ علاوہ ازیں بہت سی کتابیں بھی لکھیں مگر ہمیں صرف دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) گلزار مدینہ:۔

یہ کتاب ۱۳۳۷ھ میں گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور سے طبع ہوئی۔ اس کا ایک نسخہ حضرت الحاج حافظ نور احمد قصوریؒ (۱۹۰۷ء۔۱۹۸۶ء) کے ہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

(۲) نور کا ظہور:۔

یہ کتاب ۱۹۲۴ء میں طبع ہو کر بلا قیمت تقسیم ہوئی۔ اس میں زیادہ تر بیان حضور سیّد عالم ﷺ کے معجزات کا ہے۔

وفات سے چند روز پہلے اپنی بچیوں سے فرمایا کہ:۔

”دیکھو! اب میرا آخری وقت آچکا ہے، جمعہ کا انتظار مت کرنا، شائد منگل کو میں اس جہاں سے کوچ کر جاؤں۔“

اس طرح آپ کے ایک مرید محمد انور قریشی انجینئر حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان سے کچھ باتیں کیں اور دُعا کے بعد الوداع کہا۔ قریشی صاحب نے عرض کیا کہ میں فلاں تاریخ کو لاہور آؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اب ملاقات مشکل ہے۔ چنانچہ ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء مطابق ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ بروز منگل ذکر الٰہی کرتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن پانچ بجے شام میانی صاحب کے قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

راقم الحروف صادق قصوری نے قطعۂ تاریخ وفات کہا

ہے قیامت کا سماں پیشِ نظر — دل پہ ٹوٹا آہ کیسا کوہِ غم
مولانا محمد عظیم عالی جناب — دارِ دنیا سے گئے سُوئے عدم
ڈوبتی ہے کشتیء صبر و شکیب — ہر بشر ہے غرقِ دریائے الم

صادقؔ نے کی فکر جو تاریخ وصال کی
بولا ہاتف! کہہ دو ناں ”شام غم“
۱۳۸۱ھ

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیداں ۱۹۷۵ء ص ۳۶۰، ۷۴۳۔

(۲) ''گلزار مدینہ'' مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ ص ۶۵۔

(۳) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔

(۴) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۲۵۶۔

(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ مئی ۱۹۴۰ء ص ۱۷۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۲۷ تا ۳۳، جولائی ۱۹۶۵ء ص ۱۴۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد محمد حسین علی پوری رحمتہ اللہ علیہ
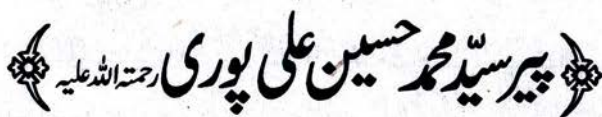
(۱۸۷۸ء ـــــــــ ۱۹۶۱ء)

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار

گل چین تو از تنگئ داماں گلہ دارد

سراج الملّت والدین حضرت پیر سیّد محمد حسین شاہ ابن امیر ملّت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) ابن حضرت پیر سیّد کریم شاہ (۱۷۷۷ء۔۱۹۰۲ء) کی ولادت عالم اسلام کے مشہور ومعروف روحانی مرکز علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ میں ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے بڑی خوشی منائی۔ آپکو گود میں لے کر اذان و اقامت کہی۔ ساتویں روز آپ کے بال منڈوائے اور صدقہ و خیرات کیا۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد حسین رکھا اور دو بکرے ذبح کر کے عقیقہ کیا۔ آپ دو تین مہینے کے تھے کہ باباجی حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہیؒ (۱۷۹۸ء۔۱۸۹۷ء) علی پور شریف تشریف لائے اور آپ کو دم کرتے ہوئے فرمایا:۔

''یہ بڑا مرد ہوگا اور ہمیشہ خوش وخرم رہے گا۔''

آپ نے بہت چھوٹی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا۔اس کے بعد گاؤں کے پرائمری سکول سے پرائمری کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کر کے قلعہ سوبھا سنگھ سے مڈل کیا۔اور دینیات کی تعلیم کے لیئے مولانا عبدالرشید صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد استاذ العلماء حضرت مولانا نور احمد امرتسریؒ (۱۸۵۰ء۔۱۹۳۰ء) کے پاس امرتسر جا کر اکتساب علم کرتے رہے۔امرتسر میں تحصیل علم کے بعد آپ نے دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور اور پھر مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا۔درس نظامی کی تمام اعلیٰ کتب تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، فلسفہ وغیرہ کی تکمیل وہیں سے کی۔قیام دہلی کے دوران ہی مسیح الملک حکیم محمد اجمل خانؒ (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۸ء) کے طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لے کر طب کی با قاعدہ تعلیم حاصل کی۔آپ حکیم صاحبؒ موصوف کے لائق ترین شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔

حصول تعلیم کے بعد آپ علی پور سیّداں شریف واپس تشریف لے آئے۔تو بیس برس کی عمر میں آپ کی شادی آپ کے تایا جان حضرت پیر سیّد نجابت علی شاہؒ (ف ۱۹۱۸ء) کی دختر نیک اختر سے انجام پائی۔انہیں ایام میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے علی پور شریف میں مدرسہ نقشبندیہ کا اجراء فرمایا تو آپ کو مہتمم مقرر کیا گیا۔آپ مدرسہ کے انتظام و انصرام کے علاوہ طلبا کو علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے تھے۔عربی و فارسی پر آپ کو مہارت تامہ اور شہرت عامہ حاصل تھی۔تحریر و تقریر میں اہل زبان کی طرح ید طولیٰ حاصل تھا۔تمام عمر کبھی بول چال میں رکاوٹ نہ آئی۔آپ کی فصاحت و بلاغت پر بڑے بڑے علماء و فضلاء کو حیرانی ہوتی تھی اور بے ساختہ داد دینے پر مجبور ہوتے تھے۔آپ کے پڑھانے کا انداز نہایت شائستہ اور نرالا تھا۔طلباء کے ساتھ نہایت شفقت فرماتے تھے۔جمعتہ المبارک کی رات طالب علموں کو لے کر مغرب کی نماز کے بعد ''مسجد نور'' کے صحن میں بیٹھ جاتے اور نماز عشاء تک سوال و جواب اور مناظرہ آرائی ہوتی رہتی۔

ابتداء میں آپ نے حضرت بابا جی فقیر محمد چوراہی رحمتہ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کی سعادت حاصل کی تھی اور اجازت و خلافت سے بھی سرفراز کیئے گئے تھے۔ان کی

رحلت کے بعد والد گرامی یعنی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے بیعت ہو کر ۱۱۔ مئی ۱۹۱۴ء کو برموقعہ سالانہ اجلاس انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور شریف، خرقہ ءخلافت حاصل کیا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی حیات ظاہری ہی میں آپ کے علم و عرفان کی دھوم مچ گئی تھی۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت کر کے گمراہی و گمگشتگی سے نجات حاصل کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔ راقم الحروف (محمد صادق قصوری) نے بھی اپریل ۱۹۵۶ء میں اپنے گاؤں کی ''جامع مسجد امیر ملّتؒ'' میں بعد نماز ظہر آپ کے دست اقدس پر بیعت کر کے شرف غلامی حاصل کیا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کو جب فرصت نہ ہوتی تو لوگوں کو بیعت کے لیئے آپ کی خدمت میں بھیج دیتے۔ یہ شرف حضرت امیر ملّت رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں خاندان کے کسی اور فرد کو حاصل نہ ہوا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

آپ عالم، فاضل، پیر، ادیب، حکیم ہونے کے علاوہ ایک بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ آپ کو اکثر تحریری مناظروں کے مواقع ملے۔ آپ نے مخالفین کی تحریروں میں ہمیشہ غلطیاں نکالیں، جس کی وہ کبھی توجیہہ نہ کر سکے۔ مگر آپ کی تحریر میں ان کو نکتہ چینی اور خوردہ گیری کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے بارہا چیلنج بھی کیا مگر معاندین کو چپ سادھ لینے میں ہی عافیت نظر آئی۔ آپ کے بیسیوں مناظروں میں سے ایک مناظرہ کی مختصر جھلک پیش خدمت ہے۔

ایک بار جامع ازہر مصر کے ایک استاد، علی پور سیّداں آئے، بعض مسائل پر ان سے اختلاف ہوا تو مستقل بحث و مناظرہ ہونے لگا۔ تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت اس دوران برابر عربی میں گفتگو فرماتے رہے۔ مدرسہ کے اساتذہ و طلباء محفل میں موجود ہوتے اور ان کی علمی بحث سے استفادہ کرتے۔ آپ نے دلائل و براہین سے حنفی مسلک کی صحت وافادیّت ثابت کی اور اس مصری عالم کو قائل کر لیا۔ اسے آپ کی فصیح اور شستہ عربی گفتگو پر سخت حیرت ہوئی۔ آخر اس نے دریافت کیا کہ آپ نے ملک عرب میں کتنی مدّت

گزاری ہے؟ آپ نے ارشاد کیا کہ حج کے زمانے کے علاوہ مجھے کبھی وہاں رہنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔'' یہ سن کر وہ حیرانی سے کہنے لگا کہ ہندوستان میں رہتے ہوئے آپ کو پھر کس طرح لسانی مہارت حاصل ہوگئی۔

آپ کو کتابوں کی خریداری کا بہت شوق تھا۔آپ حج بیت اللہ شریف کا فریضہ ادا کرنے کے لیئے جاتے تو نایاب کتب خرید کرلاتے۔آپ ہزاروں روپے صرف کر کے عربی کتب خرید کر لائے اور انہیں علی پور سیّداں کے کتب خانے کی زینت بنایا۔آپ کے اس ذوق وشوق کی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، بڑی قدر فرمایا کرتے تھے۔کئی بار تحسین وآفرین کے کلمات ارشادفرمائے۔ایک بار کہا کہ:۔

''لوگ ایسے تبرکات خریدتے ہیں جو تباہ ہو جاتے ہیں،
صاجزادہ نے ایسی چیزیں خریدیں ہیں جن کو بقا ہے۔''

حضرت امیر ملّت نوراللہ مرقدہ، نے کتابوں کی کثرت دیکھ کر یہ بھی ارشادکیا کہ:۔

''صاجزادہ نے مکّہ شریف کے تمام کتب خانے خرید لیئے ہیں۔''

آپ کو فتویٰ نویسی میں خاص مہارت حاصل تھی۔آپ مشکل سے مشکل مسائل پر قلم برداشتہ فتویٰ لکھ دیتے تھے۔حدیث وفقہ کی کتابوں پر ایسا عبور حاصل تھا کہ آپ کے فتوے قوی اور مضبوط دلائل اور حوالہ جات سے مزیّن ہوتے تھے،علم الفرائض بہت مشکل چیز ہے۔مگر آپ کو اس میں بھی کامل مہارت حاصل تھی۔میراث کے مسائل کا جواب برجستہ دیتے اور ترکہ کی تقسیم کے معاملات مدلّل طور پر قرآن وحدیث کی روشی میں فوراً حل فرمادیتے تھے۔

ایک بار آپ کلکتہ (بھارت) تشریف لے گئے۔وہاں اس وقت طلاق کے ایک مسئلہ نے سب کو پریشان کررکھا تھا۔ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''اگر تو نے ہنڈیا چاٹی تو تجھ کو طلاق''۔مفتیوں سے رجوع کیا گیا تو سب نے کہا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی۔اس شخص نے آپ سے رجوع کیا۔آپ نے اس کی بیوی سے دریافت فرمایا کہ ''تم نے ہنڈیا کس طرح چاٹی ہے؟اس نے جواب دیا،''یوں انگلیوں سے پونچھ پونچھ کر''۔آپ نے

ارشاد کیا: جا! تجھ کو طلاق نہیں ہوئی تو نے اپنی انگلی چاٹی ہے، ہنڈیا نہیں چاٹی۔ کلکتہ کے تمام علماء آپ کی فراست و ذہانت پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

آپ جتنے جلیل القدر عالم تھے، اتنے ہی پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنّت کے عامل تھے۔ شب بیداری، تہجد گزاری اور آہ وزاری تو معمول تھا۔ عشق رسول ﷺ رگ رگ میں سمایا ہوا تھا۔ راقم الحروف (محمد صادق قصوری) نے بچشم خود بارہا نام مصطفی ﷺ اور نعتیں سنتے انہیں جھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمارے غریب خانہ پر آپ نے کئی دفعہ قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ میرے جدّ امجد مہر جیون بخش نقشبندی مجدّدی جماعتیؒ (۱۸۷۱ء۔۱۹۶۶ء) جن کو حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کی غلامی کا شرف حاصل تھا، آپ کے عاشق زار تھے آپ کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ ہمارے غریب خانہ پر میلاد کی محفلیں، مجالس نعت خوانی اور حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کی تقریبات منعقد ہوتیں تو آپ کا صوفیانہ وعظ حاضرین و سامعین کو بے حد متاثر کرتا تھا۔ تحمل و بُرباری اور شفقت و غمگساری تو آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی۔ جس کا اظہار لباس اور غذا وغیرہ سے ہوتا تھا۔ آپ صحیح معنوں میں درویش خدا مست تھے۔

آپ نے حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کی قیادت میں تمام دینی، ملّی، مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔ انجمن خدام الصوفیہ، فتنۂ ارتداد، تحریک خلافت، سارڈا ایکٹ، تحریک کشمیر، تحریک شہید گنج، تحریک پاکستان اور دیگر تحریکوں میں بھر پور کردار ادا کیا۔ فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں عرصہ تک آگرہ میں رونق افروز رہے اور ارد گرد کے علاقوں میں تبلیغ کر کے ہندوؤں کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملایا۔ تحریک شہید گنج میں بڑی جانفشانی سے کام کیا اور اس تاریخی جلوس میں نمایاں طور پر حصہ لیا جو حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کی زیر قیادت ۸۔ نومبر ۱۹۳۵ کو بادشاہی مسجد لاہور سے ننگی تلواروں کے ساتھ نکلا تھا اور جس سے انگریز حکومت کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔

تحریک پاکستان کا دور آیا تو حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ میدان میں نکل آئے اور ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ لوگ

عش عش کر اٹھے۔ حضرت سراج الملّت رحمتہ اللہ علیہ نے شب و روز کی محنت شاقہ سے مسلم لیگ کی تائید وحمایت کر کے یاران طریقت اور عامتہ المسلمین کو تحریک پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ ۱۹۴۶ء کے تاریخی الیکشن میں ضلع رُہتک (حال مشرقی پنجاب، بھارت) میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت میں دل کھول کر کام کیا کہ مخالفین بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر فیروز پور (حال بھارت) میں نواب افتخار حسین ممدوٹ (۱۹۰۶ء۔ ۱۹۶۹ء) کے حلقہ میں اس خوبی سے کام کیا کہ معاندین کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ قصور میں میاں افتخار الدین (۱۹۰۷۔۱۹۶۲ء) کے حلقہ میں اس انداز سے اپنی تمامتر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے کہ عوام وخواص نے آپ کے قدم چومے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا کہ آپ کے تینوں امیدوار غالب اکثریت سے کامیاب وکامران ہوئے۔

اس سے قبل ۲۴۔ نومبر ۱۹۴۵ء کو حضرت پیر صاحب مانکی شریفؒ (۱۹۲۲۔ ۱۹۶۰ء) نے مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور (صوبہ سرحد) میں حضرت قائد اعظمؒ (۱۸۷۶ء۔ ۱۹۴۸ء) کی ایک شاندار دعوت کی تو ایک عدیم المثال جلسۂ عام کا انعقاد بھی کیا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت میں جلسہ کی صدارت کے لیئے درخواست کی گئی مگر حضرت ناسازیٔ طبع کے باعث تشریف نہ لا سکے اور اپنی جگہ حضرت سراج الملّت رحمتہ اللہ علیہ کو قائد اعظمؒ کے لیئے سونے کا تمغہ، تین سو روپے کی ایک تھیلی اور کئی دوسرے تحائف دے کر بھیجا۔

پیر صاحب مانکی شریف رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سراج الملّت قدس سرّہ، کی بڑی عزّت افزائی کی اور جلسہ کی صدارت آپ کے سپرد کی۔ جب قائد اعظمؒ جلسہ گاہ میں آئے تو حضرت سراج الملّتؒ آگے بڑھے اور سونے کا تمغہ (جس پر کلمہ طیبہ کندہ تھا) قائد اعظمؒ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ

"میرے والد ماجد (حضرت امیر ملّتؒ) نے یہ تمغہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔"

یہ سن کر قائد اعظمؒ بہت خوش ہوئے، کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سینہ تان کر کہا:۔

"پھر تو میں کامیاب ہوں، آپ تمغہ میرے سینے پر آویزاں کیجئے۔"

اس پر مسلم لیگی کارکن ملک شاد محمد نے آگے بڑھ کر حضرت سراج الملّتؒ کے ہاتھ سے تمغہ لیا اور قائداعظمؒ کی شیروانی کی بائیں طرف سینے پر ٹانک دیا۔ قائداعظمؒ نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور بیٹھ گئے۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی دادو دہش کی داستانیں تو زبان زدِ عام ہیں۔ عرب لوگ انہیں ''ابوالعرب'' کہتے تھے۔ آپ بھی ان کی طرح بڑے سخی اور جواد تھے۔ یتیموں اور بیوہ عورتوں کی خاص طور پر خیر گیری فرماتے تھے۔ مدرسہ کے طلباء کی ہر قسم کی ضروریات کا اہتمام فرماتے۔ ان تمام کاموں پر جو روپیہ خرچ ہوتا، اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ ہوتا۔

ایک دفعہ، حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی معیّت میں حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول ﷺ کے لئے گئے ہوئے تھے۔ مدینہ منوّرہ میں ایک دن حضرت امیر ملّت رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنیؒ (۱۸۷۷ء۔۱۹۸۱ء) سے دریافت کیا کہ ''آپ نے صاحبزادہ سے ملاقات کی''؟ انہوں نے جواب دیا، ''جی ہاں! ملاقات ہوئی، میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں۔ وہ بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ آپ کے صحیح جانشین ہوں گے۔''

حضرت امیر ملّت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

''مولانا صاحب! بعض باتوں میں وہ مجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو لوگ ایک کے چار بتاتے ہوں ہیں مگر وہ دائیں ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں کو خبر نہیں ہونے دیتا۔''

آپ کی تقریر بہت دلپذیر اور پراثر ہوا کرتی تھی۔ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی آناً فاناً حل فرما دیتے تھے۔ آپ کی شیریں کلامی سے غیر بھی کھنچے چلے آتے تھے۔ وعظ و تقریر میں عموماً ترک دنیا، سعیٔ عمل اور تصوّف کی باتیں ہی ارشاد فرماتے تھے۔ ابلے ہوئے چاول اور سادہ گوشت بہت پسند فرماتے تھے۔ سنّت نبوی کے مطابق کدّو خصوصی طور پر مرغوب تھا۔

آپ کا لباس سفید ہوتا تھا۔ کرتہ بہت کھلا (اکثر و بیشتر چکن کا کپڑا استعمال فرماتے تھے۔) سفر میں سفید شلوار، حضر میں سفید چادر، سر پر سفید پگڑی، پاؤں میں کھسّہ، ہاتھ میں عصا۔ آپ والد گرامی کے مظہر اتم تھے۔ چہرہ پرنور، جسے دیکھ کر خدا یاد آ جاتا تھا۔ گفتگو فقیروں جیسی، چال شہنشاہوں جیسی، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، سخاوت میں اپنے وقت کے حاتم طائی تھے۔ آخیر عمر میں بصارت میں فرق آ گیا تھا۔ مگر صحت قابل رشک تھی۔ تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں کی۔ رات کا اکثر و بیشتر حصہ بیدار رہتے تھے۔ عموماً نصف رات مطالعۂ کتب اور حل مسائل میں صرف ہوتا تھا۔ بعد ازاں تھوڑا سا لیٹ کر تہجد پڑھتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد طلباء کو درس قرآن دیتے تھے۔

آپ تقریر و تدریس کے علاوہ میدان تحریر کے بھی شہسوار تھے۔ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" (لاہور، سیال کوٹ اور قصور) میں آپ کے گرانقدر مضامین زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر علماء و فضلاء سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں۔ جن میں سے سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر لکھی جانے والی تحقیقی اور تاریخی کتاب "افضل الرّسل" کئی بار منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر اپنی جامعیت اور انفرادیّت کے لحاظ سے اپنی عظمت کا لوہا منوا چکی ہے۔ چار ایڈیشن اس خاکسار راقم الحروف (محمد صادق قصوری) کی زیر نگرانی چھپ کر عاشقان مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی روحانی تسکین کا سامان بہم پہنچا چکے ہیں۔

احباب و یاران طریقت کے نام آپ کے خطوط تصوّف، روحانیّت، اسلامیات، تاریخ و تذکرہ اور اخلاق کا بہترین نمونہ ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس ہمارے سامنے تشریف فرما ہو کر گفتگو فرما رہے ہیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۶۔ جمادی الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء بروز پیر بوقت ساڑھے پانچ بجے شام بعمر شریف تراسی سال ہوئی۔ نماز جنازہ حضرت خواجہ محمد شفیعؒ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۶ء) سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک نے پڑھائی اور اپنے والد گرامی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے پہلو میں آرام فرما ہوئے۔

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات

تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

آپ کی رحلت پر متعدد شعرائے کرام نے قطعاتِ تاریخ وصال کہیے، چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(از مولانا پروفیسر حامد حسن قادری جماعتی ۔۔۔۔۔ کراچی)

"معدن تواریخ"

۱۳۸۱ھ

وفات شریف

"قدوۃ الاصفیاء مولانا الحاج پیر سیّد محمد حسین شاہ صاحب" + انار اللہ برھنہ"

۱۳۸۱ھ ۵۸۰

۱۹۶۱ء

یاایّها النّفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربّک

۱۳۸۱ھ

(۱)

وہ صاحبِ سجادۂ دربارِ علی پور — دل جن کا ہے آئینہ انوارِ الٰہی

پردے میں ہیں گو دیدہءعالم سے بظاہر — ہر لحظہ ہیں مستغرقِ دیدار الٰہی

تاریخ وصال اُن کی ہے اوصاف سے اُن کے

"کشاف سرا پردۂ اسرار الٰہی"

۱۳۸۱ھ

(۲)

شہ محمد حسین قبلہء دیں — سیّد و شیخ و مرشدِ کامل

حاجی و حافظ و خدا آگاہ — ہادیء پاک جان و روشن دل

جان نثارِ رسولؐ ہر دوسرا — یعنی اُلفت خمیرِ آب و گل

راز دان رموز علم لَـدُنّـی — نورِ باطن سے ان کی مہر خجل

اک نظر سے صفائے قلبِ سیاہ — اک توجہ سے حل ہر اک مشکل

جیسے خُذ مَا صَفَا اساسِ عمل ــــ یوں ہی دع ما کدر پہ بھی عامل
ورع دین و شرع و رشد و ھدیٰ ــــ ان کی سیرت میں ہر قدم شامل
فقر و زہد و رضا و عرفاں میں ــــ ان کا قلب اک عیار تھا کامل
مہر صدق و صفا و جود و سخا ــــ فضل پر اُن کے شاہد عادل
انجمن میں وجود پاک ان کا ــــ جس طرح ابرِ رحمتِ بادل
خلوتِ خاص میں توجہِ خاص ــــ جیسے ظلمت میں اک مہِ کامل

(ق)

ان کی صحبت میں وہ سکوں گویا ــــ پائی گم کردہ راہ نے منزل
آگئی جیسے کشتئ عصیاں ــــ غرق سے بچ کے تالبِ ساحل
وہ عدیم النظیر بحرِ کرم ــــ وہ فقید المثال دریا دل
پردہ فرما کے چشمِ عالم سے ــــ رحمتِ خاص میں ہوئے داخل
گرچہ تھا اِنگ تواہ بھی حال ــــ گرچہ تھے زندگی میں بھی واصل

ان کا سالِ وصال بھی ہے یہی
''وصلِ ذاتِ احد ہوا حاصل''
۱۳۸۱ھ

(۲)

(از جناب سیّد مختار احمد اجمیری صدر بزم ضیاء۔۔۔۔کراچی)

جماعت علی شاہ کے راحتِ جاں ــــ ہوئے آہ صد حیف نظروں سے پنہاں
یہاں اُن کے خدّام محوِ الم ہیں ــــ وہ قصرِ جناں میں ہیں جنّت بداماں
ہوئی فکرِ تاریخِ رحلت جو مجھ کو ــــ ہوا غیب سے بالیقیں اس کا ساماں

صدا آئی ہاتف کی مختار! لکھئے
''امیر شریعت گیا پاک داماں''
۱۳۸۱ھ

(۳)

(از حضرت مولانا محمد یعقوب حسین ضیاءؔ القادری بدایونیؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

راہی ہوئے بہشت بریں کو ہزار حیف
بزم جہاں سے آج محمد حسین شاہ

نور نگاہِ پیر جماعت علی تھے آپ
تھے آپ شیخ کامل و اکمل خدا گواہ

تھے نقشبندیوں کے عظیم الشرف بزرگ
بے مثل تھے جہاں میں باندازۂ نگاہ

بعد از وصال اُن کی خدا مغفرت کرے
مثلِ جہاں جناں میں بھی ہو عزّ وجاہ

سال وصال کہیئے ضیاؔ آنجناب کا
"جنت نصیب میر محمد حسین شاہ"
۱۳۸۱ھ

(۴)

(از صوفی مسعود احمد رہبرؔ چشتی کشمیری ضیائیؔ۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

گئے خلد میں ہم سے ہو کر وہ رخصت
تھی جن کی مسلّم زمانہ میں عظمت

جدائی قیامت سے کیا کم ہے ان کی
وہ وجہ سکون تھے، وہ تھے دل کی راحت

سنائیں کسے حال دل اپنا اپنا
ہیں صرفِ الم آج اہلِ عقیدت

کہو عیسوی سن میں تاریخ رہبرؔ
"گیا مہر تاباں امیر شریعت"
۱۹۶۱ء

(۵)

(از حضرت صابرؔ براری صاحبؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

خلد آشیاں ہیں آج محمد حسین شاہ
ہر اہل حق کے لب پہ ہے آواز آہ آہ

چمکے "سراج ملّت ودیں" بن کے مثل ماہ
ہر راہرو نے پائی ہے جلووں سے ان کے راہ

حق گوئی امتیاز تھا مرحوم پیر کا
کرتے تھے اس ادا پہ مخالف بھی واہ واہ

روشن تھا چہرہ آپ کا بعد از وصال بھی
ظاہر تھی جس سے شانِ ولایت خدا گواہ

صابرؔ سنِ وصال یہ کہتے ہیں اہل خلد
ہیں اک "گل شگفتہ محمد حسین شاہ"
۱۳۸۱ھ

(۶)

(از جناب سیّد محمد عبد السّلام قادری باندویؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

درماندہ سنّیوں کے لیئے تھے جو دستگیر — ہر اک جماعتی کی جماعت کے لیئے تھے جو میر

شیخ طریقِ سلسلۂ شاہِ نقشبندؒ — حامئی سنّتِ نبویؐ پیرِ بے نظیر

سجادہ نشیں شاہِ علی پور نامدار — آل شہہ جماعت علی میں جو تھے کبیر،

واصل بحق ہوئے سن رحلت لکھو سلام

''شہہ جنّتی مقام محمد حسین پیر''

۱۳۸۱ھ

آپ کی کرامات بے شمار ہیں۔ ذیل میں صرف ان کرامات کا ذکر کیا جارہا ہے جو راقم الحروف کی چشم دید ہیں:۔

(۱) ایک دفعہ آپ ہمارے غریب خانہ پر جلوہ افروز تھے۔ میری والدہ ماجدہ حاجن غلام فاطمہ اور ایک اور عورت مائی بی بی رانی مرحومہ نے آپ کے کپڑے مبارک دھوئے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ پانی کہاں بہایا جائے کیونکہ کپڑے دھونے کے بعد پانی کو یوں ہی بہا دینا بے ادبی تھی۔ ہمارے گھر کے صحن میں ایک کیکر کا درخت تھا جو بالکل سوکھ چکا تھا۔ چنانچہ ہم نے وہ پانی دور بنا کر کیکر کی جڑوں میں ڈال دیا۔ دوسرے دن صبح یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سوکھے کیکر کے درخت نے کونپلیں نکالی ہوئی تھیں اور چند دن بعد ہرا بھرا ہو گیا۔ (اللہ اکبر! کیا شان تھی میرے پیرومرشد کی۔)

(۲) اسی طرح ایک مرتبہ پھر آپ ہمارے ہاں فروکش تھے کہ ایک پیر بھائی محمد اسماعیل حجام مرحوم نے آپ کی دعوت کی۔ جب نماز مغرب کے بعد آپ دعوت کھانے کے لیئے بمعہ یاران طریقت تشریف لے گئے تو وہ کثیر تعداد دیکھ کر گھبرا گیا۔ آپ نے اپنا رومال مبارک دیگ کے منہ پر ڈلوا کر کھانا تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام حاضرین نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن پھر بھی کافی بچ رہا۔

(۳) ایک دفعہ ہمارے گاؤں (بُرج کلاں ضلع قصور) میں بہت سے آدمیوں اور مویشیوں کو باؤلے کتے نے کاٹ کھایا۔ اتفاق سے آپ ہمارے ہاں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے فوراً حاضر ہو کر دم کروایا اور صحت یاب ہو گئے۔ مگر ایک شخص اللہ بخش گمہار کا لڑکا مہتا

دم نہ کرا سکا تو وہ باؤلا ہو کر مر گیا۔

ارشادات قدسیہ:۔

(۱) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جملہ کمالات کا سرچشمہ ہے۔

(۲) زنا اور بدکاری، خرابی و بربادی کا باعث ہے۔

(۳) صالح ماں باپ کا صدقہ اس کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت کرتا ہے۔

(۴) ایمان کے بعد نجات کا انحصار اعمال صالحہ پر ہے۔

(۵) دورد شریف، اللہ کی رحمت پانے کا ذریعہ ہے۔

(۶) محبوب کی یاد اس کے دیکھنے کے قائم مقام ہے۔ اگر محبوب نظر نہ آئے تو اس کی یاد سے غافل نہ رہو۔ کیونکہ ؎

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

(۷) قصیدہ بردہ اور قصیدہ بانت سعاد بڑی متبرک کتابیں ہیں۔

(۸) نماز تہجد کی مداومت کرنی چاہیئے۔ جو فیض اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ کسی دوسری چیز سے حاصل نہیں ہوتے۔

(۹) زبان دل کی ترجمان ہے۔ جس طرح دل کا پاک رکھنا واجب ہے، اسی طرح زبان کا پاک رکھنا بھی واجب ہے۔

(۱۰) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے بغیر نجات ناممکن ہے، اگرچہ کتنا ہی عابد و زاہد کیوں نہ ہو۔

(۱۱) قرآن شریف کی عزت و حرمت تمام سماوی اور غیر سماوی کتابوں سے بہت زیادہ ہے۔

(۱۲) اہل سنّت و جماعت کا طریق ہی طریق حق ہے۔

(۱۳) ادب، فرائض، واجباب وسنن ومحرمات وحدود اللہ واحکام شرعیہ الٰہیہ کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے۔

(۱۴) تحمل و بردباری اللہ کے نیک بندوں کا شیوہ ہے۔

(۱۵) دین کا علم بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے حصول میں کوشش کرنی بہت بڑا جہاد ہے۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں دو صاحبزادے جوہر ملت پیر سیّد اختر حسین شاہؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) حضرت پیر انور حسین شاہؒ (۱۹۲۱ء۔۱۹۷۲ء) اور ایک صاحبزادی سردار فاطمہ چھوڑی۔

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۲۹، ۴۶۳، ۴۸۶۔

(۲) ''تذکرہ اولیاءِ علی پور سیّداں'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ برج کلاں ۱۹۹۸ء ص ۶۷ تا ۷۷۔

(۳) ''اکابر تحریک پاکستان'' جلد دوم از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۹۵ تا ۲۹۷۔

(۴) ''افضل الرسل'' از سراج الملت سیّد محمد حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۱ء ص ۱۰ تا ۲۳ (مقدمہ)

(۵) ''حضرت سراج الملت اور ان کے خلفاء'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ برج کلاں ضلع قصور ۱۹۹۴ء ص ۱۰ تا ۲۳۔

(۶) ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' از مولانا نور بخش توکلیؒ (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۷۴ تا ۵۷۵۔

(۷) ''انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان'' از اسد سلیم شیخ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء ص ۹۹۰۔

(۸) ''حضرت امیر ملت اور ان کے خلفاء'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ سیال کوٹ ۱۹۸۳ء ص ۱۹۴ تا ۲۰۲۔

(۹) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت جون ۱۹۱۴ء ص ۵

(۱۰) جامع اردو انسائیکلوپیڈیا جلد دوم مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۴۶۸۔

(۱۱) ''تحریک پاکستان اور مشائخ عظام'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء متعدد صفحات۔

(۱۲) ''تحریکِ پاکستان میں علماء مشائخ کا کردار'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۸ء ص ۵۸۹ تا ۵۹۲۔

(۱۳) ''تاریخِ مشائخِ نقشبند'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء متعدد صفحات۔

/☆/☆/☆/☆/

بابا فیروز خاں گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۵ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۳ء)

بابا فیروز خاں بن ملک سید خاں اعوان (علوی) کی ولادت موضع بڑیلہ ضلع ایبٹ آباد (صوبہ سرحد) میں ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آبائی پیشے زمینداری کے برعکس فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں برما میں ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہیؒ (۱۸۸۶ء۔۱۹۵۸ء) سے ملاقات ہوئی اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے آپ ہی کو اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔

۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے تمام مراحل کی تکمیل کے بعد آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے بھی بکمال مہربانی خرقۂ خلافت سے نوازا لیکن آپ نے ڈاکٹر صاحب کی رحلت کے بعد ہی سلسلۂ بیعت شروع کیا۔ اور ان کے مشن کو خوب پھیلایا۔ آپ کے مریدین کا سلسلہ لاہور، راولپنڈی، ملتان، جہلم اور دیگر علاقوں تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۱۔ شوال المکرّم ۱۳۸۲ھ مطابق ۸۔ مارچ ۱۹۶۳ء بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ گجرات شہر کی آبادی فیروز آباد (سرگودھا روڈ) میں آخری آرامگاہ بنی جو مرجعِ خلائق ہے۔

کسی نے یوں تاریخ وفات کہی ؎

یازدہ شوال روز جمعہ کردہ ارتحال — تا ابد بر مرقدس رحمت بفضل ذوالجلال
سال رحلت کردہ نعمانی رقم — ''یا بدیع غفرہٗ'' از لطف و کرم

۱۳۸۲ھ

ایضاً

زبدہء اہل بصیرت صاحب صدق وصفا — قطب عالم مردِ کامل طالبِ راہِ ہدیٰ
عاشقِ مردانِ خدا، "درویشِ خدامست" — "باباجی فیروز خاں" بُد نام اوست
۱۹۶۳ء

ماخذ

(۱) "سیرت امیر ملت" مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۱۷۔
(۲) "انوار طالب" از ڈاکٹر محمد اللہ دتا کنجاہی مطبوعہ ضلع گجرات ۱۹۷۵ء ص ۴۔
(۳) "تاریخ گجرات" از شیخ کرامت اللہ مطبوعہ گجرات ۱۹۷۷ء ص ۳۴۴۔
(۴) "تصوف" از ڈاکٹر محمد اللہ دتا کنجاہی مطبوعہ کنجاہ ضلع گجرات ۱۹۸۰ء ص ۲۱، ۲۹، ۳۲، ۳۳۔
(۵) "وفیات مشاہیر پاکستان" از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۱۹۵۔
(۶) "خفتگان خاک گجرات" از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ مطبوعہ گجرات ۱۹۹۶ء ص ۱۸۳۔
(۷) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیال کوٹ بابت جنوری ۱۹۵۳ء ص ۲۱۔
(۸) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور بابت مارچ ۱۹۶۳ء ص ۲۔ اپریل۔ مئی ۱۹۶۳ء ص ۶۱۔
(۹) "سیرت طالب کنجاہی" از کیپٹن محمد امین عاصی مطبوعہ کنجاہ ضلع گجرات ۱۹۹۱ء ص ۳۳۹ تا ۳۷۲۔

/☆/☆/☆/☆/

قاری محمد شہاب الدین حیدر آبادی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۷۳ء ـــــــــ ۱۹۶۳ء)

فدائے امیر ملّت حضرت الحاج قاری چوہدری محمد شہاب الدین ۱۸۷۳ء میں حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی لیکن وہ بہت جلد رحلت فرما گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، حیدر آباد دکن تشریف لائے تو قاری صاحب اپنے جمیع اہل خانہ کے ہمراہ حاضر خدمت ہوکر

بیعت کی سعادت سے مشرّف ہوئے۔ اس کے بعد حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خاص توجہ نے قاری صاحب کی حالت میں غیر معمولی تبدیلی کے ساتھ ترقی کی راہوں کو آسان بنا دیا اور جلد ہی اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ قاری صاحب کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سات مرتبہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی ہمرکابی میں سفرحج وزیارت حرمین الشریفین کی سعادت حاصل فرمائی۔ نیز دو مرتبہ حضرت قدس سرّہ، کے وصال کے بعد بھی اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

قاری صاحب روزانہ تقریباً اڑھائی بجے شب بیدار ہوتے اور نماز تہجد سے فارغ ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے، بعد ذکر مبارک نماز فجر ادا کرتے۔ پھر وظائف تسبیح فرما کر تلاوت قرآن میں منہمک رہتے اور روزانہ پانچ پارے تلاوت فرماتے۔ ان مشاغل مبارکہ سے فراغت پا کر دیگر امور خانہ وغیرہ پر توجہ دیتے اور پھر نماز ظہر ادا فرما کر تناول ماحضر سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے۔ قبل از نماز عصر دلائل الخیرات شریف کی تلاوت فرمایا کرتے اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر دیگر وظائف میں مصروف ہو جاتے اور مغرب تک مصروف رہتے، کسی کو شرف تکلم نہ بخشتے۔ بعد فراغت وظائف نماز مغرب ادا کرتے اور ماحضر نوش فرما کر مشغول وظائف رہتے۔ حتیٰ کہ نماز عشاء کا وقت ہو جاتا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وظائف خاص کرتے، پھر صحاح ستّہ میں سے ایک ایک حدیث شریف کا مطالعہ فرماتے و نیز سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سیرت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و سیرت صحابہ کرامؓ و سیرت خواجگانؒ و سیرت اولیاؒ کا مطالعہ فرماتے۔ ان مصروفیات کے بعد تقریباً ایک ساعت شب استراحت فرماتے۔

قاری صاحب کا یہ معمول تھا کہ ہر پیروار، جمعرات اور جمعۃ المبارک کو نفلی روزہ رکھتے۔ علاوہ ازیں ہر ہلالی ماہ کی پہلی، چھٹی اور دس تا پندرہ و بائیس و چھبیس اور ستائیس کو نفلی روزے رکھتے۔ ۱۹۴۷ء سے تمام امور دینوی سے دست کش ہو کر شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ہر نماز تازہ وضو کے ساتھ باجماعت "مسجد نقشبندیہ" میں ادا فرماتے۔ بزرگان عظام و اولیائے کرام کی زیارت کا بے حد شوق تھا۔ اسی شوق میں آپ نے برصغیر ہندو

پاک کے تمام آستانوں کی زیارت معہ محلّات و اعزّہ و اقرباء فرمائی اور حج و زیارت حرمین الشریفین کے موقعہ پر بھی تنہا نہ ہوتے بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے محلّات و اقرباء کی خاصی تعداد ہوتی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ آپ بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے اور کئی سال ایسے گزارے ہیں کہ تول کر چھٹانک آٹے کی روٹی ایک وقت اور ایک چھٹانک چاول دوسرے وقت کھایا کرتے تھے۔ آخر عمر میں پانی پینا بالکل بند کر دیا تھا۔ تقریباً پچیس سال یا زیادہ مدت پانی بالکل نہیں پیا۔ ہر ماہ گیارھویں شریف کا ختم کیا کرتے تھے اور بڑی گیارھویں پر سو سو دیگ بریانی پکواتے جس میں سب کے لیئے صلائے عام ہوتی تھی۔ واضح رہے کہ حیدر آباد دکن کی بریانی میں سیر بھر چاولوں میں دو سیر گوشت ڈالا جاتا ہے اور اسی تناسب سے گھی بھی ملایا جاتا ہے۔ غرض بڑی گیارھویں پر ہزار ہا روپیہ خرچ کیا کرتے تھے۔

خواجہ حمید الدین شاہد (۱۹۱۹ء۔۲۰۰۱ء) ایڈیٹر ماہنامہ ''سب رس'' کراچی اپنی کتاب ''حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادیؒ'' کے صفحہ ۱۰۸ پر قاری صاحب کی دعوتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''قاری حاجی شہاب الدین بڑے تاجر اور مخیّر شخص تھے۔ وہ رمضان، ربیع الاوّل اور ربیع الثانی کے مہینوں میں عام دعوت کرتے تھے جن میں امراء اور غرباء بلا امتیاز ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ ان کے بارے میں (حضرت امجد حیدر آبادیؒ نے) کہا:۔

وَ یُطعمون الطعام علیٰ حبّہٖ مسکیناً ویتیماً وَّاسیرا.

بیچاروں پر رحم فضل رحمانی ہے	بندوں پر کرم عین خدا دانی ہے
اطعام مساکیں ہے غذائے روحی	اپنا کھانا غذائے جسمانی ہے

(تحفۂ امجد برائے قاری حاجی شہاب الدین صاحب
زاد دام فیضہ،۔
ماہ ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ)

قاری صاحب کو حضرت امیر ملت قدس سرّہ، سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔

ہر سال علی پور شریف عرس شریف پر حاضر ہوتے اور یہاں سے ایک بوری چاول اور ایک بوری گندم اپنے استعمال کے لیئے جاتے تھے جو سال بھر کفایت کرتی تھی۔ حضرت اقدس امیر ملّتؒ بھی آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ابتدا میں حضرت قدس سرّہ حیدر آباد دکن تشریف لے جاتے تو ''بنی خانہ'' میں قیام فرماتے تھے۔ پھر قاری صاحب کو میزبانی کی عزت حاصل ہوتی رہی اور حضرت ہمیشہ آپ ہی کے گھر قیام فرماتے رہے۔غرض آپ اپنے شیخ کے سچے عاشق تھے۔

آپ کا ذریعہ معاش بکریوں کی تجارت تھا۔کئی شادیاں کیں مگر کسی سے بھی اولاد نہ ہوئی۔پاکستان بننے کے بعد صرف ایک دفعہ علی پور شریف حاضر ہو سکے۔وصال سے چھ سال قبل علیل رہنے لگے۔علاج ہوتا رہا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔اور روز بروز کمزور ہوتے گئے۔آخر کار۔۲۶۔رجب المرجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۳۔دسمبر ۱۹۶۳ء بروز جمعتہ المبارک (شب معراج) تین بجے شب اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے شہزادہ ء اصغر شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۸۹ء۔ ۱۹۷۸ء) جو اس وقت حیدر آباد دکن میں موجود تھے، نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد الماس کے صحن میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے پائیں میں ۳۵ سال قبل کی تیار شدہ قبر میں دفن کر دیئے گئے۔

۲۹۔رجب المرجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۶۔دسمبر ۱۹۶۳ء بروز پیر بعد نماز ظہر مجلس فاتحہ سوم کا انعقاد ہوا۔بعد فاتحہ و قرآن خوانی حضرت شمس الملّت رحمتہ اللہ علیہ نے مجلس حضار سے خطاب فرمایا اور قاری صاحب کے اوصاف حمیدہ کی ستائش فرماتے ہوئے مغفرت و ترقیٔ مقامات کی دعا فرمائی۔اور اپنی دستار مبارک سر اقدس سے اتار کر قاری صاحب کے حقیقی ہمشیرزاد الحاج محمد خواجہ میاں جماعتی (ف ۱۹۶۹ء) کے سر باندھ کر اجازت و خلافت سے نوازا اور قاری صاحب کا جانشین مقرر فرمایا۔بعد ازاں تمام حضرات بچشم پرنم مسجد الماس سے رخصت ہوئے۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۴۷۔
(۲) ''فیضان امیر ملّت'' از مرزا ذوالفقار علی بیگ جماعتی مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۹ء متعدد صفحات۔
(۳) ''تذکرہ شاہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔
(۴) ''حکیم الشعراء حضرت امجد حیدر آبادی'' از خواجہ حمید الدین شاہد مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء ص ۱۰۸۔
(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت جنوری ۱۹۶۴ء ص ۳۴، اپریل ۱۹۶۴ء ص ۲۰، اگست ۱۹۶۹ء ص ۱۳۔

/☆/☆/☆/☆/

حکیم سیّد محمد قمر احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۶ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۴ء)

حکیم سیّد محمد قمر احمد بن سید مقبول حسین کی ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں گلاب خانہ آگرہ (بھارت) میں ہوئی۔ والد گرامی بہت درویش صفت، صاحب دل صوفی اور آگرہ کے قدیم حکیم خاندان سے متعلق تھے۔ حصول تعلیم کے بعد اپنے بڑے بھائی سے طب سیکھی۔ پھر کچھ عرصہ دہلی رہ کر حکیم محمد اجمل خاں (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۸ء) سے بھی استفادہ کیا۔ بڑے اچھے نباض اور معالج تھے۔ آگرہ میں آپ کی دھوم تھی۔

آپ کی طبیعت میں سادگی اور قلندری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خوش اخلاقی، مروّت، خدمت خلق اور فیض رسانی آپ کی فطرت بن چکی تھی۔ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی دنیا اور عاقبت سنوارنے میں کوشاں رہتے تھے۔ بہت سے پیر بھائیوں کو وعظ و نصیحت میں لگائے رہتے تھے۔ جب رات کے بارہ بج جاتے تو تہجد پڑھوا کر گھر جانے دیتے۔ اس طرح آپ نے بہت سے لوگوں کو تہجّد گزار بنا دیا۔ آگرہ کے یاروں میں سے سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔ حضرت اقدس

نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔

آپ کو حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ سے والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ جب علی پور شریف حاضر ہوتے تو اسٹیشن سے جوتا اتار لیتے اور دربار شریف میں مستقل ننگے پاؤں رہتے تھے۔ واپسی کے سفر میں ریل میں سوار ہو کر دوبارہ جوتا پہنتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت امیر ملّتؒ آگرہ تشریف لاتے تو آپ خدمت اقدس میں حاضری کے وقت گھر سے ہی جوتا اتار کر باہر نکلتے تھے۔ حضرت اقدس سے والہانہ شیفتگی کی بدولت حکیم صاحب میں جذب اور کشف کی کیفیّت پیدا ہو گئی تھی۔ جب حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ، نے وصال فرمایا تو آپ کو اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ تین دن تک نہ کسی سے بات کی نہ کچھ کھایا پیا۔ حالانکہ آپ طبعاً بڑے صابر اور شاکر بزرگ تھے۔

آپ بڑے عابد وزاہد اور ریاضت کرنے والے بزرگ تھے۔ دوسروں کی مقصد براری کے لیئے آپ مشکل قسم کے روحانی عمل بھی فرماتے تھے۔ جس کا مقصد فیض رسانی اور خدمت خلق ہوا کرتا تھا۔ آپ عام طور پر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکبری مسجد میں پڑھا کرتے تھے اور نماز کے بعد جو یار یا احباب مل جاتے انکو پند و موعظمت سے فیضیاب کرتے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بھی خاصی تھی۔ ایک جگہ بیٹھ کر کبھی مطب نہیں کیا مگر جاننے والے آتے رہتے تھے اور آپ ان کو نسخہ لکھ کر دے دیتے تھے۔ جو دوائیں خود بنا کر دیتے وہ ان کی آمدنی کا واحد ظاہری ذریعہ تھا۔

ایک دفعہ یاروں میں سے مولوی نواب صاحب پیش امام مسجد عالم گنج نے ذکر کیا کہ "میری سالی (مولوی حشمت علی صاحب کی دوسری لڑکی) نابینا ہے، کوئی اس سے شادی کرلے تو بیچاری کی دنیا و آخرت سدھر جائے"۔ حکیم صاحب کی پہلی بیوی موجود تھیں مگر آپ فوراً اس معذور اور نادیدہ بی بی سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئے۔ آپ کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ خدا نے یہ فضل کیا کہ اس نابینا عفیفہ سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے ڈاکٹر نور محمد سرور کراچی میں پروفیسر ہیں اور دوسرے صاحبزادے نور احمد بھی کراچی ہی میں زردوزی کا کام کرتے ہیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۵۔ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۶۴ء بروز جمعتہ المبارک آگرہ (بھارت) میں ہوئی۔ اور حضرت مولانا عابد حسن فریدی جماعتی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۵ء) کے مزار اقدس کے قریب درگاہ سیّدنا ابولعلاء رحمتہ اللہ علیہ میں دفن ہوئے۔ جہاں ہر سال عرس مبارک کا اہتمام ہوتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر نور محمد سرور اکبرآبادی ثم کراچوی نے مندرجہ ذیل قطعہء تاریخ وصال کہا۔

فرشتہ سیرت و معصوم صورت — قمر احمد تھے بے شک نیک خصلت
ریاضت ان کی آخر رنگ لائی — خلافت قبلہء عالم سے پائی
وہ سولہ شب تھی رمضاں کا مہینہ — سلامت لے گئے اپنا سفینہ
گئے دُنیا سے کرنے خلد کی سیر — ہوئی تاریخ رحلت "عاقبت خیر"
۱۳۸۳ھ

ماخذ

(۱) "سیرت امیر ملت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۶۷۔
(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔
(۳) "مشاہیر اکبرآباد" از مفتی انتظام اللہ شہابی مطبوعہ کراچی ص ۱۳۴۔
(۴) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" بابت جنوری ۱۹۶۵ء ص ۱۸۔
(۵) مکتوب گرامی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی بنام محمد صادق قصوری از پشاور محررّہ ۹۔ جون ۱۹۷۷ء۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا حکیم محمد خُوب احمد آبادی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۸۸ء۔۔۔۔۔۔۱۹۶۴ء)

مولانا محمد خوب بن شمس الدین عرف حاجی میاں بن محمد میاں بن محمد جمال بن محمد عثمان بن محمد قاسم بن محمد یحیٰی عرف شیخ فاروقی کی ولادت اغلباً ۱۸۸۸ء میں احمد آباد

(بھارت) میں ہوئی۔ محمد یحیٰ بن محمد امین بن محمد عارف موصل شہر (عربستان) سے ہجرت کر کے احمد آباد میں تشریف لائے تھے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کرنے کے کی وجہ سے "بڑے اخوند" کے نام سے مشہور ہوئے۔ احمد آباد میں ہی مزار بنا۔ ۱۳۔ ربیع الاوّل کو عرس ہوتا ہے۔

مولانا خوب لڑکپن میں ہی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے بیعت ہو گئے تھے۔ آپ نے متواتر دس سال تک پیرومرشد کی بے مثال خدمت سفر و حضر میں کی۔ گجرات (بھارت) کے علاقہ میں تبلیغ اسلام اور توسیع سلسلہ کے لیئے بہت کام کیا۔ آپ کی انہیں خدمات سے خوش ہو کر حضرت اقدس نے آپ کو ۱۰۔ مئی ۱۹۱۳ء کو بر موقعہ سالانہ جلسہ علی پور سیّداں شریف اجازت و خلافت سے نوازا تھا۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو براہ راست حضرت سے بیعت کرایا اور ہزاروں لوگوں کو خود بیعت کیا۔ آپ "طبیب حاذق" بھی تھے۔ اور "نقشبندی دواخانہ" کے نام سے "مطب" بھی کرتے تھے۔

آپ بڑی پابندی کے ساتھ علی پور سیّداں حاضر ہوا کرتے تھے۔ سالانہ اجلاس کے موقعہ پر بڑے عشق و محبت اور ذوق و شوق سے تقریر کیا کرتے تھے۔ آپ کی تقریر کا ایک ایک لفظ لوگوں کے دلوں پر ثبت ہو جاتا تھا۔ تبلیغی جلسوں اور عرسوں کی تقاریب میں شرکت آپ کا محبوب مشغلہ تھا جو تادم زیست جاری رہا۔ آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی معیّت میں فتنہء ارتداد، تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

آپ رسالہ "انوار الصوفیہ" میں نظم و نثر کے ذریعے دین حق کی اشاعت کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔ قدرت نے تقریر و تحریر میں یکساں مہارت عطا فرمائی تھی۔ ذیل میں بطور تبرک نواب مرزا داغ دہلوی (۱۸۳۱ء۔ ۱۹۰۵ء) کی ایک نظم پر آپ کی تضمین درج کی جارہی ہے جس سے آپ کی اپنے شیخ کامل حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے والہانہ وابستگی اور عقیدت و محبت اظہر من الشمس ہے۔ یہ تضمین ۱۳۔ مئی ۱۹۴۲ء کو آپ نے پیرومرشد کے حضور پڑھ کر داد تحسین اور انعام حاصل کیا تھا۔

مرشدی! مجھ کو کیا دیا تو نے   رنج و غم سے چھڑا دیا تو نے

کیا کہوں کیا صلہ دیا تو نے سبق ایسا پڑھا دیا تو نے

دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

ہیں بھلے یا بُرے زمانے کے نہ رہے لائق آزمانے کے

صدقے کھاتے ہیں پیر خانے کے ہم نکمّے ہوئے زمانے کے

کام ایسا سکھا دیا تو نے

فکرِ دنیا نہ فکرِ عقبیٰ ہے رنج و غم ہے نہ کوئی کھٹکا ہے

اس سے کیا بڑھ کے تجھ سے لینا ہے لاکھ دینے کا ایک دینا ہے

دل بے مدّعا دیا تو نے

جب کبھی میں گیا ہوں پیر کے پاس ہو گئی میرے دل کی پوری آس

سُنّی نعتِ حبیبؐ ربّ الناس ہادی خضرؑ و رہبر الیاسؑ

مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے

دل لگایا ہے جب سے آقا سے ہوئے آزاد فکرِ عقبیٰ سے

ایک غرض ہے تو ذکر مولا سے کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے

شغل ایسا بتا دیا تو نے

حاجیوں میں ہوں شاملِ لبیک در حضرت پہ شاغلِ لبیک

ہو گیا دل سے قائلِ لبیک تھا مرا منہ نہ قابلِ لبیک

کعبہ مجھ کو دکھا دیا تو نے

ایک نعمت نبیء بطحا تھا ایک دولت یہ پیر میرا تھا

خوب: کیا خوب کوئی کہتا تھا داغ کو کون دینے والا تھا

جو دیا اے خدا دیا تو نے

ایک دفعہ آپ علی پور شریف حاضر تھے۔ ایک عورت حضرت امیر ملّت قدس سرہ ،کی خدمت میں حاضر کی گئی جس پر جن کا سایہ تھا۔ حضرت اقدس نے اس عورت کو جنّ سے نجات دلائی اور جنّ حضرت کا مرید ہو گیا۔ آپ نے اپنے ایک قصیدہ میں اس واقعہ کی طرف

یوں اشارہ کیا ہے۔

ایک عورت کے سر پر تھا جنّ کا اثر آپ کے پاس لایا گیا کھینچ کر
اُس پہ کی آپ نے فیض گستر نظر وہ دو زانو ہو بیٹھا جھکا اپنا سر

المدد پیر سیّد جماعت علی
مشکلیں حل کروائے خدا کے ولی!

جنّ سے باتیں کیں آپ نے جس قدر حاضروں پر کھلا راز والا گہر
جنّ نے بیعت کی پھر آپ کے ہاتھ پر اس لیئے آپ ہیں پیر جنّ وبشر

المدد پیر سیّد جماعت علی
مشکلیں حل کروائے خدا کے ولی!

یکم محرم الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۴۔ مئی ۱۹۶۴ء بروز جمعرات آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور احمد آباد (بھارت) آپ کی آخری آرامگاہ بنی جو مرجع خلائق ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں مگر ہمیں صرف ایک کتاب "کرشمہ قدرت" کا ہی علم ہوسکا ہے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے محمد عبداللہؒ صاحب سجادہ ہوئے۔

ماخذ

(۱) "سیرت امیر ملّت" مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۲۹۵، ۳۵۹، ۳۵، ۷۔

(۲) "گلزار مدینہ" مطبوعہ لاہور ۱۳۳۷ھ ص ۶۵۔

(۳) "تذکرہ شاہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

(۴) "کراماتِ امیر ملّت" مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۱۲۱، ۱۴۸، (حاشیہ) ۱۵۰، ۱۵۱۔

(۵) "شجرہ نقشبندیہ جماعتیہ" مرتبہ پروفیسر حامد حسن قادری مطبوعہ کراچی ص ۲۶۔

(۶) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور جون ۱۹۱۲ء ص ۱۰۔

(۷) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیالکوٹ مئی ۱۹۴۲ء ص ۱۵، ۳۲۔

(۸) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور جولائی، اگست ۱۹۶۴ء ص ۱۴، ۳۷۔

(۹) مکتوب گرامی حضرت مرزا ذوالفقار علی بیگ جماعتی بنام محمد صادق قصوری از حیدر آباد دکن محرّرہ ۱۶۔ اپریل ۱۹۷۷ء

مولانا پروفیسر حامد حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۸۷ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۴ء)

مولانا پروفیسر حامد حسن قادری بن مولوی احمد حسن (المتوفی ۲۸۔ جنوری ۱۹۱۳ء) کی ولادت باسعادت ۲۹۔ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۵۔ مارچ ۱۸۸۷ء کو قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ والد گرامی ریاست رامپور میں وکالت کرتے تھے، بلند پایہ عالم دین اور محدّث کے لقب سے مشہور تھے۔ سلسلۂ نسب زہد الانبیاء حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر ملتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اسٹیٹ ہائی سکول رامپور سے ۱۹۰۹ء میں میٹرک پاس کیا۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہو کر فارسی اور عربی کی تحصیل میں مصروف ہو گئے اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ایف اے کیا۔ اپنے مطالعہ کے شوق اور محنت سے جلیل القدر عالم بن گئے۔ غالباً ۱۹۲۳ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کا سالانہ جلسہ حلیم مسلم ہائی سکول کانپور میں منعقد ہوا جس کی صدارت مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں ؒ (۱۸۶۳ء۔ ۱۹۲۸ء) فرما رہے تھے۔ ان دنوں آپ مذکورہ سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ آپ نے عربی لسانیات پر ایک بلند پایہ علمی مقالہ پڑھا جس سے حاضرین عش عش کرا ٹھے۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (۱۸۶۷ء ۔۱۹۵۰ء) نے جوش طرب میں آپ کی پیشانی چوم لی۔ حکیم اجمل خاں ؒ نے کرسئ صدارت سے اٹھ کر بے اختیار گلے لگا لیا اور پر جوش الفاظ میں داد دی۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء۔ ۱۹۵۳ء) نے کہا، "جزاک اللہ! آپ نے ہمارا کام انجام دیا ہے۔" دیگر اکابر

نے بھی آگے بڑھ کر داد و تحسین سے نوازا۔

آپ نے کانپور، مہو چھاؤنی، اٹاوہ اور بڑودہ میں بڑی شاندار تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۲۷ء میں سینٹ جانسن کالج آگرہ میں پروفیسر ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں اپنے برادر اکبر مولانا پروفیسر عابد حسن فریدی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۵ء) کے وصال کے بعد اسی کالج میں صدر شعبہ اردو اور فارسی بن گئے۔ ۱۹۵۱ء میں ریٹائر ہوئے۔

دسمبر ۱۹۲۷ء میں علی پور سیداں شریف حاضر ہو کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست حق پرست پر سعادتِ بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کے برادر گرامی پروفیسر عابد حسن فریدی کی رحلت پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، آگرہ تشریف لائے تو ۷۔ جولائی ۱۹۴۵ء کو آپ کو خلعت خلافت سے نوازا۔ آپ نے آگرہ میں سلسلہ عالیہ کی خوب اشاعت کی۔ پیرو مرشد کی خدمت و اطاعت میں کمال حاصل تھا۔ جب بھی حضرت اقدس آگرہ تشریف لاتے تو میزبانی کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوتا۔

آپ عالم، فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بلند مرتبہ شاعر بھی تھے۔ حضرت آمیر مینائیؔ (۱۸۲۸ء۔۱۹۰۰ء) کے شاگرد رشید منشی امتیاز علی رازؔ رامپوری سے تلمذّ تھا۔ غزل تو صرف آپ نے اوائل عمری میں ہی کہی۔ اس کے بعد نظم، نعت اور منقبت کہتے رہے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی منقبت میں آپ نے کئی غزل نما نظمیں کہی ہیں۔ فن تاریخ گوئی میں استادی کا درجہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف سے بے مثال اور برجستہ تاریخ نکالتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے وصال کی تاریخ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے نکالی ہے:۔

"یاَیّتھا النَّفسُ المطمئنّۃ ارجعی الیٰ ربّکَ (پارہ:۳۰ سورہ الفجر:۲۷)

۱۳۷۰ھ

آپ کی کہی ہوئی تاریخوں کی کئی جلدیں اب تک غیر مطبوعہ حالت میں ہیں۔

جب تحریک پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور تقسیم برّصغیر کا اعلان ہوا تو آپ نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ پاکستان" کہا۔

''تاریخ اساس نیک پاکستان''
۱۹۴۷ء

''کنتم خیر امۃ''(سورہ آل عمران:۱۱)
۱۳۶۶ھ

ہوا قائم جو پاکستان آخر
بھلی قسمت تھی ہندوستان کی واللہ

سمجھتے ہیں اسے وہ مژدۂ امن
جو اسلام اور مسلم سے ہیں آگہ

یہ دنیا کو ہے آزادی کا پیغام
شب تاریک میں ہے مشعل راہ،

مساوات و اخوّت کا علمبردار
سکون و عافیت کا پیش خیمہ

ریاست کی مثالِ بے مثالی
سیاست کا زمانے کو نمونہ

سناؤں قادری قرآں سے تاریخ
بتاؤں اس کی اک وجہ موّجہ

مسلمانوں کا پاکستان حق تھا
کہ تھا ارشاد ''کنتم خیر اُمّہ''
۱۳۶۶ھ

۱۹۵۵ء میں آپ ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے۔ تمام وقت عبادت وریاضت میں صرف فرماتے اور ''سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ'' کی توسیع واشاعت میں کوشاں رہتے تھے۔ ہر ہفتہ باقاعدگی سے آپ کے گھر حلقہء ذکر ہوتا تھا۔ بہت کم گو اور خاموش مزاج تھے۔ تواضع، مہمان نوازی، بردباری، انکساری اور راستبازی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے مگر اخفاء کے قائل تھے اور ظاہر کرنا بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ اہل دل، روشن ضمیر اور ولایت کے مرتبہ پر فائز تھے۔

آپ نے بہت سی تعلیمی، تدریسی، مذہبی، علمی، ادبی، تنقیدی، افسانوی، سوانحی اور منظوم ومنثور کتابیں لکھیں۔ جن کی تعداد ۹۰ تک جا پہنچی ہے۔ ان میں ۴۵ زیور طباعت سے آراستہ وپیراستہ ہوئیں اور باقی منتظر طباعت ہیں۔ مطبوعہ کتب میں سے چند ایک کے نام کچھ یوں ہیں۔ داستان اردو، نقد ونظر، تاریخ وتنقید، تاریخ مرثیہ گوئی، کمال داغ، انتخاب مومن، شاہکار انیس، مجمع الکرامات، مرثیہء شور محشر، قصیدہء عطّار، گلدستہء اخلاق، ماہ اردو، جمال اردو، نہال فارسی، انتخاب مراثیء انیسؔ ودبیرؔ وغیرہ وغیرہ۔

ان کتب کے علاوہ علم البیان وعلم البدیع پر انگریزی میں بڑی معرکتہ الآرا کتاب

لکھی جس میں عربی، فارسی، اردو اور انگریزی چاروں زبانوں کی مثالیں درج کی گئی ہیں۔ مختلف رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین اس کے سوا ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ایم اے کے امتحان کے لیئے آپ پر ایک علمی مقالہ لکھا تھا۔ سندھ یونیورسٹی سے ایک صاحب نے آپ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا ہے۔

۲۴۔ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ مطابق ۶۔ جون ۱۹۶۴ء بروز ہفتہ کراچی میں آپ کا انتقال ہوا اور پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔ جہاں ہر سال آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل حضرات نے تاریخ وصال کے قطعات کہے:۔

(پروفیسر شاہ عبدالغنی نیازیؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

اب بے جان ہو گئیں علم وادب کی محفلیں — کیونکہ تھے ان محفلوں کی زندگی حامد حسنؒ
عالمِ تحقیقِ اردو پر اندھیرا چھا گیا — اس جہاں کی لے گئے کیا روشنی حامد حسنؒ
معدنِ تاریخ گوئی پر تصرف تھا انہیں — اس خزانے کے تھے وہ "جوہری" حامد حسنؒ
مسلکِ عشقِ حقیقی سے بھی نسبت تھی انہیں — اس لیئے مشہور تھے وہ "قادری" حامد حسنؒ
صدمۂ جانکاہ کی تاریخ یہ لکھیئے غنیؔ — "گوہر افشاں واصلِ حق قادری حامد حسنؒ"

۱۳۸۴ھ

(۲)

(حضرت صابر براری ثم کراچویؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

"غمِ قادری پاک ادا"، "روشن چراغ مطلعِ امید"، مقبول خلق حامد حسن قادری"

۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء ۱۳۸۴ھ

آہ ہم سے آج رخصت ہو گئے حامد حسنؔ — تھے ادیب العصر جو اور شاعرِ روشن دماغ
سالِ غم ہے ان کا صابرؔ "عالم دانا" کے ساتھ — "بجھ گیا علم وادب کا ایک نورانی چراغ"

۱۹۷ — ۱۹۷ + ۱۷۶۷ = ۱۹۶۴ء

ایضاً

حیف کہ صابرؔ: شہ حامد حسن — کرد سفر سُوئے ریاضِ جناں
سالِ وصالش بہ زباں آمدہ — "مسکن خلد است ادیب زماں"

۱۳۸۴ھ

(۳)

(راشد علی بچھرانوی (۱۹۱۵ء۔۱۹۸۲ء) بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ بھارت)

حق سے واصل جو ہوگئے حامدؔ — ہے وہاں ان پہ رحمت و برکت
گوشۂ قبر میں سکون ملا — "اب ملی ان کو خلد کی نعمت"

۱۳۸۴ھ

ایضاً

ہوا تاریک آنکھوں میں زمانہ — نہاں اب آفتاب دیں ہوا آج
"کہی" تاریخ برجستہ یہ میں نے — "ندا آئی چراغ دیں بجھا آج"

۳۵ — ۱۳۴۹+۳۵=۱۳۸۴ھ

(۴)

(راشد حسن قادری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کراچی)

"جناب مولانا حامد حسن قادری جماعتی نقشبندی مجدّدی"

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۴ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تھا عشقِ رسولؐ میں ہمیشہ جو شغف — مائل رہا دل سدا مدینے کی طرف
واصل جو ہوئے "رب" سے وہ رحلت کے بعد — "حاصل ہوا قبر میں زیارت کا شرف"

۲۰۲ — ۱۷۶۲+۲۰۲= ۱۹۶۴ء

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) "سیرت امیر ملت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۳۰۔
(۲) "جامع اردو انسائیکلوپیڈیا" جلد اوّل مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۳۴۔
(۳) "تذکرہ نقشبندیہ" از مولانا نور بخش توکلیؒ (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور

۱۹۷۶ء ص ۵۷۶۔

(۴) ''تذکرہ شاہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۵) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۵۹۔

(۶) ''خفتگان کراچی'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۵۹۔۱۶۰۔

(۷) ''تاریخ رفتگاں'' جلد اوّل از صابر براری مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء ص ۸۰۔

(۸) سہ ماہی ''تصوّف'' کراچی بابت جولائی تا ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۱۰۔ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۵۔

جنوری تا مارچ ۱۹۸۵ء ص ۴۲، ۵۲، ۶۵، اپریل تا جون ۱۹۸۷ء ص ۴۹ تا ۵۴۔

(۹) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت جولائی ۱۹۶۴ء ص ۱۴۔ مارچ ۱۹۷۲ء ص ۱۹۔ اگست

۱۹۶۴ء ص ۲۱، ۲۲۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۳۲۔

(۱۰) ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی بابت جون ۱۹۶۵ء ص ۷۷، ۷۸، ۸۷۔

(۱۱) ہفت روزہ ''دبدبہ سکندری'' رام پور (انڈیا) بابت ۲۔ جولائی ۱۹۴۷ء ص ۲

(۱۲) ہفت روزہ ''الہام'' بہاولپور بابت ۲۷۔ اگست ۱۹۷۶ء ص ۳۔

(۱۳) ماہنامہ ''نور اسلام'' شرقپور شریف، اولیاء نقشبند نمبر جلد دوم، مارچ اپریل ۱۹۷۹ء ص ۱۷۱۔

(۱۴) روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۴۔ جولائی ۱۹۷۶ء۔

نوٹ:۔ مزید حالات کے لئے محمد صادق قصوری کی کتاب ''تذکرہ شعرائے جماعتیہ'' مطبوعہ ۲۰۰۶ء صفحہ ۸۸ تا ۹۲ ملاحظہ ہو۔

/☆/☆/☆/☆/

مفتی محمد عمر نعیمی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۹۳ء ـــــــــــــــ ۱۹۶۶ء)

تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی بن محمد صدیق کی ولادت باسعادت ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ مطابق اکتوبر ۱۸۹۳ء میں مراد آباد (بھارت) میں ہوئی۔ حضرت الحاج حافظ محمد

حسینؒ سے قرآن پاک پڑھا۔ مولانا نظام الدینؒ سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۴۸ء) کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اکتساب علم شروع کیا اور بہت جلد جملہ علوم وفنون اور حدیث شریف کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علم طب میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) نے دستار بندی فرمائی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ سے جدائی گوارا نہ ہو سکی اور جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے مدرس و مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں حضرت شاہ علی حسین کچھوچھویؒ (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۳۶ء) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ حضرت امیر ملتؒ نے بھی سنّی کانفرنس مراد آباد مارچ ۱۹۲۵ء کے موقعہ پر خلعت خلافت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ حضرت صدر الافاضلؒ کو بھی آپ سے از حد محبت تھی۔ حضرت کی خدمت میں رہ کر آپ نے شب و روز کی محنت شاقہ سے ''فتاویٰ نویسی'' سیکھی۔ آخر میں آپ کو صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر کر دیا گیا تھا۔

قیام مراد آباد کے دوران ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں ماہنامہ ''السّواد اعظم'' جاری کیا۔ یہ پرچہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک سنّیت کا پرچم بڑی جرأت و استقامت کے ساتھ لہراتا رہا اور آسمان صحافت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتا رہا۔ آپ نے شدھی تحریک کے انسداد میں بھی حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی معیّت میں مقدور بھر حصہ لیا۔ آل انڈیا سنّی کانفرنس کے نائب ناظم کی حیثیت سے نمایاں خدمات سرانجام دیں، ۱۹۴۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حصول پاکستان کی منزل کو قریب تر لانے میں بھی شب و روز کام کیا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پاکستان تشریف لائے اور کراچی میں حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھیؒ (۱۸۹۳ء۔

۱۹۵۴ء) کے اصرار پر قیام پذیر ہو گئے۔ اولاً جامعہ مظہریہ آرام باغ کراچی کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ بعد میں ''مخزن بحر العلوم'' کے نام سے اپنا علیحدہ دار العلوم قائم کیا اور جامع مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

عمر بھر مذہب و ملّت کی گرانقدر خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲۳۔ ذیقعد ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۶۔ مارچ ۱۹۶۶ء بروز بدھ کراچی میں داعئ اجل کو لبیک کہا اور ''مسجد دار الصلوٰۃ ناظم آباد کراچی'' میں آخری آرام گاہ بنی۔ ''مفتیٔ جنت محمد عمر'' (۱۳۸۵ھ) تاریخ وصال ہے۔

حضرت مولانا شاہ ضیاء القادری بدایونی ثم کراچویؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۷۰ء) نے مندرجہ ذیل قطعہ ءتاریخ وصال کہا۔

عالم ذی جاہ، مولینا عمر — تھے سراج علم، مثل مہر و مہ
اے ضیاؔ ہے آپ کا سالِ وصال — ''عالی ہمت رحمتہ اللہ علیہ''

۱۳۸۵ھ

حضرت صابرؔ براری ثم کراچوی (۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء) نے یوں تاریخ وفات کہی۔

ہو کیوں نہ چشم حق بیں یوں اشکبار صابر — عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قدیمی
تھا جس کا فیض جاری دنیائے علم و دیں میں — تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد شمیمی
شیخ الحدیث تھے وہ اس دور حاضرہ کے — اسلاف ذی شرف کے مجموعۂ عمیمی
پہنچا دے اُن کو یارب دربارِ مصطفیؐ میں — دے خلدان کو، تیری ہر شان ہے کریمی

سال وصال صابرؔ لکھ ''فقیر'' کو ملا کر
۳۸۰
''ہادیء اہلسنت مفتی عمر نعیمی''

۱۵۸۶+۳۸۰=۱۹۶۶ء

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۴۰۷۔

(۲) ''تذکرہ شاہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۷۔

(۳) ''تذکرہ اہلسنّت'' مطبوعہ کانپور (بھارت) ۱۳۹۱ھ ص ۱۸۸۔

(۴) ''یادرفتگاں'' جلد اوّل از صابر براری مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء ص ۹۱۔

(۵) ''انوار علمائے اہلسنّت سندھ'' از صاحبزادہ زین العابدین راشدی مطبوعہ لاہور ۲۰۰۶ء ص ۸۴۶ تا ۸۵۴۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد واصل جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ

(ــــــــــــــــــــــــ ۱۹۶۶ء)

مولانا محمد واصل ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملّت ؒ کے مخلص مرید، متقی، پرہیز گار اور صالح بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی آخری علالت میں علی پور سیّداں حاضر ہوئے اور حج و زیارت کے مبارک سفر کی اجازت چاہی۔ حضرت قدس سرّہ، نے اجازت مرحمت فرمائی اور شرف خلافت سے نواز کر تلقین فرمائی کہ:۔

''خلق خدا کو اللہ کا نام بتایا کرو اور باقی عمر سلسلہ عالیہ کی خدمت میں صرف کرو۔''

آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے والہانہ محبت تھی۔ بطور ثبوت ہم ایک خیر مقدمی نظم درج کر رہے ہیں جو آپ نے ۱۹۴۹ء میں حضرت کی جھنگ تشریف آوری پر کہی تھی۔ ؎

بعافیت الٰہی! یار آید	بیاراں قافلہ سالار آید
شود عیدم چو بینم رُوئے محبوب	سلامت در نظر دلدار آید
شود فرحاں و شاداں تشنۂ دید	چوں بیروں زابر مہ رخسار آید
بمالم سر بپائے اقدس اُو	چواز سیرِ دیار آں یار آید
فسبحان الذی اسریٰ بعبدہ	معرا جش چنیں باکار آید
مبارک مرحباء وصد مبارک	کہ شاہ از فضلِ شہ سرشار آید

بنُور حیدرؔ ۱ شاہِ جماعت — بہ مجمع قافلہ سالار آید
چہ گویم عبدرحمان و بلقمانؔ ۲ — چگونہ بخت شاں بیدار آید
شدند اقرب بخدمتِ پیر اقدس — کہ اعلیٰ تر ازیں چہ کار آید
شدند حیراں ملائکِ عرشِ اعلیٰ — عجب ایں اسعداں ایں بار آید
بہریک صد مبارک ہدیۂ تسلیم — آں خرّم کہ باسرکار آید

بنظر شہہ شود واصل چہ غافل
برائش بس ہمیں درکار آید

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۰۔ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳۔ دسمبر ۱۹۶۶ء بروز جمعتہ المبارک موضع ترک تحصیل و ضلع جھنگ میں ہوئی اور وہیں مزار مقدس بنا۔

۱۔ مراد معین الملت پیر سیّد حیدر حسین علی پوری رحمتہ اللہ علیہ (قصوری)

۲۔ یعنی عبدالرحمٰن و حاجی محمد لقمان ہمراہیان حضرت امیر ملت قدس سرّہ، (قصوری)

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۴۶۔

(۲) ''تذکرہ شاہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۷

(۳) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۲۶۷۔

(۴) ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت نومبر دسمبر ۱۹۴۹ء ص ۲۷۔

(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت جولائی ۱۹۶۷ء ص ۳۹۔

/☆/☆/☆/☆/

چوہدری غلام عباس کشمیری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۹۰۴ء---------------۱۹۶۷ء)

کتابی چہرہ، کِھلتا ہوا سُرخ و سفید رنگ، کشادہ پیشانی، عقابی آنکھوں پر گھنی بھنویں، تیکھے نقوش، سر پر چاندی کے تاروں کی طرح سفید بال اور سفید اُجلے کھدّر کے پاجامہ

قمیض میں ملبوس کسرتی جسم، ''نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو، رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز'' یہ تھے تحریکِ آزادی کشمیر کے بانی قائد ملّت چوہدری غلام عباس خاں جو اپنے اندازِ فکر اور کردار کے اعتبار سے ایک مردِ قلندر تھے۔ جن کا سینہ خلوص ایمان سے منوّر تھا۔ اقبالؒ کا یہ مردِ مومن، قائداعظم محمد علی جناحؒ بانیٔ پاکستان کا منظورِ خاص تھا۔ چوہدری صاحب مسلکِ اہلسنت اور نقشبندی کے سلسلے کے پیرو تھے۔ امیرِ ملّت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید اور خلیفہ تھے اور خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا تھا۔ شب بیدار اور عبادت گزار تھے۔ ساری زندگی میں صرف دو تہجد کی نمازیں قضا ہوئیں۔ اور وہ بھی معدے کے آپریشن کے بعد عالم بے ہوشی میں۔ طبیعت میں انتہائی نفاست تھی اور بقول کشمیری رہنما اے آر ساغر'' اُن سے ستھرا آدمی شاید ہی کہیں ملے''۔

چوہدری صاحب ۴/فروری ۱۹۰۴ء کو جموں کشمیر کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام چوہدری نواب خاں (ف ۱۹۴۳ء) تھا، جو کشمیر ہائی کورٹ کے دفاتر سے منسلک تھے اور ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد عرائض نویس تھے۔ چوہدری صاحب کی ابتدائی پرورش اپنے ماموں سیّد اسد اللہ شاہ ایڈووکیٹ (ف ۱۹۳۲ء) کے ہاں ہوئی جو ایک دیندار اور مخیّر شخص تھے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے مرید باصفا، میونسپل کمشنر اور صدر انجمن اہل سنت و جماعت جموں تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی دیندار، پابندِ صوم وصلوٰۃ اور حضرت امیر ملّتؒ کی مرید خاص تھیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول جموں سے حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں گورنمنٹ ہائی سکول جموں سے میٹرک کیا اور پرنس آف ویلز کالج میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کا احیاء کیا، جس کی بنیاد ۱۹۰۹ء میں پڑ چکی تھی لیکن اس کی سیاسی اور دینی سرگرمیاں ماند پڑ چکی تھیں۔ ۱۹۲۴ء میں اس ایسوسی ایشن کے صدر چنے گئے۔

اس زمانے میں ایک ہندو لیڈر سوامی شردھانند نے ''شدھی تحریک'' شروع کر رکھی تھی جس کا مقصد اُن مسلمانوں کو جن کے آباؤ اجداد ہندو تھے اور اُنہوں نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کیا تھا، شُدھ کر کے دوبارہ ہندو بنایا جائے۔ اس پروگرام کو کشمیر میں بھی

چلانے کی کوشش کی گئی۔ چوہدری صاحب اور اُن کے ساتھی اس تحریک کے انسداد کے لئے میدانِ عمل میں آ گئے اور ۱۶۔۱۷/ فروری ۱۹۲۴ء کو ایک عظیم الشان تبلیغی کانفرنس منعقد کی۔ اس کے بعد حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ نے انجمن خدام الصوفیہ ہند اور مولانا سیّد غلام بھیک نیرنگ انبالویؒ (۱۸۷۶ـ۱۹۵۲ء) نے انجمن تبلیغ الاسلام کی طرف سے مبلّغ بھیجے جنہوں نے ایسوسی ایشن کے اشتراک سے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا۔ ایسوسی ایشن نے مذہبی تقاریب کے لئے ایک جلسہ گاہ اور نماز جنازہ کے لئے ایک جنازگاہ تعمیر کرائی۔ لاوارث لاشوں کے کفن دفن کا انتظام بھی ایسوسی ایشن نے اپنے ذمہ لیا۔ سیاسی، دینی، سماجی و تعلیمی سرگرمیوں کے لئے مسلمانوں کو بیدار کیا اور اُن میں اجتماعی ملّی شعور پیدا کیا۔

۱۹۲۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ ۱۹۲۹ء میں لاء کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۱ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں ''توہینِ قرآن' کا المناک واقعہ پیش آیا۔ چوہدری صاحب نے جامع مسجد جموں میں زبردست تقریر کی۔ ۱۳/ جولائی ۱۹۳۱ء کو سنٹرل جیل سری نگر کے سامنے ڈوگرہ فوج نے نہتے کشمیری مسلمانوں پر گولی چلا دی جس سے بائیس مسلمان شہید ہوئے۔ چوہدری صاحب فوراً سری نگر پہنچے۔ اجتماعی مظاہرہ کا زبردست پروگرام مرتب کیا لیکن ۱۳/ جولائی کو راتوں رات ڈوگرہ پولیس نے آپ کو گرفتار کر کے فوجی ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا۔ جہاں آپ کی جامہ تلاشی لی گئی۔ ڈوگرہ فوج کے ایک افسر نے آپ سے کہا، بوٹ کے تسمے کھولو تا کہ جوتوں کی تلاشی بھی لی جائے۔ آپ نے اپنا پاؤں اُس افسر کے سامنے کر دیا اور کہا کہ تسمے تم ہی کھولو، اس ڈیوٹی پر تم ہی مامور ہو۔ اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا، بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

۱۵، ۱۶، ۱۷/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو سرینگر میں مغلیہ دور کی تاریخی پتھر مسجد میں ''آل جموّں و کشمیر مُسلم کانفرنس'' کی بنیاد رکھی گئی۔ اس پہلے اجلاس میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ (۱۹۰۵ـ۱۹۸۲ء) کو صدر، قائد ملّت چوہدری غلام عباس کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔ بخشی غلام محمد کو رضا کاروں کا سالار اعلیٰ چُنا گیا۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں اسلامیانِ ریاست کا ایک عظیم الشان

اجلاس خانقاہِ معلیٰ سرینگر میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں چوہدری غلام عباس کی بے لوث قیادت، جرأت و بہادری اور بے باکی کی بنا پر ''رئیس الاحرار'' کا خطاب دیا گیا۔اپریل ۱۹۳۲ء میں ڈوگرہ حکومت نے بغاوت کے الزام میں آپ کو گرفتار کرلیا اور چھ ماہ بعد اکتوبر میں رہا کردیا۔لیکن آپ کے روّیہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آئی تو نومبر میں پھر گرفتار کر لئے گئے۔

۱۹۳۳ء میں آپ کو مسلم کانفرنس کا صدر اور شیخ عبداللہ کو جنرل سیکرٹری چنا گیا۔ ۹/ مارچ ۱۹۳۴ء کو ''یوم کشمیر'' منانے کے سلسلہ میں آپ کو ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ ۱۹۳۶ء میں ریاستی اسمبلی کے رکن بنے۔ ۱۹۳۸ء میں ریاستی مسلمانوں کے مستقبل نے مخدوش حالات کا سامنا کیا۔شیخ عبداللہ کی ذہنی کیفیت نے جب اپنی حقیقت ظاہر کی تو اُس نے مسلم کانفرنس کو ختم کر کے نیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ شیخ صاحب، نیشنل کانفرنس کے رُوپ میں کانگرس کے پروگرام کو ریاست میں لا رہے ہیں۔تو آپ نے ۱۹۴۰ء میں دوبارہ مسلم کانفرنس کا احیاء کیا اور ریاست کے چپّہ چپّہ میں نیشنل کانفرنس کے پروگرام کا پردہ چاک کیا۔ یہاں سے شیخ صاحب اور آپ کے راستے جدا ہو گئے اور نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان ''دو قومی نظریہ'' کی بنیاد پر جو معرکہ آرائی ہوئی وہ تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔اس کشمکش سے ہماری قومی تحریک کو جو دھچکا لگا وہ ایک خونچکاں داستان ہے۔یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اگر شیخ صاحب اس وقت کانگرس کی جھولی میں نہ گرتے تو آج ریاست کا نقشہ کچھ اور ہوتا اور ریاست کے بدقسمت مسلمانوں کو حق خود ارادیّت کے لئے اسقدر طویل اور کٹھن مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

آپ کئی بار مسلم کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے، ۹/ فروری ۱۹۴۲ء کو آپ نے مسلم کانفرنس کے تاریخی سالانہ اجلاس کے موقعہ پر خطبہ ٔ صدارت میں تحریک پاکستان کی مکمل اور پُر زور حمایت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ

> ''۳۵ لاکھ مسلمانانِ ریاست جموں و کشمیر کو پاکستان کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔اس کے سوا اور کوئی راستہ انہیں قبول و منظور نہیں ہے''۔

مئی ۱۹۴۴ء میں جب قائد اعظمؒ کشمیر کے دورہ پر تشریف لائے تو مُسلم کانفرنس

نے قائد اعظمؒ کا شاندار استقبال کیا اور چوہدری صاحب کی ہی معیّت میں قائد اعظمؒ نے جموں وکشمیر کے طول وعرض میں عوامی اجتماعات سے خطاب کیا۔ ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے اعلان کیا کہ:۔

"خوش قسمت ہے وہ قوم جسے چوہدری غلام عباس ایسا رہنما میسّر ہے"۔

اور آپ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ ۱۷/ جون ۱۹۴۴ء کو قائد اعظمؒ نے آپ کی صدارت میں مسلم کانفرنس کے سالانہ اجتماع سے خطاب کیا۔

آپ نہایت ہی درد دل رکھنے والے مسلمان، پابند صوم وصلوٰۃ اور درویش طبع انسان تھے۔ ۱۹۴۴ء میں جب قائد اعظمؒ کشمیر کے دورہ پر تشریف لائے تو اُنہی دنوں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ بھی سری نگر میں جلوہ افروز تھے۔ آپ قائد اعظمؒ کو ساتھ لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے قائد اعظمؒ کی شاہانہ دعوت کی اور پھر مسلم لیگ اور قائد اعظمؒ کی کامیابی کے لئے دُعا کی۔ دعوت کے بعد شام کو قائد اعظمؒ نے خاموشی کے ساتھ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کی سعادت بھی حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ قائد اعظمؒ مکمل طور پر شریعت کے احکام کے پابند ہو گئے تھے۔ اب آہِ سحر گاہی اور دعائے نیم شبی اُن کا وظیفہ بن چکا تھا۔

آپ کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ ڈوگرہ جیل میں گزرا مگر آپ نے کبھی اپنے نصب العین، حریّتِ کشمیر اور الحاق پاکستان سے منہ نہ موڑا، اور سیاست میں دوقومی نظریہ کی تحریک کے علَم کو بلند رکھا۔ آپ کی جماعت کا مسلک آل انڈیا مسلم لیگ کے اُصولوں پر مبنی تھا۔ اس لئے انہوں نے مُسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ہر برانڈ کی نیشلسٹ تحریکوں کی بڑی پامردی سے مخالفت کی اور جہاں ڈوگرہ حکومت کی اذیتیں برداشت کیں وہاں آپ نے نام نہاد نیشنلسٹ لیکن دراصل پاکستان کی مخالف قوتوں کا بھی نہایت جرأت اور استقلال سے سامنا کیا۔

۲۷/ جولائی ۱۹۴۶ء کو مسلم کانفرنس کے ایک خصوصی کنونشن میں (جس کی صدارت آپ نے کی) قراردادِ آزادیٔ کشمیر پاس کرتے ہوئے ریاست کے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا آزادانہ حق دینے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی واضح کیا کہ اگر یہ مطالبہ تسلیم نہ ہوا تو مسلم کانفرنس پوری قوت سے آزادیٔ کشمیر کے لئے جدوجہد کرے گی۔ قرارداد کے منظور ہوتے ہی ڈوگرہ ایوان میں لرزہ طاری ہو گیا اور آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔

آپ کے حکم کے مطابق ریاستی عوام نے پاکستان کے لئے بیش بہا قربانیاں دیں اور شیخ عبداللہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں جموں میں لاکھوں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ قیام پاکستان کے وقت اگرچہ آپ جیل میں تھے مگر آپ کے دیوانوں اور پروانوں نے آپ کی اسیری کے دوران ہی آزاد کشمیر کا علاقہ ڈوگرہ غلامی سے آزاد کرا لیا۔ ۱۹۴۸ء میں آپ قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان آ گئے تو قائداعظمؒ نے آپ کو آزاد کشمیر کا سپریم ہیڈ بنا دیا۔ آپ نے ہزاروں مہاجرین کے قافلوں کی دیکھ بھال اور آزاد کشمیر حکومت کی تشکیل کے لئے بے پناہ کام کیا۔

۱۹۴۹ء میں کراچی میں پاکستان کی مرکزی کابینہ کا اجلاس بلایا گیا جس کا مقصد کشمیر کی جنگ بندی پر غور کرنا تھا۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تجویز ریاست کے مستقبل کو مخدوش بنا دے گی اس لئے کہ جب ۱۹۴۶ء میں آپ کی صدارت میں قراردادِ آزادیٔ کشمیر منظور ہوئی اور آپ نے اعلان کیا کہ ریاستی عوام تحریک پاکستان کے خطوط پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے تو بے سروسامانی کے عالم میں کشمیر کی پہاڑیاں ''پاکستان زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اُٹھیں اور آزاد کشمیر کا فیصلہ اسی تحریک کا نقطۂ آغاز تھا۔ چنانچہ آپ نے کراچی پہنچ کر جنگ بندی کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ:۔

> ''آج ڈوگرہ سے آزادی حاصل کرنے کا جو جذبہ ریاستی عوام میں موجزن ہے، اگر جنگ بندی کر دی گئی تو یہ جذبہ سرد ہو جائے گا اور ہم مسئلہ کشمیر حل نہ کرا سکیں گے''۔

لیکن بدقسمتی سے سردار محمد ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر نے وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان

(۱۸۹۵ء۔۱۹۵۱ء) کو جنگ بندی کا مشورہ دیا۔ جس پر آپ واک آؤٹ کر گئے۔ کچھ عرصہ بعد سپریم ہیڈ کے عہدے سے بھی مستعفٰی ہو گئے اور سیاست سے علیحدگی اختیار کرلی۔

کچھ عرصہ بعد آزاد کشمیر کی سیاست اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی حالتِ زار نے اُنہیں دوبارہ سیاست کی پُر خار وادی میں قدم رکھنے پر مجبور کردیا۔ آپ نے حدِّ متارکہ کے اس طرف مُسلم کانفرنس کو منظّم کیا۔ ۱۹۵۸ء میں جب ملک فیروز خان نون (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۰ء) پاکستان کے وزیراعظم تھے، پاکستان اور بھارت کے وزراء خارجہ کے مابین دہلی اور کراچی میں ملاقاتیں ہوئیں اور ایسا نظر آیا کہ کشمیر کو تقسیم کیا جارہا ہے تو آپ نے وزیراعظم کو خطوط لکھے مگر مایوسی ہوئی۔ پھر آپ نے ۱۵/ جنوری ۱۹۵۸ء کو کے ایل ایم کی مشہور تحریک کا آغاز کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ:۔

"کشمیری عوام سیز فائر توڑ کر ریاست کی حفاظت کریں گے"۔

اس تحریک کا آغاز ہوتے ہی سارے آزاد کشمیر اور پاکستان میں جذبات بھڑک اُٹھے اور ہزاروں مسلم کانفرنسی رضا کاروں نے حدِّ متارکہ کی جانب مارچ شروع کیا۔ آزاد کشمیر میں اُس وقت سردار محمد ابراہیم خان صدر تھے۔ اُنہوں نے اس تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اسے اپنے خلاف قرار دیا۔ رضا کاروں پر تشدّد اور گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ آپ دس ہزار رضا کاروں کے ہمراہ گرفتار ہو گئے۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ایوب خاں (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۴ء) برسرِ اقتدار آئے تو آزاد کشمیر میں سردار محمد ابراہیم خان کی بجائے آپ نے مسٹر خورشید الحسن خورشید (کے ایچ خورشید ۱۹۲۴ء۔۱۹۸۸ء) کا نام تجویز کیا اور خورشید صاحب کو کرسیٔ صدارت مل گئی۔ مگر بدقسمتی سے خورشید صاحب نے اپنا راستہ الگ کرلیا۔ پاکستان کے بعض اربابِ اقتدار و اختیار نے بھی آپ سے جو ناروا روّیہ اپنائے رکھا اور وزارتِ اُمورِ کشمیر کے ذریعے آپ کو جو ذہنی اور فکری پریشانیاں اُٹھانی پڑیں، شائد وہی اُنہیں کینسر کے موذی مرض

میں مبتلا کرنے کا موجب بنیں۔ باوجود اِن حالات کے آپ نے کبھی بھی کسی حاکم کے سامنے سرنگوں نہیں کیا ۔

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

اس درویش منش عظیم رہنما نے پاکستان میں کوئی جائیداد بنانے کی بجائے ریاست جموں وکشمیر کا مستقبل پاکستان سے وابستہ کرنے کے لئے اپنی جوانی کو بڑھاپے میں تبدیل کیا۔ گونا گوں مصائب وآلام کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں اور بالخصوص مسلم کانفرنس کے کارکنوں کو ہمیشہ یہی درس دیا کہ:۔

"غلام عباس پہلے پاکستانی ہے اور پھر کشمیری"۔

اے کاش! پاکستان کے اربابِ اقتدار قائد ملّت رحمۃ اللہ علیہ کے مقام، مرتبہ، فکر اور اُن کے مشن کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

آخر عمر میں آپ کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہو گئے ۔ بغرض علاج لندن بھی گئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ اور آخر کار اسلامیانِ کشمیر کا یہ عظیم اور محبوب رہنما، مُرورِ ایّام کی صاعقہ ریزیوں اور اپنوں کی زیادتیوں کا شکار ہو کر ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۸/ دسمبر ۱۹۶۷ء بروز پیر گیارہ بج کر چالیس منٹ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا، جس کی ساری زندگی علامہ اقبالؒ کے اس شعر کی مکمل تصویر بنی رہی ۔

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

آپ کی آخری آرامگاہ ۱۹/ دسمبر کو فیض آباد کے قریب راولپنڈی میں بنائی گئی جہاں چھ بجے شام افطاری کے بعد سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ آپ کی وصیّت کے مطابق، قرآن پاک، جائے نماز اور تسبیح ساتھ ہی دفن کر دی گئی۔ ملک بھر کے اخبارات ورسائل اور

مذہبی و سیاسی شخصیات نے بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا۔ شعرائے کرام نے مرثیے اور قطعاتِ تاریخ وفات لکھے۔ رئیس امروہوی نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا۔

سکۂ فتح بنامِ عباس خطبۂ جنگ پیامِ عباس
قید کی شام تھی عباس کی صبح عزم کی صبح تھی شامِ عباس
آہ! وہ وادیٔ کشمیر کا شیر روضۂ خُلد مقامِ عباس
زندگیٔ عالم مرگِ مرحوم موت ہے عمرِ دوامِ عباس
اشک رُودادِ زعیم کشمیر
''آہ! عنوان غلامِ عباس''
۔۔۔۔۔۱۳۸۷ھ۔۔۔۔۔

حضرتِ صابرؔ براری ثم کراچویؒ نے بھی تاریخ وفات کہی ؎

ہوگئے وہ بھی نگاہوں سے ہماری اوجھل مردِ حق صاحبِ توقیر غلام عباس
جن سے تھا ڈوگرہ ایوان میں لرزہ طاری تھے وہی مردِ جری میر غلام عباس
آپ نے مادرِ ملّت کی حمایت میں لکھی اپنے ہی خون سے تحریر غلام عباس
کہہ دے اے صابرؔ خستہ سنِ رحلت اُن کی ''ہیں احد قائدِ کشمیر غلام عباس''
۱۹۶۷ء

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) ''قائدِ کشمیر'' از بشیر احمد قریشی مطبوعہ مظفر آباد (آزاد کشمیر) طبع چہارم ۱۹۹۴ء، متعدد صفحات
(۲) ''اکابر تحریک پاکستان'' جلد دوم از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۹ء ص ۲۱۰ تا ۲۱۶۔
(۳) ''تاریخِ رفتگاں'' جلد دوئم از صابر براری مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء ص ۵۸۔
(۴) ''کشمکش'' از چوہدری غلام عباس مطبوعہ لاہور ۱۹۵۰ء متعدد صفحات۔
(۵) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' از سید اختر حسین مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۸۴۔
(۶) ''بھٹو اور کشمیر'' از احمد سلیم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء متعدد صفحات۔
(۷) ''شہاب نامہ'' از قدرت اللہ شہاب مطبوعہ لاہور طبع یازدہم ۱۹۹۲ء ص ۱۱۰، ۱۱۱، ۳۲۳ تا ۳۲۵، ۳۶۶۔

(۸) ’’حضرت امیرِ ملّت اور تحریک پاکستان‘‘ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء ص ۴۶۔

(۹) ’’انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا‘‘ از سید قاسم محمود مطبوعہ کراچی طبع دوم ۱۹۹۸ء ص ۶۹۸۔

(۱۰) ’’جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا‘‘ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور جلد دوم ۱۹۸۸ء ص ۱۰۳۶۔

(۱۱) ’’فیروز سنز انسائیکلوپیڈیا‘‘ مطبوعہ لاہور طبع دوم ۱۹۸۷ء ص ۷۱۶۔

(۱۲) ’’شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا‘‘ از مقصود ایاز، محمد ناصر مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۱۳۔

(۱۳) ’’انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان‘‘ از اسد سلیم شیخ لاہور ۱۹۹۹ء ص ۷۶۶۔

(۱۴) ’’افکار راولپنڈی ڈائریکٹری‘‘ مرتبہ سیّد غلام مصطفیٰ خالد گیلانی مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۶۲ء ص ۲۹۷۔

(۱۵) ’’پنجاب کی سیاسی تحریکیں‘‘ از عبداللہ ملک مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۶۳۔

(۱۶) ’’ظہورِ پاکستان‘‘ از چوہدری محمد علی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۳۸، ۳۳۹۔

(۱۷) ’’کاروانِ احرار‘‘ جلد اوّل از جانباز مرزا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۱۸، ۳۷۲، ۴۲۱۔

(۱۸) ’’مکاتیب بہادر یار جنگ‘‘ مطبوعہ بہادر یار جنگ اکادمی کراچی، ۱۹۶۷ء ص ۵۷۸۔

(۱۹) ’’عالمی معلومات‘‘ از زاہد حسین انجم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۴۰۸۔

(۲۰) ہفت روزہ ’’زندگی‘‘ لاہور بابت ۱۹/ جنوری ۱۹۷۰ء ص ۲۱۔

(۲۱) ماہنامہ ’’انوار الصوفیہ‘‘ سیال کوٹ بابت اپریل ۱۹۳۲ء ص ۲۶۔

(۲۲) ہفت روزہ ’’طاہر‘‘ لاہور بابت ۲۹/ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔

(۲۳) روزنامہ ’’نوائے وقت‘‘ لاہور متعدد شمارے۔

(۲۴) روزنامہ ’’نئی روشنی‘‘ کراچی، ’’استقلال نمبر‘‘ بابت ۱۴/ اگست ۱۹۵۸ء ص ۲۲۔

(۲۵) روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی بابت ۲۱/ دسمبر ۱۹۶۷ء۔

(۲۶) مجلّہ ’’پتن‘‘ گورنمنٹ ڈگری کالج بھمبر، آزاد کشمیر، ’’چوہدری غلام عباس نمبر‘‘ ۱۹۹۰ء۔
متعدد صفحات۔

(۲۷) ’’کشمیر آزادی کی دہلیز پر‘‘ (یادوں کے چراغ) از غلام احمد پنڈت مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء
ص ۲۷۵ تا ۲۷۸، ۳۳۲، ۳۳۳، و متعدد صفحات

(۲۸) ’’اوراقِ پارینہ‘‘ (کشمیریات) از خواجہ غلام احمد پنڈت مطبوعہ مظفر آباد (آزاد کشمیر)

سنِ طباعت ندارد ۴۲ تا ۵۱۔

(۲۹) "کاروانِ تحریک پاکستان" از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۵ء۔ ص ۱۰۹ تا ۱۱۹۔

☆☆☆☆☆

حوالدار ممتاز علی خاں رتیروی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۵ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۶۹ء)

حوالدار ممتاز علی خاں ابن محمد عمر خاں کی ولادت ۱۹۰۵ء میں رتیرہ ضلع حصار (بھارت) کے ایک راجپوت خاندان میں ہوئی۔ مڈل تک تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی۔ چند اسلامی کُتب بھی گاؤں میں پڑھیں۔ حصولِ تعلیم کے بعد کچھ عرصہ سکول ماسٹر رہے اور پھر پولیس میں بھرتی ہوگئے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے حکم پر پولیس کی ملازمت چھوڑ دی اور حضرت کی غلامی میں ہی رہنے لگے۔

۱۹۱۶ء میں گیارہ برس کی عمر میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ تمام عمر پابندِ صوم وصلوٰۃ رہے۔ نو سال کی عمر سے ہمیشہ باوضو رہے۔ جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے کہ پولیس کی ملازمت ترک کرنے کے بعد آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمتِ بابرکت میں رہنے لگے تھے۔ بعد ازاں فوج میں بطور کلرک بھرتی ہوگئے۔ اور ۲۴ سال بحسن وبخوبی اپنے فرائض کی بجا آوری کے بعد ۱۹۶۳ء میں بطور حوالدار کلرک پنشن حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تو آپ کو پھر بلا لیا گیا۔ ۱۹۶۷ء میں دوبارہ فارغ ہو کر گھر آئے اور ۱۹۶۸ء میں کھاد فیکٹری داؤد خیل ضلع میانوالی میں کلرک بھرتی ہوگئے اور تادمِ زیست اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ کی پابندیٔ شریعت، راست گوئی وراستبازی ودیگر گونا گوں خوبیوں کے پیشِ نظر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو شرفِ خلافت سے بھی نوازا تھا۔ لیکن آپ نے تمام عمر کسی کو بیعت نہیں کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے صاحبزادے نائیک عزیز احمد راوی ہیں کہ

"ایک مرتبہ میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ جب آپ کو حضرت

قبلۂ عالم سرکار علی پوریؒ سے خلافت حاصل ہے تو پھر آپ بیعت کیوں نہیں لیتے۔ اس پر آپ نے ارشاد کیا، ٹھیک ہے کہ مجھے خلافت حاصل ہے لیکن میں نے حضرت قبلۂ عالم سے سن رکھا ہے کہ "جس پیر میں اتنی طاقت نہ ہو کہ وہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اپنے مرید کو نہیں دیکھتا اور نہیں سنبھالتا، اُس کے ہاتھ پر بیعت حرام ہے"۔ لہذا میں اپنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتا، اس لئے کسی کو بیعت نہیں کرتا"۔

آپ صحیح معنوں میں "فنافی الشیخ" تھے۔ ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیال کوٹ و قصور میں تازیست نظم و نثر میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبتِ شیخ کا اظہار فرماتے رہے۔ ذیل میں اُن کا ایک قصیدہ در شانِ "علی پور سیّداں شریف" نقل کیا جاتا ہے جس کے ایک ایک لفظ سے عشق و محبت کے دھارے بہتے نظر آتے ہیں۔

مجھے دین و دُنیا سے پیارا علی پور ۔۔۔ کہ ہے میری آنکھوں کا تارا علی پور
علی پور میں ایک پُورِ علیؓ ہے ۔۔۔ اُسی سے ہوا آشکارا علی پور
نہیں کوئی میرا مصیبت میں ساتھی ۔۔۔ اگر ہے تو ہے سہارا علی پور
میرے پیر و مرشد ہیں واں جلوہ افگن ۔۔۔ تبھی تو بنا ماہ پارا علی پور
زمانہ تمام اُن کے گن گا رہا ہے ۔۔۔ کہ ہے میرِ ملّت دُلارا علی پور
یہ ہے مبدءُ فیض سرہندِ ۱ و تیراہ ۲ ۔۔۔ شہِ نقشبندی ۳ کا تارا علی پور
ہوئی شانِ چورہ ۴ دوبالا یہاں سے ۔۔۔ کہ ہے بابا جی ۵ کو بھی پیارا علی پور
علی پور مسکن ہے آلِ نبی ﷺ کا ۔۔۔ علیؓ کا بھی ہے ماہ پارا علی پور

ہے ممتاز کا تو یہ ملجا و ماوا
بلاشک ہے قسمت کا تارا علی پور

۱۔ سرہند شریف۔ ۲۔ تیراہ شریف (افغانستان)۔ ۳۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ ۴۔ چورہ شریف ضلع اٹک۔ ۵۔ حضرت بابا جی فقیر محمد چورہ شریف رحمۃ اللہ علیہ (قصوری)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے ایک اور قصیدہ درج کردوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے پیرومُرشد کے عشق میں کس قدر بے خود تھے۔

مجھے اپنے در پر بُلا شہہ جماعت | میرے دل کی حسرت مٹا شہہ جماعت
ترے در پہ عاشق کھڑے دست بستہ | مَیں تڑپوں گا اس جا پڑا شہہ جماعت
ترے سچے زائر تو پہنچیں گے آخر | مجھے بھی خُدارا بُلا شہہ جماعت
مرے دل نے ٹھانی ہے پہنچوں علی پور | ترا چاہیئے آسرا شہہ جماعت
ترے عشق نے اب بنایا ہے بیخود | گلے سے تُو مجھ کو لگا شہہ جماعت
تصوّر میں تیرے ہی رہتا ہوں اکثر | مگر چاہیئے اب لقا شہہ جماعت
بنایا ہے دیوانہ اُلفت نے تیری | ذرا اَور یہ مَے پلا شہہ جماعت

میں رورو کے تکتا ہوں اب راہ تیری
مجھے بھی تُو سینے سے لگا شہہ جماعت

فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ کو چک نمبر 10 ایم ایل ضلع میانوالی میں حکومت کی طرف سے ایک مربعہ زمین ملی تھی۔ لہذا یہیں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ کاشتکاری کے ساتھ ساتھ داؤدخیل کھاد فیکٹری میں بطور کلرک ملازمت بھی کررہے تھے کہ ۲۱/ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۷/ جون ۱۹۶۹ء بروز ہفتہ نمازِ عصر ادا کرتے ہوئے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ چک نمبر 10 ایم ایل ضلع میانوالی میں ہی آپ کی آخری آرامگاہ بنی۔ تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ نعتوں اور قصائد کا ایک (قلمی) مجموعہ یادگار ہے۔

صاحبزادہ نائیک عزیز احمد خاں آپ کے علمی، ادبی جانشین ہیں جو مقامی یونین کونسل کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔ بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ''کراماتِ امیرِ ملّت'' از بخشی مصطفےٰ علی خاں، کراچی ۱۹۶۵ء ص ۳۵۔
(۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور اپریل مئی ۱۹۶۳ء ص ۵۳، ستمبر ۱۹۶۳ء ص ۱۶، اکتوبر نومبر ۱۹۶۹ء ص ۴۴۔

(۳) مکتوب گرامی صاحبزادہ نائیک عزیز احمد خاں بنام مؤلف محررّہ ۹/ اگست، ۲۹/ ستمبر ۱۹۷۶ء۔

(۱۸۸۸ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۰ء)

پیر سیّد ولائت شاہ بن عارفِ ربانی سیّد احمد شاہؒ کی ولادت ۱۸۸۸ء میں رانیوال سیّداں ضلع گجرات (پنجاب، پاکستان) میں ہوئی۔ شجرۂ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مدرسہ تعلیم القرآن جنڈ شریف سے حفظ قرآن کر کے گجرات تشریف لا کر اُستاذ العلماء مولانا غلام حیدر فتوّ پورہ گجرات سے دینی اور قاری غلام نبی آف للّہ شریف سے قرأت و تجوید کی کتابیں پڑھیں۔ پھر درس نظامی، تفسیر و حدیث اور فقہ میں مزید ید طولیٰ حاصل کرنے کے لئے مولانا غلام محمد گھوٹوی (۱۸۸۶ء۔۱۹۴۸ء) شیخ الجامعہ آف جامعہ اسلامیہ بہاولپور (جامعہ نعمانیہ لاہور) کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذّ تہہ کیا اور سندِ فراغت حاصل کی۔

حصولِ تعلیم کے بعد مسجد خضریہ اندرون شاہدولہ چوک گجرات میں قرآن پاک کا درس کھولا۔ بعد ازاں ۱۸۔۱۹۱۷ء میں مسجد حاجی پیر بخش مرحوم میں باقاعدہ مدرسہ تعلیم القرآن جاری کیا۔ لیکن ابھی تک صرف قرآن پاک ہی حفظ کراتے تھے۔ بعد میں اپنے پیرو مُرشد حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے ارشاد گرامی پر مدرسہ انجمن خدّام الصوفیہ قائم کیا جو آج تک جاری و ساری ہے اور ہزار ہا تشنگانِ علم یہاں آ کر اپنی علمی پیاس بجھا چکے ہیں۔

۱۹۱۵ء میں حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پر بیعت کی اور پھر دل و جان سے مُرشدِ کامل کے ارشادات کو عملی جامہ پہنایا۔ اسی وجہ سے حضرت اقدس آپ پر خصوصی نظر فرماتے تھے اور بڑے فخر سے فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"میں نے گجرات میں ایک ایسا خوشبودار پودا لگایا ہے
جس کی خوشبو سے ساری دُنیا مہک اُٹھے گی"۔

۱۲/ مئی ۱۹۳۹ء کو بر موقعہ سالانہ اجلاس انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں آپ

کو خلافت عظمیٰ سے نواز کر خلقِ خدا کی رُوحانی تربیت کی ہدایت فرمائی اور اپنے دستِ اقدس سے دستارِ خلافت باندھ کر سلسلہ عالیہ کی تبلیغ و ترویج کا حکم دیا۔

آپ مسجد حاجی پیر بخش میں خطبہ جمعۃ المبارک بھی دیا کرتے تھے۔ اردگرد کے علاقوں کے تبلیغی جلسوں کا اہتمام کر کے فرقہ ہائے باطلہ کی سرکوبی میں بھی وافر کام کیا۔ آپ کا طرزِ بیاں نہایت سادہ، با اثر اور پُر وقار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ''انجمن حزب الاحناف لاہور'' کا سالانہ جلسہ تھا جس کی صدارت حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ فرما رہے تھے اور جلسہ میں مندرجہ ذیل مشاہیر اہلسنت جلوہ افروز تھے۔ سیّد علی حسین اشرفی کچھوچھوی المعروف اشرفی میاںؒ (۱۸۵۰ء۔۱۹۳۶ء)، شاہ حامد رضا خاں بریلویؒ (۱۸۷۵ء۔۱۹۴۲ء)، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ (۱۸۸۳ء۔ ۱۹۴۸ء)، مولانا حشمت علی خاں لکھنویؒ (۱۹۰۲ء۔۱۹۶۰ء)، مولانا قطب الدین برہمچاریؒ (۱۸ ء۔۱۹۳۲ء) اور مولانا خلیل داس وغیرہم، آپ نے اس جلسہ میں ایسی پُر اثر تقریر فرمائی کہ تمام اکابر علماء کو وجد آ گیا اور آنکھیں پُر نم ہو گئیں۔ جذب و مستی کے اس عالم میں مولانا حشمت علی خان لکھنویؒ اپنے تکیے سے اُچھلے اور فرمایا:۔

''کاش! آج میں پنجابی جانتا ہوتا''۔

گونا گوں علمی مصروفیات کے باوجود آپ نے حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ کی مُعیّت میں تحریکِ خلافت، تحریک شہید گنج اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے سیّد محمود شاہؒ (۱۹۲۲ء۔۱۹۸۷ء) تو مسلم لیگ کے باقاعدہ ممبر تھے۔ جنہوں نے تحریک پاکستان میں بے مثال قربانیاں دیں اور قید و بند کی صعوبتوں سے بھی نبرد آزما ہوئے اور تازیست جمعیت علماء پاکستان کے پلیٹ فارم سے ''نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نفاذ اور ''مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحفظ کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے۔

پیر ولائت شاہؒ نے گجرات میں ایک عالی شان مسجد ''مسجد شاہِ ولائت'' کے نام سے بنوائی جو بہت خوبصورت اور بڑی خصوصیات کی حامل ہے۔ آپ سادہ خوارک کھاتے اور لباس بھی سادہ زیبِ تن فرماتے تھے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کی رگ و پے

میں سمایا ہوا تھا۔ حضور سیّد عالم علیہ التحیہ والثناء کا نام سُنتے ہی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ اس بات کا مشاہدہ راقم الحروف نے بھی اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جمعیت اہلِ سنت سرگودھا کے اجلاس میں کیا تھا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی اپنے پیرِ طریقت حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے نقش قدم پر چل کر گزار دی۔ پاکستان کے طول و عرض میں آپ کے مریدوں اور عقید تمندوں کا جال بچھا ہوا تھا۔

آپ کی رحلت ۲۶/ جمادی الاوّل ۱۳۹۰ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ المبارک بحالت نمازِ سنّت ہوئی اور اپنی بنا کردہ مسجد ''مسجد شاہ ولائت'' میں دفن ہوئے۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے سیّد احمد شاہ (۱۹۳۲ء۔۱۹۸۱ء) نے پڑھائی۔

ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور نے اپنے شمارہ اگست ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۷ پر آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا:۔

> ''مولانا الحاج واعظ خوش بیان خطیبِ ذیشان صوفیٔ کامل و اکمل پیر طریقت اعلیحضرت پیر سیّد ولایت شاہ صاحب نقشبندی گجراتی خلیفۂ اعظم حضرت امیرِ ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری قدس سرّہٗ گزشتہ ماہ جولائی میں اس دارفانی سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مراتب بلند فرمائے۔ مرحوم اپنے زمانہ کے اولیاءاللہ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ساری عمر دین کی خدمت اور تبلیغ اسلام میں گزاری۔ بدمذہبوں کے ساتھ کامیاب مناظرے کئے۔ مؤثر وعظ فرما کر ہزاروں قلوب کو ہدایت کی روشنی بخشی۔ آپ کی ذات مجمعِ صفات حَسنہ اور خُلق کا مجسمہ اور منبع فیوضات اور معدنِ برکات تھی۔ زہد و ریاضت آپ کا شعار تھا۔ اتقاء و پارسائی کی دلکش تصویر تھے۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کو جنت کے بلند مقام میں جگہ دے۔ آمین''۔

ماہنامہ ''رضائے مصطفیٰ'' گوجرانوالہ نے بھی اپنی اشاعت اگست ۱۹۷۰ء ص ۳ پر ہدیۂ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

''۲۶/ جمادی الاولیٰ مطابق ۳۱/ جولائی بروز جمعہ پیر طریقت مولانا الحاج سیّد ولایت علی شاہ صاحب گجراتی کے انتقال فرمانے کی افسوس ناک خبر موصول ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شاہ صاحب، صاحب علم وفضل، زاہد وعابد اور بڑے متواضع ومنکسر المزاج بزرگ تھے۔ آپ کا انداز رقت انگیز اور وعظ شریف پندونصائح پر مشتمل ہوتا تھا۔ آپ امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ومرید صادق تھے اور آپ کو اپنے پیر خانہ سے بڑی عقیدت ولگاؤ تھا۔ اور اپنے شیخ کی زیر قیادت تحریک پاکستان میں مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ دُعا ہے کہ مولا تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ کے جملہ متعلقین کو حُسنِ عقیدہ وحُسن عمل میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ نماز جمعہ پڑھنے کے دوران آپ کا انتقال ہوا''۔

کیپٹن محمد رمضان تبسمؔ قریشی قلعہ داری گجراتیؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۳ء) نے یہ قطعہٴ تاریخ وصال کہا۔

چوں گزشتہ رُوحِ صوفی از فنا | بر درِ جنت بدیدہ اولیاء
مرحبا گفتند واستقبال کرد | ''متقی سیّد ولایت شاہ بیا''

۱۳۹۰ھ

حضرتِ ابوالطاہر فدا حسین فداؔ ایڈیٹر ماہنامہ ''مہروماہ'' لاہور نے بھی تاریخ کہی۔

سیّدِ پاکباز دھرِ فانی سے | آج رخصت بسوئے جنت ہے
آگیا مرگِ ناگہاں نے اُنہیں | نقش ہر دل پر جن کی عظمت ہے
وہ خدا و رسول ﷺ کے شیدا | مفتخر جن پہ دین وملت ہے
یاد بھی اُن کی اہلِ دل کے لئے | رہنمائے راہِ حقیقت ہے
کیوں نہ غمگین ہوں حامد ومحمود | اُٹھ گیا سر سے ظلِ شفقت ہے
فیضِ عشقِ نبی ﷺ کے جلوؤں سے | بُقعہٴ نور اُن کی تُربت ہے

بولا ہاتف سنِ وصال فدا

''کہہ دو رحلتِ شہ ولایت ہے''

-----۱۳۹۰ھ-----

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے سیّد محمود شاہ (۱۹۲۲ء۔۱۹۸۷ء) سجادہ نشین ہوئے اُن کے بعد اُن کے بیٹے سیّد سعید احمد شاہ سجادہ نشین ہوئے جو تاحال مسندِ سجادگی پر فروکش ہیں۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''حیاتِ شاہِ ولایت'' از سید محمد یونس شاہ کاظمی مطبوعہ گجرات ۱۹۷۲ء ص ۲۲، ۳۰۔

(۲) ''نقش حیات'' از پروفیسر وقار حسین طاہر مطبوعہ گجرات ۱۹۷۸ء متعدد صفحات

(۳) ''تذکرہ شہ ولایت'' از محمد نواز شاہد مطبوعہ گجرات ۱۹۸۰ء متعدد صفحات

(۴) ''سیرت امیرِ ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۱۵۔

(۵) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۷۔

(۶) ''اکابر تحریک پاکستان'' جلد اوّل از محمد صادق قصوری مطبوعہ گجرات ۱۹۷۶ء ص ۲۴۹۔

(۷) ''تذکرہ مشائخ نقشبندیہ'' از مولانا نور بخش توکلی (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۸۵۔

(۸) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ گجرات۔ ۱۹۹۶ء ص ۳۰۹۔

(۹) ''خفتگانِ خاکِ گجرات'' از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ مطبوعہ گجرات ۱۹۹۶ء ص ۲۶۹ تا ۲۷۰۔

(۱۰) ''گجرات تاریخ کے آئینے میں'' از ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ مطبوعہ گجرات ۱۹۹۶ء ص ۲۹۰ تا ۲۹۲۔

(۱۱) ''معدن التواریخ'' از ابوالطاہر فدا حسین فدا مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء۔ ص ۲۹۔

(۱۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ بابت مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۲۔

(۱۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت اگست، ستمبر ۱۹۷۰ء ص ۷۔

(۱۴) ماہنامہ ''رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' گوجرانوالہ بابت اگست ۱۹۷۰ء ص ۳۔

☆☆☆☆

ملک سرور خاں کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۰ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۰ء)

ملک سرور خاں بن ملک لطیف خاں کی ولادت ۱۸۶۰ء میں موضع میر احمد خیل متصل کوہاٹ چھاؤنی میں ہوئی۔ آپ بڑے متقی، پرہیز گار اور صالح شخص تھے۔ زبردست نعت خوان اور میرِ مجلسِ میلاد شریف تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے سچے عاشق اور جانثار مرید تھے۔ عرس شریف پر کھانا کھلانے اور پانی بھرنے کا انتظام آپ کے ذمہ ہوتا تھا۔ بڑے منتظم شخص تھے۔ جب بھی حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کو کوہاٹ کی دعوت دینی مقصود ہوتی تو علی پور شریف حاضر ہوجاتے اور کئی کئی ہفتے حضرت اقدس کے ساتھ سفر و حضر میں حاضر رہ کر خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے اور آخر کار حضرت کو ہمراہ لے کر واپس کوہاٹ جاتے اور بڑی تندہی اور جانفشانی سے حضرت کی خدمت کرتے۔ سفر و حضر میں نعت خوانی سے حضرت کو شاد کام کرتے۔ کوہاٹ میں امیرِ حلقۂ ذکر تھے، ہر ہفتہ پابندی کے ساتھ حلقۂ ذکر کا اہتمام کرتے۔

۱۲/مئی ۱۹۳۹ء کو سالانہ جلسۂ انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے موقعہ پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا۔ حصول خلافت کے بعد آپ نے کوہاٹ کے علاقہ میں سلسلہ عالیہ کی بہت خدمت کی۔ یارانِ کوہاٹ آپ سے کامل محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ اور آپ بھی اُن کے احوال کی اصلاح میں پوری توجہ دیتے تھے۔ آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔ جب خوش آوازی اور شیریں بیانی سے میلاد و نعت پڑھتے تو سامعین پر وجد طاری ہوجاتا۔

آپ کی رحلت ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۰ء مطابق ۱۲/شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ بروز منگل کوہاٹ میں ہوئی اور وہیں آخری آرامگاہ بنی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) ”سیرت امیر ملّت“ مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۴۰۔

(۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ جون ۱۹۳۷ء ص ۲۲، مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳۔

(۳) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۳۰۔

(۴) مکتوبِ گرامی حاجی میاں احمد مرحوم بنام محمد صادق قصوری از کوہاٹ محررّہ ۲۱/ مئی ۱۹۷۷ء۔

سیّد سعید شاہ بنوری کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۳ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۰ء)

حضرت پیر سیّد سعید شاہ بن سیّد اعظم شاہ کی ولادت باسعادت ۱۸۹۳ء میں خانوادۂ ساداتِ بنوری سکنہ گڑھی بنوریاں کوہاٹ میں ہوئی۔ گورنمنٹ ہائی سکول کوہاٹ سے ابھی مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی کہ والد گرامی کی رحلت ہوگئی اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ والد گرامی کی چھوڑی ہوئی جائیداد کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ عالم شباب میں ہی حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دست حق پر بیعت کرلی تھی اور پچیس برس کی عمر میں مرشد گرامی کی معیّت میں حج بیت اللہ وزیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف ہوئے۔ جب آپ رُوحانیت کی منازل طے کر چکے تو ۱۲/ مئی ۱۹۳۹ء بروز جمعۃ المبارک برموقعہ سالانہ جلسہ علی پور سیّداں، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو دستار خلافت سے نوازا اور خلق خدا کی رُوحانی تربیت کا حکم فرمایا۔

آپ نے تحریکِ ہجرت، تحریک خلافت، تحریک مسجد شہید گنج اور تحریکِ پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ فروری ۱۹۳۸ء میں کوہاٹ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا شوکت علی (۱۸۷۲ء۔۱۹۳۸ء) مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلہ میں صوبہ سرحد کے دورے پر آئے تو آپ نے پشاور جا کر اُنہیں اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور کوہاٹ آنے کی دعوت دی۔ مولانا شوکت علی کوہاٹ تشریف لائے اور آپ کے ہاں مقیم ہوئے۔ مسجد حاجی بہادرؒ میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا جس سے مولانا شوکت علی نے خطاب کیا اور آپ کو کوہاٹ مسلم لیگ کا صدر چنا گیا۔ یہ وہ دور تھا کہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہونے سے ہچکچاتے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ کے پیغام کو گھر گھر پہنچانے کے لئے انتھک جدوجہد کی اور

کسی قسم کی مالی وجانی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ تمام صوبہ سرحد کا طوفانی دورہ کیا اور اپنی شعلہ نوائی سے صوبہ سرحد کو مسلم لیگ کا ناقابل تسخیر قلعہ بنا دیا۔

آپ بڑے بیباک اور جادو بیان مقرر تھے۔ بلا خوف اور بلا دھڑک حق کی بات کہہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ کوہاٹ میں مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۲ء۔ ۱۹۵۶ء) اور احراری لیڈر سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۱ء۔ ۱۹۶۱ء) جیسے مقرروں کو بھرے جلسے میں دورانِ تقریر ڈانٹ دیا اور وہ تقریر جاری نہ رکھ سکے۔

صوبہ سرحد میں احراریوں اور سرخ پوشوں کے زور کو توڑنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی صرف کر دیں۔ بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، مردان، ہزارہ اور پشاور کے علاقوں میں خصوصی دورے کر کے ''مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ'' کا نعرۂ مستانہ بلند کیا جس کے نتیجے میں مسلم لیگ عوام وخواص کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ مسلم لیگ نے جب صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا تو آپ نے کوہاٹ میں جلوسوں کی قیادت کی۔ کانگرسیوں نے آپ کے جلوسوں پر سنگباری کی مگر آپ نے ان سب مشکلات ومصائب کا بڑی جرأت وشجاعت سے مقابلہ کیا اور قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کا پیغام کوچہ کوچہ قریہ قریہ پہنچانے کا فریضہ بحُسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں حضرت قائداعظمؒ نے آپ کو تعریف وستائش کے خطوط لکھے جو آپ کی ان تھک جدوجہد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تحریکِ سول نافرمانی کے دوران آپ نے اپنے رضا کاروں کو ساتھ لے کر کوہاٹ کی سرکاری عمارتوں سے یونین جیک اُتار کر مسلم لیگ کا ہلالی پرچم لہرایا۔ تحریکِ پاکستان کے دوران دو دفعہ گرفتار ہوئے۔ ایک دفعہ ایک تقریر کے سلسلے میں چھ ماہ کے لئے قید کیا گیا جبکہ دوسری دفعہ مئی ۱۹۴۷ء میں جب آپ نے اپنے ساتھیوں فضل کریم آصف ایڈووکیٹ، سیّد قاموس شاہ ایڈووکیٹ، رسول شاہ بخاری ایڈووکیٹ اور آغا حسین وغیرہم کے ساتھ کوہاٹ کچہریوں پکٹنگ کی، گرفتار کر کے چھ ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔

آخر کار دوسرے سب مسلم لیگیوں کی طرح آپ کی قید وبند کی صعوبتیں بھی رنگ لاکر رہیں اور انگریز کو برصغیر سے اپنا بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ اور ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو وہ تاریخی

لمحہ آ پہنچا جب وطن عزیز پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے مخلص رُوحانی فرزند اور مسلم لیگ کے اس جری رہنما کی زندگی کے سب سے قیمتی اور یادگار لمحے وہ تھے جب ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو رہائی کے بعد قلعہ کوہاٹ پر سبز ہلالی پرچم لہرایا۔ چونکہ آپ ۱۹۳۸ء سے تا قیام پاکستان، مسلم لیگ کے ضلعی صدر تھے۔ اس لئے یونین جیک اتروا کر اس کی جگہ پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرانے کی سعادت آپ کے مبارک ہاتھوں کو نصیب ہوئی۔ اس روز انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو اس پُر مسرت تقریب کا نظارہ کرنے کے لئے وہاں جمع تھا۔ پاک فوج کے دستے نے آپ کو سلامی دی اور آپ نے ''نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر'' اور ''پاکستان، زندہ باد'' کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں پرچمِ پاکستان کو اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی بار لہرایا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد میں مصروف رہے۔ لیکن حضرت قائد اعظمؒ کے اصرار کے باوجود نہ تو کوئی سرکاری عہدہ قبول کیا اور نہ ہی اپنے نام کوئی جائیداد وغیرہ الاٹ کرائی۔ آپ کی تمام جدوجہد بے غرض اور بے ریا تھی۔ آپ نے سب کچھ اپنے پیرو مرشد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے فرمان کے مطابق کیا۔ آپ کی تمام زندگی، ''نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ'' کی آئینہ دار تھی۔

حضرت قائد اعظمؒ کی رحلت کے بعد دوسرے مخلص مسلم لیگیوں کی طرح آپ کو بھی گوشۂ گمنامی میں دھکیل دیا گیا۔ زندگی کے آخری سالوں میں آپ بینائی سے محروم ہونے کی وجہ سے قومی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور یادِ الٰہی اور مسلمانوں کی رُوحانی تربیت وترقی میں مصروف ہو گئے۔ آخر ساداتِ بنوری کا یہ روشن چراغ مذہب وملت کی گرانقدر خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲۸/ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بُجھ گیا لیکن اپنے پیچھے اُجالے چھوڑ گیا۔

آپ کی رحلت پر حضرت صابر براری ثم کراچویؒ نے قطعۂ تاریخ کہا۔

دُنیا سے چل دیئے ہیں جو آج وہ بزرگ بنوریان کے صاحب جاہ وجلال تھے
جھیلی ہیں قید وبند کی صعوبتیں دشمن کے حق میں ارضِ وطن کی وہ ڈھال تھے

تعریف کی ہے قائداعظمؒ نے آپ کی — وہ سرفروشِ لیگ عدیم المثال تھے
سالِ وفات اُن کا اے صابر یہ صاف لکھ — ''سیّد سعید شاہ رفیع کمال تھے''

۱۳۹۰ھ

------------------ماخذ------------------

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۳۷۔

(۲) ''قائداعظمؒ اور سرحد'' از عزیز جاوید مطبوعہ پشاور ۱۹۷۰ء ص ۴۵۰ تا ۴۵۲۔

(۳) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۸۹۔

(۴) ''تاریخ رفتگان'' جلد سوم از صابر براری مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء ص ۸۲۔

(۵) ''تحریک پاکستان میں صوبہ سرحد کا حصہ'' از پروفیسر محمد شفیع صابر مطبوعہ پشاور ۱۹۹۰ء ص ۹۱۔۱۰۵۔۱۳۵۔۳۱۶۔

(۶) ''قائداعظمؒ اور صوبہ سرحد'' از پروفیسر محمد شفیع صابر مطبوعہ پشاور ۱۹۷۶ء ص ۲۲۹۔

(۷) ''قافلۂ آزادی'' از مفتی راشد علوی مطبوعہ پشاور ۱۹۸۸ء ص ۱۴۹۔

(۸) ''انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان'' از اسد سلیم شیخ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء ص ۵۴۰،۶۹۳،۷۔

(۹) ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' سیال کوٹ مئی ۱۹۳۹ء ص ۱۳۔

(۱۰) ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' قصور دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۳۰۔

(۱۱) ہفت روزہ ''ہمدم'' کوہاٹ بابت ۱۴/ دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۱۔

(۱۲) مکتوب گرامی حاجی میاں احمد مرحوم از کوہاٹ بنام محمد صادق قصوری محررہ ۲۱/ مئی ۱۹۷۷ء۔

(۱۳) مکتوب گرامی سیّد اظہار سعد بنوری ایڈووکیٹ کوہاٹ بنام محمد صادق قصوری محررہ یکم/ اپریل، ۶/ اپریل، یکم مئی ۱۹۸۹ء۔

/☆/☆/☆/☆/

حکیم خادم علی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۶۶ء------------------۱۹۷۱ء)

حضرت حکیم خادم علی بن حکیم احمد دین بن علامہ غلام محمد قادری بن حکیم حافظ محمد عظیم کی ولادت مبارک ۱۸۶۶ء میں کوٹلی لوہاراں ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ آپ حافظ قرآن، علوم دینیہ میں علامہء زمان، طب میں فخر روزگار اور شعر و شاعری میں باکمال تھے۔ بیعت و خلافت حضرت حافظ عبدالکریمؒ (۱۸۴۸ء۔۱۹۳۵ء) عیدگاہ شریف راولپنڈی سے تھی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے بھی خلافت کی نعمت عظمیٰ کا شرف حاصل تھا۔ قادر الکلام خطیب اور بے مثل شاعر تھے۔ سات سال کی عمر میں والد گرامی کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے۔

پرائمری کے بعد برادر اکبر حکیم حامد علی سے علم طب، فقہ، منطق، تفسیر و حدیث سیکھی۔ پھر لاہور جا کر معروف طبیب مفتی سلیم اللہ سے طب میں مزید استفادہ کیا۔ علم عروض و شاعری میں مولانا عبدالقادر ہزاروی سے تلمذ تھا۔ پھر کوٹلی لوہاراں سے نقل مکانی کر کے سیال کوٹ میں مستقل رہائش اختیار فرمالی۔ آپ کی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ کوٹلی لوہاراں میں گزرا، دوسرا داتا کی نگری میں اور تیسرا تاوصال سیالکوٹ میں۔ پہلے دو حصے حصول فیض میں گذرے اور آخری حصہ تقسیم فیض میں۔

آپ نے اپنی بزرگی پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ غریب پرور اور وفا شعار تھے۔ حکیم عبداللہ صاحب سکھ مذہب چھوڑ کر آپ کے ہاتھ پر، مسلمان ہوئے تھے۔ انکی وفات کے بعد طویل عرصہ تک ان کے مطب واقع اڈا شہباز خاں پر تشریف لے جاتے اور مریضوں کو نسخے لکھ کر دیتے رہے تاکہ حکیم عبداللہ مرحوم کا مطب چلتا رہے اور بچوں کی کفالت ہوتی رہے۔

آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے طبیب خاص تھے۔ حضرت اقدس جب بھی علیل ہوتے تو آپ روزانہ بلاناغہ سیالکوٹ سے علی پور سیّداں حاضر ہو کر علاج معالجہ میں سرگرم رہتے تھے اور اگر ضرورت ہوتی تو رات کو بھی ٹھہر جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:۔

> ''اگر مجھ سے قیامت میں سوال ہوا کہ تو نے دنیا میں کیا
> کام کیا؟ تو میں عرض کروں گا کہ تیرے ایک بندے کی نبض دیکھی
> ہے اور میری نجات کے لیئے اتنا ہی کافی ہوگا۔''

آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی شان میں بہت سے قصیدے لکھے مگر مندرجہ ذیل قصیدے کو شہرت عام بقائے دوام حاصل ہوئی۔

جماعت علی شاہ فرخ نہاد ۔۔۔ کہ مانند او بطن گیتی نزاد
مطیع رسولؐ و مطاع جہاں ۔۔۔ بذکر خداوند رطب اللّسان
سرخیلِ حجاجِ بیت الحرام ۔۔۔ بلب تلبیہ آب زمزم بجام
حضور پیغمبرؐ شدہ بار ہا ۔۔۔ بقلبش ازاں نور انوار ہا
کلامِ خدا را امیں سینہ اش ۔۔۔ پئے مخلصاں وقف گنجینہ اش
چناں نستبش بُد بخیر الوریٰ ۔۔۔ کہ ہر گز نگشتے زسنّت جدا
بہ بزم احبّا لبسے مہرباں ۔۔۔ بہ رزم مخالف چوشیرِ ژیاں
عدورا مطابق بہ تدبیر کرد ۔۔۔ دل اہل آفاق تسخیر کرد
زنورش لبسے سینہ ہا مستیز ۔۔۔ بباطن فقیر و بظاہر امیر
نرفت از درش ہیچ ناکامیاب ۔۔۔ عیاں فیض او صورتِ آفتاب
شداز صحبتش مرد غفلت شعار ۔۔۔ حقیقت شناس و تہجد گذار
ہمہ را بایثار ترغیب دادہ ۔۔۔ بہ ہر کس درِ مہربانی کشاد
شریعت مدار و طریقت پناہ ۔۔۔ حقیقت رس و معرفت درسگاہ
جہاں گشت از بہر تبلیغ دیں ۔۔۔ در آورد دلہا بزیر نگیں
سیاست بتائید او بہرہ مند ۔۔۔ شدہ قوم از ہمتّش سر بلند
بسادہ بیاں کشف اسرار کرد ۔۔۔ لبسے گنج برخلق اظہار کرد
درِ اوصافِ پاکش دلیرانہ گو ۔۔۔ کہ بدخوئی ہر گز نبود اندرو
بہ دُنیا چوں ابرِ بہاراں گذشت ۔۔۔ خراماں ورخشاں وباراں گذشت
زدارِ فنا شد بدار البقاء ۔۔۔ نباید زما ہدیۂ جز دُعا

بروحش خداوند رحمت کند
بجنّت مقام بلندش دہد

آپ کی رحلت ۳۰۔جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱۔اگست ۱۹۷۱ء بروز ہفتہ ہوئی۔ پچاس ہزار سے زائد لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔جس سڑک پر آپ قیام فرماتے تھے۔اس سڑک کا نام ''حکیم خادم علی روڈ'' رکھ دیا گیا ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔آپ کی متعدد تصانیف بھی شائع ہو چکی ہیں۔

مشہور زمانہ طبیب اور فاضل حکیم سیّد علی احمد نیّر واسطیؒ (۱۹۰۱ء۔۱۹۸۲ء) نے آپ کی رحلت پر ماہنامہ ''نباض'' لاہور ستمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۷ پر اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا:۔

''راقم الحروف نے گذشتہ اگست کے آخری ہفتے کے چند دن سوات میں گزارے۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ طب قدیم کی عظیم یادگار جسے حکیم خادم علی کے نام کے یاد کیا جاتا تھا، بھی ہم سے چھن گئی۔

سرزمین سیالکوٹ نے جہاں شاعری میں اقبالؒ کو جنم دیا، وہاں طب میں حکیم خادم علی جیسی عظمت کو پیدا کیا۔ حکیم خادم علی رحمتہ اللہ علیہ علم وعمل میں کمال کے علاوہ تصوّف ، شعر اور ادب میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی فیاضیوں نے وہ تمام خصوصیّتیں مرحوم میں جمع کر دیں تھیں جو آج سے چند سو سال پہلے ہماری قوم میں پائی جاتی تھیں۔

سنا ہے کہ حکیم صاحب نے سو سال سے زائد عمر پائی لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ مدت چشم زدن میں گذر گئی اور ہم اسلاف کی اس دولت مستعجل سے کچھ بھی استفادہ نہ کر سکے۔آپ کی وفات سے نا صرف سیالکوٹ ہی میں اندھیرا چھا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں علم وحکمت کی آخری شمع کے پروانے کی وہ خاکستر بھی نذر حوادث ہو گئی جو رونق محفل کی آخری یادگار تھی۔آہ ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا!
یادگارِ رونق محفل تھی پروانے کی خاک''

زبدۃ الحکماء حکیم آفتاب احمد قریشی (۱۹۲۵ء۔۱۹۸۱ء) نے ماہنامہ ''مجلّہ طبّیہ''

لاہور بابت اکتوبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۵ تا ۶ پر یوں خراج عقیدت پیش کیا:۔

''وہ بلا شبہ اس دور کے قطب تھے۔ ان سے لاکھوں انسانوں نے فیض پایا۔ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ جو بھی دعا کرتے بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کرتی۔ وہ مرد مومن تھے۔'' ان کی نگاہ تقدیر کو بدل دیتی تھی۔ ان کی ذات سے بے اختیار کرامتیں صادر ہوا کرتیں تھیں۔ وہ چشمۂ فیض تھے۔ جس سے لاکھوں انسان شاد کام ہوئے۔ اس کے باوجود انہوں نے بہت کم حضرات کو بیعت کیا۔ فخر سیالکوٹ حکیم خادم علی فرمایا کرتے تھے۔ ''میں خود گنہگار انسان ہوں دوسروں کے بوجھ اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔''

راس الاطبّا حکیم خادم علی طب میں یگانہ حیثیت کے حامل تھے۔ مریض کا معائنہ کرتے تو مریض کا ماضی، حال، مستقبل ان پر روشن ہو جاتا۔ وہ اصل مرض کی نشاندہی کرتے۔ ان کی انگلیوں پر سو سو تھرمامیٹر قربان۔ یتیم لڑکیوں کی شادی کا انتظام اور غریب طلباء کی تعلیم کا اہتمام کرتے، انہوں نے سینکڑوں طلباء کو تعلیم دلائی مگر یہ امداد خاموشی سے کیا کرتے تھے۔

وہ بزرگوں کے مزار پر حاضری بھی دیا کرتے، سرہند شریف، اجمیر شریف اور کلیر شریف جاتے۔ آزادی کے بعد وہ چورہ شریف، پاکپتن شریف، لاہور اور راولپنڈی کا سفر کر کے اپنے ذوق کی تسکین کرتے۔

وہ نغز گو شاعر تھے۔ انہوں نے بارگاہ نبوتؐ میں عقیدت و نیاز مندی کے جذبات کو ذکیہ اشعار کی صورت میں پیش کیا ہے۔

وہ عاشق رسول ﷺ تھے۔ وہ صاحب طرز ادیب تھے، ان کا خط پختہ تھا۔ وہ خود خطوط کا جواب لکھا کرتے تھے۔''

الحاج مولوی عبدالکریم موجؔ ہاشمی نقشبندی (کوٹ جعفر) نے اس طرح خراج تحسین پیش کیا:۔

قبلۂ خادم علی، خادم رسولؐ خادم صدیقؓ و حسنینؓ و بتولؓ

وقف کردہ عمر در تبلیغ دیں — رحمت دیں برروان اونزول
گامزن شد قوم در راہ صفا — سنّت خیر الوریٰؐ کردہ قبول
در طریق نقشبندی شرف او — استقامت باکرامت شد حصول
خلق نیکو پَر تو خلقِ نبیؐ — حلم پیشہ بود در رنج و ملول
ذکرِ حق صبح و مسامرغوبِ او — عشق کامل کرد جسم او ذبول
تربت او بوسہ گاہِ عاشقاں — طالباں را فیض از و پیہم وصول
موجِ راشد بارہا صحبت نصیب — دیدمش بس محودر حبّ رسولؐ

یاالٰہ العالمین توفیق دِہ
تارود برراہ سنّت بااصول

راقم الحروف محمد صادق قصوری نے یہ قطعہء تاریخ وفات کہا۔

''عابد عصر جناب حکیم خادم علی خادم''
۱۹۷۱ء

چلدیئے سلسلہء شاہ جماعت کے ولی — شاعر وصاحب تصنیف وخطیب وعالم
خوب ہے مصرع تاریخ یہ صادقؔ ان کا — ''ساکن بلدۂ جنّت ہیں جناب خادم''
۱۳۹۱ھ

ماخذ

(۱)''سیرت امیر ملّت''مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۹۸،۴۴۲،۷۔
(۲)''جامع اردو انسائیکلوپیڈیا''جلد اوّل مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۵۶۵۔
(۳)''انوار الکریم''از پروفیسر انیس احمد شیخ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء طبع دوم ص ۲۲۸۔
(۴)''وفیات مشاہیر پاکستان''از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۷۰۔
(۵)''تاریخ سیال کوٹ''از رشید نیاز مطبوعہ سیال کوٹ طبع دوم ۱۹۹۸ء ص ۲۲۱۔
(۶) ماہنامہ''انوار الصوفیہ''قصور اپریل مئی ۱۹۶۱ء ص ۴۹،۵۰، ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۱۱، جون ۱۹۷۲ء ص ۲۱۔
(۷) ماہنامہ''ضیائے حرم''لاہور اکتوبر ۱۹۷۱ء ص ۴۸۔
(۸) ماہنامہ مجلّہ طبیہ''لاہور اکتوبر ۱۹۷۱ء ص ۵، ۶۔

(۹) ماہنامہ ’’نباض‘‘ لاہور ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۷۔

(۱۰) ’’اولیائے سیال کوٹ‘‘ از رشید نیاز مطبوعہ سیال کوٹ ۱۹۹۲ء ص ۲۰۳ تا ۲۲۱۔

/☆/☆/☆/☆/

میاں خوشی محمد فیروز پوری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۹۰۱ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۲ء)

میاں خوشی محمد بن میاں جلال الدین جلالؔ نعت خوان (ف ۱۹۵۰ء) کی ولادت ۱۹۰۱ء میں فیروز پور شہر (بھارت) میں ہوئی۔ آباؤ اجداد سے پیشہ زرگری تھا۔ پرائمری تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد ماجد کے ساتھ زرگری کا کام کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست اقدس پر سعادتِ بیعت حاصل کی۔ آپ کے علاوہ تمام خاندان بھی حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ سے شرف مریدی رکھتا تھا۔

ایک دفعہ دشمنوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور آپ کو اپنی طرف سے ختم کر کے پھینک کر چلے گئے مگر آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ و مامون رہے۔ آپ کے والد گرامی میاں جلال الدین مرحوم نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت اقدس میں عریضہ اور تار ارسال کئے۔ جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ:۔

’’میاں جلال دین! فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے خوشی محمد کو خدائے بزرگ و برتر سے مانگ لیا ہے، اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔‘‘

غرض آپ بہت جلد صحت یاب ہو گئے۔ غسل صحت کے بعد آپ دربار عالیہ علی پور شریف حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے تو حضرت قدس سرّہ، آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے لئے تعویذ کی گذارش کی تو حضرت نے فرمایا کہ:۔

’’گھبرائیں نہیں، خوشی محمد کا تعویذ میں ہوں۔‘‘

اس کے بعد والدہ ماجدہ نے کبھی تعویذ کے لیئے عرض نہیں کیا کیونکہ انہیں ضامن

عظیم مل چکا تھا۔

آپ کو حضرت قبلۂ عالم امیر ملّت قدس سرّہ، کیساتھ حج وزیارت کا بھی شرف حاصل ہوا۔ کشمیر، نیلگرھی، حیدر آباد دکن اور پنجاب کے سفروں میں بھی خدمت کا موقعہ نصیب ہوتا رہا۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے ملتان آ گئے۔ ۱۹۵۰ء میں سالانہ جلسہ علی پور سیّداں کے موقعہ پر آپ کو دستار خلافت عطا ہوئی اور پھر تادم زیست خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔

آپ حضرت منشی امام الدین راقبؔ قصوریؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۳۶ء) کے نعتیہ کلام کے بہت بڑے عاشق تھے۔ ان کا کلام بڑے ذوق وشوق سے سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ''مجموعہ ء نعتیات راقبؔ'' کے نام سے ان کے کلام کو تلاش کر کے ۱۹۶۱ء میں ''مکتبہ ء انوار الصوفیہ'' قصور سے چھپوایا جو ۸۸ صفحات پر مشتمل تھا۔

اگست ۱۹۷۲ء میں موضع کھبل (ہری پور ہزارہ) صوبہ سرحد میں حضرت پیر سیّد نذر حسین شاہ صاحب مدظلہٗ کے زیر اہتمام حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے سالانہ عرس مبارک پر حاضر ہوئے۔ واپسی پر ۴۔ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۴۔ اگست ۱۹۷۲ء بروز پیر دریائے سندھ عبور کرتے طبیعت خراب ہوگئی اور جونہی کشتی کنارے لگی، آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی رحلت کی خبر فوراً پیر نذر حسین شاہ صاحب کو پہنچائی گئی۔ آپ تشریف لائے، غسل دے کر نماز جنازہ پڑھائی اور پھر جسد مبارک کو ملتان لائے جہاں ہزاروں آدمیوں نے نماز جنازہ ادا کی اور قبرستان مائی پاک دامن نزد ملتان ریلوے اسٹیشن میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مزار مقدس پر ہر سال ختم شریف ہوتا ہے۔

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۳۴۴، ۴۴۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۳) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۷۷۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ بابت جون ۱۹۳۷ء ص ۳۴، جولائی ۱۹۵۳ء ص ۲۲، ۲۳۔

(۵) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت اگست ۱۹۷۲ء ص ۲۶۔

(٦) قلمی حالات از حاجی محمد شفیع برادر اصغر حاجی خوشی محمد بذریعہ خواجہ عبدالکریم قاصف ایڈووکیٹ ملتان۔

/☆/☆/☆/☆/

سیّد انور حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۲۱ء ـــــــــــــــ ۱۹۷۲ء)

پیر سیّد انور حسین شاہ بن سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) بن امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہؒ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) بن سیّد کریم شاہؒ (۱۷۷۱ء۔ ۱۹۰۲ء) کی ولادت باسعادت ۱۵۔نومبر ۱۹۲۱ء/ ۱۴۔ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ بروز منگل علی پور سیّداں میں ہوئی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے کان میں اذان کہی۔ ساتویں روز "انور حسین" نام تجویز فرمایا اور دو بکرے ذبح کر کے رسم عقیقہ ادا کی گئی۔

مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں کے قاری رحمت علی روپوچکیؒ اور قاری معزالدین رہتکیؒ سے قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر پرائمری تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں میں باقاعدہ داخلہ لے کر ابتدائی کتب فارسی مولوی عبدالستارؒ سے اور گلستان و بوستاں وغیرہ مولوی محمد ابراہیمؒ سے پڑھیں۔ صرف و نحو، معقولات و منقولات اور دورۂ حدیث مولانا عبدالرشید جھنگوی سے پڑھا اور فن تجوید و قرأت قاری عبدالغنیؒ سے سیکھا۔

جد امجد حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست اقدس پر بیعت کی اور پھر اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ آپ بہت پرہیزگار، متقی اور پاکباز تھے۔ ذکر، فکر، مراقبہ اور سحر خیزی کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے۔ نماز باجماعت، قرآن خوانی، اور روزانہ بلاناغہ جدامجد کے مزار مقدس پر حاضری پرتا زیست کاربند رہے۔

آپ نے کل چھ حج کیے۔ پہلا حج ۱۹۴۲ء میں جدامجد کی معیّت میں اور آخری حج ۱۹۶۸ء میں اپنی رفیقہ حیات سیّدہ صفیہ بی بی کے ساتھ ادا کیا۔ عشق رسول ﷺ کی دولت

لازوال ورثے میں ملی تھی۔علمائے کرام کی بہت عزّت فرماتے تھے۔مہمانوں کی خوب خاطر مدارت کرتے۔اپنی ساری جائیداد مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں کے نام وقف کردی تھی۔

۱۹۷۱ء میں کمر درد کی اذیّت ناک تکلیف شروع ہوئی۔پہلے سروس ہسپتال لاہور اور پھر کنعان ہسپتال لاہور میں زیرِ علاج رہے مگر یہ مرض جان لیوا ثابت ہوا اور ۵۔رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۴۔اکتوبر ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ بعد نماز فجر کنعان ہسپتال لاہور میں انتقال فرما گئے۔اگلے روز گیارہ بجے علی پور سیّداں میں ہزاروں عقیدتمندوں نے آپکے برادر اکبر حضرت جوہر ملّت پیر سیّد اختر حسین شاہ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور اپنے جد امجد حضرت امیر ملّت کے مزار مقدس کے دائیں جانب مشرقی مینار میں اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ عاقلہ بی بی (ف ۱۹۶۷ء) کے پہلو میں سپردخاک ہوئے۔

بہت سے شعراء نے ''قطعات تاریخ وصال'' کہے۔بخوف طوالت صرف حضرت صابر براری ثم کراچوی کا قطعہ درج ذیل ہے۔

''آہ روشن جبیں سیّد انور حسین شاہ''

۱۳۹۲ھ

ہوئے راہی خلد وہ ہنستے ہنستے	مگر لوگ ہیں ان کی فرقت میں مضطر
وہ حافظ بھی تھے عالم دین حق بھی	محبت کے خوگر شرافت کے پیکر
زباں پر تھا سرکارؐ کا نام نامی	دم نزع یہ کیف اللہ اکبر
تضاعف میں پائی یہ تاریخ صابر	''ہیں جنت میں اب طبع آگاہ انور''

۹۸۶+۲=۱۹۷۲ء

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۶۸۳۔۶۸۴۔

(۲) ''سیرت انور'' از مفتی غلام رسول گجراتی مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء متعدد صفحات۔

(۳) ''تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں (قصور) ۱۹۹۸ء ص ۸۲تا۸۴۔

(۴) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۳۷۔

(۵) ''تاریخ مشائخ نقشبند'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء ص ۵۴۰۔

/☆/☆/☆/☆/

بخشی مصطفیٰ علی خاں بنگلوری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۸۲ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۴ء)

بخشی مصطفیٰ علی خاں ۱۸۸۲ء میں بنگلور، ریاست میسوُر (حال بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں بی اے کرنے کے بعد محکمہ پولیس میں ملازم ہو گئے اور اپنی نیک نیتی اور خداداد صلاحیتوں کی بدولت ترقی کرتے کرتے ڈی ایس پی (D.S.P) کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچ گئے۔ ۱۹۳۸ء میں ملازمت سے پنشن یاب ہو کر اپنی زندگی کو اپنے پیر و مُرشد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ العزیز کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

۱۹۰۶ء میں جب آپ سنٹرل کالج بنگلور میں ایف اے کے طالب علم تھے، بنگلور میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ العزیز کے دستِ حق پرست پر سعادتِ بیعت حاصل کی اور پھر اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال لیا۔ آپ کے دَورِ طالب علمی اور ملازمت کے دوران جب بھی حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ، بنگلور، میسوُر یا حیدر آباد دکن میں جلوہ افروز ہوتے تو آپ شب و روز حاضر خدمت ہونے کی سعادت و عزّت حاصل کرتے اور اپنی روح و قلب کو نورِ ایمان کی روشنی سے منوّر کرتے۔

آپ بڑے نڈر، بے باک، متدّین اور فرض شناس پولیس افسر تھے۔ جس کام میں کوئی دوسرا افسر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتا تھا، آپ بے تکلّف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ العزیز کی اعانت کے بھروسے پر اس خطرناک مہم کو سر کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے خود اپنا ایک واقعہ مدینہ منورہ سے تحریر فرما کر ارسال فرمایا تھا کہ:۔

''میں مدراس کے علاقے میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ لگا ہوا

تھا۔ ایک مقام پر ہندوؤں کے دو فرقوں میں فساد ہو گیا۔ عوام مندر کے مہنت کے خلاف ہو گئے تھے۔ اور یاترا کے رتھ کے جلوس کے مزاحم تھے۔ دونوں کے مددگاروں کا اژدھام ہو گیا۔ بھاری تعداد میں پولیس بھیجی گئی مگر ہجوم اور فساد بڑھتا ہی گیا۔ پولیس اور حکام کو بیس تیس ہزار کے مجمع نے محاصر میں لے لیا۔

تحصیلدار، تھانیدار اور سپاہی سب اپنی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ فقط مَیں اور دو سپاہی رہ گئے۔ ان دو سپاہیوں میں بھی ایک ہندو تھا اور ایک مسلمان۔ ہر طرف خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ ہمیں بھی اپنی جان کا اندیشہ تھا۔ اُس وقت مَیں نے دیکھا کہ حضرت امیر ملّتؒ تشریف لائے اور میری پُشت پر ہاتھ رکھ کر حکم دیا کہ: ''گھبراؤ مت، اللہ پر بھروسہ رکھو''۔ اب تو مَیں شیر ہو گیا اور پبلک کو منتشر ہو جانے کا حکم دیا اور کہہ دیا کہ اگر چند منٹ میں منتشر نہ ہوئے تو گولی چلا دی جائے۔ مگر مجمع بہت زیادہ مشتعل ہو چکا تھا۔ کسی نے پروا نہ کی۔ چنانچہ ہم نے اللہ کے بھروسے پر فائرنگ شروع کر دی۔ پانچ سات آدمی زخمی ہو گئے تو سب بھاگ کھڑے ہوئے اور ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہ رہا۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ تحصیلدار اور دوسرے افسروں کے ڈیروں کو مجمع نے لوٹ کھسوٹ کے برباد کر دیا تھا مگر میرا ڈیرہ جو اُن کے قریب ہی تھا، بالکل محفوظ رہا''۔

۱۹۳۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد پیر و مرشد کے قدموں کے ساتھ برِصغیر کے اکناف و اطراف میں تبلیغی دوروں پر رہے۔ کئی دفعہ حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ ۱۲/ مئی ۱۹۳۹ء کو برموقعہ سالانہ جلسہ انجمن خدّام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں، آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا گیا۔

۱۷/ اگست ۱۹۵۱ء کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے حکم پر آپ کراچی سے مدینہ

منوّرہ منتقل ہوگئے اور وہاں مکان خرید کر مستقل رہائش اختیار کرلی اور ''جماعت منزل'' کی تعمیر شروع کرائی۔ چنانچہ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے یہ شاندار کئی منزلہ عمارت تیار ہو چکی ہے اور مزید کام جاری ہے۔

تحریک پاکستان میں آپ نے فعال کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۶ء میں ''آل انڈیا سُنی کانفرنس بنارس'' میں حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ کی معیّت میں شرکت کی اور اس کی کامیابی وکامرانی کے لئے مقدور بھر جدوجہد کی۔ حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ اس کانفرنس کے صدر نشین تھے۔ کانفرنس میں ملک بھر میں پاکستان کی حمایت میں ووٹ اور اسلامی حکومت کالائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے اکابرِ اہلسنت کی جو تیرہ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی، بخشی صاحب بھی اُس کے رکن تھے۔ دیگر ارکان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادیؒ (۱۸۸۳ء۔۔۱۹۴۸ء)
۲۔ صدر الشریعت مولانا محمد امجد علی اعظمیؒ (۱۸۷۸ء۔۔۱۹۴۸ء)
۳۔ مبلّغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (۱۸۹۳ء۔۔۱۹۵۴ء)
۴۔ مجاہد اسلام پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈویؒ (۱۸۹۲ء۔۔۱۹۶۰ء)
۵۔ حضرت پیر محمد امین الحسنات مانکی شریفؒ (۱۹۲۲ء۔۔۱۹۶۰ء)
۶۔ محدّث اعظم ہند سیّد محمد محدّث کچھوچویؒ (۱۸۹۴ء۔۔۱۹۶۱ء)
۷۔ فخر اہلسنت مولانا عبدالحامد بدایوانیؒ (۱۸۹۸ء۔۔۱۹۷۰ء)
۸۔ دیوان سیّد آل رسول علی خان اجمیریؒ (۱۸۹۳ء۔۔۱۹۷۳ء)
۹۔ مولانا سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری لاہوریؒ (۱۸۹۶ء۔۔۱۹۶۱ء)
۱۰۔ مولانا سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری لاہوریؒ (۱۹۰۱ء۔۔۱۹۷۸ء)
۱۱۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلویؒ (۱۸۹۳ء۔۔۱۹۸۱ء)
۱۲۔ شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالویؒ (۱۹۰۶ء۔۔۱۹۸۱ء)

آپ بڑے متقی، پرہیزگار اور صالح بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ العزیز آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور آپ کے ظاہر وباطن کی اصلاح وترقی میں توجہ

فرماتے تھے۔آپ کو بھی اپنے شیخ کامل اور سارے پیر خانے سے کمال عقیدت ومحبت تھی۔ اگر کسی سے کوئی بات ایسی سرزد ہو جاتی جو آپ کے خیال میں توہین کا شائبہ بھی رکھتی تھی تو اُس سے بہت سختی سے پیش آتے ، سرزنش فرماتے اور ہمیشہ کے لئے علیک سلیک بند کر دیتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ فنافی الشیخ کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔

آپ بہت بڑے انشاء پرداز، ادیب اور صاحبِ طرز مکتوب نگار تھے۔جیسا کہ درج ذیل خط بنام حضرت مولانا شمس الدین احمد مدنیؒ (۱۸۷۷ء۔۱۹۸۱ء) سے مترشح ہے۔

۷۸۶

محترم المقام مقبول حضرت سیّد الانام (علیہ وعلےٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام) زید مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، طالبِ خیریت ، بخیریت ، اس سے قبل جو مکتوب بندہ نے ارسال خدمت گرامی کیا ہے مشرف ملاحظہ ہوا ہوگا۔ اور اُمید ہے کہ آنجناب معہ جمیع متعلقین بخیر ہیں۔اعلیحضرت قبلہٗ عالم مدظلہم العالیٰ (حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ العزیز) پہلے بھی بہت ناتواں اب رمضان شریف میں ملیریا بخار سے علیل ہو کر اور بھی بہت ناتواں ہو گئے ہیں۔ گو اب بفضلہٖ جل شانہ وحبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل تندرست ہیں۔قبل رمضان ہی بوجہ اپنی نقاہت کھلے الفاظ میں رُوبرو فرمایا تھا کہ میں اب حج کے سفر کے قابل نہیں ہوں اور نہیں جا سکتا ہوں اور بعد ازاں بندہ کو کراچی میں تحریراً بھی حکم پہنچا کہ سُنتا ہوں کہ (صاحبزادہ) نور حسین شاہ نے میرے لئے حج کے سفر کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ خریدنے (کے لئے) لکھا ہے۔اگر یہ سچ ہے تو آپ ہرگز ٹکٹ نہ خریدیں، میں سفر کرنے سے عاجز ہوں۔۔۔وغیرہ۔

آپ اس سال تشریف فرما نہ ہو سکنے کا ہم سب کو عموماً اور بندہ کو بے حد رنج ہے۔ حضرت قبلہٗ عالم ممدوح کی اجازت سے بندہ نے اپنی ہجرت کی تیاری کر لی ہے۔بشرطِ حیات انشاء اللہ تعالیٰ مُلک حبش کی کمپنی کے طیارہ سے بروز جمعرات ۱۶/اگست بارہویں ذیعقد جدّہ شریف پہنچ کر دوسرے یا تیسرے دن بذریعہ موٹر حاضر مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ

وسلم) ہوگا۔ تین ہفتوں کے قیام کے بعد حج کے لئے روانہ ہوکر پھر واپس حرم نبی اکرم (علیہ التحیہ والثناء) ہونے کا عزم بالجزم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے بندہ کی مراد برلاوے۔ آمین ثم آمین۔ آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ بھی اس مبارک مقصد کے لئے بندہ کے حق میں دُعا فرمادیں۔

بندہ نے قریباً قریباً اپنا تمام سامان بحری جہاز سفینۂ عرب پر اپنے مخلص برادرِ طریقت محمد مصطفیٰ بیگ صاحب کے حوالے بھیج دیا ہے۔ سفینۂ عرب پرسوں یکشنبہ (اتوار) و دوشنبہ (پیروار) کی درمیانی شب (۳۔۴/شوال) کراچی سے روانہ ہوگیا ہے۔ غالباً وہ ۱۵/ یا ۱۶/ جولائی (۱۰/ یا ۱۱/شوال) تک جدّہ شریف میں لنگر انداز ہوجاوے گا۔ حاجی محمد مصطفیٰ بیگ صاحب جوانِ صالح، منکسر المزاج اور کم سخن اور بڑے نیک آدمی ہیں۔ بندہ کو ان سے بہت محبت ہے۔ یہ کراچی کی ٹراموے کمپنی میں کلرک ہیں۔ ان کا حج سالِ گذشتہ ہونا تھا مگر اُن کی سفرِ حج کے لئے رکھی ہوئی رقم دھوکہ سے ایک شخص نے قرض لی جو وہ تاقیامت ادا نہیں کرسکتا۔ محمد مصطفیٰ بیگ صاحب جدہ شریف سے سیدھے مدینہ منوّرہ اور آپ کے در اقدس پر پہنچیں گے اور اُن کا ارادہ مدینہ طیبہ میں حج کے قریب ایام تک افزود ٹیکس ادا کرکے ٹھہرنے کا ہے۔ آپ اگر اپنے درِ دولت داریں کے زیر سایہ قیام کرنے، اُن کو بستر دراز کرسکنے کے لئے صرف اتنی جگہ عنایت فرما کر اپنے دستر خوان کا پس خوردہ کھلاتے رہیں تو یہ نہ صرف اُن پر احسان ہوگا بلکہ اس بندہ پر بھی بہت بڑا احسان ہوگا۔ اِن کے ہمراہ دواور اصحاب بندہ کے دھوبی کا باپ اور چچا ہیں، جو اجمیری ہیں اور کراچی میں مہاجر ہیں۔ بالکل بے علم کندۂ ناتراش ہیں۔ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے سایہ میں پیدائش کا اثر ہے کہ حج کا شوق ہوا ہے۔ اِن صاحبوں کو اُن کے معلّم صاحب پر چھوڑ دیویں آنجناب کے درِ دولت کے قریب کوئی سستا کمرہ کرایہ پر دلا دیویں۔ یہ اپنا پکوان وانتظام خود کرلینے والے ہیں۔ چونکہ بندہ کا بہت سا سامان ایک حاجی کے حوالہ جہاز پر نہیں جاسکتا تھا، (لہذا) بندہ نے اِن دونوں کو جناب حاجی محمد مصطفیٰ بیگ صاحب کے ہمراہ کردیا۔

شوال کے آخری ہفتہ میں بندہ پھر عازم علی پور سیّداں ہوگا کہ روانگیٔ حجازِ مقدس

سے پہلے پھر حضور قبلۂ عالم سے سعادتِ اقدامبوسی سے مشرّف ہو۔

بندہ کے لائق کوئی خدمت ہو تو بواپسی ڈاک ارشاد فرمائیں تاکہ روانگی سے قبل تعمیل ہو سکے۔

عزیزم مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی خدمت میں بندہ کے سلام مسنون۔ ان کی اہلیہ صاحبہ محترمہ اور آنجناب کی دختر نیک اختر کی خدمات میں بھی بندہ کے مخلصانہ سلام مسنون ونور چشم سلمہ وحبیب الرحمٰن وبدر النساء کو دعاودیدہ بوسی، سب کی خدمات میں بندہ کے حق میں عرض دعا۔

نیازمند

بخشی مصطفیٰ علی خاں عفی اللہ عنہ

از کراچی ۵۔ شوال المکرّم ۱۳۷۰ھ

۱۰۔ جولائی ۱۹۵۱ء یوم سہ شنبہ (منگلوار)

آپ کے مدینہ شریف میں مستقل طور پر قیام فرما ہونے کے بعد آپ کے برادر طریقت حضرت سیّد محمود شاہ محدث ہزارویؒ (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۲ء) نے یوں منظوم خراج تحسین پیش کیا۔

ساکنان کوئے محبوبِ خدا	صد مبارک باد بر بخت شما
ایں کرامت ہا و نعمت بالبشر	مرشما بادا سلامت و برتر
ادب و عشق و قربِ وصلِ مصطفیٰؐ	در بہار بے خزانی بلبلا
در نصیبِ پاک تاں حسن ازل	قسمت مہجور شد لیت ولعل
وائے بردوریء و مہجوریء ما!	ہمت ارباب ھمم بر بے نوا
از کرم باشد اگر نامم بری	درجناب مفخر پیغمبری
کمتر ہزاراں ادب می گوید غلام	تا ابد از حق صلوٰۃ وہم سلام
شد کرم چوں پیش خواہم بعد ازیں	بے سبب یا رحمتہ للعالمینؐ
بہر آلِ پاک و اصحابِ کرام	قرب و رضوان شما والسّلام

علیک من الملیک بکل وقت! صلوتی فے الجنان لھاداء'
اد ختمت تعاد فکلّ تال لہ' وقف علیھا وابتداء'!

آپ کی وفات حسرت آیات ۵/ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۲/ستمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار مدینہ طیبہ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ایک صاحبزادہ بخشی مقبول مصطفیٰ خاں (۱۹۲۳ء۔۱۹۸۷ء) یادگار چھوڑے جو میجر جنرل کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر کراچی میں مقیم تھے اور وہیں وفات پا کر قبرستانِ مسلّح افواج شارع فیصل کراچی میں سپردِ خاک ہوئے۔

آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار چھوڑیں:۔

(۱) آفتابِ عالمتاب:۔ اس کتاب میں حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ کی مختصر سوانح عمری اور مذہبی، ملّی اور سیاسی کارناموں کا تذکرہ ہے۔

(۲) کوکبۂ غزوۂ بدر:۔ اس میں جنگِ بدر اور اس میں شریک ہونے والے تمام غازیوں اور شہیدوں کے مختصر حالاتِ زندگی لکھے گئے ہیں۔

(۳) تصویر یا تصوّر:۔ حُرمتِ تصویر اور اہمیت تصوّر پر نہایت مدلّل رسالہ ہے۔

(۴) جواہر المناقب:۔ فضائل و مناقبِ حضرت سیّد امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مختصر سا رسالہ ہے۔

(۵) سبحۂ اصحاب بدر:۔ اصحابِ بدر کے اسماء و فضائل وغیرہ۔

(۶) کراماتِ امیرِ ملّت:۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کی مسلّمہ، مصدقہ اور مستند کرامات پر نادر کتاب ہے۔

ماخذ

(۱) ''خفتگانِ کراچی'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۵۔

(۲) ''آفتاب عالمتاب'' از بخشی مصطفیٰ علی خاں مطبوعہ کراچی ۱۹۶۳ء ص ۴، ۵۔

(۳) ''سیرت امیرِ ملّت'' از سیّد اختر حسین شاہ مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۳۵۔۷۳۶۔

(۴) ''۱۲ عاشقانِ رسول ﷺ'' از اشفاق حسین قریشی مطبوعہ لاہور، مئی ۱۹۹۱ء۔ ص، ۴۰۔

(۵) ''تذکرہ شہ جماعت'' از سیّد حیدر حسین علی پوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۶) ''کراماتِ امیر ملّت'' از بخشی مصطفیٰ علی خان، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۷۳ تا ۷۷۔

(۷) ''تذکرہ نقشبندیہ'' از مولانا نور بخش تو کلی (تکملہ از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۹۳۔

(۸) راہِ صفا'' از سیّد محمود شاہ ہزاروی مطبوعہ لاہور طباعت اول سن ندارند، ص ۱۳۔۱۴۔

(۹) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ، بابت اگست، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۳۹ء، ص ۶۔

(۱۰) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت نومبر ۱۹۷۴ء ص ۳۰۔

(۱۱) ماہنامہ ''الحبیب'' لاہور بابت اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۱۵۔

(۱۲) مکتوبِ گرامی بخشی مصطفیٰ علی خان بنام مولانا ضیاء الدین احمد مدنی از کراچی محررہ ۱۰ / جولائی ۱۹۵۱ء۔

(۱۳) سہ ماہی ''تصوف'' کراچی بابت اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص ۴۰ تا ۴۳۔

/☆/☆/☆/☆/

حافظ سُلطان احمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۲۰ء ـــــــــــــــــــــ ۱۹۷۵ء)

مُغل تاجدار شاہ عالم ثانی (۱۷۲۷ء۔ ۱۸۰۶ء) نے دیارِ حرم سے ایک بزرگ حضرت صفی اللہ مکّی رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر اپنی مملکت کا مفتیٔ اعظم مقرر کیا۔ ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی کی رحلت کے بعد حضرت صفی اللہ مکّی رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے پشاور منتقل ہو گئے۔ حکومتِ وقت نے اُن کو یہاں محلّہ کرم خاں نزد چوک شادی پیر سے لے کر بھولو کے بالا خانہ تک اور اُس کے اردگرد چالیس جریب زمین عطا کی لیکن انہوں نے اپنی درویش صفت طبیعت اور دریا دلی کے باعث تمام زمین غرباء اور ضرورتمندوں میں مفت تقسیم کر دی۔

پشاور کی مشہور عام تاریخی مسجد ''مسجد مہابت خاں'' کی تولیّت بھی حکومت کی طرف سے اُن کے سپرد کی گئی تھی۔ حضرت چونکہ بہترین قاری اور حافظ قرآن تھے۔ لہٰذا تازیست اسی مسجد میں مسلمانوں کو اپنی پُرسوز آواز میں قرأت سے مستفیض و مستفید فرماتے رہے۔ اُن کی رحلت کے بعد اُن کی اولاد امجاد نے اُن کی مسند کو بحسن وخوبی سنبھالے رکھا۔ اُن کے اخلاف میں سے حافظ سید احمد نے اپنے زمانہ میں شہرتِ عام بقائے دوام حاصل کی۔ حافظ صاحب جملہ علومِ متداولہ پر ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ مسجد مہابت خاں میں جب اذان کہتے تو ہر سُننے والا تمام کام چھوڑ کر ہمہ تن گوش ہو جاتا، یہاں تک کہ غیر مسلم بھی تحیّر کی حالت میں کھڑے کے کھڑے رہ جاتے۔ اُنہوں نے چالیس برس تک محض رضائے الٰہی کی خاطر مؤذن کی خدمات انجام دیں۔ اُن کی پارسائی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے لوگ اُن کو ''صوفی صاحب'' اور اُن کے خاندان کو ''مشائخ پشاوریہ'' کے نام سے پکارتے تھے۔

حافظ صوفی سید احمد کے ہاں ۱۹۲۰ء میں محلّہ کرم خان پشاور میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''سُلطان احمد'' رکھا گیا۔ یہی بچہ آگے چل کر حافظ سُلطان احمد پشاوری کے نام سے مشہور ہوا اور امیر ملّت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوریؒ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) کے دامن سے وابستہ ہو کر رُوحانیت کا ایک فلک بوس مینار بنا۔ ذیل میں ہم اُسی قدسی نفس بزرگ کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

حافظ سُلطان احمد نے اپنے بڑے بھائی حافظ علی احمد مکّی مرحوم سے حفظ قرآن پاک کیا۔ پھر پرائمری کا امتحان پاس کرنے کے بعد بقیہ تعلیم اپنے بڑے بھائی کے حضور ہی رہ کر حاصل کی۔ سنِ بلوغت کو پہنچے تو بندوقیں بنانے کے ایک کارخانے میں ملازم ہو گئے۔ چند سال بعد پی ڈبلیو ڈی کے محکمہ میں بطور لوہار بھرتی ہو گئے۔ اور ترقی کرتے کرتے ہیڈ مستری کے عہدہ پر پہنچ گئے۔ رحلت کے وقت اسی عہدہ پر متمکن تھے۔

آپ نے اوائل عمری میں ہی حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی۔ بعد ازاں حضرت اقدسؒ نے آپ کی پارسائی، نیک نفسی اور زہد و تقویٰ کے

پیش نظر دستار خلافت سے بھی نوازا۔ آپ نے یہ دستار مبارک بڑی احتیاط اور حفاظت سے رکھی اور ورثاء کو وصیّت کی کہ:۔

"میری رحلت کے بعد یہ مبارک دستار مجھے باندھنا"۔

چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو ابھی ابھی "دستارِ خلافت" ملی ہے۔ کیونکہ اُس وقت آپ کا چہرہ مبارک نہایت پُر نور اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ حکیم الامّت حضرت علامہ اقبالؒ (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) نے سچ کہا ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم چو مرگ آید تبسم بر لبِ اُوست

آپ کو حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی۔ اکثر و بیشتر علی پور شریف حاضر ہوتے رہتے تھے۔ حضرت اقدس، پشاور تشریف لاتے تو آپ کے ہاں قیام فرماتے۔

پشاور میں آپ امیر حلقہ تھے۔ ہر جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب پابندی کے ساتھ آپ کے ہاں حلقۂ ذکر منعقد ہوتا تھا۔ یارانِ طریقت کی خبر گیری اور خدمت آپ کا شیوہ تھا۔ اور توسیع سلسلہ عالیہ میں ہمہ وقت منہمک رہتے تھے۔ رمضان المبارک میں ہر سال اپنے محلے کی مسجد (گھڑے کوزے والی مسجد) میں تین بار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ دفتر سے گھر آتے جاتے راستے میں دو قرآن پاک اور ایک قرآن شریف گھر پر ختم کرتے تھے۔ بچوں کو بھی قرآن حکیم پڑھنے کی ہر وقت تلقین کرتے تھے۔

جب آپ ملازمت میں آئے تو مزدور طبقہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہا تھا۔ افسران بالا اُن کے مطالبات کو ماننا تو کُجا، سُننے کو بھی تیار نہ تھے۔ ان حالات میں آپ نے "مزدور یونین" کی بنیاد رکھی اور اس کا نام "ویسٹ پاکستان فیڈریشن آف ٹریڈ یونین" رکھا۔ جس میں آپ کو کثرتِ رائے سے جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس عظیم ذمہ داری کو اُٹھانے کے بعد آپ نے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ آپ نے مزدوروں کی تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ منوایا۔ اس کے بعد "ورک چارج" ملازمین کو مستقل کروانے کے لئے مطالبہ اُٹھایا۔ اور یہ کیس "سپریم کورٹ" جیسی اعلیٰ عدالت تک لڑا

گیا۔ اور آخر کار بھٹو حکومت نے ''سپریم کورٹ'' کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ۱۹۷۳ء میں ''ورک چارج ملازمین'' کو مستقل کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح آپ کی مساعی جمیلہ سے بے شمار غریب ملازم تحفظ میں آ گئے۔

آپ بڑے عابد و زاہد، متوکّل اور مہمان نواز تھے۔ شریعتِ حقہ پر پابندی کا خصوصی طور پر خیال فرماتے تھے اپنے دفتر میں مزدوروں میں تبلیغ فرماتے رہتے تھے۔ اگر کسی کو کوئی کام خلافِ شرع کرتا دیکھتے تو فوراً اُس کو ٹوکتے۔ آپ کی ان گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے لوگ آپ کے گرویدہ تھے۔

آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ حافظؔ تخلص فرماتے تھے خلیفہ امام الدین پشاوری (ف۱۹۵۲ء) کی رحلت پر آپ نے جو فراقیہ اشعار لکھے وہ سوز و غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

عاشق نامِ محمدؐ وہ امام الدین یار دارِ فانی سے ہوا عازمِ دارالقرار
زاہد و عابد ، مکرّم ومحترم خواجگانِ نقشبند پر تھا فداوجاں نثار
پیر بھائیوں سے محبت آپ کا دستور تھا شاہِ جماعت کی غلامی سے جبیں تھی داغدار
اللہ اللہ شاہِ جماعت کی توجہ سے ہوئے صالح وعابد، خلیق وغمگسار وملنسار
ماہ تھا ذیعقد کا جس میں ہوا اُن کا وصال سال تیرہ سو اکہتر ہجرتِ نبوی شمار
کنجِ تنہائی میں گریاں حافظؔ ناشاد ہے کون دے دل کو تسلّی تا کہ جائے غم کا بار

رحلت سے ایک ہفتہ قبل اچانک پیٹ میں شدید درد ہوا، جس کی بناء پر ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ڈاکٹروں نے اپریشن کیا مگر کوئی نقص معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن اس سے تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مگر اس عالمِ کرب میں بھی پابندیٔ نماز کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آخری وقت تک لیٹے لیٹے نماز ادا کرتے رہے۔ چھوٹے صاحبزادے ظہور احمد باقاعدگی سے وضو کرایا کرتے۔ دوسرے صاحبزادے ضیاء احمد قرآن پاک سناتے تھے۔ آپ شدید تکلیف کے باوجود غور سے سُنتے ۔ ایک دن صاحبزادہ نے ''سورہ یٰسین'' میں دو الفاظ غلط پڑھے تو ہاتھ کے اشارے سے نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ جب دوبارہ اسی طرح غلط پڑھا گیا تو فوراً

آنکھیں کھول کر فرمایا:۔

"بیٹا ابھی تک مجھے آپ کے پڑھنے کی صحیح آواز آ رہی تھی،
لیکن اب جو الفاظ غلط پڑھے ہیں، اُن کو صحیح پڑھو"۔

۲۶/ نومبر کو صبح ۸ بجے اپنے صاحبزادوں اور چند دیگر رشتہ داروں سے فرمایا کہ "میرے منہ پر رُومال ڈال دو"۔ پھر فرمایا کہ "مجھے فرشتے نظر نہیں آ رہے، آج وہ چھٹی پر ہیں"۔ اس کے بعد ارشاد کیا کہ "آج شب چھ بجے آپ کو خدا حافظ کہوں گا"۔ اس بار سب کو یقین ہو گیا کہ آج آپ کا آخری دن ہے۔ چند لمحوں بعد دونوں ہاتھ پھیلا کر سب کو پکار کر کہا:۔

"بھئی! فرشتے آ رہے ہیں، سب دُرود شریف پڑھیں"۔

سب نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کافی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ:۔

"میری قبر میرے دادا کی قبر کے نزدیک بنانا اور میری قبر کچی بنانا اور
پانی اتنا گرم نہ کرنا کہ میری جلد ہی جلے اور زمین کو بھی تکلیف ہو"۔

۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۷/ نومبر ۱۹۷۵ء بروز جمعرات پونے چھ بجے رات لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور میں رحلت فرما گئے اور دوسرے دن بروز جمعۃ المبارک بارہ بجے آبائی قبرستان واقع پھندو روڈ میں ہزاروں اشکبار آنکھوں نے سپردِ خاک کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ماخذ

(۱) "سیرتِ امیر ملت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۳۸۷۔

(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء۔ ص ۷۶۔

(۳) "تذکرہ حفاظ پشاور" از سیّد محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۱۱۱۔

(۴) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" سیالکوٹ ستمبر ۱۹۵۲ء۔ ص ۱۳۔

(۵) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" قصور، جنوری، فروری، ص ۴۰۔

(۶) مکتوب گرامی حاجی طلاء محمد نقشبندی بنام محمد صادق قصوری از پشاور محررہ ۲۲/ فروری ۱۹۷۷ء۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد بشیر حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۲۱ء ــــــــــــــــ ۱۹۷۶ء)

بشیر الملت حضرت پیر سیّد بشیر حسینؒ بن شمس الملت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۸ء) بن امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہؒ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) بن سیّد کریم شاہؒ (۱۷۷۷ء۔۱۹۰۲ء) کی ولادت ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں علی پور سیّداں میں ہوئی۔

مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں سے حفظِ قرآن پاک کے بعد درس نظامی کی تکمیل کی۔ جدّ امجد حضرت امیرِ ملت قدس سرّہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ بڑے عابد و زاہد اور عالم باعمل تھے۔ فنِ تقریر میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ آپ کے دستِ مبارک پر ہزاروں لوگوں نے سعادتِ بیعت حاصل کی۔ کئی مرتبہ حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرّف ہوئے۔ طبیعت بہت سادہ اور درویشانہ تھی۔ سالانہ عرس مبارک علی پور سیّداں کے موقعہ پر آپ کا خصوصی خطاب ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں بھی آپ کی تقاریر اطراف و اکنافِ ملک میں بڑے ذوق و شوق سے سُنی جاتی تھیں۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۸/ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ/ ۲۹، اپریل ۱۹۷۶ء بروز جمعرات سول ہسپتال سیال کوٹ میں چار بجے صبح ہوئی۔ وفات سے قبل دو ماہ علیل رہے۔ اسی روز ۵ بجے شام ہزاروں عقیدتمندوں نے جوہرِ ملت حضرت پیر سیّد اختر حسین شاہؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی اور حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے مزار اقدس کے جانبِ جنوب سپرد خاک کر دیا گیا۔

بہت سے شعرائے کرام نے قطعاتِ تاریخ وفات کہے مگر یہاں بخوفِ طوالت صرف حضرت ابوالطاہر فدا حسین فدا لاہوریؒ کا قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

وہ سیّد بشیر حسین آج آہ! ہوئے اہل دُنیا سے مستور واللہ

نبیرہ تھے پیر جماعت علیؒ کے وہ مغفور و مرحوم و مبرور واللہ

گلِ تر گلستانِ سادات کے وہ ریاضِ جناں میں ہیں مسرور واللہ
جدا ہو گئے ناگہاں وہ جو ہم سے تھا اللہ کو یہ ہی منظور واللہ
غمِ سیّد والا جاہی میں بیشک ہے چرخِ ستم گر بھی رنجور واللہ
سراپائے علم و عمل، شیخ ذی شان مئے عشق و عرفاں سے مخمور واللہ
تجلّائے عشقِ محمد ﷺ سے اُن کی لحد ہو گئی نور علیٰ نور واللہ

فدا مجھ سے ہاتف نے بے روئے برزخ
۲
کہا سالِ ترحیل ''مغفور واللہ''
-۲=۱۳۹۶ھ

ماخذ

(۱)''سیرتِ امیر ملّت''مطبوعہ علی پور سیّداں، ۱۹۷۵ء ص۶۹۶، ۶۹۷۔
(۲)''تذکرہ اولیاءِ علی پور سیّداں''مطبوعہ بُرج کلاں (قصور) ۱۹۹۸ء۔ص۸۴تا۸۷۔
(۳)''وفیاتِ مشاہیرِ پاکستان''از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۹۰ء۔ص۴۴۔
(۴)''تاریخِ مشائخ نقشبند''از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء ۵۲۳۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد سلیمان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۰ء-----------۱۹۷۷ء)

حضرت مولانا محمد سلیمان صدیقی کی ولادت ۱۹۰۰ء میں ضلع حصار (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ہوئی۔ دورانِ تعلیم سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء بروز پیر آٹھ بجے صبح مسجد پٹولیاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور کی چھت پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے شرف بیعت حاصل کیا۔ آپ ضلع حصار کے سب سے پہلے شخص تھے جو امیر ملّتؒ وابستہ ہوئے۔ اس کے بعد ہزاروں افراد نے حضرت اقدسؒ سے روحانی استفادہ

کیا اور دین و دنیا کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

مارچ ۱۹۲۱ء میں ڈسٹرکٹ خلافت کانفرنس لائل پور حضرت امیر ملّتؒ کی صدارت میں منعقد ہوئی تو آپ اس وقت زرعی کالج لائل پور میں زیر تعلیم تھے۔ان دنوں آپ نے پیر و مرشد کی بابرکت صحبت سے پورا پورا استفادہ کیا۔کانفرنس کی مکمل رپورٹ مرتب کر کے اپریل ۱۹۲۱ء کے ''انوار الصوفیہ'' میں شائع کرائی۔اس رپورٹ سے آپ کی حضرت امیر ملّتؒ سے والہانہ محبت لفظ لفظ سے عیاں تھی۔چنانچہ حضرت والا نے اس خدمت کو بنظر استحسان دیکھا اور آپ کو اپنا وقائع نگار مقرر فرمایا۔۱۹۳۲ء میں حضرت اقدس نے آپ کو سفر حج مبارک میں ہمرکابی کا شرف بخشا۔اس مبارک سفر کی تمام رپورٹ آپ نے ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' ماہ اگست ۱۹۳۲ء میں شائع کرائی۔

حصول علم کے بعد آپ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ضلع حصار میں مختلف مقامات پر ہیڈ ماسٹر کی آسامی پر فائز رہے۔اس دوران حضرت امیر ملّتؒ حصار کے علاقہ میں تشریف لاتے تو آپ ہر خدمت بجالاتے اور توسیع سلسلہ میں ہر ممکن خدمت انجام دیتے۔آپ کی تبلیغی خدمات سے خوش ہو کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے ۱۹۳۷ء میں آپ کو اجازت خلافت سے نوازا۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس میں آپ وقائع نگار خصوصی کی حیثیت سے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے ساتھ اجلاس میں شریک ہوئے۔اس تاریخی اجلاس کی صدارت حضرت اقدس امیر ملّتؒ نے فرمائی تھی۔آپ نے اس اجلاس کی مفصّل کاروائی ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ میں شائع کروائی تھی۔جس کی تلخیص بعد میں ''انور الصوفیہ'' قصور شمارہ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں بھی چھپ چکی ہے۔اس رپورٹ سے آپ کی قابلیّت، اہلیت اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے صاحبزادگان والا تبار سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) اور شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۸ء) نے بھی آپ کو دستار خلافت سے نوازا تھا۔پاکستان بننے کے بعد ڈیرہ غازی

خان میں آ کر مقیم ہو گئے۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر کبر سنی کی وجہ سے اپنے مکان ایل بلاک میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار کر ۱۴۔ فروری ۱۹۷۷ء مطابق ۲۴۔ صفر المظفر ۱۳۹۷ھ بروز پیر راہی ملک عدم ہوئے۔

ماخذ

(۱) ''تذکرہ شاہ سکندر کیتھلی'' از پروفیسر سیّد خورشید حسین بخاری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۸۷۔

(۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت مارچ اپریل ۱۹۷۷ء ص ۲۳۔

(۳) مکتوب گرامی اظہار الحسن نواسہ حقیقی مولانا محمد سلیمان صدیقیؒ بنام محمد صادق قصوری از ڈیرہ غازی خان محررہ ۶۔ اپریل ۱۹۷۷ء۔

(۴) ''حضرت سراج الملّت اور ان کے خلفاء'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ ۱۹۹۴ء ص ۳۶ تا ۳۷۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد نور حسین علی پوری رحمتہ اللہ علیہ
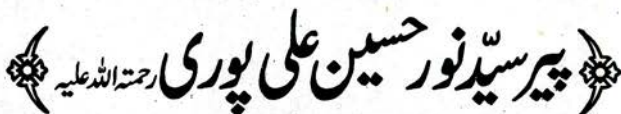
(۱۸۹۹ء ــــــــــــ ۱۹۷۸ء)

شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہ ابن امیر ملّت سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ تاریخی نام ''اعظم شاہ'' ہے۔ جس سے ۱۳۱۷ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔ آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ شکل وصورت میں والد گرامی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ جوانی میں نہایت حسین وجمیل اور شاندار وجاہت کے حامل تھے۔ بلند قامت، خوش پوش، سیاہ شیروانی اور سفید عمامہ باندھ کر راستہ چلتے تو سب کی نظریں آپ کی شان وشوکت سے خیرہ ہو کر رہ جاتیں اور دل آپ کی جانب کھنچے چلے جاتے۔ آخر عمر میں کبر سنی اور عوارضات نے آپ کو بہت کمزور کر دیا تھا مگر پھر بھی چہرہ مبارک سے وجاہت اور شان ہویدا تھی۔

آپ نے قاری شہاب الدین علی پوری رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حافظ عبدالرحمٰن (ف ۱۹۲۳ء) سے قرآن پاک حفظ کیا۔ پرائمری سکول علی پور سیّداں سے پرائمری کا امتحان اعلیٰ پوزیشن میں پاس کرنے کے بعد مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں سے درس نظامی کی تکمیل کر کے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر والد گرامی قدر حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کے دست مبارک پر بیعت کی اور خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے۔

آپ کی شادی خانہ آبادی ۱۱۔ مئی ۱۹۱۶ء کو سالانہ اجلاس انجمن خدام الصوفیہ ہند منعقدہ علی پور سیّداں کے موقعہ پر ہوئی۔ بہت سے شعرائے کرام نے سہرے پڑھے، بخوف طوالت صرف راقبؔ قصوری (۱۸۸۳ء۔۱۹۳۶ء) کا سہرہ درج ذیل ہے۔

روئے زیبا پہ سجا خوب دل آرا سہرا — بھولی بھالی سی صورت ہے تو پیارا سہرا
تم ہو اولاد علیؓ تم ہو نور حسینؓ — خلد سے حوروں نے آ کے سنوارا سہرا
سب ہیں مشتاق تمہارے تمہیں سہرے کی خوشی — یوں ہوا سب سے سوا تم سے تمہارا سہرا
پھول یوں پھولے کہ جامے میں سماتے ہی نہیں — نذر کس رشک چمن کی یہ گزارا سہرا
کس قدر اس کو بڑھا شوق قدمبوسی کا — نیچے جھک جھک کے جو کرتا ہے اشارا سہرا
دلہن و دولہا کی ہر بات بنائے بنے — کیا ہی بن بن کے ہے مالن نے سنوارا سہرا
سر پہ سہرا ہے تو سہرے پہ ہے پھولوں کی پھبن — تو جو سہرے کو ہے پیارا، تجھے پیارا سہرا
کیا لڑی سہرے میں ہر ایک لڑی کی قیمت — موتیوں سے جو بنا سارا کا سارا سہرا
چار چاند آج جو اس چاند سے چہرے کو لگے — رشک خورشید ہوا آنکھ کا تارا سہرا

اور سہرے بھی بہت ہم نے سنے ہیں راقبؔ
ہے نئی شان کا لیکن یہ تمہارا سہرا

حافظ خلیل الدین حسن حافظؔ پیلی بھیتیؒ (۱۸۶۰ء۔۱۹۲۹ء) نے تاریخ نکاح کا یہ قطعہ کہا۔

تقریب نکاح میں ہے کیا زینت و زین — اللہ مبارک ہو قرآن السعدین
حافظؔ نے کہا مصرعِ سالِ تقریب — ”نوشا بنا سعد نشاں نور حسین“
۱۳۳۴ھ

آپ ابتدا ہی سے پابندی شریعت اور اتباع سنت پر سختی سے کاربند تھے۔ تقویٰ، پرہیز گاری، دریا دلی، خوش طبعی اور خوش اخلاقی آپ کے اوصاف حسنہ کی امتیازی صفات تھیں۔ بچپن سے ہی نماز تہجد سے قبل غسل کرنے کی عادت تھی جو تا آخر قائم رہی۔ سخاوت اور دریا دلی میں بے مثال تھے۔ خود چودہ مرتبہ حج و زیارت سے مشرّف ہوئے اور ہر سال کئی درویشوں اور عزیزوں کو اپنے خرچ پر حج و زیارت سے بہرہ مند فرماتے۔ تبلیغ و ارشاد سے کامل دلچسپی تھی۔ شروع سے ہی دور دراز مقامات کے طویل دورے فرماتے رہتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں حیدر آباد دکن، بمبئی، میسور، بنگلور، مدراس اور جنوبی ہند کے علاقے آپ سے مستفید و مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ پہلی دفعہ ۱۹۲۲ء میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور آخری بار ۱۹۷۶ء میں۔ ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۷۶ء تک مسلسل ہر سال تشریف لے جا کر تبلیغی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔

آپ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مہمانوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور بار بار اس اصرار سے کھلاتے کہ مہمان عاجز آ جاتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ زائرین صبح کے ناشتے کے بعد ریل سے روانگی کی اجازت لے چکے ہوتے مگر ناشتہ آتا تو تفصیل اور اصرار سے ایک ایک چیز کھانے کی تاکید فرماتے۔ بارہا سب نے سنا کہ آپ یہ بھی فرماتے کہ "پیٹ بھر کے کھاؤ"، اتنا کھا لو کہ بس اس کے بعد شام ہی کو ضرورت پڑے۔ لوگ بس کرنے لگتے تو "بارہا فرماتے، خوب کھاؤ، سیر ہو کر کھاؤ، کچھ نہیں ہوگا، کوئی نقصان نہیں ہوگا، ریل نہیں جائے گی"۔ اور ہوتا یہی کہ ناشتے میں زیادہ وقت صرف ہونے پر بھی ریل مل جاتی تھی۔ خود راقم الحروف کے ساتھ کئی ایسے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی معیّت میں تمام دینی، سیاسی اور رفاعی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا۔ فتنۂ ارتداد، تحریک خلافت، تحریک کشمیر، تحریک شہید گنج، تحریک پاکستان اور دیگر تمام تحریکوں میں نہایت سرگرمی سے مستعد عمل رہے اور جیب خاص سے زر کثیر خرچ کر کے طویل دورے کیے۔ ضرورت مندوں اور سائلوں کی مالی اعانت آپ کا

محبوب مشغلہ تھا۔

آپ اپنے برادر اکبر سراج الملت پیر سیّد محمد حسین شاہؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) سجادۂ نشین اوّل کی رحلت کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور سجادگی کی ذمہ داریاں تازیست بحسن وخوبی سرانجام دیں۔ آپ کے عہد سجادگی میں علی پور شریف کی خانقاہ روحانیت کے پیاسوں کا خصوصی مرکز بنی رہی۔ حضرت امیر ملّت اور حضرت سراج الملت قدس اسرارہم کے بعد جس طرح آپ نے خانقاہی نظام چلایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تشنگانِ معرفت آتے اور اپنی جھولیاں نورِ ایمان وایقان سے بھر کر لے جاتے۔

آپ کی شخصیت اتنی پیاری تھی کہ ہر کوئی کشاں کشاں چلا آتا تھا۔ آپ کی باتوں میں گُلوں کی سی خوشبو تھی۔ دل چاہتا تھا کہ وہ باتیں کرتے رہیں اور سننے والا سنتا ہی رہے اور پھر تمام عمر اسی میں ہی تمام ہو جائے۔ آپ نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو کا مظہر اکمل تھے۔ ہر شخص سے اس طرح گفتگو فرماتے کہ وہ یہ سمجھتا، حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ اُن سے ایک دفعہ ملنے والا دوبارہ ملنے کی حسرت لئے پھرتا تھا۔ حضرت سعدی شیرازی قدس سرّہٗ نے ایسی ہی باکمال ہستیوں کے بارے میں کہا ہے۔

افسوس برآں دیدہ کہ رُوئے تو ندیدہ است

یا دیدہ وبعد از تو بروئے نگریدہ است

آپ کے بعد یہ خصائل اگر کسی شخصیت میں دیکھے گئے تو وہ مجاہدِ ملّت مولانا محمد عبدالستار خان نیازیؒ (۱۹۱۵ء۔۲۰۰۱ء) تھے۔ آہ! وہ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ بھلا آپ کے والد گرامی حضرت امیر ملّت قدس سرّہ کے عشقِ رسول علیہ التحیہ والثناء کی داستانوں سے کون واقف نہیں ہے۔ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا بھی عاشقِ صادق تھا۔ حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامِ نامی اسمِ گرامی سُنتے ہی آپ کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔ آپ کا رُخِ انور پُر نور اور نہایت وجیہ تھا۔ کسی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی تاب نہ تھی۔ راقم الحروف نے خود کئی بار کوشش کی کہ جی بھر کر چہرۂ اقدس کو دیکھ لے مگر یہ گنہگار آنکھیں تابِ نظارہ نہ لاسکیں۔

نگاہِ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
آدمی ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

مہمان نوازی میں یہ مثال کہیں نہیں ملے گی کہ آپ ہر کس و ناکس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے اور اپنی پلیٹ سے بوٹیاں اُٹھا اُٹھا کر دوسروں کی پلیٹوں میں ڈالتے اور فرماتے کہ یہ بھی کھاؤ۔ کبھی چمچ سے چاول اٹھا کر دوسروں کے آگے رکھتے۔ غرض ہر طرح سے دلجوئی فرماتے۔ آہ! اب ایسا شفیق و مہربان کہاں سے ڈھونڈیں۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
جن کو دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

راقم الحروف کو وہ دن اچھی طرح یاد ہیں کہ جب وہ پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۶۲ء میں علی پور شریف حاضر ہوا تھا تو قدم بوسی کرتے ہی آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے سُنا تھا:

"محمد صادق! آ گئے ہو، ہم تو صبح سے انتظار کر رہے ہیں،
کہ ابھی محمد صادق نہیں آیا"۔

حالانکہ اس سے قبل راقم الحروف نے حضرت اقدس کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا تھا اور نہ ہی جان پہچان تھی۔ پھر راقم الحروف پر تا زیست جو نوازشات فرمائیں وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ جس طرح شفقت و محبت فرمائی اُس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ دل چاہتا تھا کہ تمام زندگی حضرت اعلیٰ کے مقدس قدموں میں ہی گزار دی جائے۔

مگر کیا کریں کہ قسمت میں تو نامُرادی کے دن لکھے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۱/ مئی ۱۹۷۸ء مطابق ۳/ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ بروز جمعرات بوقتِ عصر ہوئی۔ یہ حضرت امیرِ ملّت قدس سرہٗ کے سالانہ عرس مبارک کا دوسرا روز تھا۔ ہزاروں عقیدتمند جمع تھے۔ ۱۲/ مئی کو صبح ۸ بجے حضرت پیر غلام نقشبند سجادہ نشین چورہ شریف ضلع اٹک (۱۹۳۵ء۔۱۹۸۵ء) نے آہوں اور سسکیوں کے دوران نماز جنازہ پڑھائی اور والد گرامی حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

آپ کے ایک صاحبزادہ اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ صاحبزادے سیّد بشیر حسینؒ

(۱۹۲۱ء۔۱۹۷۶ء) بڑے عالم وفاضل تھے، جن کا انتقال پُر ملال ۲۹/اپریل ۱۹۷۶ء بروز جمعرات ہوگیا تھا۔ صاحبزادے کی وفاتِ حسرت آیات کے غم نے آپ کو مزید بوڑھا اور بیمار کردیا اور اس طرح آپ کی صحت روز بروز روٹھتی چلی گئی۔

آپ کی رحلت پر اطراف واکنافِ ملک میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ غیر ممالک میں بھی فضا سوگوار ہوگئی۔ ہر جگہ تعزیتی جلسے ہوئے، قراردادیں منظور کی گئیں۔ قرآن خوانی کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ طول وعرض سے تعزیتی پیغامات کا تانتا بندھ گیا۔ اخبارات ورسائل نے اپنے ادارتی کالموں میں آپ کی خدمات جلیلہ کو بھر پور خراجِ تحسین پیش کیا۔ طوالت کے خوف سے ہم صرف چند ایک اداریوں پر اکتفا کریں گے۔

ماہنامہ "المیزان"، بمبئی نے اپنی اشاعت مئی ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۴ پر یہ "اداریہ" لکھا۔

"آہ! شہزادۂ محدّث علی پوری"

"سلطان العلماء سیّد المحدّثین اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امیر ملّت پیر طریقت علامہ الحاج حافظ پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب قبلہ نقشبندی محدّث علی پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحبزادہ وجانشین وزیب سجادہ عالیہ آستانہ علی پور سیّداں حضرت شمس الملّت علامہ الحاج حافظ پیر سیّد نور حسین صاحب قبلہ جماعتی نقشبندی نے اپنے والد بزرگوار کے عرس شریف کے دن بتاریخ ۱۱/مئی ۱۹۷۸ء روز پنجشنبہ بعد نماز عصر مختصر علالت کے بعد اپنی جان جانِ جاناں کے سپرد کردی۔ حضرت ممدوح اعلیٰ حضرت امیر ملّت محدّث علی پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ حضرت ممدوح کے وصال کے دوسرے دن بتاریخ ۱۲/مئی ۱۹۷۸ء بروز جمعہ غسل وتکفین کے بعد ہزاروں حاضرین نے زیارت ودیدار کی سعادت حاصل کی اور حضرت صاحبزادہ غلام نقشبند سجادہ نشین چورہ شریف (ضلع اٹک) نے نماز

جنازہ ادا فرمائی اور ہزاروں غمگساروں نے حضرت ممدوح کے جسدِ مبارک کو سپردِ لحد کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؁۔

جمیع پسماندگان وخانوادہ عالیہ جماعتیہ نقشبندیہ اور وابستگانِ سلسلہ عالیہ جماعتیہ نقشبندیہ کے اس غم میں ہم برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ حضرت ممدوح کو اللہ تعالیٰ بطفیلِ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جنّت میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

اپنے قدیم ودیرینہ تعلقاتِ خانوادۂ جماعتیہ پر جمیع خانوادۂ مخدوم الملّت محدّث اعظم ہند وجمیع خانوادۂ اشرفیہ کو اس سانحۂ ارتحال پر شدید صدمہ ہے"۔

ماہنامہ "نور الحبیب" بصیر پور ضلع ساہیوال نے اپنی اشاعت جون ۱۹۷۸ء کے صفحہ ۲۳ پر یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:۔

"آہ! حضرت پیر صاحب"

۱۱/ مئی کو یہ رُوح فرسا خبر سُننے میں آئی کہ حضرت سیّد نور حسین علی پوری دارِ فنا سے کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت پیر صاحب کی تمام عمر قومی وملّی اور دینی خدمات میں گزری۔ لاکھوں تشنگانِ فیض کو سیراب کر کے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی سجّادگی کا حق ادا کیا۔ آپ کی زندگی شارعِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی آئینہ دار تھی۔ دینِ متین کی اشاعت میں آپ کا کردار سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اُنہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

اور مریدین ومعتقدین اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ آمین"

بہت سے شعراء نے آپ کے انتقال پُر ملال پر قطعاتِ تاریخ وفات کہے۔ جن

تک رسائی ہو سکی، درج ذیل ہیں: ۔

(۱)

(حضرت شرافت نوشاہیؒ سجادہ نشین ساہنپال شریف ضلع گجرات)

زہے شہیر زمانہ جناب نورِ حسین — کہ شمسِ ملّتِ حق بود شمع اہل ھُدا

بعلم و حلم و عمل ہادیٔ یگانہ بود — مقام اُوست معلّٰی بفقر و زُہد و سخا

چوں زیں سرائے فناء الفناء بکر دگزر — بہ بزمِ اہلِ جناں رفت ویافت شرفِ بقا

چوں سالِ رحلت آں فخرِ دیں شرافت جست

سروش گفت بگو، ''افتخارِ اہلِ عطا''

۱۳۹۸ھ

(۲)

(پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری، گجرات)

دردا ز دارِ فانی رفت آں شہِ زمانہ — ہر دم بُدے جہاں را ور دِ زباں کمالش

اقلیمِ معرفت را بے مثل تاجدار ے — در بزمِ حق شناساں تابندہ بُد خصالش

از شمسِ ملّتِ دیں روشن جماعتِ حق — حُسن آفریں بعالم لُطف آفریں جمالش

احمد بگفت سالش گفتا چوں یارِ صادق — روشن بیادگاری چوں شُد بحق وصالش

از ''خاطر مقدّس'' بانامِ او شمارید

۱۳۹۸ھ

گو ''مُرشد معظم نور حسین'' سالش

۱۹۷۸ء

(۳)

(جناب محمد زبیر فاروقی شوکت الہ آبادی۔ کراچی)

چو رختِ سفر بست پیر طریق — سحاب الم بر جماعت زدہ

پئے سالِ رحلت سروشم بگفت — ''مطیعِ شرع مہرِ تاباں'' شدہ

۱۳۹۸ھ

(۴)

(ابوالطاہر فدا حسین فداؔ مدیر ماہنامہ "مہر وماہ" لاہور)

"ترحیلِ محرمِ راز" "ترحیلِ ہادیٔ خلق" "ترحیلِ نیک سیرت"

۱۳۹۸ھ ۱۳۹۸ھ ۱۳۹۸ھ

اُٹھ گئے ہیں جہانِ زار سے وہ میر ملّت کے آہ! نورِ عین

اُن کی رحلت پہ ہر طرف سے آہ آرہی ہے ندائے شور وشین

معتقد آپ کے تھے جو دل سے غمِ فرقت میں ہو گئے بے چین

دین وملّت کے پاسدار و نقیب ذات تھی جن کی نعمتِ دارین

ہو گئے وہ مقیمِ باغِ بہشت ازرہِ لُطفِ سیّدِ کونینؐ

سالِ ترحیل پر فداؔ اُن کے

بولا ہاتف، "حضورِ نورِ حسین"

۱۳۹۸ھ

(۵)

(حضرتِ قمرؔ یزدانی۔۔۔۔۔پنوانہ ضلع سیالکوٹ)

"انوارِ مغفرت" "تاریخِ ارتحالِ بندۂ اللہ"

۱۹۷۸ء ۱۹۷۸ء

گرامی مرتبت شیخِ طریقت جو تھے نورِ حسین پاک سیرت

درخشاں گوہرِ دُرجِ نجابت تھے نورِ دیدۂ شاہِ جماعت

وقارِ محفلِ اہلِ بصیرت چراغِ منزلِ عرفان وحکمت

ہوئے ہیں عازمِ گلزارِ جنت ہمارے رہبرِ راہِ ہدایت

قمرؔ! تم بھی کہو تاریخِ رحلت

"شہنشاہِ ولائت شمسِ ملّت"

۱۹۷۸ء

(۶)

(جناب خلیل آتشؔ سیکرٹری مجلس بلھے شاہؒ ۔۔۔ قصور)

جانبِ خُلد چلے مردِ حقیقت آگاہ پرچمِ حق وصداقت کو اُٹھائے رکھا
لوگ کہتے ہیں جنہیں "نورِ حسین ابن علی شاہِ جماعت" کو اُنہیں دُولہا بنائے دیکھا

۱۳۹۹ - ۱ = ۱۳۹۸ھ

(۷)

(حضرت صابرؔ براری ۔ جے ون ۵۶ ۔ کورنگی، کراچی)

"شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہ صاحب" "جانشینِ امیر ملّت الاسلام محدّث علی پوری"
۱۹۷۸ء ۱۹۷۸ء

ہائے چمن سے ہو گیا رخصت باغبانِ علم وعرفان
لالہ وگُل میں پہلے جیسی اب کہاں رنگتِ نزہت
آپ تھے جانِ جانِ سرورؐ، آپ تھے آلِ آلِ حیدرؓ
نور نگاہِ شاہِ جماعت "شیخ طریقت شیخِ طریقت
عالم وفاضل، واعظ وحافظ، سالک وذاکر، عارفِ کامل
عابد وزاہد شانِ ولائت مہرِ شریعت مہرِ شریعت
جامِ مئے توحید پلایا، عشقِ نبیؐ ہر دل میں سمایا
آپ سے پائی خلقِ خدا نے رُشد وہدایت رُشد وہدایت
آپ نے بخشا ایک جہاں کو نورِ ایماں نورِ عرفاں
آپ تھے بے شک بزمِ جہاں میں شمعِ حقیقت شمعِ حقیقت
محوِ الم ہیں جملہ اعزّہ، چشم پُرنم سارے احبّاء
غمگین ہیں اربابِ عقیدت اہل نسبت اہل نسبت
مصرعۂ رُحلت سوچ رہا تھا، آئی صدائے ہاتفِ غیبی
کہئے صابرؔ: "زبدۂ محفل شمس الملّت شمس الملّت"
۱۹۷۸ء

(۸)

(حضرت یزؔدانی جالندھریؒ مدیر ماہنامہ ''محفل'' لاہور

''ندائے غم فروز''

۱۳۹۸ھ

دستِ اجل نے لوٹ لیا ہے دل کا سکوں رُوحوں کا چین
دارِ بقا کو ہوئے روانہ آج نورِ حسین
نجمِ شریعت ماہِ طریقت رُوحِ شرافت، جانِ وفا
خُلق میں نقشِ خُلقِ پیغمبرؐ صورت و سیرت میں حسنینؓ
نورِ حسین، اعظم شاہ بھی، پیکرِ عظمت، صاحبِ جاہ
اُن کی جُدائی چھین گئی ہے اہلِ ارادت کا سُکھ چین
اُن کی جدائی اہلِ صفا کی صف میں کر گئی حشر بپا
اُن کی جدائی میں شق سینے، آنکھیں نم، ہونٹوں پر بَین
اُن کے نام سے تابندہ تھا نام امیرِ ملّت کا
اُن کے جاتے بزمِ وفا پر چھا گئی غم کی کالی رَین
لوحِ مرقد پر اب لکھ دو خونِ جگر سے یزؔدانی
سالِ رحلت، ''شمسِ دین و ملّت سیّد نور حسین''

۱۳۹۸ھ

(۹)

(جنابِ فزوںؔ فضائی اکبر آبادی۔۔۔کراچی)

اے چراغِ راہِ عرفاں، رہبرِ راہِ نجات! اے شریکِ دردِ ملّت ارفع و اعلیٰ صفات!
اے گلِ باغِ رسالتؐ، اے علیؓ کے نونہال! ہادیٔ دینِ متیں، جنت نشاں اے خوشخصال!
آپ عالی مرتبہ ہیں آپ ہیں صد احترام اولیاء کی بزم میں ہے آپ کا اعلیٰ مقام
شاہ سیّد نورِ حسین اے ہے شانِ عالی بے مثال
''چشمِ نم آبِ فزوںؔ'' لکھ آج تاریخِ وصال''

۱۹۷۸ء

(۱۰)

(جناب آفتاب الدین احمد آفتابؔ میرٹھیؒ۔ میرٹھ (یوپی، بھارت)

ہر زباں پر ہے یہ بین شاہ سیّد نور حسین
چار جانب شور وشین شاہ سیّد نورِ حسین

موت نے توڑا ستم، ہر دل ہوا وقفِ الم
چھن گیا آرام وچین شاہ سیّد نور حسین

کر گئے سینہ فگار، لے گئے صبر وقرار
اشکِ غم ہیں اور نین شاہ سیّد نور حسین

دل توڑ کر جانا نہ تھا، منہ موڑ کر جانا نہ تھا
سُن مریدوں کا یہ بین شاہ سیّد نور حسین

نیک دل شیریں مقال، خوش خصال و بے مثال
دین کی دُنیا کی زَین شاہ سیّد نور حسین

ہر مریدِ خستہ تن، ہے لئے لب پر سخن
پائیں کس طرح ہم چین شاہ سیّد نور حسین

آ کے اے گیارہ مئی کیوں چھین کر تو لے گئی
ہم سے ہمارے دل کا چین شاہ سیّد نور حسین

چُھپ گئے جا کر کہاں، ملتا نہیں نام ونشاں
ڈھونڈ مارے مشرقین شاہ سیّد نور حسین

کیسے ساماں ہیں بہم، ہاں خوبیٔ شہر عدم
کیجئے کچھ ہم سے بَین شاہ سیّد نور حسین

آفتابؔ اب کر دُعا، آپ کے جرم وخطا
بخشے خدائے خافقین شاہ سیّد نور حسین

لکھ دے سالِ ارتحال، بن گئے پا کر وصال
"آج کس جنت کی زَین شاہ سیّد نور حسین"

۱۳۹۸ھ

(۱۱)

(حضرت طارق سُلطانپوری۔۔۔۔ حسن اَبدال ضلع اٹک)

"حُسن گلستانِ طریقت"
۱۳۹۸ھ

"تابشِ خورشیدِ مَجدِ حق"
۱۹۷۸ء

معلّٰی پیکرِ نورِ حسین، آلِ رسولؐ اللہ
وہ شمسِ اَوجِ حق جس کا قریب ودُور آوازہ

خجستہ بخت تھا شاہِ جماعتؒ کا جگر پارہ
خدایاد آئے جس کو دیکھ کر وہ خوب رُو بندہ

بزرگوں کے کمالِ فقر کا لاریب تھا مظہر
قدِ بالا پہ اُس کے راست تھا عرفان کا جامہ

نرالی اُس نے زینت مسندِ اسلاف کو بخشی
کیا واضح جہاں والوں پہ اہلِ فقر کا رُتبہ

دکھایا اُس نے مخلوقِ خدا کو جاں فشانی سے
ہدایت کا سعادت کا فلاح و خیر کا رستہ
تصوّف کے اکابر میں مقام اُس کا نمایاں ہے
بلند اُس کا ہے خاصانِ خدا کی بزم میں درجہ
بہت ہیں ماورا اُس کے فضائل میری دانش سے
جو اوصاف اُس کے ہیں، مجھ کو کہاں ہے اُن کا اندازہ
رقم کی منقبت اُس کی یہ دیرینہ تمنا تھی
کہ میں بھی خاندانِ میرِ ملّت کا ہوں دِلدادہ
مجھے تھی فکر، فرمایا سروشِ غیب نے طارقؔ
سنِ وصل اُس کا ہے "اُوجِ چراغِ محفلِ طیبہ"
۱۳۹۸ھ

آپ کے چند اقوال درج ذیل ہیں جو قارئین کیلئے خضرِ راہ ہیں۔

(۱) عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی اور دولت نہیں ہے۔
(۲) شریعت کی پابندی کا نام ہی ولایت ہے۔
(۳) مہمانوں کی خدمت کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔
(۴) صفائی، ایمان کی علامت ہے
(۵) دُنیاوی مال و دولت سے پیار آخرت کی تباہی ہے۔
(۶) اللہ کے راستے میں خرچ کرنا جنّت خریدنا ہے۔
(۷) دُرود شریف سے بڑھ کر کوئی وظیفہ نہیں ہے۔
(۸) اللہ کے بندوں کی خدمت میں حاضری دیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔
(۹) سلسلہ نقشبندیہ سب سلسلوں سے اعلیٰ اور سر تاج ہے۔
(۱۰) تصوّرِ شیخ گناہوں سے بچنے کا بہترین طریقہ اور ذریعہ ہے۔

ماخذ

(۱) "سیرت امیرِ ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء۔ ص ۴۳۰، ۶۹۲ تا ۶۹۷۔
(۲) "تاریخ رفتگاں" جلد دوم از صابر براری مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۸ء ص ۸۲۔
(۳) "تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں" از محمد صادق قصوری مطبوعہ ۱۹۹۸ء ص ۸۸ تا ۹۴۔
(۴) "تحریک پاکستان اور مشائخ عظام" از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء ص ۸۵۔
(۵) "دوسرا سالانہ مجلّہ یادگار امیر ملّت" کراچی ۱۹۷۹ء۔ ص ۳۲۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور بابت مئی ۱۹۷۸ء ص ۲۲۔

(۷) ماہنامہ ''نور الحبیب'' بصیر پور ضلع ساہیوال، بابت ماہ جون، ۱۹۷۸ء۔ ص ۲۱، ۲۳۔

(۸) ماہنامہ ''فیضان'' لاہور بابت جون جولائی ۱۹۷۸ء۔ ص ۴۴۔

(۹) ماہنامہ ''المیزان'' بمبئی (بھارت) مئی ۱۹۷۸ء، ص ۴۔

(۱۰) ''تاریخِ مشائخِ نقشبند'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۵۲۳۔

☆/☆/☆/☆/☆

حاجی ذاکر علی رہتکی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۲ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۷۹ء)

حاجی ذاکر علی بن حضرت حافظ انور علیؒ (۱۸۴۱ء۔ ۱۹۲۰ء) ڈسٹرکٹ جج رہتک کی ولادت ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء میں محلّہ قلعہ رہتک شہر میں ہوئی۔ میٹرک کرنے کے بعد رہتک میں ہی ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن آفس میں کلرک بھرتی ہو گئے اور ترقی کرتے ہوئے ہیڈ کلرک بن گئے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر آپ کا تبادلہ سرگودھا میں ہو گیا۔ چنانچہ آپ ۱۳۔ نومبر ۱۹۴۷ء کو اسی آسامی پر سرگودھا میں فائز ہوئے۔ فروری ۱۹۴۹ء میں لائل پور (حال فیصل آباد) تبدیل ہو گئے۔ جون ۱۹۵۰ء میں اے جی پی آر کراچی کے دفتر میں تبادلہ کروالیا کیونکہ تمام عزیز و اقارب یہیں قیام فرماتے۔ جون ۱۹۶۳ء میں بعمر ساٹھ سال سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہو گئے اور پھر پی، ای، سی، ایچ سوسائٹی آفس کراچی میں بمشاہرہ سوا گیارہ سو روپے ملازم ہوئے اور ۱۹۷۸ء میں اکاؤنٹ آفیسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

آپ نے مولانا محمد حسین قصوریؒ (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۲۷ء) قاضی حفیظ الدین رہتکیؒ (۱۸۷۱۔ ۱۹۴۴ء) مولانا عبد المجید جھجھروی قصوریؒ (۱۸۸۲ء۔ ۱۹۵۶ء) مولانا محمد وقی سونی پتیؒ (ف ۴۱۔ ۱۹۴۰ء) مولانا پروفیسر عابد حسن فریدی (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۴۵ء) مولانا

حامد حسن قادریؒ (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۴ء) سے دینی تربیت حاصل کی اور ۱۰۔ جولائی ۱۹۲۰ء کو حضرت امیر ملتؒ کے دست حق پر شرف بیعت حاصل کیا اور ۲۸۔ فروری ۱۹۴۸ء کو علی پور شریف میں حاضر ہوئے تو اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

آپ بڑے عابد وزاہد اور متقی بزرگ تھے۔ کئی دفعہ حج وزیارت کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ ۱۹۴۶ء کے حج مبارک پر آپ نے حاجیوں کی بہت خدمت کی تو حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے خوش ہو کر فرمایا کہ:۔

"تم نے حاجیوں کی بڑی خدمت کی ہے میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ تمہارا حج مقبول ومبرور ہوا۔"

آپ کراچی میں سلسلہ عالیہ کی تبلیغ وترویج میں دن رات کوشاں رہے۔ حضرت بخشی مصطفیٰ علی خاںؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۷۴ء) ۱۹۵۱ء میں جب حضرت امیر ملتؒ کے حکم پر کراچی سے مدینہ شریف ہجرت فرمانے لگے تو انہوں نے جوہر ملت حضرت صاحبزادہ سیّد اختر حسین علی پوریؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) کے ذریعے حضرت امیر ملت قدس سرّہ، سے دریافت کیا کہ میرے چلے جانے کے بعد کراچی میں کون کام کرے گا تو حضرت قدس سرّہ، نے ادنیٰ تامل کے بعد فرمایا کہ "ذاکر علی سے بہتر کوئی آدمی نہیں ہے۔" چنانچہ توسیع سلسلہ کے لیئے آپ نے بہت قابل قدر کام کیا۔

مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے علمی ذوق کی منہ بولتی تصویر ہیں:۔

(۱) ذکر الٰہی (حصہ اوّل):۔

یہ آپ کے والد گرامی حضرت حافظ انور علی رہتکی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کی انگریزی تصنیف (ZAKIR'S HAND BOOK) کا اردو ترجمہ ہے۔

(۲) ذکر الٰہی (حصہ دوم):۔

یہ آپ کی ہمشیرہ کلاں جنابہ صوفیہ باندیؒ (ف ۱۹۷۲ء، سرگودھا) کی کتاب ذاکرہ بیگم کی تلخیص ہے۔

آپ کی رحلت ۱۵۔ مئی ۱۹۷۹ء مطابق ۱۷۔ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ بروز منگل

بوقت فجر حالت نماز میں ہوئی اور قبرستان پاپوش نگر کراچی میں سپرد خاک ہوئے۔

بہت سارے شعراء نے "قطعات تاریخ وفات" کہے۔ چند ایک درج ذیل ہیں:۔

(جناب فریدؔ قریشی اکبر آبادی ایڈیٹر سہ ماہی "تصوّف" کراچی)

میرے ممدوح حاجی ذاکر علیؒ　　فیضِ رُوحانی کا تھے جو ایک باب
قبلۂ عالمؒ کے منظورِ نظر　　اور تھے انور علیؒ کے دل کی تاب
تھے جماعت میں علیؒ کی وہ شریک　　میر حلقہ تھے کراچی کے جناب
انکسار و عجز و طاعتِ بے ریا　　زُہد و تقویٰ آپ کا تھا بے حساب

از سرِ افسوس کہہ دو اے فریدؔ

ا

"فوت شُد ذاکر علی صاحب جناب"

۱۹۷۸+۱=۱۹۷۹ء

(جناب مرزا عبداللطیف لطیفؔ دہلوی نقشبندی۔۔۔۔۔۔کراچی)

جانثارِ رحمۃ اللعالمینؐ　　جاں نوازِ مسلکِ عرفان و دیں
سربراہِ راہِ اہلِ معرفت　　سرگروہِ سرِّ ایمان و یقیں
مطلعِ صدق وصفا ذوقِ جمیل　　مقطعِ فیضان وافکارِ حسیں
ہر کنایہ، استعارہ برمحل　　بات بات اُن کی نبات وانگبیں
کچھ لکھوں اُن کے لئے تو کیا لکھوں　　وہ مجسّم فقر، میں زار وحزیں
آنکھ سے بے شک وہ اوجھل ہو گئے　　ہاں مگر دُوری میں بھی دل کے قریں
آفتاب آیا تری آغوش میں　　فخر کر تو اے کراچی کی زمیں
اب تو تاریخیں بھی ہوں ایسی لطیفؔ　　ناز فرما جس پہ ہو ناز آفریں

حاجی ذاکر علی ارباب علم

۔۔۔۱۳۹۹ھ۔۔۔

فضلِ حق، حُبِّ نبی حق الیقیں

۔۔۔۔۱۳۹۹ھ۔۔۔۔

ایضاً

مُرشدِ والا کا ذوقِ زندگی — ذکرِ حق، حُبِ علیؓ، عشقِ نبیؐ
گفتگو تبلیغ دینی کا بدل — اور خموشی بھی طریقت کا عمل
خوب مہکایا جماعتؒ نے دماغ — خوب تھا گویا علی پوری کا باغ
آخرش در پردہ ، پردہ کر گیا — وہ بلا شک مطلعِ انوار تھا
سال وصلِ پاک ہے یہ بینظیر — ''حاجی ذاکر علی ماہِ منیر''

۱۳۹۹ھ

(جنابِ راشد حسن قادری نقشبندی کراچی)

''جناب مولانا حاجی ذاکر علی صاحب مجدّدی''

۱۳۹۹ھ

وہ ہمہ لُطف وعنایت وہ مجسّمِ التفات — شعر میں راشد کروں میں کیا بیاں اُن کے صفات
اُن کی ہر اک گفتگو کی ابتداء مُرشد کی بات — عشقِ مُرشد سے عبارت زندگی کی کائنات
اُن کی حکایت یالطیفہ یاکوئی اک داستان — سہل فرماتے تھے اس طرح تصوف کے نکات
نقشبندی سلسلہ کی خدمت وترویج — وقف کردی تھی زندگی کی صبح ومسا، دن اور رات
فیضِ محبوبِ الٰہی صحبتِ حضرت جمیل — شہ جماعتؒ کے تصرّف سے وہ سیرِ کائنات
سالکوں کا رہنما اور ناقصوں کا دستگیر — وہ چراغ رہنما گُل کر گئی اُن کی وفات
میرے آقا میرے ملجا مرشدی ذاکر علی — میرے حق میں بھی دُعا کیجئے زراہِ التفات
کہہ کے ''قلبِ اولیا واصفیا ذاکر علی'' — ''تاجدارِ معرفت'' بھی پائی تاریخِ وفات

۱۳۹۹ھ ۱۳۹۹ھ

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں، ۱۹۷۵ء ص ۲۲۳۔

(۲) ''خُفتگانِ کراچی'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۱ء ص ۱۶۱، ۱۶۲۔

(۳) ''وفیاتِ مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۹۰ء۔ ص ۸۰۔

(۴) سہ ماہی ''تصوف'' کراچی بابت جنوری تا مارچ ۱۹۸۴ء ص ۲۷، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۴۱۔

(۵) ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' قصور جون، جولائی ۱۹۷۹ء ص ۳۵۔

(۶) ''مکتوبِ گرامی الحاج ذاکر علی'' بنام محمد صادق قصوری از کراچی محررّہ، ۳۰/ اگست ۱۹۷۶ء۔

(۷) مکتوبِ گرامی جناب حسام الدین بنام محمد صادق قصوری از کراچی محررّہ۔ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

(۸) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۷۔

(۹) مکتوب گرامی پروفیسر محمد اسلم محررّہ از لاہور مورخہ ۱۳/ اپریل ۱۹۹۱ء بنام محمد صادق قصوری۔

/☆/☆/☆/☆/

منشی احمدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۷ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۸۰ء)

حضرت منشی احمدین بن امام بخش کی ولادت ۱۸۹۷ء میں موضع کالرہ کلاں ضلع گجرات میں ہوئی۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد والد ماجد کے ساتھ شریک کاروبار ہو گئے۔ دینی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے بچپن ہی سے نماز، روزہ کے پابند تھے۔ علماء کرام اور صوفیائے عظام سے غایت درجہ عقیدت تھی۔

ذرا ہوش سنبھلنے پر ایک ہندو کے پاس بھٹہ خشت میں ملازم ہو گئے۔ اسی دوران آپ کے ایک مخلص دوست حاجی سردار خاں مرحوم (جو پولیس میں ملازم تھے) نے آپ کو بتایا کہ گجرات میں حضرت پیر سیّد ولایت علی شاہ (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۷۰ء) نہایت مؤثر وعظ کرتے ہیں اور سچے عاشق رسول ﷺ اور صاحبدل ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد بیعت کے لیئے درخواست کی تو حضرتؒ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر آپ نے عرض کیا:۔

''سنا ہے کہ وہ بادشاہوں کے پیر ہیں، ہم غریبوں کو کون پوچھے گا''؟

تین سال اسی کشمکش میں گزر گئے۔ پھر حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے حضرت پیر ولایت شاہؒ کو خلافت عطا فرمائی تو آپ ان سے بیعت ہو گئے۔

حضرت امیر ملت قدس سرّہ، آپ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے پیر ولایت علی شاہؒ سے فرمایا کہ ''اپنے درس قرآن کے مدرسہ کو وسعت دے کر مکمل درس نظامی اور دورہ حدیث کا بندوبست بھی کرو۔'' اس کے ساتھ ہی آپ (منشی احمدین) کو بھی حکم دیا کہ ''مدرسہ کے لیئے کام کرو۔'' چنانچہ ۱۹۲۴ء میں ''مدرسہ انجمن خدّام الصوفیہ'' گجرات قائم کیا گیا، جس کے سرپرست حضرت امیر ملت قدس سرّہ،، مہتمم پیر سیّد ولایت شاہ، صدر لالہ فضل الٰہی شہید پگانوالہ، خازن، لالہ برکت علی اور سیکرٹری آپ تھے۔ اس مدرسہ نے جو ترقی کی اور جس قدر خدمات سرانجام دیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔ نیز آپ ''انجمن خدام الصوفیہ'' گجرات کے بھی سیکرٹری رہے۔

۱۹۳۶ء میں حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ حضرت پیر سیّد ولایت علی شاہؒ نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ ثانی الذکر کی رحلت تک سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے۔ گھریلو حالات سے فارغ البال تھے۔ اینٹوں کے تین بھٹے آپ کی ملکیت تھے۔ کئی دفعہ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، اور ان کے نبیرہ اعظم جوہر ملت پیر سیّد اختر حسین شاہ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) کے ساتھ دوروں پر رہے۔ لیکن کبھی بھی کسی سے کوئی نذرانہ یا کرایہ وغیرہ نہیں لیا۔

آپ نے حضرت امیر ملت قدس سرّہ، کے حکم پر سیاسی اُمور میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۳۲ء میں ''کشمیر ایجی ٹیشن'' کے سلسلے میں حضرت پیر ولایت علی شاہؒ کے ساتھ گرفتار ہوئے اور چھ ماہ قید بامشقت کی سزا برداشت کی۔ پیر ولایت علی شاہؒ انبالہ اور گجرات میں پابہ زنجیر رہے اور آپ کو گجرات، جہلم، لائل پور، (حال فیصل آباد) جھنگ کی جیلوں میں سنّت یوسفی ادا کرنا پڑی۔ جیل میں بھی آپ نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اگرچہ اس کی پاداش میں آپ کو بیڑیاں بھی پہنائی گئیں مگر آپ ثابت قدم رہے اور حق کا پھریرا بلند کرتے رہے۔ ایک حج میں آپ نے حضرت امیر ملت رحمتہ اللہ علیہ کی شدید علالت کے دوران بہت خدمت کی۔ رات دن خدمت پر کمربستہ رہے۔ بعد ازاں ایک دفعہ آپ نے حضرت سے دعا کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا ''میں تمہاری حج کے زمانے کی خدمت نہیں بھولا ہوں۔

اللہ تعالیٰ تم کو بہت دیں گے۔"

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے، آپ کی تعلیم صرف پرائمری تھی۔ دینی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی تھی مگر یہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی نظر کرم تھی کہ آپ بڑے زبردست مقرر اور مناظر بن گئے۔ واقعہ یوں ہے کہ ساردا ایکٹ (۲۹۔۱۹۳۰ء) کے زمانہ میں آپ علی پور شریف حاضر تھے کہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے ۵۔ جنوری ۱۹۳۰ء کو اعلان فرمایا:۔

"حکومت برطانیہ نے ایک ایکٹ کے ذریعے نابالغ لڑکیوں کا نکاح خلاف قانون قرار دے دیا ہے۔ میں نکاح پڑھاؤں گا اور حکومت کو بھی اطلاع دوں گا۔"

حضرت کے اس اعلان حق کے بعد آپ نے بھی تائید فرمائی پھر خلیفہء امیر ملّت پیر حیات محمد سیال کوٹیؒ (۔۔۱۸ء۔۱۹۴۲ء) نے سفارش کی کہ حضور منشی صاحب کو حکم دیں کہ وہ گجرات میں حضرت پیر ولایت شاہؒ سے ملیں اور تبلیغی کام کر کے لوگوں کو دین کی طرف بلائیں۔ حضرت قدس سرّہ، نے فرمایا:۔ "منشی صاحب! وعظ کہا کرو"۔ قطب زمانہ کی زبان مبارک کا اثر تھا کہ آپ نہ صرف تبلیغ کے میدان کے شہسوار بنے بلکہ مذاہب باطلہ کے ماننے والوں سے مناظرے کر کے انہیں شکست فاش دی۔

ایک دفعہ چک نمبر ۹ ضلع سرگودھا کے ایک بھنگی پوستی پیر کے ساتھ آپ کا مناظرہ ہوا۔ اس نے آپ کو چیلنج کیا کہ اگر تم سچے ہو تو آگ کھا کر دکھلاؤ۔ آپ نے اللہ کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کا تصور کر کے ایک کوئلہ پکڑ کر چبایا۔ لوگ حیران رہ گئے۔ بعد میں نقلی پیر کی باری آئی تو اس نے راہ فرار اختیار کر لی۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی شان میں آپ نے کئی قصیدے لکھے جو بے حد مقبول ہوئے۔ قارئین کی ضیافت طبع کے لیئے ذیل میں ایک قصیدہ نقل کیا جا رہا ہے۔

تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پور والڑیا
سانوں تیرا رہندا چا علی پور والڑیا

تُوں شاہ اممؐ دا دوہتا ایں تُوں شاہ علیؓ دا پوتا ایں
تیری زہرہؓ خاتون ماں علی پوروالڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

تُوں ولیاں وچ لاثانی ایں تیری چن جیہی پیشانی ایں
تیری سوہنی ناز و اداعلی پوروالڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

تُوں حاجی حرم ضرور ہویوں تو حاضر وچ حضور ہویوں
ملیا نانا تیں گل لاعلی پور والڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

جا طیبہ ڈیرے لائیو نی درشن نانے والے پائیو نی
چادر پاک یمانی چا علی پور والڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

نقشبندی[1] دا نقش پکا کے بابا[2] جی تھیں جاگ لگا کے
آیوں رنگ چڑھا علی پور والڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

تیری شان دا جو انکاری اے اوہدی مت شیطان نے ماری اے
اوہ خود ہویا گمراہ،علی پور والڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

جو کاذب[3] نبی پنجابی آہا وچہ مقابلے تیرے شاہا
اوہ کیتا رب فنا ، علی پور والڑیا
تُوں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

جدوں ساردا بل مشہور ہویا اوہ کونسل وچ منظور ہویا
تُوں کیتا ٹکرے چا، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

ڈاکو ہا حلقے وچ لیا کے   واپس کیتے غوث بنا کے

جاری قلب کرا، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

بادشاہاں دا پیر سدا کے   وچہ غریباں مجلس لا کے

دتّوی خلق وکھا ، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

بوٹے عجب عجیب لگا کے   نفی اثبات دا پانی لا کے

دتّے باغ کھڑا، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

گجراتوں اسیں سارے آئے   شاہ ولایت ؒ نال لیائے

تیرا خاص گدا، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

احمد تے سردار بیچارے   سیّدا تیرے پکڑ سہارے

آئے ہو گدا ، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

سنگی ساتھی ساڈے سارے   آئے بھار گناہ دے مارے

کر ہن چا دعا ، علی پور والڑیا

توں کدی تاں مکھ وکھا علی پوروالڑیا

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے ارشاد پر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہونے کے بعد اپنا تن من دھن حصول پاکستان کے لیئے وقف کر دیا۔ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں ضلع گجرات میں مسلم لیگی امیدواروں کی ڈٹ کر حمایت کی اور کئی مخالف امیدواروں کی ضمانتیں ضبط کروائیں۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے۔:۔

نمبر شمار	نام حلقہ	نام امیدوار	نام جماعت	حاصل کردہ ووٹ	نتیجہ
۱	گجرات شمالی	چوہدری فضل الٰہی	مسلم لیگ	۸۷۴۲	کامیاب
۲	--	میاں فتح محمد	یونینسٹ	۳۷۴۳	ناکام
۳	--	عبدالعزیز	آزاد	۱	ضمانت ضبط
۴	گجرات جنوب مشرقی	چوہدری بہاول بخش	مسلم لیگ	۱۰۸۳۸	کامیاب
۵	--	خان بہادر پیر محمد	یونینسٹ	۲۳۰۱	ناکام
۶	گجرات شمال مغربی	چوہدری جہان خان	مسلم لیگ	۸۲۵۳	کامیاب
۷	--	احمد یار خان	یونینسٹ	۲۹۳۵	ناکام

ے۱۔ خواجہ نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ۔ ے۲۔ بابا فقیر محمد چورہ شریف رحمتہ اللہ علیہ۔
ے۳۔ مرزا قادیانی ے۴ میاں رجب علی جھنگویؒ جن کے حالات اسی کتاب میں آرہے ہیں۔
ے۵ پیر ولایت علی شاہ گجراتیؒ، ان کے حالات بھی اسی کتاب میں موجود ہیں۔ (قصوری)

۱۹۵۳ء کی ''تحریک ختم نبوّت'' میں بھرپور کردار ادا کیا۔ پھر ۱۹۷۴ء کی ختم نبوّت کی تحریک میں بھی فعال رہے۔ ۱۹۷۷ء میں تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ آپ کی خدمات ضلع گجرات کی تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔

آخری ایام میں، کبر سنی کی وجہ سے بوجوہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ مطابق جولائی، اگست ۱۹۸۰ء میں رحلت فرمائی۔ اپنے آبائی گاؤں کالرہ کلاں ضلع گجرات میں آخری آرامگاہ بنی۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملت'' از پیر سیّد اختر حسین علی پوری / پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور

سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۴۰، ۲۰۲، ۷، ۱۵، ۷۔

(۲) ''جہانِ امیر ملّت'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں (قصور) ۲۰۰۱ء ص ۱۱۳۔

(۳) ''خفتگانِ گجرات'' از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ مطبوعہ گجرات ۱۹۹۶ء ص ۲۹۵۔

(۴) ''عظیم قائد اعظم تحریک'' جلد اول از ولی مظہر ایڈووکیٹ مطبوعہ ملتان، ۱۹۸۳ء ص ۳۱۴۔

(۵) ''ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ اگست ۱۹۳۱ء ص ۵۳ تا ۵۵۔ دسمبر ۱۹۳۱ء ص ۳۷۔

(۶) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور، بابت دسمبر ۱۹۸۰ء جنوری ۱۹۸۱ء ص ۳۸۔

(۷) ''وفیاتِ مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد، ۱۹۹۰ء ص ۱۴۔

☆☆☆☆☆

پیر سیّد اختر حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۱۱ء ـــــــــــــــــــ ۱۹۸۰ء)

جوہر ملّت حضرت قبلہ پیر سیّد اختر حسین ؒ ابن سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین ؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) بن امیر ملّت پیر سیّد جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۴۱ء۔۱۹۵۱ء) ابن سیّد کریم شاہ ؒ (۱۷۷۷ء۔۱۹۰۲ء) کی ولادت ۲۱/ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۱۱ء بروز جمعرات میں علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ ''اختر حسین'' تاریخی نام رکھا گیا جس سے ۱۳۲۹ھ کے عدد نکلتے ہیں۔ ہوش سنبھالنے پر حافظ محمد یعقوب ؒ جامع مسجد کوٹ، علی پور شریف سے حفظ قرآن کیا اور پھر مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مولانا عبد المجید کیمبل پوری ؒ، مولانا محمد ابراہیم ؒ اور والد گرامی سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین ؒ کے حضور زانوے تلمذّ تہہ کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس طرح پندرہ سال تک علم حاصل کرنے کے بعد ''فاضلِ اکمل'' ہو کر نکلے۔

سندِ فراغت کے بعد جدِّ امجد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کی رُوحانی تربیت فرمائی اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ پچیس سال تک سفر وحضر میں جدِّ امجد کی خدمتِ بابرکت میں رہے اور شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے خزانے لُوٹتے

رہے۔ جدِّ امجد کے قدموں کے ساتھ تمام مُسلم مفاد مذہبی، ملّی اور سیاسی تحریکوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ فنِ تقریر جدِّ امجد سے سیکھا اور مشکل سے مشکل مسائل کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کا ملکہ حاصل کیا۔ فلسفہ اور منطق پر مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ اندازِ تقریر عالمانہ، محققانہ، فلسفیانہ اور مورّخانہ ہوتا تھا۔ جس چیز کو بیان فرماتے، پہلے قرآن، حدیث، اجماع اُمّت اور فقہ سے ثابت کرتے۔ اس کے بعد فلسفہ و منطق اور مغربی مفکرین کے افکار کی روشنی میں ایسے دلائل دیتے کہ سامعین عش عش کر اُٹھتے۔ جونہی آپ کا خطاب شروع ہوتا تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح بیٹھ جاتے جیسے سر پر پرندے بیٹھے ہوں۔ آپ کا خطاب پانچ پانچ گھنٹے جاری رہتا، نہ خود تھکتے نہ سامعین اکتاتے۔ جوں جوں تقریر لمبی ہوتی دلائل و براہین کے انبار لگتے جاتے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چشمے پھوٹنے لگتے۔ سامعین کے دلوں کی یہ آواز ہوتی کہ وہ بولتے رہیں اور ہم سُنتے رہیں اور تمام عمر اسی طرح ہی تمام ہو جائے۔

مذاہبِ باطلہ کی تردید میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مذہب اہل سُنّت و جماعت کی حقانیّت کو اس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین کو تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا۔ وہابیہ، دیابنہ اور شیعہ کی بلا خوف و خطر اور مدلّل تردید فرماتے۔ محرم الحرام میں جب بھی ’’مسجد نور علی پور شریف‘‘ میں جلسہ ہوتا تو آپ تشریف لا کر اپنے مواعظِ حسنہ سے سامعین و حاضرین کے عقائد کو ایک ولولۂ تازہ بخشتے۔ اور شیعہ حضرات کو بھی دعوتِ اصلاحِ عقائد دیتے اور اپنے ہم عقیدہ حضرات اہلسنّت و جماعت کو خبردار کرتے کہ ہمارا شیعہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت قبلہ نہ صرف شیخ طریقت ہی تھے بلکہ ایک بلند پایہ عالمِ دین، زبردست مناظر، اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز، نامور ادیب، شعلہ نوا خطیب اور منجھے ہوئے سیاستدان بھی تھے۔ جدِّ امجد کی بے مثال قیادت میں ملّی و سیاسی تحریکوں میں جاندار کردار ادا کیا۔ ۱۹۳۲ء میں ریاست جموّں و کشمیر میں ’’توہینِ قرآن‘‘ کے خلاف تحریک چلی تو آپ قافلہ سالار بن کر وہاں پہنچ گئے اور تحریک کے دستور کے مطابق سُرخ لباس پہن کر حکومتِ کشمیر

کے خلاف زبردست تقریریں کیں۔ مسلمانوں پر عظمتِ قرآن واضح کی اور للکارتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اپنی گردنیں کٹا سکتے ہیں مگر دینِ حنیف پر آنچ نہیں آنے دیں گے''۔

آپ کی تقریروں سے ایوانِ حکومت میں کھلبلی مچ گئی اور دُنیا نے حکیم الامّتؒ کے اس شعر کی عملی تفسیر کو دیکھا ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذان اور مُجاہد کی اذاں اور

۱۹۳۵ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی زیرِ قیادت ''تحریکِ شہید گنج'' چلی تو آپ نے جدِّ امجد کی پاکیزہ و نورانی معیّت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ''مجلس اتحادِ ملّت'' میں بھی شاندار کردار کا مظاہرہ کیا۔ تحریک پاکستان کا دور آیا تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی تمام اولاد امجاد اور متوسلینِ سلسلہ عالیہ کفر و اسلام کی اس جنگ میں کود پڑے۔

۱۹۴۰ء میں ''قراردادِ پاکستان'' منظور ہوئی تو حضرت امیر ملّتؒ نے اس کی زبردست حمایت کی اور مسلم لیگ کی تائید میں تن من دھن کی بازی لگا دی۔ ''حضرت جوہر ملّت پیر سیّد اختر حسین شاہؒ نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور جدوجہد کی۔ شب و روز دورے کر کے مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کو خصوصی اہمیّت حاصل ہے۔ ان انتخابات میں آپ نے تحصیل نارووال میں دورے کر کے اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے مسلم لیگ کے امیدوار میاں ممتاز محمد خان دولتانہ (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۵ء) کو کامیاب و کامران کرایا۔ پھر جدِّ امجد کے حکم پر بھلوال ضلع سرگودھا میں مسلم لیگی امیدوار فضل الٰہی پراچہ (۱۸۹۷ء۔۱۹۸۷ء) کی کامیابی و کامرانی جھنڈا گاڑا۔

آپ کی ان مذہبی، سیاسی اور ملّی خدمات کی بنا پر عقیدتمندوں نے آپ کو ''جوہرِ ملّت'' کا لقب دیا جو ہر لحاظ سے جائز و درست تھا۔ ۱۹۵۱ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے رحلت فرمائی تو آپ کے والد گرامی سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ

نشین ہوئے اور آپ اپنے والد گرامی کی جگہ مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف کے منتظم ٹھہرے اور ساتھ ہی ساتھ کاشتکاری کا محاذ بھی آپ کے سپرد تھا۔

۱۹۵۳ء میں ''تحریک ختم نبوّت'' چلی تو آپ نے بڑی جرأت و مردانگی کے ساتھ تحریک کا ساتھ دیا۔ والد گرامی کی نمائندگی کرتے ہوئے تحریک کی کامیابی و کامرانی کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ ۱۹۶۱ء میں حضرت سراج الملّتؒ اس دُنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے چچا شمس الملّت حضرت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۸ء) زیبِ سجادہ ہوئے تو آپ کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ مدرّسہ، زمینداری کے علاوہ اُمورِ خانہ داری کا شعبہ بھی تفویض کر دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ فتویٰ نویسی میں مفتیٔ مدرسہ کی رہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دینے لگے۔

۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مئی ۱۹۷۸ء میں عمِ محترم حضرت شمس الملّت رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد اُن کے چہلم مبارک پر جون ۱۹۷۸ء میں سجادہ نشین ہوئے تو ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ اب آپ دن کے پیر، زمیندار، مدرسہ کے ناظم اور رات کے عابد و زاہد تھے۔ ۱۹۷۸ء میں ''آل پاکستان سُنّی کانفرنس ملتان'' میں بعض اہم مجبوریوں کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے لیکن ایک جامع پیغام کانفرنس کی کامیابی کی دُعا کے ساتھ ارسال فرمایا۔ اسی طرح ۱۹۷۹ء میں ''جمعیت علماء پاکستان'' کے زیراہتمام راولپنڈی میں ملک گیر ''میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس'' کا انعقاد ہوا تو آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت صاحبزادہ سیّد نذر حسین شاہ مدظلہٗ کو اپنی نمائندگی کے لئے بھیجا اور کانفرنس کی کامیابی کے لئے دُعا فرمائی۔

آپ تقریر کے ساتھ ساتھ میدانِ تحریر کے بھی شاہسوار تھے۔ ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' میں آپ کے بیش قیمت مقالات قارئین کی ضیافتِ طبع کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں آپ نے ''سیرتِ امیرِ ملّت'' کے نام سے اپنے جدِّ امجد کی عظیم الشان سوانح عمر لکھی جو ۵۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب تصوّف، مذہب اور سیاست کا نچوڑ ہے۔

یوں تو آپ کی صحت کئی سال سے قابلِ رشک نہ تھی لیکن رحلت سے چند یوم قبل

طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ مقامی معالجوں سے علاج کروایا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق صحت بگڑتی چلی گئی۔ ۶/اکتوبر ۱۹۸۰ء مطابق ۲۵/ ذیعقد ۱۴۰۰ھ بروز سوموار آپ کو کار میں بٹھا کر بغرض علاج لاہور لایا جارہا تھا کہ مرید کے ضلع شیخوپورہ کے قریب گیارہ بجے قبل از دوپہر رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ روضۂ امیر ملّتؒ کے ایک گوشہ میں آخری آرامگاہ بنی۔

بہت سے شعراء کرام نے قطعاتِ تاریخ کہے۔ بخوفِ طوالت صرف حضرت قمؔر یزدانی کا قطعہ نقل کیا جاتا ہے۔

"پیرِ جہاں سیّد اختر حسین شاہ"
۱۹۸۰ء

پیرِ طریقت آشنائے سرِّ لاالٰہ ہے موت اُن کی باعثِ غم اور جانکاہ
لکھ فی البدیہہ قمؔر! پئے تاریخِ ارتحال "شمس العلوم سیّد اختر حسین" شاہ
۱۹۸۰ء

نوٹ:۔ تفصیلی حالات کے لئے راقؔم کی کتابیں "ذکرِ اختر"، "تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں" اور "تاریخ مشائخ نقشبند" ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ قصوری۔

ماخذ

(۱) "ذکرِ اختر" از محمد صادق قصوری مطبوعہ برج کلاں (قصور) ۱۹۸۱ء۔

(۲) "تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں" از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں (قصور)، ۱۹۹۸ء ص ۹۵ تا ۱۱۲۔

(۳) "سیرتِ امیرِ ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۶۸۴۔

(۴) "تاریخ مشائخ نقشبند" از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء۔ ص ۵۲۳۔

/☆/☆/☆/☆/

(۱۹۰۷ء ـــــــــــ ۱۹۸۶ء)

حافظ نور احمد ابن مولانا محمد حسین قصوری (۱۸۶۸ء۔۱۹۲۷ء) کی ولادت ۳/دسمبر ۱۹۰۷ء کی شب رُہتک شہر (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں ہوئی، جہاں آپ کے والدِ گرامی بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے۔ ذرا ہوش سنبھالا تو کرنال میں حافظ جمال الدین سے قرآن پاک حفظ کیا۔ ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول کرنال سے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ پھر میڈیکل سکول امرتسر میں داخلہ لے لیا۔ دورانِ تعلیم ہی ۱۹۲۷ء میں والد گرامی کے دستِ حق پر سعادتِ بیعت حاصل کی۔

۱۹۲۷ء میں میڈیکل سکول امرتسر کی طالب علمی کے دوران ہی حضرت والد گرامی کی رحلت کا حادثۂ جانکاہ پیش آیا تو سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا اور واپس اپنے مستقل وطن قصور تشریف لے آئے اور آبائی پیشہ تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔ اور پھر تا زیست اس پیغمبری پیشہ کو اپنائے رکھا۔

۱۱/مئی ۱۹۵۱ء کو بر موقعہ سالانہ جلسہ انجمن خدّام الصوفیہ پاکستان منعقدہ علی پور سیّداں شریف، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے حضرت پیر سیّد ولی محمد شاہ المعروف چادر والی سرکار، ملتان (۱۹۱۲ء۔۱۹۸۶ء) اور آپ کو شرفِ خلافت سے نوازا اور توسیع سلسلہ عالیہ کی ہدایت فرمائی۔

ماسٹر محمد کرم الٰہی سیال کوٹی ایڈووکیٹ (۱۸۸۰ء۔۱۹۵۹ء) کے اس عالمِ فانی سے عالمِ باقی کو سُدھارنے کے بعد ۱۰/مئی ۱۹۶۰ء کو حضرت سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین سجادہ نشینِ اوّل (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) نے بر موقعہ سالانہ جلسہ وعُرس مبارک حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ کو ''انجمن خدّام الصوفیہ پاکستان'' کا مرکزی جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔ آپ نے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے اور تا زیست اپنی تمام تر کاوشوں کو پیر خانے کی خدمت اور سلسلہ عالیہ کی توسیع و ترقی کے لئے بروئے کار لاتے رہے۔

آپ نہایت نیک، متقی، متواضع، مہمان نواز اور فراخدل بزرگ تھے۔ اپنے والد ماجد کے اکلوتے فرزند تھے یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرتِ امیر ملّت

قدس سرّہٗ کے خلیفۂ اول اور آپ خلیفۂ آخر تھے۔

آپ کی وفات حسرتِ آیات ۱۰/ جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۰/فروری ۱۹۸۶ء بروز جمعرات بوقت گیارہ بجے قبل از دوپہر دروازہ پتواں والا قصور میں ہوئی۔ اگلے روز جمعۃ المبارک صبح نو بجے عیدگاہ میں ولئی کامل حافظ محمد اکبر نقشبندی جماعتیؒ نے تین ہزار کے اجتماع میں نماز جنازہ پڑھائی اور بڑے قبرستان نزد مدینہ مسجد کوٹ غلام محمد خاں قصور (منیر شہید روڈ) میں آخری آرامگاہ بنی۔ جس پر اب پختہ عالی شان مزار تعمیر ہو چکا ہے۔

دو صاحبزادے محمد اختر مرحوم اور محمد اقبال انور یادگار چھوڑے۔

حضرت صابرؔ براری ثم کراچویؒ نے یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا ؎

"طالبِ معبود حافظ نور احمد جماعتی"

۱۹۸۶ء

ہوگیا سُنسان نوری میکدہ ‌ ‌ اُس پہ طاری ہے فضائے درد و غم

غمزدہ ہیں اہلِ سلسلہ ‌ ‌ ہے ہر ایک اہل وطن کی آنکھ نم

تھی بزرگی ان کو حاصل خلق میں ‌ ‌ تھا یہ سرکارِ جماعتؒ کا کرم

تھے یہ مُرشد کے خلیفہ آخری ‌ ‌ خضرِ راہِ حق تھا اُن کا ہر قدم

فکر ہے صابرؔ اگر تاریخ کی

کہیے "حافظ نور احمد محترم"

۱۹۸۶ء

ماخذ

(۱) "سیرتِ امیر ملت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۰۷۔

(۲) "تاریخ رفتگاں" جلد سوم از حضرت صابرؔ براری مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۳۔

(۳) روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۲۲/فروری ۱۹۸۶ء۔

سیّد ولی محمد بُخاری شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۱۲ء ــــــــ ۱۹۸۶ء)

الحاج پیر سیّد ولی محمد المعروف چادر والی سرکار بن پیر سیّد رحیم بخش شاہ کی ولادت ۱۹۱۲ء میں دوسین شریف نزد شاہ آباد ضلع کرنال (مشرقی پنجاب، بھارت) میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی بہت بڑے بزرگ تھے۔ نوابزادہ لیاقت علی خان (۱۸۹۵ء۔۱۹۵۱ء) کے والد نوابزادہ رستم علی خاں اُن کے دستِ مبارک پر بیعت تھے۔

سید ولی محمد شاہ نے میٹرک کرنے کے بعد شاہ آباد ہی کے دینی مدرسہ سے قاری نور احمد پانی پتیؒ، مولانا بدر الاسلامؒ اور پیر احمد سلامؒ سے تکمیل علوم کر کے مُسلم ہائی سکول انبالہ میں عربی ٹیچر مقرر ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ ''مخدوم صاحب والی مسجد'' شاہ آباد میں خطابت فرمانے لگے۔

آپ کے والد گرامی چشتی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ مگر آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کا شرف وفیض حاصل کیا۔ تقسیم برّصغیر کے بعد ہجرت کر کے ملتان تشریف لے آئے اور بوہڑ گیٹ میں واقع ایک مکان میں قیام پذیر ہوگئے۔ ۱۱/مئی ۱۹۵۱ء کو بموقعہ سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ پاکستان علی پور سیّداں، حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے شرف خلافت سے نوازا اور سلسلہ عالیہ کی تبلیغ وترویج کی ہدایت فرمائی۔

آپ نے پیر ومُرشد کی رہنمائی میں تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور حضرت قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسلم لیگ کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے ہر ممکن سعی وجہد کی۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی ''تحریکِ ختم نبوّت'' میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء میں تحریک ''نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' چلی تو بھی مقدور بھر خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد ضُعف وعلالت کی وجہ سے سیاست سے کنارہ کش ہوگئے البتہ عالم اسلام کے اتحاد، پاکستان کی سلامتی وخوشحالی اور قومی یکجہتی اور شیرازہ بندی کے لئے دعا گو رہے۔

آپ نہایت متقی، صالح، مہمان نواز، حلیم طبع، سادہ مزاج، سادہ لباس، بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ لاتعداد لوگوں کو سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ بہت سیف زبان تھے۔ دسترخوان کافی وسیع تھا۔ سخاوت کا شہرہ ملتان میں ہر شخص کی زبان پر تھا۔ رات کا بیشتر حصہ

عبادت الٰہی میں گزرتا تھا۔ طبیعت میں عجز و نیاز، انکسار، حلم بدرجہ ءکمال پایا جاتا تھا۔ گرمی ہو یا سردی، رات دن کھدر کی چادر سر اور تمام جسم پر اوڑھے رہتے تھے۔ اسی نسبت سے ”چادر والی سرکار“ اور ”چادر والے پیر“ کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔

آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب آپ مریض مریدوں کی عیادت کو جاتے تو ان کے لیئے دعا کیساتھ مالی امداد بھی فرماتے۔ نذرانوں کی آمدنی کا کثیر حصہ نادار، بیمار اور حاجتمند لوگوں پر خرچ کرتے۔ مہمانوں کو کھلا کر خوش ہوتے۔ آپ کے مکان کو عقیدت مند ”کوٹھی مکّی مدنی“ کے نام سے پکارتے تھے۔ تازیست حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے اس ارشاد گرامی کو حرز جاں بنائے رکھا:۔

”دنیا پیٹھ موڑ کر جارہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار کرنے والے لوگ موجود ہیں، آخرت اختیار کرنے والے بنو، دنیا کے چاہنے والے نہ بنو۔“

”چادر“ میں مگن اپنی رہتا تھا وہ دیوانہ
سامان گدایانہ، انداز تھا شاہانہ

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۳/ جولائی ۱۹۸۶ء مطابق ۱۵/ ۱۴۰۶ھ بروز بدھ صبح ۸ بجے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال ملتان میں ہوئی۔ اور حسن پروانہ کالونی میں آخری آرامگاہ بنی جو مرجع خاص و عام ہے۔

سیّد عارف محمود مہجورؔ رضوی گجراتی نے یہ تاریخ وفات کہی ؎

پیر زماں ولی محمد ہمچو زمرّد پاک خصلت
سالِ رحلتش گفتم مہجورؔ ”وائے بمرد پاک خصلت“
۱۴۰۶ھ

حضرت صابرؔ براری ثم کراچویؒ نے بھی قطعہ تاریخ وصال کہا ؎

(۱)

”زاہدِ زماں پیر سیّد ولی محمد شاہ صاحب جماعتی نقشبندی“
۱۹۸۶ء

افسوس ہو گئے ہیں نظروں سے سب کی اوجھل — وہ عاملِ شریعت وہ حاملِ طریقت
ہیں اُن کے معتقد سب غمگین و آبدیدہ — حاصل نہیں کسی کو ایک پل سکون و راحت
جاری تھا دورِ جام صہبائے نقشبندی — تھے بالیقیں یہ میر خمخانۂ جماعت
اہلِ نظر نے دیکھا اہلِ نظر نے سمجھا — حاصل تھا رب سے اُن کو جو رُتبہ ولایت
دینِ خدا کے طالب پاتے تھے فیض اُن سے — تھا اُن کا آستانہ سرچشمۂ ہدایت
ملتان ہی نہیں اک، ہر سمت تھے ہویدا — اُن کا خلوص اُن کی فیاضی وسخاوت

آئی صدائے ہاتف تاریخ کہیئے صابر
''سیّد ولی محمد شیریں مقال جنت''
۱۴۰۶ھ

(۲)

''گرامی قدر پیر سیّد ولی محمد شاہ صاحب''
۱۴۰۶ھ

کر گئے کوچ بزمِ ہستی سے — وہ جو مَست ولائے احمد تھے
وہ خلیفہ امیر ملّت کے — جلوہ زا اُن کی زیبِ مَسند تھے
ایک عالم کو فیض پہنچایا — ایک عالِم کے پیرِ اَسعد تھے

سالِ رحلت ہے اُن کا اے صابر
''بُرجِ رحمت ولی محمد تھے''
۱۴۰۶ھ

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۴۲۷ تا ۴۳۷۔
(۲) ''تذکرہ شاہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۷
(۳) ''پنج گنج قصوری'' از محمد اویس خاں غوری مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء ص ۷۹۔
(۴) ''تاریخ رفتگاں'' جلد دوم از صابر براری مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء ص ۱۰۲ء
(۵) ''وفیات مشاہیر پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۹۰ء ص ۳۱۰۔

(۶) ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور بابت اگست ۱۹۹۳ء ص ۸۵ تا ۹۱، ۷۷۔

(۷) روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۲۴۔ جولائی ۱۹۸۶ء

(۸) روزنامہ ''جنگ'' لاہور بابت ۲۴۔ جولائی ۱۹۸۶ء

(۹) مکتوب گرامی جناب خواجہ عبدالکریم قاصف ایڈووکیٹ از ملتان بنام محمد صادق قصوری محرّرہ ۱۲۔ جنوری ۱۹۷۷ء۔

(۱۰) ''کراماتِ چادر والی سرکار'' از غضنفر علی چوہدری مطبوعہ ملتان ۱۹۸۷ء ص ۱۳ تا ۱۶۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد حیدر حسین علی پوری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۹۱۸ء ــــــــــــــــ ۱۹۸۶ء)

معین الملّت حضرت پیر سیّد حیدر حسین بن سیّد اولاد حسین شاہ (ف ۱۹۸۳ء) بن سیّد صادق علی شاہ (۱۸۷۴ء ۔ ۱۹۲۴ء) بن سیّد کریم شاہ (۱۷۷۷ء ۔ ۱۹۰۲ء) کی ولادت باسعادت ۷/ مئی ۱۹۱۸ء / ۲۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ بروز منگل علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ میں ہوئی۔ ''صاحب دربارِ عظمت'' مادۂ تاریخِ ولادت ہے جس سے ۱۹۱۸ء کا سال برآمد ہوتا ہے۔ آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی اکلوتی صاحبزادی حضرتِ سیّدہ بنتِ رسول عرف بو جی صاحبہ (۱۸۹۴ء ۔ ۱۹۶۲ء) کے صاحبزادے تھے۔

آپ شکل وصورت میں اپنے نانا حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آپ سے بہت پیار کرتے تھے۔ آپ نے مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف سے حفظِ قرآن کے بعد جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے بعد سندِ فراغت حاصل کی۔ ابتداء ہی سے پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سُنّت پر سختی سے کاربند تھے۔ تقویٰ، پرہیزگاری، دریادلی، پاکیزگی اور خوش اخلاقی آپ کے اوصاف حسنہ کی بنیادی اور امتیازی صفات تھیں۔ سخاوت اور دریادلی میں بے مثال تھے۔ آپ نے کئی مساجد

اور مدارس کا اجراء فرمایا جن میں ''جامع مسجد شاہ جماعت'' و ''دار العلوم شاہِ جماعت'' محلّہ جماعت پورہ نزد ریلوے سٹیشن قصور اور ''جامع مسجد شاہ جماعت'' و ''جامعہ جماعتیہ حیدریہ'' نارووال قابل ذکر ہیں۔

آپ نے اپنے نانا جان حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ حق پر بیعت کر کے خلعتِ خلافت حاصل کی تھی۔ ۱۶/ مارچ ۱۹۵۳ء کو چورہ شریف میں حضرت الحاج پیر محمد شفیع فاروقی چوراہیؒ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۶ء) نے بھی آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے سعادتِ بیعت حاصل کی۔ آپ کو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ نے تقریباً ۲۸ مرتبہ زیارتِ بیت اللہ شریف وحاضریٔ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت حاصل کی۔

دینِ متین کی تبلیغ سے آپ کو کامل دلچسپی تھی۔ شروع ہی سے آپ دین کی تبلیغ کے لئے طویل سفر فرماتے رہتے تھے۔ پاکستان کے علاوہ حیدر آباد دکن، میسوُر، بنگلور، مدراس، بمبئی اور جنوبی ہند کے علاقے آپ سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ۲۹/ دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ بروز پیر بوقتِ صبح صادق آپ نے رحلت فرمائی اور روضۂ امیر ملّت قدس سرّہٗ کے ملحقہ حجرہ میں آخری آرامگاہ بنی۔

بہت سے شعرائے کرام نے ''قطعاتِ تاریخ وفات'' کہے۔ بخوفِ طوالت صرف راقم الحروف محمد صادق قصوری کا قطعہ درج ذیل ہے:۔

''مجموعۂ مکارم پیر سیّد حیدؔ حسین شاہ''
۱۴۰۷ھ

وہ نواسے امیر ملّتؒ کے — چل دیئے آہ سوئے مُلکِ عدم
یوں بظاہر تو وہ جلالی تھے — تھے مگر سب کے مونس وہمدم
تھے مخیّر بھی اس قدر حضرت — عام تھے اُن کے لُطف وجودوکرم
کر گئے وہ بلند دنیا میں — اپنے نانا کے دین کا پرچم
سالِ رحلت ہے اُن کا یہ صادقؔ

''پیر حیدر شہابِ باغِ اِرم''

---۱۹۸۶ء---

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۶۹۸۔

(۲) ''تذکرہ اولیاء علی پور سیّداں'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں (قصور) ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۲ تا ۱۱۵۔

(۳) ''تاریخِ مشائخ نقشبند'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۲۰۰۲ء ص ۵۲۳۔

/☆/☆/☆/☆/

(۱۹۰۴ء-------۱۹۸۷ء)

حضرت حافظ محمد عبدالحمید خاں بن دل محمد خاں کی ولادت ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ مطابق ۲۴/نومبر ۱۹۰۴ء بروز جمعرات موضع رُوپوچک تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ کے ایک راجپوت گھرانے میں ہوئی۔ والد گرامی اپنی شرافت، دیانت اور پرہیز گاری کی بدولت اپنے گاؤں میں نہایت عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے۔

۱۹۱۱ء میں آپ نے اسلامیہ ہائی سکول ظفر وال میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۴ء میں حفظِ قرآن کے بعد مڈل کا امتحان نہایت اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا۔ ۱۹۱۵ء میں مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں میں داخل ہو کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بیعت کی۔ ۱۹۱۷ء میں مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ لے کر مولانا عبدالمجید (فاضل علی پور شریف) سے عربی، فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۱۸ء میں لاہور آ کر مولانا ابو احمد سے اکتسابِ علم کیا۔ ۱۹۱۹ء میں مدرسہ رحیمیہ انارکلی (نیلا گنبد) لاہور میں آ کر درجۂ اوسط کی کتابیں پڑھیں۔ ۲۲-۱۹۲۱ء میں مولانا محمد بشیر الصدیقی (سیال کوٹ) سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کی کتب مکمل کیں۔ ۱۹۲۶ء میں علی پور شریف میں حضرت سراج الملّت سیّد

محمد حسینؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کر کے دورۂ حدیث کی سند حاصل کی۔ ۱۹۳۱ء میں روڈس ضلع سیالکوٹ جا کر حکیم غلام نبی بانی شفاخانہ سعیدیہ یونانی سے طب وحکمت کی گتھیاں سُلجھانے کے بعد سند حاصل کی۔

فتنۂ ارتداد (۱۹۲۲ء) کے زمانے میں آپ نے حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے حکم پر آگرہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر کے اطراف واکناف میں ہزاروں مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا اور تقریباً گیارہ سو کافروں کو دامنِ اسلام سے وابستہ کیا۔ کئی ایک پنڈتوں سے مناظرہ کا بازار گرم ہوا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کامیابی اور کامرانی نے آپ کے قدم چومے۔ آپ نے ایٹہ، فرخ آباد اور دیگر بہت سے مقامات پر ۱۹۲۴ء تک اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے شب وروز کام کیا۔ تحریر وتقریر کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ کئی ایک مدرسے قائم کر کے لوگوں کو حُبِّ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا۔ آپ کی اِن گرانقدر خدمات سے خوش ہو کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے ۱۹۲۶ء میں خلعتِ خلافت سے نواز دیا تھا۔

اسی سال چونڈہ ضلع سیال کوٹ میں خطیب مقرّر ہوئے اور انجمن تبلیغ الاسلام کی بنیاد رکھی جس کے ذریعے کئی ہندو کنبے (قوم بٹوال) مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں موضع جھٹکی میں حضرت سیّد فتح علی شہباز سجادہ نشین دربار عالیہ غوثیہ منڈیر سیّداں ضلع سیال کوٹ نے مدرسہ جاری فرمایا اور آپ اُس کے ناظم مقرّر ہوئے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کر کے کئی حافظ پیدا کئے۔ سیّد صاحب نے آپ کو بہت سے وظائف کی اجازت بخشی۔ آپ کی معیّت میں دوبار جموّں وکشمیر، لکھنؤ، الہ آباد، بھوپال، حیدآباد دکن اور کئی ایک دوسرے علاقوں کے تبلیغی دورے کئے۔ جموّں وکشمیر کا دورہ مسلسل دو تین ماہ تک جاری رہا اور بے شمار گمگشتگانِ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔

۱۹۳۳ء میں موضع کھیالی ضلع گوجرانوالہ میں مولانا محمد مسعود الہڑوی (۔۔۔۔ء۔ ۔۔۔۱۹ء) کے توسط سے ایک درسگاہ قائم کی جس سے بے شمار لوگوں نے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی، کئی بار محافل میلاد منعقد ہوئیں اور لوگوں میں اسلام کا شوق اور شعور پیدا ہوا

اور مسلمانوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ اُبھرا۔

۱۹۳۵ء میں پیر ومُرشد کی قدمبوسی کے لئے علی پور شریف حاضر ہوئے تو حضرت امیر ملت قدس سرہٗ نے کلاس والا نزد پسرور ضلع سیال کوٹ میں برائے تبلیغ بھیج دیا اور چند ماہ میں ہی وہاں ''انجمن خدام الصوفیہ'' کی شاخ قائم کر کے جلسہ کروایا جس میں حضرت اقدس امیر ملت قدس سرہٗ نے بنفسِ نفیس شرکت کی۔ اس دور میں نوشہرہ، پسرُور اور گردونواح میں تبلیغ کا بازار خوب گرم رہا۔ ۱۹۳۷ء میں اپنے گاؤں رُوپو چک میں مدرسہ اور ''انجمن خدام الصوفیہ'' کی بنیاد رکھی۔ جس کے صدر چوہدری قاسم خاں ذیلدار ورئیس اعظم مقرر ہوئے اور سینکڑوں طلباء نے اکتساب علم کیا۔

۱۹۳۷ء میں ہی فوج میں بطور امام وخطیب بھرتی ہوگئے۔ ۳۱/ جولائی ۱۹۳۷ء کو براہِ بنوں، میر علی کیمپ پہنچے اور ۱۹۳۸ء میں میر علی کیمپ کے علاوہ بنوں چھاؤنی میں قیام رہا۔ اس کے بعد پلٹن حیدر آباد سندھ آگئی۔ ۱۹۴۰ء میں یہ رجمنٹ کوئٹہ چھاؤنی اور ۱۹۴۱ء میں محاذ جنگ پر چلی گئی اور ۱۹۴۲ء میں احمد آباد اور پھر انبالہ میں۔ ۱۹۴۷ء میں فوج کی ملازمت کے دوران ہی حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دُنیا کے نقشے پر اُبھرا تو پنجاب رجمنٹ سیال کوٹ چھاؤنی آئی، پھر کیمبل پور (حال اٹک چھاؤنی) چلی گئی۔ کیمبل پور قیام کے دوران آپ نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ جماعتیہ کی ترویج وترقی کے لئے بہت کام کیا۔ ۱۱/ مئی ۱۹۵۱ء کو سالانہ جلسہ علی پور شریف کے موقعہ پر دوبارہ دستارِ خلافت سے نوازے گئے۔

فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد ظفر وال ضلع سیال کوٹ کو مستقل مسکن بنالیا۔ دینِ حقہ کی خدمت کے لئے ایک درسگاہ قائم کی اور سلسلہ عالیہ کی ترقی ودرسِ قرآن حکیم کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔

گونا گوں مصروفیات کے باوجود آپ نے تحریری کام بھی کیا۔ ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیال کوٹ وقصور میں مضامین لکھتے رہتے۔ (۱) ''انوار شریعت'' کے نام سے نماز ودیگر مسائل دینیہ پر نہایت عمدہ کتاب لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ (۲) بنتِ رسول (صلی اللہ علیہ

وسلم)اور(۳)حیاتِ سرورکائنات(صلی اللہ علیہ وسلم)منتظرِ طبع ہیں۔

آپ کی رحلت ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مطابق ۹/مئی ۱۹۸۷ء بروز ہفتہ ہوئی اور ظفروال میں ہی آخری آرامگاہ بنی۔ حضرت صابرؔ براری ثم کراچویؒ (۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء) نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا ؎

"گنجِ حکمت خلیفۂ امیرِ ملّت"

۱۹۸۷ء

"زبدۂ جہاں حافظ عبدالحمید خان صاحب"

۱۹۸۷ء

افسوس چل بسے ہیں وہ ظفروال کے بزرگ — تھی جن کی ذات باعثِ تسکینِ قلب وجاں

حافظ بھی تھے وہ عالمِ دیں بھی خطیب بھی — اُن کی ہر اک کتاب حسین حق کی ترجماں

تھے آپ شیخِ سلسلۂ نقشبندیہ — چشمے ہیں اُن کے فیض کے چاروں طرف رواں

وہ اپنے شیخ شاہِ جماعت کے فیض سے — تھے معرفت کے علم میں ایک بحرِ بیکراں

صابرؔ سنِ وصال ملا ہے یہ غیب سے — "خُلدِ بریں میں ہیں نہاں عبدالحمید خاں"

۱۹۸۷ء

ماخذ

(۱) سیرتِ امیرِ ملّت" مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء، ص ۲۰۲، ۷۴۴۔

(۲) "تذکرہ شہ جماعت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۷۷۔

(۳) مکتوبِ گرامی حضرت صابرؔ براریؒ بنام مؤلف محررّہ از کراچی ۳۰/ اپریل ۱۹۸۸ء۔

(۴) مکتوب گرامی چوہدری بشیر احمد فیلڈ اسسٹنٹ محکمہ زراعت مراڑہ تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ بنام محمد صادق قصوری محررّہ یکم/ جون ۱۹۸۸ء۔

(۵) مکتوبِ گرامی حافظ محمد رفیق جماعتی بنام محمد صادق قصوری محررّہ از علی پور سیّداں موصولہ ۵/مئی ۱۹۸۸ء۔

(۶) ماہنامہ "لمعات الصوفیہ" سیال کوٹ بابت مئی ۱۹۵۱ء، ٹائٹل ص آخر۔

(۷) "آپ بیتی" از چوہدری نور احمد مقبول مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء۔ ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر محمد یونس خاں آفریدی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۲ء ـــــــــــــــ ۱۹۸۸ء)

حضرت محمد یونس خاں آفریدی بن الحاج محمد اسمٰعیل خاں آفریدی (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۵۵ء) کی ولادت ۱۴/ دسمبر ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳/ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ بروز اتوار ۲ بجے دن فیروز آباد ضلع آگرہ (یوپی، بھارت) میں ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں سینٹ جانس ہائی سکول آگرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بطور پرائیویٹ امیدوار ایف اے اور ۱۹۲۸ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۲۹ء میں ایم اے فارسی اور ۱۹۳۴ء میں ایم اے جغرافیہ پاس کیا۔ ۱۹۳۷ء میں آگرہ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان بھی سیکنڈ ڈویژن میں پاس کرلیا۔

اکتوبر ۱۹۲۹ء میں سرکاری ملازمت شروع کی اور مئی ۱۹۶۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ اس دوران دہلی، آگرہ، بریلی، گورکھپور، الٰہ آباد، لاہور، بھکّر و دیگر مقامات میں مختلف محکموں میں مختلف آسامیوں پر فائز رہے۔ اس کے بعد تادمِ آخر لاہور میں وکالت کرتے رہے۔

نومبر ۱۹۲۴ء میں جب آگرہ میں ایف اے کے طالب علم تھے تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ وہاں تشریف لائے۔ ایک دن بعد نماز مغرب شرفِ بیعت حاصل کیا۔ حضرت امیر ملّتؒ نے اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں دیا، چائے کی پیالی سے چند گھونٹ پی کر بقیہ آپ کو پینے کے لئے مرحمت فرمادی اور پھر اپنی دستار مبارک اپنے سر اقدس سے اُتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اجازت وخلافت سے نواز دیا۔ پھر کھانا آیا تو اپنی روٹی سے آدھی روٹی توڑ کر آپ کو عنایت فرمادی اور گاہے بگاہے ایک لقمہ بھی آپ کے منہ میں دیتے رہے۔ یوں آپ کی رُوحانی تربیت فرمائی۔

آفریدی صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ سترہ دن تک آگرہ جلوہ افروز رہے۔ صبح وشام دووقت سینکڑوں آدمی دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور چاول وآٹے کی بوریاں علی پور شریف سے برابر آتی تھیں اور صرفہ میں لائی جاتی تھیں۔ اس کے بعد کئی بار

حضرت اقدس آگرہ تشریف لاتے رہے اور علم وعرفان کے دریا بہاتے رہے۔ ایک مرتبہ ایک پیر بھائی نے شکایت کردی کہ ہر اتوار کو جو حلقۂ ذکر ہوتا ہے، آفریدی صاحب اس میں شریک نہیں ہوتے۔ حضرت نے مجھے بُلایا اور فرمایا کہ تم حلقہ میں کیوں شریک نہیں ہوتے؟ میں نے جواب دیا کہ حضرت میں ایل ایل بی میں پڑھ رہا ہوں، اس کی کلاسیں بعد مغرب ہوتی ہیں۔ میں دن میں ملازمت کرتا ہوں اور رات کو وکالت پڑھتا ہوں۔ اتوار کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہفتہ بھر کے جو کام رُکے ہوتے ہیں وہ اتوار کو کرنا ہوتے ہیں۔ اور اکثر اتوار کو عزیز واقارب کے ہاں بھی جانا ہوجاتا ہے۔ بدیں وجہ میں حلقہ میں حاضری سے قاصر رہتا ہوں۔ یہ سُن کر حضرتؒ خاموش ہوگئے۔ تیسرے دن جب حضرت آگرہ سے روانہ ہورہے تھے اور صدہا آدمی اُن کو الوداع کہنے آئے ہوئے تھے اور تمام لوگ تانگوں وغیرہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت اقدسؒ ایک کار میں تشریف فرما تھے اور اُن کے گلے میں بہت سے پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ اُس وقت حضرت کو خاکسار کی یاد آئی اور ایک شخص آواز لگاتے ہوئے آئے کہ یہاں کوئی محمد یونس خاں ہیں۔ میں نے کہا، میں ہوں۔ اُس نے کہا کہ حضرتؒ یاد فرمارہے ہیں۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا، ''تم کہاں تھے اور اپنے گلے سے تمام ہار اُتار کر میرے گلے میں ڈال کر فرمایا کہ ''یہ تمہاری نافرمانی کا انعام ہے یعنی حلقۂ ذکر میں شرکت نہ کرنے کا''۔

۱۹۴۶ء میں حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ بسلسلہ صدارت وشمولیت آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس تشریف لے جارہے تھے۔ آفریدی صاحب اُس وقت بریلی میں تھے۔ آفریدی صاحب نے سٹیشن پر پہنچ کر قدمبوسی کرکے کتنے ہی عملیات حاصل کئے۔ اور کئی عملیات جو دیگر درویشوں سے ملے تھے جن میں حزب البحر شریف کی اجازت بھی شامل تھی، اُن کی تجدیدِ اجازت حاصل کی۔ پھر ''قل ہواللہ شریف'' کی اجازت مانگی۔ اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور ارشاد کیا کہ ''تمہیں عملیات کی بڑی ہوس ہے جو بتائے ہیں انہیں تو کرلو۔

جب کبھی موقعہ ملتا آفریدی صاحب بموقعہ عرس شریف اور علاوہ ازیں بھی علی پور شریف حاضر ہوتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ایک مرتبہ عرس شریف پر حاضر ہوئے تو

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ لاہور میں حضور والا کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ لاہور میں ہم نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے کیوں کیا بات ہے؟ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ آگرہ میں ہر اتوار کو حلقۂ ذکر مولانا پروفیسر عابد حسن فریدیؒ (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۵ء) کے ہاں ہوتا تھا اور سب پیر بھائی ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے۔ لاہور میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اگر لاہور میں بھی انتظام ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ حضرت والا تبار نے فرمایا کہ یہ بات منظور ہے، تم کہاں چاہتے ہو کہ یہ حلقہ ہوا کرے۔ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ حکیم مبارک احمدؒ (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۰ء) کے یہاں کوچہ فقیر خانہ میں۔ حضرتؒ نے ارشاد کیا کہ منظور ہے۔ اُسی وقت حکیم مبارک احمدؒ کو طلب کر کے فرمایا کہ آئندہ سے حلقۂ ذکر تمہارے یہاں ہوا کرے گا اور تم ہی حلقہ کرانا۔

۱۹۴۹ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ آخری حج سے واپسی پر حکیم مبارک احمدؒ کے ہاں کوچہ فقیر خانہ میں قیام فرماتے تھے اور تین چار یوم تک جلوہ افروزی فرمائی۔ آفریدی صاحب روزانہ راج گڑھ چوبرجی سے کوچہ فقیر خانہ جا کر تہجدّ کی نماز حضرت اقدسؒ کی اقتداء میں پڑھتے تھے۔ اُس وقت حضرتؒ کی بینائی بالکل جاتی رہی تھی۔ ایک روز، بعد نماز تہجدّ حضرتؒ نے فرمایا کہ کیا محمد یونس خاں یہاں موجود ہے۔ آفریدی صاحب نے عرض کیا کہ خادم حاضر ہے۔ فرمایا کہ ایک دفعہ تم نے ''قل ھواللہ شریف'' کے عمل کی اجازت مانگی تھی، ''آج تم کو اجازت دیتا ہو، کہو قبول کی''۔ پھر فرمایا کہ محمد یونس خاں کے طفیل جتنے یہاں حاضرین ہیں، میں نے اب سب کو ''قل ھواللہ شریف'' کے عمل کی اجازت دی۔ اور پھر دوسرے موقعہ پر ختم معصومیہ کی اجازت فرمائی۔

آفریدی صاحب کے علاوہ اُن کے والدین، اہلیہ محترمہ اور ہر دو برادران محمد یعقوب خان آفریدی برادرِ بزرگ اور برادر اصغر ڈاکٹر ایم اے شکیل بھی حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے بیعت تھے اور یوں یہ گھرانہ ''نور علی نور'' ہو گیا تھا۔

آفریدی صاحب علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔ آپ دینی مسائل ایسے دلنشیں انداز اور سائنس کی رُو سے بیان فرماتے کہ انسان اُنہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُن کی

گفتگونکھری ہوئی اور بڑی لطیف ہوتی تھی۔ بھاری بھرکم بات کو ہلکے پھلکے انداز میں بیان کرنے کا اسلوب حاصل تھا۔ جمالی طرز کے باغ و بہار انسان تھے۔ گفتگو قرآن وحدیث اور اقوالِ صالحین سے مرصّع ہوتی تھی۔ آپ کی فصاحت وبلاغت اور بیان میں ساحری اور زبان میں دلیری تھی۔ باضمیر اور غیّور انسان تھے۔ آپ نے اپنا فیضان قریہ بہ قریہ اور کوبہ کو پہنچایا۔

مندرجہ ذیل کتابیں آپ کے قلم گوہر بار سے نکلیں۔ مجمع البحرین دوجلد، پیام عمل، ذکر الٰہی ، NEW THEORY OF SOLAR SYSTEM کے علاوہ قرآن پاک کی تفسیر تحریر کر رہے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۔شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۸۸ء بروز جمعتہ المبارک بوقت عصر ہوئی اور قبرستان میانی صاحب فصیح روڈ (نزد چوبرجی) لاہور آخری آرامگاہ بنی۔

حضرت یونس آفریدیؒ نابغہ روزگار علم وفضل جن کا دنیا کے لیئے اک یادگار
الغرض خادم کی یہ مختصر تعریف وتوصیف متقی ، عابد، نمازی، شب زندہ دار

---------------ماخذ---------------

(۱)''مجمع البحرین'' جلد دوم از محمد یونس خاں آفریدی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۹۰ تا ۹۷، ۱۶۰ تا ۱۶۸، ۲۵۵ تا ۲۵۶ ودیگر صفحات۔

(۲) ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور بابت ماہ مئی ۱۹۸۸ء ص ۴۱ تا ۴۶۔

(۳) روزنامہ ''مشرق'' لاہور بابت ۶۔اکتوبر ۱۹۸۸ء

(۴) مکتوب گرامی خالد جمال پاشا پسر حقیقی حضرت آفریدیؒ بنام محمد صادق قصوری محررہ از لاہور مورخہ ۳۔دسمبر ۱۹۸۸ء۔

(۵) ''وفیات اعیان پاکستان'' از پروفیسر محمد اسلم مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء ص ۸۸۔

/☆/☆/☆/☆/

حکیم مبارک احمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۱۰ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۹۰ء)

حکیم مبارک احمد بن الحاج حکیم شیخ رسول بخش نقشبندی جماعتی (ف ۱۹۳۰ء) بن حاجی کرم بخش بن حاجی امام بخش جنوری ۱۹۱۰ء میں چوک لوہاری منڈی لاہور میں پیدا ہوئے ۔۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۹ء میں طبیہ کالج لاہور میں داخلہ لے کر ''حکیم حاذق'' کا کورس پاس کیا۔ پھر طبیہ کالج کرول باغ دہلی سے ''عمدۃ الحکماء'' کی سند حاصل کی۔ دو سال بمبئی یونیورسٹی میں ملازمت کرنے کے بعد سرجیکل وارڈ میو ہسپتال لاہور میں آ گئے اور اپنی طبّی مہارت کا لوہا منوایا۔ میو ہسپتال لاہور میں انہیں ڈاکٹر محمد یوسف مرید باصفا حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ (۱۸۶۵ء۔۱۹۲۸ء) کے ماتحت کام کرنے کا موقعہ ملا۔

حکیم مبارک احمد آٹھ سال کی عمر میں پہلی دفعہ اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور یہ حاضری مستقل طور پر حرز جان بن گئی۔۱۹۲۴ء میں حضرت امیر ملّت نور اللہ مرقدہٗ کے دستِ حق پرست پر سعادتِ بیعت حاصل کی اور پھر تا زیست حق غلامی ادا کرتے رہے۔

۱۹۳۲ء میں پہلی دفعہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے قدموں کے ساتھ تبلیغی سفر پر گئے اور پھر بارہا حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہے اور کشمیر، بمبئی، حیدر آباد دکن، انبالہ اور فیروز پور وغیرہ شہروں کے دوروں میں ساتھ رہ کر روحانی استفادہ کیا۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، ان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مدینہ شریف سے ان کے لیئے پگڑی مبارک اور ان کی بیوی کے کپڑے لا کر عنایت فرمائے۔ لاہور میں اکثر و بیشتر حضرت امیر ملّتؒ کا قیام، حکیم صاحب کی رہائش گاہ کوچہ فقیر خانہ اندرون بھاٹی گیٹ میں ہی ہوتا تھا۔ سالانہ عرس کے موقعہ پر حکیم صاحب بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ قافلہ لے کر علی پور شریف حاضر ہوتے تھے اور ایک ادنیٰ خادم کی

حیثیت سے انتظامی امور میں شریک رہتے۔

۱۹۴۰ء میں حضرت سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہ علی پوریؒ (۱۸۷۸ء۔ ۱۹۶۱ء) نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔ مشہور تھا کہ حضرت امیر ملت قدس سرّہ، نے بھی انہیں خلافت عظمیٰ سے نواز رکھا تھا مگر ''سیرت امیر ملّت'' یا کسی اور ذریعہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔ البتہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے ایک خلیفہ محمد یونس خان آفریدیؒ (۱۹۰۲ء۔ ۱۹۸۸ء) نے اپنی کتاب ''مجمع البحرین'' جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۹۴ پر ان کی خلافت کا ذکر کیا ہے، جس کی تمام تر ذمہ داری آفریدی صاحبؒ پر عائد ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> ''قیام پاکستان کے بعد ایک مرتبہ عرس کے موقعہ پر میں حضرت (حضرت امیر ملّتؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضور، لاہور میں حضور کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ حضور نے جواب دیا کہ لاہور میں، میں نے کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے، کیوں کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آگرہ میں تو مولانا فریدی صاحب (پروفیسر عابد حسن فریدیؒ) کے ہاں ہر اتوار کو حلقہ ہوتا تھا اور سب پیر بھائی ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے، لاہور میں ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اگر لاہور میں بھی ایسا انتظام ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات منظور ہے۔ تم کہاں چاہتے ہو کہ یہ حلقہ ہوا کرے۔ میں نے جواب دیا کہ حکیم مبارک صاحب کے یہاں۔ آپ نے فرمایا، منظور ہے۔ یہ کہہ کر حکیم مبارک احمد صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آئندہ سے حلقہ تمہارے یہاں ہوا کرے گا اور تم ہی حلقہ کرانا۔ چنانچہ اس وقت سے لاہور میں حلقہ ان کے یہاں ہوتا ہے اور کچھ سال بعد پھر ان کو حضور نے خلافت بھی عطا فرما دی۔''

۱۹۵۱ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی رحلت ہوئی تو حکیم صاحب غم سے

چور ہو گئے اور صحت گرنے لگی ۔ پھر ۱۹۶۱ء میں حضرت سراج الملّتؒ سجادہ نشین اوّل (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) کا سانحہء ارتحال ہوا تو نڈھال ہو گئے ۔ ۱۹۷۸ء میں شمس الملّت پیر سیّد نور حسین شاہؒ (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۸ء) سجادہ نشین دوم اور ۱۹۸۰ء میں جوہر ملّت سیّد اختر حسین شاہؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) سجادہ نشین سوم کی وفات نے تو انہیں نیم مردہ کر دیا۔ رو رو کر بینائی کمزور ہو گئی اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔

۱۶۔ شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ ۔ ۱۲ مئی ۱۹۹۰ء بروز ہفتہ حکیم صاحب نے لاہور میں رحلت فرمائی اور ۱۳۔ مئی کو جنازہ علی پور شریف لے جایا گیا اور روضہء امیر ملّتؒ سے ملحقہ قبرستان میں آخری آرامگاہ بنی۔

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء متعدد صفحات۔
(۲) ''حضرت سراج الملّت اور ان کے خلفاء'' از محمد صادق قصوری ۱۹۹۴ء ص ۵۶ تا ۵۷۔
(۳) انٹرویو حکیم مبارک احمد در علی پور سیّداں مورخہ ۲۳۔ دسمبر ۱۹۸۸ء۔
(۴) ''مجمع البحرین'' جلد دوم از محمد یونس خان آفریدی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۹۴۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد عالم میر پوری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۸۹۶ء ـــــــــــ ۱۹۹۰ء)

مولانا محمد عالم ولد مولوی علم الدین کی ولادت ۱۸۹۶ء میں ضلع میر پور (آزاد کشمیر) کے ایک دور افتادہ گاؤں موضع ٹھیکریاں میں ہوئی۔ والد گرامی جامع مسجد کے امام تھے۔ ابھی آپ چالیس یوم کے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ چار پانچ سال بعد آپ کی والدہ ماجدہ نے حضرت مولانا محمد عبداللہ لدڑ شریف میر پور (آزاد کشمیر) سے عقد ثانی کر لیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت لدڑوی رحمتہ اللہ علیہ کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ ابتدائی

دینی تعلیم کے لیئے مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں میں داخل ہو کر اکتساب علم کیا۔ پھر دار العلوم نعمانیہ لاہور، ہری پور ہزارہ، مکھڈ شریف ضلع اٹک وغیرہ جیسے علمی مراکز میں استفادہ کرتے رہے۔ پھر تشنگیٔ علم کشاں کشاں برصغیر کی مشہور و معروف بزرگ شخصیت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی ؒ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء) کی خدمت میں لے گئی اور "جامعہ نعیمیہ مراد آباد" (یوپی بھارت) سے علم حدیث پڑھنے کے بعد سند فضیلت حاصل کی۔

دار العلوم نعمانیہ لاہور میں حصول تعلیم کے دوران مسجد پٹولیاں اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں بعمر شریف بیس سال حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے دست مبارک پر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ جب شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق فروری ۱۹۲۷ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد" سے تکمیل علوم کے بعد دستار بندی ہوئی تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، اس اجلاس کی صدارت فرما رہے تھے، یہیں حضرت قدس سرّہ نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ بعد ازاں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی رحلت کے بعد ۱۹۵۱ء میں بر موقعہ چہلم شریف حضرت سراج الملّت پیر سیّد محمد حسین شاہ علی پوری ؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) نے بھی خلافت عظمیٰ سے نوازا۔

حصول خلافت و دستار بندی کے بعد میر پور (آزاد کشمیر) میں مقیم ہو گئے اور اپنے آپ کو مذہبی خدمات کے لیئے وقف کر دیا۔ عوام کی روحانی تربیّت کے لیئے گاہے بگاہے جلسے کرواتے رہے جن میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کے علاوہ حضرت سراج الملّت پیر سیّد حافظ محمد حسین علی پوری ؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء)، مولانا امام الدین رائے پوری (۱۸۶۷ء۔۱۹۵۲ء) اور دیگر علمائے کرام بھی شرکت فرماتے رہے۔

آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، سے از حد عشق اور عقیدت و محبت تھی۔ آپ نے عرصہ تک حضرت قدس سرّہ کی خدمت بابرکت میں رہنے کا شرف حاصل کیا اور سفر و حضر میں بڑی مستعدی سے خدمات انجام دیں۔ حضرت بھی آپ پر بڑا لطف و کرم فرماتے تھے۔ آپ کئی بار حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور تین مرتبہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، کی معیّت خاص میں اس مبارک سفر کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء بمبئی کے قریب بھوساول کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور پھر ۱۹۴۲ء میں پیرومرشد کے حکم پر چک نمبر ۵ جنوبی بھلوال ضلع سرگودھا میں تشریف لے آئے اور علم وعرفان کی نہریں بہانے لگے۔ اسی سال قائد ملّت چوہدری غلام عباسؒ (۱۹۰۴ء۔۱۹۶۷ء) نے میرپور میں ایک جلسہ کرایا جس کی صدارت کا قرعہ آپ کے نام پر پڑا۔ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ حکومت وقت نے اس صورت حال سے گھبرا کر آپ کی زباں بندی کردی۔ لیکن آپ نے ڈوگرہ راج کے خلاف مقدور بھر جدوجہد کی۔

تحریک پاکستان میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہ، نے تن من دھن کی بازی لگا کر حصول آزادی کی منزل کو قریب تر کیا۔ مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی۔ کانگرس، انگریز اور یونینسٹوں کی مکروہ کوششوں کے دام فریب کو تار تار کیا۔ حضرت قدس سرّہ کے ساتھ، ان کے صاحبزادگان، خلفاء اور جملہ مریدین بھی کمربستہ ہو کر اس جہاد میں ڈٹ گئے۔ ان حالات میں مولانا محمد عالم کا اس جدوجہد سے الگ رہنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ آپ بھی مسلم لیگ کا پرچم تھامے ضلع سرگودھا میں سرگرداں رہے اور اپنی پرزور تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر کے پیرومرشد کے ارشاد کی تعمیل کی۔

۱۹۶۱ء میں آپ سجادہ نشین اوّل حضرت سراج الملّت پیر سیّد حافظ محمد حسین علی پوریؒ کے حکم پر چک نمبر ۵ بھلوال ضلع سرگودھا سے کھاریاں چھاؤنی ضلع گجرات تشریف لے گئے اور ''گیمن کمپنی'' میں خطابت کا جادو جگاتے رہے۔ یہاں آپ نے عوام سے چندہ جمع کر کے چھاؤنی میں پہلی دفعہ مسجد بنوائی جو اب ''گیمن جامع مسجد'' کے نام سے مشہور ہے۔ ''گیمن کمپنی کے چلے جانے کے بعد یہ مسجد سی ایم ایچ کے زیرانتظام آگئی اور ۱۹۷۴ء میں آپ ملازمت سے باعزت سبکدوش ہو کر پینشن یاب ہوئے۔ اس کے بعد سجادہ نشین دوم شمس الملّت پیر سیّد حافظ نور حسین شاہؒ (۱۸۹۹ء۔۱۹۷۸ء) کی خدمت میں علی پور شریف حاضر ہوئے اور انہوں نے ارشاد کیا:۔

''آپ کھاریاں ہی رہیں اللہ تعالیٰ غیب سے سامان مہیا کرے گا۔''

چنانچہ آپ تا زیست کھاریاں چھاؤنی میں ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تبلیغ و ترویج میں ہمہ تن کوشاں رہے۔

آپ کے پاس بے شمار نادر تبرکات تھے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کے اندرونی حصہ کی ''رُوئی نما خاک مبارک'' آپ کے پاس ۱۹۳۵ء سے محفوظ تھی جو ہر وقت معطر رہتی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دندان مبارک، رُومال مبارک، خاک تیمّم، نعلین مبارک، لباس مبارک (جو وصال کے وقت پہنا ہوا تھا) محفوظ تھے۔ حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ کے ناخن مبارک، موئے مبارک اور مصلّٰی مبارک بھی محفوظ تھا۔ یہ سب نادر اشیاء اب اُن کے صاحبزادے پروفیسر ڈاکٹر شریف احمد جماعتی کے پاس محفوظ ہیں۔

آپ کی رحلت ۱۵/ جون ۱۹۹۰ء مطابق ۲۱/ ذیقعد ۱۴۱۰ھ بروز جمعۃ المبارک گیارہ بجے دن ہوئی۔ اور نزد جامع مسجد نور، میر پور (آزاد کشمیر) آخری آرامگاہ بنی۔ نماز جنازہ علاقہ کی مشہور بزرگ ہستی حضرت قاضی محمد صادق صاحب مدظلہٗ کے صاحبزادہ والا تبار نے پڑھائی۔

راقم (قصوری) کی درخواست پر ملک کے مایۂ ناز نعت گو شاعر حضرت مرزا احمد صابر براری ثم کراچوی نے مندرجہ ذیل ''قطعہ تاریخ وفات'' کہا۔

''حمیدِ جہاں مولانا محمد عالم میر پوری نقشبندی جماعتی''

۱۹۹۰ء

حضرتِ شاہِ جماعت کے خلیفہ چل دیئے ۔۔۔ تھے خطیب اہلسنت واعظِ شیریں کلام

جون کی پندرہ تھی اور ذیقعد کی اکیسویں ۔۔۔ روز جمعہ زندگی کا ہوگیا ہے اختتام

تھے نہایت نیک سیرت، نیک باطن نیک دل ۔۔۔ تھا نگاہوں میں ہر اک کی اُن کا بے حد احترام

ہو عطا یارب اُنہیں جنت میں اعلیٰ مرتبہ ۔۔۔ دامنِ رحمت میں لے لیں سیّدِ خیر الانام

لکھ دوا ے صابر براری مصرعِ تاریخ تم

''خُلد میں ہیں حق بیاں مولانا عالم نیک نام''

۱۴۱۰ھ

ماخذ

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۴۳۷۔
(۲) ''حضرت امیر ملّت اور ان کے خلفا'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۳ء ص ۲۲۰ تا ۲۲۲۔
(۳) ''حضرت سراج الملّت اور اُن کے خلفاء'' از محمد صادق قصوری مطبوعہ بُرج کلاں ضلع قصور ۱۹۹۴ء ص ۶۱ تا ۶۵۔
(۴) مکتوب گرامی صاجزادہ ڈاکٹر شریف احمد بنام محمد صادق قصوری از انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد محررّہ ۲۸/جنوری ۱۹۹۱ء۔
(۵) مکتوب گرامی حضرت صابر براریؒ از کراچی بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۱۸/فروری ۱۹۹۱ء۔

/☆/☆/☆/☆/

(۱۹۱۶ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۱۹۹۲ء)

سیّد محمود شاہ بن سیّد محبوب علی شاہ (۱۸۵۷ء۔۱۹۳۷ء) کی ولادت ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں بمقام سوہلن علاقہ تناولی ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) میں ہوئی۔ سلسلۂ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان زمانۂ قدیم سے علومِ شریعت وطریقت کی تدریس وترویج کے سلسلہ میں مشہور تھا۔ آپ نے ابتداء سے تا دورۂ حدیث شریف تمام ضروری علوم وفنون اپنے والد بزرگوار اور برادرِ محترم ابو نعیم سیّد عبدالقاضی محدّث ہزارویؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۵۲ء) سے حاصل کئے۔ پھر مزید مہارت حاصل کرنے کے لئے برِّصغیر کے مشہور مدارس مثلاً لاہور، سہارنپور، دہلی، رامپور، مراد آباد وغیرہ وغیرہ تشریف لے گئے۔

علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد علومِ باطنی کے حصول کے لئے والد گرامی کی طرف

رُجوع کیا۔ اور سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ کے فیوض و برکات حاصل کئے۔ پھر اپنے برادرِ گرامی سے طریقت کے تین سلاسل کی اجازت پائی۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے ۱۹۴۲ء میں حضرت بابا فقیر محمد چوراہیؒ (۱۷۹۸ء۔۱۸۹۷ء) کے عرس مبارک اور ۱۹۴۴ء میں ''نشاط باغ، سری نگر (مقبوضہ کشمیر) میں آپ کو خلافت و اجازت سے نواز کر طریقت و معرفت میں خلیفہ بنایا۔ ۱۹۵۵ء میں مدینہ منوّرہ میں بموقعہ سفرِ حج بروز جمعۃ المبارک حضرت سیّد محمد محدّث کچھوچھویؒ (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۱ء) نے سلسلۂ عالیہ سہروردیہ کی خصوصاً اور دوسرے سلاسل کی عموماً اجازت عطا فرمائی۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہرویؒ (۱۸۳۲ء۔۱۹۲۴ء) سے بھی اجازت و خلافت تھی۔

آپ نے مذہب و ملّت کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بے شمار غیر مسلموں کو حلقۂ بگوشِ اسلام کیا۔ ہزاروں بد مذہب مثلاً شیعہ، وہابی اور دیوبندی وغیرہ کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔ آپ شروع ہی سے ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' میں منثور و منظوم نگارشات سے عوام و خواص کو مستفید و مستفیض فرماتے رہے تھے۔ تحریکِ پاکستان و تحریک کشمیر میں بھی حصہ لیا۔

آپ نے دو صد کے قریب کتابیں لکھیں۔ جو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، اخلاق، عقائد اور تصوّف پر مشتمل ہیں۔ اِن میں سے اکثر کتب زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اندرون ملک و بیرونِ ملک سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں جب حجِ بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بعض تصانیف پیش کیں۔ حضرت نے بے حد مسرّت کے ساتھ طویل تصدیقات و تقاریظ فرمائیں۔

چند کتابوں کے نام کچھ یوں ہیں:۔

(۱) جامع الخیرات (۲) احیاء الادب فی اعتبار الکفائۃ والنسب (۳) صحیفۂ تحقیقات (۴) جہاد (۵) الدّولۃ القادریہ فی حل ذبائح الاسلامیہ (۶) کتاب الذّکر (۷) حفظِ دین وایمان (۸) مقامع السّنّیہ (۹) تحقیق خیر (معمولاتِ اسلامیہ پر شکوک کا جواب) (۱۰) اربعین نبویہ (۱۱) اربعین خواتین (۱۲) السیف المسلُول (۱۳) رُوح التفاسیر (۱۴) تسہیل

الترجمہ (۱۵) تسہیل السنّیہ (علم حدیث کی مشکلات کا حل) (۱۶) زادِ محمود (۱۷) ذکرِ جمیل (فضائل صحابہ واہلبیت) (۱۸) زاد اللبیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ (شانِ رسالت پر فرقِ ضالہ کی تنقید کا رد) (۱۹) محفلِ محبوب (شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ومناقب آل واصحاب) (۲۰) یادِ حبیب (نعت) (۲۱) مطالع الانوار (۲۲) رفع التبرّا بنقص الافتراء (آل واصحاب پر تبرّے کا رد) (۲۳) موّدت اور اسلام (۲۴) مثنوی آبِ بقا (۲۵) سلامِ محمود (۲۶) نظامِ مقصود شرح سلام محمود (۲۷) نعتِ محمود (۲۸) شجرۂ ایمان (۲۹) ریاضِ جنّہ (فضائل مدینہ منوّرہ) (۳۰) تنویر القلوب (ادب وعشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خزینہ) (۳۱) فقہ الفقیہ (فقہ حنفی پر اعتراضات کا جواب) (۳۲) حدیثِ عشق (۳۳) مناقبِ صحابہ (۳۴) فضلِ عظیم (۳۵) حفظ الاحناف (۳۶) حفظ الایمان (۳۷) ملفوظِ محمود، (۳۸) مواہب النبویہ (۳۹) راہِ صفا (فارسی) (۴۰) انوارِ قادریہ (۴۱) رفیقِ محمود (۴۲) اربعینِ محمود (۴۳) الاجازہ (۴۴) خلافت ودستورِ اسلام (۴۵) عرفانِ محمود (۴۶) مناجاتِ محمود (۴۷) ردِّ پرویزیت (۴۸) آئینۂ مودودیّت (۴۹) داڑھی (۵۰) معراج النبی ﷺ (۵۱) فتویٰ ذکر جہر وغیرہ وغیرہ۔

آپ اُردو، فارسی، عربی، پشتو اور دیگر علاقائی زبانوں میں تقریر وتحریر پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ مریدین کا حلقہ پاک وہند کے علاوہ کابل، ایران، ترکی، مصر، عرب، یمن، لنکا، برما، کشمیر، چین اور دیگر بہت سے ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۵/ دسمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعۃ المبارک پانچ بجے صبح ہوئی۔ حویلیاں ضلع ہزارہ (سرحد) میں آخری آرامگاہ بنی۔

عبدالصمد صارم الازہری نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا۔

آہ وہ مردِ مجاہد اُٹھ گیا — پیر کامل شیخ زاہد اُٹھ گیا
جاگتا رہتا تھا ساری رات وہ — مردِ کامل شیخ عابد اُٹھ گیا
وہ جو فخر دین وعلم ورُشد تھا — کیا کہیں وہ مردِ ماجد اُٹھ گیا
آہ کیا کہیئے کہ کیا کھویا گیا — شاہد محمود وحامد اُٹھ گیا

وہ جو یکتا مجمعٔ اوصاف تھا — وہ جو لاکھوں میں تھا واحد اُٹھ گیا
فخرِ سادات و مُرادِ ماہمہ — ملک وملّت کا وہ قائد اُٹھ گیا
پالیا تھا جس نے سرِ کائنات — کہتے ہیں وہ مردِ واجد اُٹھ گیا
چلتے تھے نقشِ قدم پر جس کے سب — قافلہ سالار راشد اُٹھ گیا
موت نے چھوڑا نہ اس کو ہائے ہائے — مثلِ آہن جو تھا جامد اُٹھ گیا
صاحبِ کشف وکرامات وعلوم — صاحبِ اصلاحِ خالد اُٹھ گیا
وہ جو رہتا تھا سدا وقفِ جہاد — نعرہ ہی تھا جس کا جاھد اُٹھ گیا
جس کا سجدہ سجدۂ توحید تھا — آہ! ''خاص الخاص'' ساجد اُٹھ گیا

۱۴۱۳ھ

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء، ص ۷۳۹۔

(۲) ''تذکرہ علماء ومشائخ سرحد'' حصہ دوم از سیّد محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۲۶۔

(۳) ''جامع اُردو انسائیکلوپیڈیا'' جلد دوم، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۵۶۱۔

(۴) ''شخصیاتِ سرحد'' از پروفیسر محمد شفیع صابر مطبوعہ پشاور ۱۹۹۰ء۔ ص ۲۴۷۔

(۵) ماہنامہ ''خبرنامہ'' (اخبار تحریکِ خلافتِ اسلامیہ) حویلیاں، ہزارہ جنوری ۱۹۹۳ء ص ۱ تا ۳، ۸۔

(۶) روزنامہ ''سعادت'' لاہور بابت ۶/ جون ۱۹۷۵ء۔

(۷) روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور بابت ۲۸/ دسمبر ۱۹۹۲ء۔

(۸) روزنامہ ''خبریں'' لاہور بابت ۲۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء

(۹) مکتوب گرامی مولانا ظاہر میاں قادری، مدین سوات (صوبہ سرحد) بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۹/ نومبر ۱۹۷۵ء۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر افضل شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر افضل شاہ موضع درین ریاست کشمیر کے رہنے والے تھے۔ بہت ہی بزرگ اور نیک انسان تھے۔ تبلیغ اور توسیعِ سلسلہ عالیہ میں بہت کوشاں رہتے تھے۔ آپ نے سینکڑوں آدمیوں کو راہِ راست پر لگایا اور پابندِ شریعت بنایا۔ اُن کے مرید بھی بہت تھے۔ کشمیر میں مذہب اور تصوّف کی بڑی خدمت کی۔ آپ کی اولاد بھی دیندار اور صالح تھی۔ بڑے صاحبزادے تبلیغ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' از سیّد اختر حسین علی پوری / پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۶۷۔

/☆/☆/☆/☆/

حاجی اکبر خان کوہاٹی رحمۃ اللہ علیہ

کوہاٹ کے یارانِ طریقت میں اکبر خان نام کے دو بزرگ تھے۔ دونوں فوج میں ملازم تھے۔ اور دونوں صوبیدار کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ دونوں حضرات نے حج وزیارت کی عزّت وسعادت حاصل کی تھی۔ دونوں حضرات شریعت کے پابند، اپنے پیرومُرشد حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے شیدائی اور صالح تھے۔ صحیح معلوم نہیں ہوسکا کہ اِن دونوں میں سے کس کو خلافت سے نوازا گیا تھا۔

---------------ماخذ---------------

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۴۱۷۔

/☆/☆/☆/☆/

سیّد جعفر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

سیّد جعفر شاہ بخاری، بخارا (رُوس) کے رہنے والے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لئے ہندوستان آئے اور مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں میں آکر یہیں کے ہو رہے۔ حضرت سراج الملّت سیّد محمد حسین علی پوریؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) کے حضور زانوئے تلمذّ تہہ کر کے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ پھر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

آپ بڑے عالم، متقی اور دیندار بزرگ تھے۔ مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیّداں سے دستارِ فضیلت باندھ کر رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے ۱۱/مئی ۱۹۱۹ء کو انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں کے سالانہ اجلاس کی آخری رات اجازت وخلافت سے نواز کر ہدایت فرمائی کہ بخارا واپس جا کر دین کی تبلیغ اور سلسلہ عالیہ کی خدمت انجام دیں۔

آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے جو عقیدت ومحبت تھی وہ آپ کی اس منقبت سے ظاہر ہے۔ جو آپ نے مذکورہ بالا سالانہ اجلاس میں پڑھی تھی۔

(۱) عرضہ دارم باشما اے رہنما عنبر فروش ! — جانشینِ مصطفیٰؐ ونقشبندِ خرقہ پوش
(۲) چوں مسیحا گر روی در مرقدی بہرِ دُعاء — از دُعائیت مُردہ صد سالہ آید بہ ہوش
(۳) از ازل دادت خدا اے پیشوا ایں غوثیّت — جملہ اقطابِ عالم بر درت حلقہ بگوش
(۴) صف زدہ گردت ہزاروں عندلیب وبُلبُلاں — درمیانِ بزمِ گُل دستہ بنشستہ اے گل فروش!
(۵) یوسفِ ثانی لقائی نقشبندی ایں زماں — دامنت گیرد بہ دُنیا ہر کہ دارد عقل وہوش
(۶) از بخارا تا بہ ہندوستاں ودر ملکِ عرب — نیست مثل شہ جماعت شاہ فیضائش بجوش
(۷) عالماں وزاہداں وعابداں وطالباں — ہر کسے از فیض لُطفش قسمتِ خود کردہ نوش
(۸) اے بخاریؔ تو چہ باشی میکنی وصفِ جناب — می کند وصفِ شریفش جملہ طیور ووحوش

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۲۷۔

(۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور، مئی ۱۹۱۹ء ص ۳۱، ۳۲۔

☆☆☆☆☆

مولانا سیّد عبداللطیف نیاؔز کابلی میسوُری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سیّد عبداللطیف نیاؔز، کابل (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ پھر میسوُر (حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے وطن) میں آکر مقیم ہوگئے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ ۱۹۰۸ء میں بسلسلہ تبلیغ دین (دکن) میں تشریف لائے تو طویل مدّت تک قیام فرمایا۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۰۸ء بروز اتوار بعد نماز مغرب میسوُر میں ایک بہت بڑے جلسۂ عام میں آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا اور مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں۔

☆ رازقِ حقیقی اُسی کو جانو جو تمہارا مالک وخالق ہے۔ بے ریا عبادت کیا کرو تا کہ اُس کا اجر تم کو معبود سے ملے۔

☆ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا کرو۔

☆ اپنے مولا کو کسی حال میں مت بھولو۔

☆ سوائے اُس جبّار اور قہار کے کسی سے مت ڈرو۔

☆ اللہ کی مخلوق کے نفع ونقصان کو اپنے ذاتی نفع ونقصان پر مقدم سمجھو، جہاں تک ہو سکے، اُن کی ہمدردی اور خیر خواہی کرو۔

☆ اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ محبت اور اُلفت رکھو اور میرے بتائے ہوئے اسباق پر عمل کرتے رہو۔

۱۸/ ذیقعد ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۴/ جولائی ۱۹۲۱ء بروز اتوار حضرت امیر ملّت قدس سرہٗ العزیز کورگ سے میسوُر رونق افروز ہوئے تو آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر خراجِ تحسین پیش کیا۔

بیا بیا کہ مرا طاقتِ جدائی نیست — و بے تو ام بدرِ مصطفےؐ رسائی نیست

حصول گشتہ کنوں درجۂ فنا فی الشیخ — کہ رُو برُوئے رُخت تابِ خودنمائی نیست

ہزار جہد نمودم صفا شود حاصل	بغیر پرتوِ رُویت بدل صفائی نیست
توجہ بکن وبند ہائے من بگشا	زبندِ حرص وہوا نفس را رہائی نیست
زدہ است نامِ تو بہ لوحۂ دلِ من	بغیر سکّۂ زر قلب را روائی نیست
پُرست جامِ دلم ازشرابِ عشقِ علیؓ	بہ ہیچ ساقئے میخانہ آشنائی نیست
نیازمندِ علیؓ بردرِ علیؓ بہ نشیں	بغیر ایں درِ اقدس درِگدائی نیست
بہ بیں کہ سجدۂ من سجدۂ ریائی نیست	بغیر نقشِ قدم جائے جُبہ سائی نیست
مُسلّم است ترادرجہ ٔ امامتِ شیخ	کہ کارِ ہرکس ناخواندہ پیشوائی نیست
فدائے آلِ رسولؐ وراثتۂ بندہ	کہ حُبِّ آلِ علیؓ نسخۂ عطائی نیست
بجان ودل بشوم من فدائے توائے شیخ	کہ درشرستِ مدیحِ تو بے وفائی نیست
نیاؔز خستہ جگر می نماید ایں دعویٰ	کہ ہیچ کس چومن بینوا فدائی نیست

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۲۰۱، ۲۰۰، ۲۰۴۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۳) ''گلزارِ مدینہ'' از مولانا محمد عظیم فیروز پوری مطبوعہ لاہور، ۱۳۳۷ھ ص ۶۵۔

(۴) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابتِ فروری ۱۹۲۵ء ص ۱۵۔

/☆/☆/☆/☆/

حضرت مولانا عبداللہ حُسین خلیؔل مدرسہ اسلامیہ لشکر بنگلور (میسوُر) کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ شعر وشاعری کا بھی خاصا ذوق تھا۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کی شان میں کئی قصیدے لکھے۔ حضرت اقدسؒ نے مورخہ ۱۳/ اپریل ۱۹۰۸ء بروز اتوار بعد نماز مغرب میسوُر میں ایک بہت بڑے جلسہ عام میں اجازت وخلافت عطاء فرمائی اور مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں۔

☆ رازقِ حقیقی اُسی کو جانو جو تمہارا مالک وخالق ہے۔ بے ریا عبادت کیا کرو تا کہ اُس کا اجر تم کو معبود سے ملے۔

☆ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا کرو۔

☆ اپنے مولا کو کسی حال میں مت بھولو۔

☆ سوائے اُس جبّار اور قہّار کے کسی سے مت ڈرو۔

☆ اللہ کی مخلوق کے نفع ونقصان کو اپنے ذاتی نفع ونقصان پر مقدم سمجھو، جہاں تک ہو سکے، اُن کی ہمدردی اور خیر خواہی کرو۔

☆ اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ محبت اور اُلفت رکھو اور میرے بتائے ہوئے اسباق پر عمل کرتے رہو۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۴۔

(۲) ''تذکرۂ شہِ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر عبدالرحمٰن کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت پیر عبدالرحمٰن، کشمیر میں پہل گام کے قریب موضع گُلگام کے رہنے والے تھے۔ آپ نے شریعت وطریقت کی بہت خدمت کی اور بہت لوگوں کو سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ بہت نیک اور پرہیز گار شخص تھے۔ کشمیر میں حضرت امیرِ ملّتؒ کے اولین خلفاء میں سے تھے۔

حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ جب بھی کشمیر تشریف لے جاتے تو آپ خدمت والا میں حاضر رہتے تھے۔ شب وروز خدمت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ جو کشمیری زن ومَرد اپنی حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے تو آپ اُن کی ترجمانی کیا کرتے۔ جب لوگ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوتے تو آپ کشمیری زبان میں اسباق سمجھایا کرتے تھے۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۶ تا ۱۷۔

/☆/☆/☆/☆/

سیّد عبدالرزاق میسوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد عبدالرّزاق، شہر میسوُر کے رہنے والے تھے۔ آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے رحلت فرمانے کے چار سال بعد ''اویسی طریقے'' پر شرفِ خلافت سے نوازا تھا۔ جس کی تفصیل حضرت بخشی مصطفیٰ علی خاںؒ (۱۸۸۲ء۔۱۹۷۴ء) نے اپنی کتابِ مستطاب ''کراماتِ امیر ملّتؒ'' میں یوں بیان فرمائی ہے:۔

''نیاز مند بخشی مصطفیٰ علی خاں راوی ہے کہ ۱۳۷۴ھ ماہ محرم کے آواخر میں ایک شب نیاز مند حرم شریف نبوی میں علیٰ صاحبہا اَلف الفِ التحیاۃ والصلوٰۃ والسّلام روضۂ انور واقدس کے مشرق میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک کے بالکل قریب جالی اقدس سے متصل بعد نماز مغرب مراقب تھا تو رویائے صاقہ میں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم رُوحی فداہ ایک مجلس اصفیاء کے صدر ہیں، اتنے میں دو میسوُری یارانِ طریقت حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے، اور عرض کیا کہ اب سے پچاس سال قبل سے دس سال قبل تک میسوُر میں حضور کے خلفاء تھے اور آنجناب اقدس بھی تقریباً ہر سال رونق افروز ہوتے۔ لیکن اب میسوُر میں نہ کوئی امیر حلقہ ہے نہ کوئی خلیفہ ہے جو متمنّیوں کو داخل سلسلہ کر سکے۔ اعلیٰ حضرت (امیر ملّتؒ) نے چندے غور و فکر کے بعد نیاز مند بخشی سے فرمایا کہ:۔

''مولوی صاحب! سیّد عبدالرزاق صاحب میسوُری کو خلافت دے دو''۔

نیاز مند نے عرض کیا، حضور! یہ میرے لئے کیونکر ممکن ہے، اس لئے کہ میسوُر کہاں

اور مدینہ کہاں۔ تب آپ نے فرمایا کہ:۔

"مولوی سیّد محی الدین صاحب کولاری (خلیفۂ مجاز) کے پاس مدینہ منوّرہ کا عمامہ بھیج دو تا کہ وہ دستار بندی کر کے خلافت کی اجازت دے دیویں"۔

اتنے میں ایک بچے کے رونے کی آواز سے نیاز مند کی آنکھ کھل گئی۔ نیاز مند حیران تھا کہ مولوی سیّد محی الدین صاحب کے پاس جو شہر میسوّر سے سوا سو میل دُور شہر کولار میں تشریف رکھتے ہیں، عمامہ کیسے بھیجا جائے، اس لئے کہ مدینہ منوّرہ سے پارسل نہیں بھیجا جاسکتا۔ اور میسوُر شہر کے حاجی صاحبان مدینہ منوّرہ سے چلے گئے تھے۔ لیکن اگلے ہی دن خاص کولار شہر کے یارانِ طریقت کے قافلہ سے ملاقات ہوئی جو اُسی دن مکّہ مکرّمہ سے آئے ہوئے تھے۔ نیاز مند نے مدینہ منوّرہ سے خریدا ہوا ایک عمامہ، چند تبرکات اور ایک مکتوب جس میں رویائے صادقہ کا مفصّل بیان تھا، اُن کے سپُرد کیا کہ یہ سب چیزیں مولوی سیّد محی الدین صاحب کی خدمت میں پہنچادیں۔

چنانچہ مولوی صاحب نے ماہ ربیع الاوّل ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء کی آخری تاریخ جمعہ کے دن مسجدِ اعظم میسوُر میں بعد نمازِ جمعہ ہزارہا یارانِ طریقت کے سامنے حضور قبلۂ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے مولوی سیّد عبدالرزاق صاحب کو اعلیٰ حضرت اقدس کی اویسی خلافت عطا فرمائی اور نیاز مند کا مکتوب سب حاضرین کو پڑھ کر سُنایا"۔

سیّد عبدالرزاقؒ کو شعر وشاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ ۱۹۰۷ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے میسوُر میں تقریباً پانچ ماہ قیام فرما کر رُشد وہدایت کا سلسلہ جاری وساری رکھا۔ ۲۶/ دسمبر ۱۹۰۷ء بروز اتوار غلامانِ میسوُر نے ٹاؤن ہال میں ایک عظیم الشان الوداعی جلسہ کا اہتمام کیا جس فراقیہ الوداعیہ قصائد پڑھے گئے۔ سیّد عبدالرزاق نے بھی اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا جو درج ذیل ہے:۔

ہماری آنکھوں میں آؤ ہیں منتظر آنکھیں
تکیں گی آٹھ پہر تم کو یک نظر آنکھیں
بنا ہے دل بھی تو خلوت سرا تمہارے لئے
وہ باحضور ہیں آئیں بنائیں گھر آنکھیں
تمہارے ہجر سے خیر وظفر کی دُوری سے
لبوں پر نالے ہیں، سوزِ جگر ہے، تر آنکھیں
بجائے پُتلی جو ہو یا علے علی پوری
نظّارہ گاہ مرا آپ کی ہوں گر آنکھیں
وہ شوق ہے تمہیں ناسور دل کے جھانکتے ہیں
اسی دریچہ سے تکتی ہیں منتظر آنکھیں
جبیں ہے گھسنے کو در پہ تو دیدے دید کو ہیں
خدا نے اس لئے ہم کو دیئے ہیں سر آنکھیں
ہیں زار لب کے تعشق میں شوقِ دنداں میں
کبھی تو لعل بہائیں کبھی گُہر آنکھیں
قدم نہ رکھے ہو یا سیّدی علی پوری ،
بچھی ہوئی ہیں مری کب سے راہ پر آنکھیں
اے میرے کعبۂ مقصود تو جدھر ہوگا
مثال قبلہ نما پھرتی ہیں اُدھر آنکھیں

-------------ماخذ-------------

(۱) ''کراماتِ امیر ملّت'' از بخشی مصطفیٰ علی خاں مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۱۲۵ تا ۱۲۶۔
(۲) ''وداعِ یاراں'' مرتبہ عبدالرحمٰن مطبوعہ بنگلور ۱۹۰۸ء ص ۳۴

/☆/☆/☆/☆/

مولانا عبداللہ یاغستانی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبداللہ موضع کھبّل (ہری پور، ہزارہ) صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ حضرت اقدسؒ جب بھی کھبّل تشریف لاتے تو آپ خوب خدمت کرتے تھے اور لوگوں کو حضرت کے دستِ حق پر بیعت کراتے تھے۔ اپنے وعظ ونصیحت اور اخلاق کریمانہ سے گردونواح کے لوگوں کو فیض یاب فرماتے اور اُن کو پابندِ شریعت بناتے تھے۔ بہت سے لوگ آپ سے بیعت کر کے داخل سلسلہ ہوئے۔ بڑے بزرگ، خدارسیدہ اور ولی اللہ تھے۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّتؒ'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۱۲۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

/☆/☆/☆/☆/

﴿پیر گُل شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ﴾

(۔۔۔۔ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ء۔۔۔۔)

آپ حضرت پیر افضل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ جوانی سے نیکوکار اور صالح شخص تھے۔ اپنے بڑے بھائی کی طرح اُنہوں نے بھی دینِ متین کی بڑی خدمت کی۔ جو حضرت امیر ملّتؒ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ بہت سے لوگوں کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ میں داخل کیا اور شریعت وطریقت کا پابند بنایا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱) ''سیرت امیر ملّت'' مطبوعہ علی پور سیّداں، ص ۱۶۷۔

/☆/☆/☆/☆/

﴿مولانا غلام محمد بمبئی والے رحمۃ اللہ علیہ﴾

مولانا غلام محمد، بمبئی کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے مخلص مرید اور سچے پیروکار تھے۔ تمام زندگی اپنے پیرومُرشد کے نقشِ قدم پر گزار دی۔ ۱۱/مئی ۱۹۱۸ء کو علی پور سیّداں شریف میں برموقعہ سالانہ اجلاس انجمن خدام الصوفیہ ہند، رات کے اجلاس میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو اجازت وخلافت سے نواز کر خلق خدا کی خدمت کرنے کی ہدایت کی۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت مئی، جون ۱۹۱۸ء ص ۱۰۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا غلام محی الدین کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام محی الدین سری نگر، مہاراج گنج (کشمیر) کے رہنے والے تھے۔ بہت نیک، پارسا، متقی اور دیندار بزرگ تھے۔ آپ سیف زبان بھی تھے۔ جو زبان مبارک سے نکل جاتا ہو کر رہتا۔ سری نگر میں آپ کے کشف وکرامت کے بہت سے واقعات زبان زد عام ہیں۔

آپ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے محبوب مرید اور خلیفہ تھے۔ اکثر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے کشمیر کے تبلیغی دوروں میں ہمرکاب رہتے تھے۔ بعد حصولِ خلافت خود بھی تبلیغ وارشاد اور توسیعِ سلسلہ عالیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں او بہت سے لوگوں کو بیعت میں لے کر جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آخری عمر میں آپ پر جذب غالب آ گیا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی فرائض مذہبی کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونے پائی۔ سری نگر میں ہی واصل بحق ہوئے۔

حضرت جوہر ملّت پیر سیّد اختر حسین شاہ علی پوریؒ (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۰ء) راوی ہیں کہ ''میں ۱۹۳۸ء میں اپنے جدِّ امجد حضرت قبلۂ عالم امیر ملّت قدس سرّہٗ العزیز کے ہمراہ کشمیر گیا تو آپ وفات پا چکے تھے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ماخذ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(ا) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۱۱۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

(۳) ''گلزارِ مدینہ'' مطبوعہ ۱۳۳۷ھ ص ۶۳۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا غلام محمد رنگپٹنی میسوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا غلام محمد سیر نگپٹن (میسوُر) کے رہنے والے تھے۔ بہت نیک، خدا ترس اور باعمل انسان تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے مرید باصفا تھے۔ ۱۳/ اپریل ۱۹۰۸ء بروز اتوار بعد نماز مغرب میسوُر کے ایک بہت بڑے جلسۂ عام میں حضرت قدس سرّہٗ نے شرفِ خلافت سے نوازا۔ اور مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں۔

☆ رازقِ حقیقی اُسی کو جانو جو تمہارا مالک وخالق ہے۔

☆ بے ریا عبادت کیا کرو تا کہ اُس کا اجر تم کو معبود سے ملے۔

☆ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا کرو۔

☆ اپنے مولا کو کسی حال میں مت بھولو۔

☆ سوائے اُس جبّار اور قہّار کے کسی سے مت ڈرو۔

☆ اللہ کی مخلوق کے نفع ونقصان کو اپنے ذاتی نفع ونقصان پر مقدم سمجھو۔

☆ جہاں تک ہو سکے، اُن کی ہمدردی اور خیر خواہی کرو۔

☆ اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ محبت اور اُلفت رکھو اور میرے بتائے ہوئے اسباق پر عمل کرتے رہو۔

--------------ماخذ--------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّت'' مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۲۰۱، ۲۰۴، ۷۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص ۷۵۔

/☆/☆/☆/☆/

مُنشی مہر دل خاں مردانی رحمۃ اللہ علیہ

منشی مہر دل خاں ہوتی مردان (صوبہ سرحد) کے رہنے والے تھے۔ انجمن احمدیہ

مردان کے صدر اور زبردست مقررّ تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی نگاہِ کرم ہوئی تو ۱۹۱۳ء میں احمدیت سے تائب ہو کر حضرت اقدس سرّہٗ کے دستِ حق پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ جماعتیہ میں بیعت کی۔ اپیل نویسی کا کام کرتے تھے۔ اور پھر عرصہ تک مردان کے میونسپل کمشنر کے عہدہ پر فائز رہے۔

آپ کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ ہر سال سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ ہند علی پور سیّداں میں باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیتے تھے اور اپنے نورانی، ایقانی اور وجدانی خطاب سے حاضرین کے قلوب کو گرماتے تھے۔ ۱۱/مئی ۱۹۱۴ء کو بر موقعہ گیارہواں سالانہ جلسۂ علی پور سیّداں میں ختم شریف سے قبل حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا اور خدمتِ خلق کی تلقین کی۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی خاصا ذوق تھا۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی شان میں فارسی میں جو منقبت کہی وہ درج ذیل ہے۔

حبیبِ خالق اکبر جنابِ غوثِ صمدانی — نظر بر جودِ تو دارم کہ دریاء فیضانی
اغثنی یاحبیب اللہ انصرنی وامددنی — ہمہ مشکل از امدادت بگیر درو بآسانی
باشفاقِ تو نیارم بغربت دستگیری کن — کہ دارم تکیہ برذاتِ تو اے قُطبِ ربّانی
بزندانِ بلا محبوسم ومجبور وناچارم — گرفتارم بقید وبند وسخت نفس شیطانی
زپا اُفتادہ ام درقعرِ عصیاں ماندہ اَم عاجز — بگیری دستِ من اے دستگیرِ دستگیرانی
نمی گویَم کہ مقبولم کنی از بندگان لیکن — غلامِ خود بگونہ برچنیں داغِ غلامانی
وجودِ پاک درعالم نشانِ رحمتِ حق است — شفاعت خواہ عصیانم شوازدرگاہِ رحمانی
حیاتم سخت شُد برمَن دلم درسینہ تنگ آمد — زامراضے کہ میدارم زقلبی وزجسمانی
سفر درپیش میدارم ندارم زادِ راہ ہیچ — بدست تُست وسامانم تومارا برسامانی
طفیلِ ذاتِ پاک توخداجائے مرابخشد — بہ محشر زیرِ دامانِ تو اے محبوب سبحانی
مہرِدل چوں اُمیدے خاص تودارد — گدائے خویش راباشد کہ محرومش نگردانی

راقم آثم محمد صادق قصوری نے معروف بزرگ مسلم لیگی رہنما جناب نوابزادہ

محمد علی خان ہوتی آف مردان (سرحد) سے منشی مہر دل خاں کے حالات کے سلسلہ میں رابطہ کیا مگر افسوس کہ حالات نہ مل سکے۔ تاہم اُن کا جواب گرامی درج ذیل ہے:۔

==================

Office of Mohammad ALi Khan Hoti
Jamal Plaza Nisatta Road, Mardan.
Tele#(0931)62049. Fax 63524

29th November, 2002

My Dear.

Reference your letter No: 146/M.A.M dated 18-11-2002 I am sorry to inform you that I have not been able to find any relative or an acquantance of munshi Meherdil Khan upto this very day.

As it is a very old case, hardly anyone knows about him.

with regards.

Yours Sincerely,

....
MOHAMMAD ALI KHAN.

Mr. Mohammad Sadiq Qasuri.
Burj Kalan Distt. Kasur.
Pakistan-55051

-------------ماخذ-------------

(۱) ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور بابت جون ۱۹۱۴ء ص ۴، ۵۔ جولائی ۱۹۱۴ء، ص ۱۴، جون ۱۹۱۵ء ص ۷۔ اگست ۱۹۱۵ء ص ۳۲۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا سیّد محی الدین کولاری رحمۃ اللہ علیہ

سیّد محی الدین شہر میسور سے سوا سو میل دُور شہر کولار کے رہنے والے تھے۔ بہت

نیک، باعمل اور صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ نے اجازت وخلافت سے نواز کر میسوُر اور دَکن کے علاقوں میں سلسلہ عالیہ کی تبلیغ وترویج کا حکم دیا تھا۔ جس کی تعمیل اُنہوں نے بجان ودِل کر کے ہزار ہا لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملتؒ'' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۷۵۔

(۳) ''کراماتِ امیر ملتؒ'' مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء ص ۱۲۵۔

/☆/☆/☆/☆/

پیر سیّد محمد شفیع گورداسپوری رحمۃ اللہ علیہ

پیر سیّد محمد شفیع موضع بھڑتھ ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب، بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ کا شمار حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کے محبوب خُلفاء میں ہوتا ہے۔ داخل سلسلہ ہونے سے قبل آپ حُقّہ نوش، پہلوان طبیعت اور آزاد خیال تھے۔ ڈاڑھی کٹواتے اور مُونچھیں خلافِ شرع رکھتے تھے۔ مُرشدِ عالی کی نگاہِ گوہر بار سے ایسی توبہ نصیب ہوئی کہ پورے پورے متبّع شریعت بن گئے، بلکہ صائم الدّہر اور قائم اللّیل کے مصداق ہوگئے۔ طبیعت میں اخلاص اس قدر آ گیا کہ ایک دفعہ سفر میں جہاں آپ کا قیام تھا وہاں آپ کے ایک درویش نے میزبان سے کہا کہ آپ نے روزہ رکھنا ہے لہٰذا سحری کا بندوبست ہونا چاہیے۔ چنانچہ میزبان نے سحری کے وقت کا کھانا حاضر کیا۔ اس پر آپ نے اپنے درویش نور محمد کو بہت ڈانٹا کہ ''تو مجھے رُسوا کرتا پھرتا ہے''۔

آپ حقیقی معنوں میں ''فنافی الشیخ'' تھے۔ اپنے اخلاقِ کریمانہ سے عوام کے دل مسخّر کر لیتے تھے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سُنتے ہی آنکھیں اشکوں کے ہار پرونا شروع کر دیتی تھیں۔ اطاعتِ مُرشد میں بے مثال تھے۔ ترویج سلسلہ میں باکمال تھے۔

رحمۃ اللہ علیہ۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملتؒ ''مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۰۔

(۲) ''تذکرہ شہ جماعت'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۷۶۔

(۳) ''انوارِ لاثانی'' از محمد رفیق مطبوعہ لاہور ۱۳۶۴ھ ص ۲۲۶، ۲۲۷۔

(۴) ''انوارِ لاثانی از پروفیسر محمد حسین آسی مطبوعہ علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ ۱۹۷۵ء ص ۴۴۷تا ۴۴۹۔

/☆/☆/☆/☆/

حاجی میر نوازش علی، حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے۔ وکالت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے مخلص اور جاں نثار مرید تھے۔ آپ کی خدماتِ جلیلہ کے پیش نظر ۱۱/مئی ۱۹۱۸ء کو بر موقعہ سالانہ جلسہ انجمن خدام الصوفیہ ہند منعقدہ علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ حضرت امیر ملّتؒ نے اجازت وخلافت سے نواز کر خلقِ خدا کی خدمت اور توسیع سلسلہ عالیہ کی ہدایت فرمائی۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیر ملّتؒ ''مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔

(۲) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور، مئی، جون ۱۹۱۸ء ص ۱۰۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا محمد مقصود بنگال سے تحصیلِ علم کے لئے علی پور سیّداں آئے تھے۔ یہاں

قیام کر کے مدرسہ نقشبندیہ سے درسِ نظامی کی سند حاصل کی اور حضرت سراج الملّت پیر سیّد حافظ محمد حسینؒ (۱۸۷۸ء۔۱۹۶۱ء) سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علومِ دینیہ حاصل کیے۔ بڑے عالم، پارسا، سادہ مزاج، دیندار اور متقی بزرگ تھے۔ واپسی کے وقت حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو اجازت وخلافت مرحمت فرمائی تاکہ بنگال جا کر تبلیغِ دین اور سلسلہ عالیہ کی ترویج فرماتے رہیں۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّتؒ ''مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۱۲، ۱۳۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا میر محمد حسین میسور کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ ۱۰/مئی ۱۹۱۳ء بروز ہفتہ آخری اجلاس انجمن خدّام الصوفیہ ہند منعقدہ علی پور سیّداں ضلع سیال کوٹ میں حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا اور خلقِ خدا کی خدمت کی تلقین فرمائی۔ حضرت امیرِ ملّت نور اللہ مرقدہٗ جب بھی میسور تشریف لے جاتے، آپ خوب خدمت کرتے اور جلسوں کا اہتمام فرماتے۔

ماخذ

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّتؒ ''مطبوعہ علی پور سیّداں، ۱۹۷۵ء ص ۲۰۳۔

(۲) ماہنامہ ''انوارالصوفیہ'' لاہور بابت جون، ۱۹۱۳ء ص ۱۰۔

/☆/☆/☆/☆/

(۱۹۲۷ء۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ء)

سیّد عثمان علی بن سیّد یٰسین علی بن سیّد وجیہہ الدین شاہ بن سیّد رضا علی خاں بہادر (شہید) بن سیّد حامد عرف سیّد احمد بن سیّد مزمّل بن سیّد قاسم بن عارفِ کامل حضرت سیّد شریف رسول نما قادری بُرہانپوری (رحمۃ اللہ علیہم) کی ولادت باسعادت ۱۹۲۷ء میں حیدر آباد دَکن (بھارت) میں ہوئی۔

آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت سیّد رسول نما قادری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کو عالمِ مراقبہ و خواب میں مجلسِ مبارک سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل فرماتے تھے۔ لہٰذا آپ نے ''رسول نما'' کے لقب سے شہرت پائی۔ آپ گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ تھے۔ مزار مقدس بُرہان پور ضلع خاندیس (بھارت) میں مرجع خاص وعام ہے۔ بلحاظ نسب ''حُسینی سادات'' ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو جعفر سیّد امام محمد تقی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔

سیّد عثمان علی عرف مُرشد جماعتی ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد فرخندہ بُنیاد سے علی پور سیّداں شریف حاضر ہوئے۔ اُن دنوں حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کوئٹہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ کوئٹہ میں حاضر خدمت ہوئے اور تین ماہ تک نہایت جانفشانی سے خدمت بجالاتے رہے۔ آپ حضرت اقدس کو وضو کراتے اور حاجی بوٹا (خادمِ خاص حضرت امیرِ ملّتؒ) کے ساتھ مل کر کھانا تیار کرتے۔

مُرشد صاحب کے والد اور جدِّ امجد وظائف واوراد، تعویذ اور قرآنی عملیات سے بھی مخلوق کی خدمت کرتے تھے۔ والد گرامی عربی وفارسی کے ادیب تھے۔ خوشنویس تھے۔ مُرشد صاحب اپنے ساتھ والد مرحوم کی قلمی بیاض جو نہایت خوشخط تھی، لائے تھے۔ اس میں اوراد و وظائف قادریہ اور قرآنی عملیات تھے۔ اس بیاض کو حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی خدمتِ بابرکت میں پیش کیا اور پھر حسب الحکم حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ ایک ایک عمل کو پڑھتے جاتے اور حضرت بعد سماعت عمل کی اجازت مرحمت فرماتے جاتے۔ غرض مُرشد صاحب کو تمام وظائف، اوراد و عملیات کی اجازت عطا فرما کر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے اجازتِ بیعت بھی مرحمت فرمائی اور خلعتِ خلافت سے نوازا۔ حاجی بوٹا صاحب اور

حاجی صوفی مولوی عبداللطیف رُہتکی عرف پُھلکہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت حاضر خدمت تھے۔

نواب میر عثمان علی خاں نظام سابع (۱۸۸۶ء۔۱۹۶۷ء) نے اپنی جاگیر صرفِ خاص (جو دو کروڑ روپیہ کی سالانہ آمدنی کی تھی) میں ایک مسجد کی پیش امامی پر مُرشد صاحب کو بطورِ خاص تقررّ فرمایا اور تازیست اسی مسجد کے پیش امام رہے۔ مسجد نقشبندیہ محلّہ بیگم بازار حیدر آباد دَکن میں بروز جمعہ بعد نماز مغرب ختم خواجگان نقشبندیہ پابندی سے کراتے رہے۔ زہد و عبادت میں ضرب المثل تھے۔ کم گوئی اُن کا خاص وصف تھا۔ لوگوں کی دینی و رُوحانی خدمت میں منہمک رہتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

-------------ماخذ-------------

(۱) مکتوبِ گرامی نواب مرزا ذوالفقار علی بیگ جماعتی (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۳ء) بنام محمد صادق قصوری محررّہ ۶/ اگست ۱۹۷۷ء۔

(۲) ''حیاتِ مقدسہ سیّد جماعت علی شاہؒ '' از سلیم تمنائی مطبوعہ میسوّر (بھارت) ۱۹۷۴ء ص ۴۷۔

/☆/☆/☆/☆/

مولانا سیّد محمد محمود عدنی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سیّد محمد محمود عدن (یمن) کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ، آخری حج (۵۵ ویں حج) کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرما کر خَلقِ خدا کی رُوحانی تربیّت کا حکم فرمایا۔

افسوس کہ آپ کے مزید حالات نہیں مل سکے۔

-------------ماخذ-------------

(۱) ''سیرتِ امیرِ ملّتؒ '' مطبوعہ علی پور سیّداں ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔

ضروری نوٹ:

''آپ کو ۱۹۴۹ء میں خلافت عطا ہونے کا حوالہ میں نے کسی کتاب یا رسالے میں پڑھا تھا۔ صرف سال نوٹ کیا اور

حوالہ نوٹ نہ کر سکا۔ جس کا از حد افسوس ہے۔ بہر حال میں پوری ذمّہ داری سے کہتا ہوں کہ سالِ خلافت بالکل صحیح اور درست ہے۔" (قصوری)

مولانا محمد انصر مدراسی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد انصر مدراس (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ کے ممتاز خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے مدراس کے علاقہ میں سلسلہ عالیہ کی ترویج واشاعت کی بھرپور کوشش کی۔ آپ کے زیادہ حالات نہیں مل سکے۔

ماہنامہ "لمعات الصوفیہ" سیال کوٹ بابت ماہ اگست ۱۹۵۰ء ص ۱۶ پر "عید مبارک" کے زیرِ عنوان آپ کے دو شعر چھپے ہیں جو من وعن نقل کیے جاتے ہیں۔

"عید مبارک"

بحضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امیر الملّت قبلۂ عالم محدّث علی پوری مدظلہٗ العالی

خوشی کا عید کی اتنا تو ساماں کم سے کم ہوتا
کہ پائے پاکِ حضرت پر سرِ تسلیم خم ہوتا

میری تو در حقیقت عید جب ہی عید کہلاتی
کہ سَر ہوتا میرا اور آپ کا دستِ کرم ہوتا

از جناب محمد انصر جماعتی، مدراس"

آپ کے اِن اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگست ۱۹۵۰ء تک بقیدِ حیات تھے۔

ماخذ

(۱) "سیرتِ امیرِ ملّت" "مطبوعہ علی پور سیّداں، ۱۹۷۵ء ص ۷۰۴۔
(۲) ماہنامہ "لمعات الصوفیہ" سیال کوٹ بابت اگست ۱۹۵۰ء ص ۱۶۔

اختتامیہ

اَز پروفیسر محمد طاہر فاروقی ایم اے۔ دکتورادب

سابق پروفیسر وصدر شعبہ زبان اُردو و مطالعہ پاکستان، انقرہ یونیورسٹی۔ انقرہ (ترکی)
وسابق مؤسس رجسٹرار جامعہ اُردو (اُردو یونیورسٹی) علی گڑھ (بھارت)

(۱)

فدائے قبلۂ عالمؒ کہ از رہِ تجید — عطا شدست بہ طاہر سعادتِ تسوید
زہے شرافتِ بخت و خہے جلالتِ کار — "کلاہ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید"

(۲)

جنابِ جوہرِ ملّت کے حکم کی تعمیل — ہے میرے واسطے ضامن برائے اجرِ جزیل
نہیں ہے کم یہ خوشی بھی کہ فضلِ باری سے — جنابِ قادریؒ[1] کے وعدے کی ہوئی تکمیل

(۳)

تدریس میں اک عمر ہماری گزری — خدمت میں ادب کی جو گزاری۔ گزری
ہے خاتمۃُ الباب جو ذکرِ حضرتؒ — سمجھا۔ کہ بخیر عمر ساری گزری

(۴)

لکھئے بہ کمالِ احترام و عزّت — تاریخِ طباعت کتابِ سیرت
شامل ہے جمالِ جیم نامِ حضرتؒ — کہہ دیجئے۔ سیرتِ امیرِ ملّتؒ
۳ — ۱۳۹۱+۳=۱۳۹۴ھ

[1]:۔ حضرت الحاج پروفیسر مولانا حامد حسن صاحب قادریؒ نے حضرت جوہر ملّت صاحبزادہ قبلہ مدظلہٗ سے عرض کیا تھا کہ آپ سیرت طیبہ کے لئے تمام مواد اور یادداشتیں جمع فرمالیجئے۔ پھر میں تسوید کی خدمت انجام دے دوں گا۔ میں نہ ہوا تو اور کوئی یہ خدمت وسعادت حاصل کرلے گا۔ بہر حال کتابِ سیرت مکمل ہوجائے گی۔ (طاہر)

ضمیمہ

''سیرت امیر ملّت جلد دوم کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی تھی کہ ذہن میں یہ خیال بلّیوں اچھلنے لگا کہ بیس سال کی سعی و کاوش سے حضرت امیر ملّت قدس سرّہ العزیز کے جو ''مضامین و مقالات'' اور مختلف کتابوں پر ''تبصرے''، ''تقاریظ'' اور ''آراء'' اور دیگر ''نگارشات'' اکٹھی کی ہیں وہ کیوں نہ بطور ضمیمہ شامل کر دی جائیں۔ چنانچہ حضرت مہر ملّت پیر سیّد منوّر حسین شاہ صاحب جماعتی دامت برکاتہم عالیہ کی اجازت و منظوری سے حضرت امیر ملّت علیہ الرحمہ کے فیض کو عام کرنے کے لیئے ان نوادرات سے بھی کتاب کو مزیّن کیا جا رہا ہے۔ امید غالب ہے کہ یاران طریقت اور اہل علم حضرات پسند فرما کر دعائے خیر سے نوازیں گے۔

خاک راہ امیرِ ملّتؒ
محمد صادق قصوری
بانی و ناظم اعلیٰ
مرکزی مجلس امیر ملّتؒ
بُرج کلاں ضلع قصور
P.C.55051

﴿مضامین و مقالات﴾

(i) آج ہم کہاں ہیں؟
(ii) فضائل نماز تہجد
(iii) صحبت کا اثر
(iv) توکّل
(v) شریعت بل
(vi) ضرورت مرشد
(vii) مرید صادق
(viii) یاران طریقت یا پیر بھائی

﴿نوادرات﴾

(i) تبصرہ بر ''تفسیر مظہری''
(ii) تقریظ بر ''بیاض ذکر الٰہی''
(iii) ''مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ'' پر رائے
(iv) تقریظ بر کتاب ''آفتاب انوار صداقت''
(v) تقریظ بر کتاب ''نور الشمعہ فی ظہر الجمعہ''
(vi) تبصرہ بر رسالہ ''عشق پیر اور مدح پیر''
(vii) تبصرہ بر کتاب ''کلید حکمت''
(viii) تبصرہ بر ماہنامہ ''مجدّد اعظم'' سرہند شریف
(ix) ''فرمان'' برائے خریداری ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور
(x) تقریظ بر رسالہ ''ذاکرہ بیگم''
(xi) مجوزہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسوّدہ کانسٹی ٹیوشن پر رائے''
(xii) ''امداد مظلومین سمرنا''
(xiii) شاہجہان ہوٹل بمبئی''

﴿مضامین و مقالات﴾

حضرت امیر ملّت قدس سرّہ العزیز ایک ایسے علم پرور تھے کہ ان کی زیر سرپرستی اور زیر نگرانی کئی رسالے اور اخبار نکل کر برصغیر کے مسلمانوں کو علم و عمل کی روشنی بخشتے تھے۔ مثلاً ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور، سیال کوٹ، ماہنامہ ''لمعات الصوفیہ'' سیال کوٹ، ماہنامہ ''الجماعت امرتسر، ماہنامہ ''طریقت'' لاہور، ماہنامہ ''الاحسان'' قصبہ کڑا ضلع الہ آباد (بھارت) ماہنامہ ''صوفی'' پنڈی بہاء الدین (منڈی بہاء الدین) ہفت روزہ ''دبدبۂ سکندری'' رامپور (بھارت) ہفت روزہ ''اہل فقہ'' امرتسر، ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر (بھارت) وغیرہم۔

آپ ان رسالوں میں خود بھی مضامین تحریر فرماتے تھے اور یاران طریقت کے علاوہ دیگر اہل علم و ادب سے بھی لکھواتے تھے۔ افسوس کہ ہم سعی تام کے باوجود آپ کے ان علمی شاہپاروں تک رسائی حاصل نہیں کر سکے تاہم جو کچھ حاصل ہو سکا ہے، حاضر خدمت ہے۔ یہ مضامین و مقالات کیا ہیں، علم و فضل، ایمان و ایقان، اور عشق رسول ﷺ اور معرفت رحمٰن جلّ شانہ؛ کا خزانہ ہیں۔ پہلا مضمون ''آج ہم کہاں ہیں''؟ فضائل مدینہ منورہ پر مدلّل، تحقیقی اور روح پرور کاوش ہے۔ ''فضائل نماز تہجد'' والا مقالہ پہلے قسط وار مختلف پرچوں میں چھپتا رہا، پھر کئی بار کتابی شکل میں چھپ کر عاشقان الٰہی جلّ جلالہ، کی روحانی غذا بنا۔ ہمارے پیش نظر قادری اکادمی ناظم آباد کراچی کا طبع کردہ ۱۹۶۹ء کا نسخہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں سیالکوٹ سے بھی اس کا ایک ایڈیشن منصۂ شہود پر جلوہ ہوا تھا۔ مقالہ ''صحبت کا اثر'' قسط وار ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور میں چھپتا رہا پھر کتابی صورت میں شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوا۔ ہمارے پیش نظر نسخہ مطبوعہ ادارہ انوری کراچی ۱۹۸۱ء ہے۔ مضمون ''توکل''، ماہنامہ ''طریقت'' لاہور (مدیر منشی محمد دین فوقؔ) شمارہ جنوری ۱۹۱۶ء میں بصورت پہلی قسط چھپا جو شامل کیا جارہا ہے۔ افسوس کہ بقیہ اقساط نہ مل سکیں۔ ''شریعت بل'' کے عنوان سے پر مغز مضمون ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر شمارہ ۷۔

اگست ۱۹۳۵ء سے نقل کیا گیا ہے۔ ''ضرورت مرشد''، ''مرید صادق'' اور ''یاران طریقت یا پیر بھائی'' جیسے نادر مقالے بھی ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور و دیگر پرچوں میں قسط وار چھپتے رہے اور بعد ازاں مختلف مقامات سے بار بار کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

جولائی ۱۹۸۳ء میں راقم نے مؤخر الذکر تینوں مقالوں کو یکجا کر کے ''ارشادات امیر ملّت'' کے نام سے پاکستان کے نامور شیخ طریقت، صاحب قلم اور وارث تعلیمات مجددیہ حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی مظہری کراچوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''تقدیم'' کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اور اب ''سیرت امیر ملّت'' جلد دوم شامل کرنے کا اعزاز حاصل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ''یاران طریقت'' کے علاوہ دیگر اہل علم و فضل اور صاحبان نظر میری اس ادنیٰ سی کوشش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے۔

خاک راہ امیر ملّتؒ
محمد صادق قصوری

﴿آج ہم کہاں ہیں؟﴾

(''فضائل مدینہ شریف'' پر یہ مضمون حضرت امیر ملّت قدس سرّہ نے ۱۹۱۰ء میں مدینہ طیبہ میں تحریر فرمایا تھا اور اسی سال ''انوار الصوفیہ'' لاہور شمارہ اگست، میں شائع ہوا تھا۔ قصوری)

آج ہم کہاں ہیں، وہاں ہیں جو جبریل علیہ السلام کا مہبط ہے، جہاں رحمتہ العالمین ﷺ تشریف فرما ہیں۔

- ☆ جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح وشام نازل ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ جہاں ایک نماز ایک حج کا ثواب رکھتی ہے۔[۱]
- ☆ جہاں حضرت رحمتہ اللعالمین ﷺ اپنے نازک قدم مبارک سے چلتے پھرتے تھے۔
- ☆ جہاں کی مٹی میں شفا ہے۔[۲]
- ☆ جہاں ایک نیکی پچاس ہزار نیکی کا درجہ رکھتی ہے۔[۳]
- ☆ جہاں ۱۰۰ میں سے ۹۹ رحمتیں اس جگہ نازل ہوتی ہیں اور ایک ساری دنیا میں۔
- ☆ جہاں کے باشندے قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے اور ساری مخلوقات سے پہلے ان کی شفاعت کی جاوے گی۔
- ☆ جہاں اس رحمتہ اللعالمین ﷺ کا دربار فیض آثار ہے۔
- ☆ جہاں حاضر ہونے سے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔
- ☆ جہاں حاضر ہونے سے انسان عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔
- ☆ جہاں مکّہ معظّمہ کی نسبت دگنی برکت کے لیئے آنحضرت ﷺ نے دعا مانگی۔[۴]
- ☆ جہاں حاضر ہونے سے آنحضرت ﷺ کی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔[۵]
- ☆ جہاں حضرات آئمہ، اہلبیت، اصحابہ کرام کے مکانات ومزارات ہیں۔
- ☆ جہاں بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔[۶]
- ☆ جہاں حاضر ہونے سے حدیث لاتشدو الرحال الاالی ثلثۃ مساجد کی

تعمیل ہوتی ہے۔ ۷

☆ جہاں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے سے آنحضرت ﷺ بذات خود جواب دیتے ہیں۔ ۸

☆ جہاں حاضر ہونے سے تمام افکار و غموم و ہموم رفع ہو کر دل کو تسکین و اطمینان ہو جاتا ہے۔

☆ جہاں وہ ستون موجود ہے جو آپؐ کے فراق میں چیخیں مار مار کر رویا تھا۔ ۹

☆ جہاں آپ ﷺ کا منبر و محراب و مسجد موجود ہے۔

☆ جہاں وہ برکت ہے جو روئے زمین میں کسی جگہ نہیں۔

☆ جہاں کے باشندے قریباً ساری دنیا کی ساری زبانیں جانتے ہیں۔

☆ جہاں آج کل تقریباً تمام ممالکِ روئے زمین کے آدمی موجود ہیں۔

☆ جہاں حاضر ہونے سے اسلام کی شان و شوکت معلوم ہوتی ہے۔

☆ جہاں بادشاہ و مسکین سب برابر کھڑے ہوتے ہیں۔

☆ جہاں ایک ہی جگہ سندھی، ہندی، بلوچی، افغانی، چینی، ایارقندی، بخاری، جاوی، برہمی، افریقی، حبشی، مغربی، رومی، شامی، ترکی، تاتاری، سوڈانی، مصری، روسی، یورپی، وغیرہ سب بہ شبیہات مختلفہ حاضر ہیں۔

☆ جہاں آج کل قریباً تمام بے موسم میوے موجود ہیں۔ ۱۰

☆ جہاں شراب نہیں ہے۔

☆ جہاں کوئی بازاری عورت زانیہ نہیں ہے۔ ۱۱

☆ جہاں قمار بازی نہیں ہے۔

☆ جہاں ہر ایک قسم کی سبزی ہے۔

☆ جہاں ہر ایک چیز باوجود اژدھام خلق کے سستی ہے۔ ۱۲

☆ جہاں ایک جگہ ہے جو خانہ کعبہ شریف و لوح محفوظ بلکہ عرش معلٰی سے بھی افضل ہے۔ ۱۳

☆ جہاں قطع نظر اور سب خوبیوں کے ایک ایسا متبرک مکان ہے جو دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

☆ جہاں سنگدل سے سنگدل مسلمان کا حاضر ہو کر واپس جانے کو دل نہیں چاہتا۔

☆ جہاں کوئی کافر حتیٰ کہ اہل کتاب بھی موجود نہیں۔ ۱۴

☆ جہاں ہزار ہا عاشقان رسول مقبول ﷺ سب تعلقات دنیاوی چھوڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ شعر ان کا ورد ہے۔

یا محمدؐ تیرا در چھوڑ کر کہاں جاوے غریب بادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری

☆ جہاں قیامت تک ایمان دار لوگ رہیں گے۔

☆ جہاں سے اسلام نکلا اور تمام دنیا سے پھر پھرا کر واپس آ جائے گا۔ ۱۵

☆ جہاں قیامت تک عالم موجود رہیں گے۔

☆ جہاں دجال اور طاعون اور دابتہ الارض وغیرہ قیامت تک داخل نہ ہونے پائیں گے۔ اس وقت اس شہر کے دروازوں پر فرشتے محافظت کے واسطے کھڑے ہو جاویں گے۔ ۱۶

☆ جہاں ایک ایسا قبرستان ہے جہاں کے مدفونوں کے واسطے بہشت کی بشارت آ چکی ہے۔

☆ جہاں مسجد نبوی ﷺ کے اندر ایک چھوٹا سا کنواں ہے جو کوثر کے نام سے موسوم ہے، جس کا پانی پینے سے ظاہری باطنی بیماریوں سے شفا ہو جاتی ہے۔

☆ جہاں حاضر ہو کر انسان قسم کھالے کہ میں بہشت میں ہوں تو وہ اپنی قسم میں سچا ہوتا ہے۔ ۱۷

☆ جہاں ایک ایسا نورانی گبند ہے جس کی زیارت کرنے کے وقت عاشقان رسول ﷺ کی مبارک روحیں وفور شوق سے پرواز کر جاتی ہیں۔ جیسے حضرت شہیدی ہندی رحمتہ اللہ علیہ اور ایک بخاری جو گزشتہ مہینہ میں فوت ہوا رحمتہ اللہ علیہما اور ایسی صدہا مثالیں موجود ہیں۔

☆ جہاں کی خدمت گذاری اور جاروب کشی کو بڑے بڑے بادشاہ مثل سلطان روم فخر اور سعادت سمجھتے ہیں۔

☆ جہاں کے حاضر ہونے سے اس خدائی حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ جو قرآن شریف میں (جاؤک) سے ظاہر ہوتا ہے۔ ۱۸

☆ جہاں کی کھجوریں ساری دنیا سے زیادہ شیریں ہیں۔

☆ جہاں حاضر ہونے سے اس فرمان کی تعمیل ہو جاتی ہے جس میں ارشاد ہے۔ کہ جس نے وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری حیات میں زیارت کی۔ ۱۹

☆ جہاں وہ رحمتہ العالمین تشریف فرما ہیں جن پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے دس مرتبہ رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ ۲۰

☆ جہاں کوئی شخص کسی کو بلند آواز سے نہیں پکارتا۔

☆ جہاں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

☆ جہاں لڑائی جھگڑے کے وقت متخاصمین درود شریف پڑھنے سے فوراً لڑائی بند کر دیتے ہیں۔

☆ جہاں ایک ایسی مسجد ہے جو اسلام میں سب سے پہلے بنائی گئی۔ ۲۱

☆ جہاں ہر ایک نومولود بچہ کو چالیس دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا یہ امتی حاضر ہے۔

☆ جہاں مرنے کے بعد ہر ایک مردہ کو حاضر کیا جاتا ہے کہ یا حضرتؐ! آپ کا غلام حاضر ہے۔

☆ جہاں ہر مسلمان فوت ہونے سے شفاعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستحق ہوتا ہے۔ ۲۲

☆ جہاں کے درخت و شکار امن میں ہیں۔ ۲۳

☆ جہاں کے باشندوں کے واسطے جو مصائب و تکالیف پر صابر ہوں گے، سیّد الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہوں گے۔

☆ جہاں کے باشندوں کو تکلیف دینے والے کے لیئے عذاب الٰہی مقرر ہے۔۲۴

☆ جہاں خبیث اشیاء قیامت تک قرار نہ پکڑیں گی۔

☆ جہاں کی مسجد مبارک کی شان میں اسّس علے التقویٰ نازل ہوا تھا۔۲۵

☆ جہاں وہ مسجد ہے جس کی زیارت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ہفتہ میں ایک دفعہ کرتے تھے۔۲۶

☆ جہاں کی کھجوریں تریاق کا کام دیتی ہیں اور جادو سے محفوظ رہتیں ہیں۔

☆ جہاں لاکھہا امتی ہر ملک کے دست بستہ کھڑے ہو کر ہر نماز کے بعد السلام و الصلوٰۃ علیک یا رسول اللہ ﷺ پڑھتے ہیں۔۲۷

☆ جہاں تقریباً ہر ایک گھر میں ایک کنواں موجود ہے۔

☆ جہاں شہر کے اندر و باہر بکثرت نہریں جاری ہیں۔

☆ جہاں نائب سلطان اپنے ہاتھ سے نماز عصر کے بعد شمع جلا کر اندر لے جا کر حقِ نیابت سلطان کی خدمت ادا کرتا ہے۔

☆ جہاں سات کنویں ہیں جن کے پانی میں شفا ہے۔

☆ جہاں خطیب خطبہ پڑھنے کے وقت الصلوٰۃ والسلام علے بذا النبی پڑھ کر عاشقوں کے دلوں پر خنجر کا کام کرتا ہے۔

☆ جہاں ۱۲۰ قسم کی کھجوریں ہیں۔

☆ جہاں ایک قسم کی کھجور ہے جس کو کافر جلا کر لائے تھے کہ یا حضرتؐ! یہ بار آور ہو گی تو ہم ایمان لاویں گے۔

☆ جہاں ایک قسم کی کھجور بغیر گٹھلی کے ہے جو کافر معجزہ طلب کرنے کے واسطے لائے تھے۔

☆ جہاں دو نہریں، ایک شیریں ایک تلخ، ایک کنویں میں اکٹھی ہو کر پھر الگ الگ ہو جاتیں ہیں۔

”حوالہ جات“

۱۔ وعن نبیته بن وهب ان کعباً دخل علے عائشهؓ فذکروا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال کعب مامن یوم یطلع الانزل سبعون الفامن الملائیکة حتیٰ یحفو القبر رسول الله صلی الله علیه وسلم یضربون باجنتحم ویصلون علی رسول الله صلی الله علیه وسلم حتےٰ اذا امسواعرجوا وهبطو مثلهم فضعو امثل ذلک حتےٰ اذا انشقت عنه الارض خرج فی سبعین الفامن الملائکه یزفونه (راوه (الدارمی)

۲. عن عائشه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کا ن اذا اشتکی الانسان الیشیٔ منه اوکانت برقرحته اورجرح قال النبی صلی الله علیه وسلم باصبعه هکذاثم رفعها بسم الله تربته ارضنا بریقة بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا . ۱۲ .(مسلم شریف).

۳. عن انس ابن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوته فی مسجدی بخمیسن الف صلوٰة ۱۲ . (ابن ماجه)

۴. عن انس عن النبی صلی ا لله علیه وسلم رجعل بالمدینة ضعفے ماجعلت بمکة من البرکته.(متفق علیه)

۵. من زار قبری وجبت لرشفاعتی .۱۲ (مسلم شریف)

۶ . عن عبدالله ابن زید الماز فی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال مابین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة . ۱۲ (مسلم شریف)

۷. عن ابی هریرة یبلغ به النبی صلی الله علیه وسلم قال لاتشد والرحال الاالیٰ ثلثه مساجد مسجدی هذا ومسجد الحرام ومسجد الاقصیٰ .۱۲ (مسلم شریف)

۸. مامن احدٍ یسلم علی الاروالله علی روحی حتےٰ اُردّو علیه

السلام . ۱۲ . ابو دائود .

ف ۹ . عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الی جذ ع فلما التخذ المنبر اروارسول صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الیٰ المنبر مرّالی الجذ ع الذی کان یخطب الیہ فلما جاوز الجذ ع خارجتی تصدع وانشق فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما سمع موت الجذ ع فسحہ بیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ یکن ثم رجع الی المنبر فکان اذا صلی صلی الیہ فلما مہدم المسجد وغیّر اخذا ذلک الجذ ع ابی ابن کعب وکان عندہ فی بیتہ حتیٰ بلیٰ فاکلۃ الارضۃ دعا درفاتا ۱۲ .

ف ۱۰ . عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال کان الناس اذاراوال الثمر جائو ابہ الی النبی صلی ا للہ علیہ وسلم . فاذا اخذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الھم بارک لنا فی ثمرنا وبارک لنا فی مدینتاًوبارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی مُدنا .(مسلم شریف)

ف ۱۱ . عن زید ابن ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انھا طیبۃ یعنی المدینۃ واننا تنفی الخبث کما تنفی النار خبث الفضۃ .(مسلم شریف)

ف ۱۲ . عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الھم اجعل بالمد ینۃ صعفی ماجعلت بمکۃ من البرکۃ (متفق علیہ)

ف ۱۳ . قال القاضی عیاض اجمعو اعلیٰ ان موضع قبرہ صلی ا للہ علیہ وسلم افضل بقاع الارض بل قال ابن عقیل الخبلی انھا افضل من العرش. ۱۲ . (نووی)

ف ۱۴ . عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاان المدینۃ کالکیر تخرج الخبیث لاتقوم الساعۃ حتے

تنقی المدینة شرارها کما نیفی الکیر خبث الحدید . (مسلم شریف)

۱۵. عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الایمان لیارزالی المدینة کمابارزالحیة الی حجرها . ۱۲ .(مسلم شریف)

۱۶. عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال ، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم علی انقاب المدینة ملائکة لاید خلها الطاعون ولا الدجال . (مسلم شریف)

۱۷. عن عبدالله ابن زید الانصاری انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم بقول مابین منبری وبیتی روضة من ریاض الجنة . (مسلم شریف)

۱۸. ولو انهم اذظلموانفسهم جائوک فاستغرواالله واستغرلهم الرسول لوجد الله تواباً رحیما. پاره ۵. سوره نساء آیت :۶۴)

۱۹. عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی . ۱۲ . بیهقی)

۲۰. عن انس ابن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی علیٰ صلوٰة واحدة صلی الله علیه عشر صلوات وحطت عنه عشر خطیات ورفعت له عشر درجات . ۱۲ (نسائی شریف)

۲۱. عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال تماری رجلان فی المسجد الذی اسس علی النقویٰ من اوّل یوم فقال رجل هو مسجد قباء وقال الآخر هو مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هومسجدی هذا. ۱۲ . (نسائی شریف)

۲۲. عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من

استطا ع ان یموت بالمدینة فلیمت لهافا فی اشفع لمن یموت بهاروا ہ (احمد والترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب اسنادا)

۔۲۳. عن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افی احرم مابین لابتی المدینة ان یقطع غضا هها اویقتل صید ها وقال المدینة خیر لهم لوکانو ایعلمون لایدعها احد رنجته عنها الابدل الله فیها من هو خیر منه ولا ثیت احدعلی لاوائها وجهدها الاکنت له شفیعا اوشهید ایوم القیمة .۱۲ .(مسلمْ شریف)

۔۲۴. قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا یرید احد اهل المدینة لیودالا اذابه الله فی النار ذوب الرصاص اوذوب المسلح فی الماء.۱۲ . (مسلم شریف)

۔۲۵. عن ابی سعید الخدری قال دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بیت بعض لنسائه فقلت یارسول الله ای المسجدین الذی اسیس علی التقویٰ قال فاخذ کفا من حصباء فقرب به الارض ثم قال هو مسجد کم هذا لمسجد المدینة . ۱۲ .(مسلم شریف)

۔۲۶. عن ابن عمر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزرو مسجد قباء راکباً وما شیاً کل سَبتٍ. ۱۲ .(مسلم شریف)

۔۲۷. عن سعدِ یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تصبح بسبع تمراتٍ عجوة لم یضره ذلک الیوم سم ولا سحر. عن عائشه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان فی عجوة العالیة شفاء اوانهاتر اول البکرة . ۱۲ (روهی مسلم)

(ماہنامہ ”انوارالصوفیہ“ لاہور بابت اگست ۱۹۱۰ء ص ۱تا۸)

☆☆☆☆☆

فضائل نمازِ تہجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد الله نحمده ونستعينه ونستغره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذبالله من شرورانفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهدان لااله الا الله وحده لاشريک له ونشهدان سيدنا ومولٰنا محمدًا عبده ورسوله. اما بعد فاعوذبالله من الشيطنِ الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم .قال الله تبارک وتعالٰى:

تَتَجا فى جنو بهم عن المضاجع يدعون ربهم خوفا وطمعا(پاره ۲۱ ، سوره السجده : ۱۶)

"ان (ایمانداروں) کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہوتے ہیں اور وہ اپنے رب کوخوف اور طمع سے پکارتے ہیں"۔

پیشتر اس کے کہ اس آیہ کریمہ میں مندرجہ بالا اور دیگر آیات اور احادیث متبر کہ جو کہ اس مضمون کے متعلق فقیر پیش کرنا چاہتا ہے، ان کی تفسیر اور تشریح کی جائے یہ مناسب وضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ تہجد کے معانی مختصر طور پر بیان کر دیئے جائیں۔ لفظ ہجد اور ہجود کے معنی نیند کے ہیں اور تہجد کے معنی اتو وازل الھجو د یعنی نیند چھوڑ دینے کے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کے پاک جملے فتھجد د کے معنی مفسرین نے اترک الھجو د للصلوٰۃ کئے ہیں یعنی اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نیند کو نماز کے لئے چھوڑ دے۔

وقيل لصلوةالليل التهجد فلا يحصل التهجد الا الصلوٰة نفل بعد نوم

"اور رات کی نماز کو تہجد کہا گیا ہے۔ پس تہجد یعنی ترکِ نوم کا مقصود بیداری کے بعد نفل پڑھنے کے سوا حاصل نہیں ہوتا"

اس سے معلوم ہوا ہے کہ تہجد کے معنی مطلق سو کر اُٹھنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں تہجد ایک نماز ہے جو سو کر اُٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ عاشقانِ شب زندہ داراں اپنے اپنے جذباتِ عشق میں شب بیداری کے فضائل میں مختلف اشعار بیان

فرماتے ہیں۔

اے طالبِ نورِ خدا برخیز وقتِ صبحدم	اے نورِ خدا کے طالب صبح کے وقت اٹھ۔
وے سالکِ راہِ ہدیٰ برخیز وقتِ صبحدم	اور اے راہِ ہدایت کے سالک صبح کے وقت اُٹھ۔
شب تاریک عاشقانِ خدا می نمائد چوروز رخشندہ	اندھیری رات میں خدا کے عاشق لوگوں کو روز روشن کی طرح دکھائی دیتا ہے۔
ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ	یہ سعادت بزورِ بازو حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ عنایت فرمانے والا خدا عنایت نہ فرمائے۔
دولتِ شبگیر خواہی خیز شب را زندہ دار	اگر تو دولتِ شب گیر چاہتا ہے تو اُٹھ اور رات کو زندہ رکھ۔
خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداراں رسد	کیونکہ سویا ہوا نابینا ہوتا ہے اور دولت بیداروں کو ملتی ہے۔
خواب را بگذار اے جانِ پدر یک شبے بر کوئے بے خواباں گذر	اے بیٹے! نیند کو چھوڑ اور ایک رات بے خواباں یعنی رات کو جاگنے والوں کے کوچہ سے گزر کر دیکھ۔

آیت بالا تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع میں ان مومنون کے محاسن اور کمال درجہ کی عبادت وعنایت اور حرصِ مناجات الٰہی پائی جاتی ہے۔ جو خوشنودی ورضامندی خداوند عالم کے لئے نرم بستروں وخواب گاہوں سے اپنے پہلوؤں کو الگ کرتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ عجز ونیاز کرتے ہیں کیونکہ رات کے وقت اپنے پہلوؤں کو خواب گاہ سے الگ کرنا اور پیاری نیند کو چھوڑنا خاص معنی رکھتا ہے۔ تفسیر رُوح البیان میں مذکور ہے۔

وفی اسناد التجا فی الی الجنوب دون ان یقال یجا فون جنا بهم اشارة الی ان حال اهل الیقطرة الشکف لیس کحال اهل الغفلة الحجاب نانهم لکمال حصهم علی المناجات ترتفع جنوبهم عن المضاجع حین ناموا بغیر اختیار هم کان الارض القتهم من نفسها واما اهل الغفلة فتیلا صقون بالارض لا یحر کهم محرک.

"اس عبادت کا خلاصۂ مطلب یہی ہے کہ تجافی جنوب میں اہل بیداری وکشف کے حال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مناجاتِ الٰہی پر کمال حرص کی وجہ سے نیند میں بھی اُن کے پہلو بے اختیار اُٹھتے رہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین نے بذاتہا اُن کو اپنے سے الگ کر دیا ہے یا یہ سمجھ لیجئے کہ زمین اُن کو نیند میں بھی بیداری کی ہدایت کرتی رہتی ہے بخلاف غافل کے کہ وہ زمین سے ملا ہوا ہوتا ہے اس کو نہ زمین اور نہ کوئی بیداری کا محرک ہوتا ہے"۔

پس وہ بیدار ہو کر علی الاستمرار اپنے مولا کریم کو جو کہ انیسِ خلوتِ شب زندہ داراں ہے، پکارتے رہتے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت شریفہ تہجد گزاروں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ان افضل الصیام بعد شهر رمضان صیام شهر الله المحرم وافضل الصلوٰة بعد الفریضة صلوٰة اللیل.

"تحقیق رمضان شریف کے روزوں کے بعد افضل روزے محرم شریف کے ہیں اور نماز فرض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے"۔

تفسیر رُوح البیان میں بحوالہ مولانا کاشفی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ آیہ شریفہ مذکور ہے:

چوں پردۂ شب فروگذ ارندو جہانیاں سر بر بالین غفلت بہ نہند، ایشاں پہلو از بسترِ گرم وفرشِ نرم تہی کردہ برقدم نیاز بایستند ودر شب دراز با حضرت خداوند راز گویند۔ از سہیل یمنی یعنی اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول است کہ در شبے می گفت ھذہ لیلۃ الرکوع و بیک رکوع بسر می بُرد۔ ودر شبے دیگری فرمود ھذہ لیلۃ السجود و بیک سجدۂ صبح می رساند۔ گفتند اے اویس! چوں طاقتِ طاعت داری سبب چیست کہ شب ہائے بدیں درازی بر یک حال می گزاری۔ گفت کجا است شب درازی۔ کاش کہ ازل وابد یک شب بودے تا بیک سجدہ بآخر بُردمے، دورانِ سجدہ نالہائے زار وگریہ ہائے بے شمار کردمے۔

''جب رات کا اندھیرا دُنیا پر چھا جاتا ہے اور اہل جہاں غفلت کی نیند سو جاتے ہیں تو وہ عاشقانِ شب زندہ دار اپنے پہلو بسترِ گرم وفرش نرم سے خالی کر کے قدمِ نیاز پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شبِ دراز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت سہیل یمنی یعنی اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک رات آپ فرماتے تھے کہ یہ رکوع کی رات ہے اور ایک رکوع میں رات گزار دیتے تھے۔ اور دوسری رات میں فرماتے تھے کہ یہ سجدہ کی رات ہے اور ایک سجدہ میں صبح کر دیتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ، اے اویس! جب تو عبادت کی طاقت رکھتا ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ باوجود اتنی درازی کے کئی راتیں ایک حال پر گزار دیتا ہے۔ اُس نے کہا، کہاں ہے رات کی درازی۔ افسوس کہ ازل سے ابد تک ایک ہی رات ہوتی تا کہ میں ایک ہی سجدہ میں شام کو صبح کر دیتا اور اس سجدہ میں بے شمار گریہ وزاری کرتا۔''

فیقول اللہ تعالیٰ بملکۃ انظر واالی عبدی تار عن فراشہ ورطبہ من بین احبتہ واھلہ الی صلوٰۃ رغبۃ فیماعندی

''پس اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم میرے بندے کی طرف دیکھو کہ اپنے فراش، احباب اور اہل کو چھوڑ کر اپنی نماز کے لئے محض میری خوشنودی اور رضامندی کے لئے اُٹھتے ہیں''۔

دوسری حدیث، رُوح البیان میں مذکور ہے۔ جس کا مختصر ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب اوّلین وآخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی کرنے والا بلند آواز سے پکارے گا کہ وہ لوگ جن کے پہلو رات کے وقت خواب گاہوں سے الگ ہوا کرتے تھے، کھڑے ہو جاؤ۔ فیقومون وھم قلیل۔ پس یہ تھوڑی سی جماعت کھڑی ہو جائے گی۔ پھر آواز کرے گا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا راحت وتکلیف میں کرتے تھے، اُٹھو! فیقومون وھم قلیل فیسرحون الی الجنۃ۔ تو یہ تمام جنت میں بھیجے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رات کا جاگنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہے۔ جس کا ثواب جنت ہے۔ شب بیداری کی تحریص وترغیب میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے　　حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سایہ تلے

دوسری آیت پارہ ۲۹ سورہ مزمل کے شروع میں مولیٰ کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کتنے پیارے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

یایھا المزمل قمo اللیل الا قلیلاo　　اے کمبل اوڑھنے والے! اٹھ (نماز کے لئے) تھوڑا حصہ رات کا''۔

یاایھا المزمل کے خطاب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت لُطف وکرم ومحبت سے خطاب کیا گیا ہے۔ تفسیر سراج المنیر اور رُوح البیان میں مذکور ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اُس وقت تشریف لا کر حضور علیہ السلام فداہ روحی وابی وامی کو یاایھا المزمل کے خطاب سے مخاطب فرمایا جبکہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کان نائما فی اللیل مزملا یعنی رات کو کمبل اوڑھ کر سوئے ہوئے تھے۔ اور رُوح البیان نے

اس میں ایک خاص حالت کی طرف کنایہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء وحی جبل حرا سے واپس دولتِ خانہ میں تشریف لائے تو فرمایا، زملونی (مجھے کمبل اوڑھاؤ) جب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کمبل اوڑھا دیا تب حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ **یایھا المزمل قمo اللیل الا قلیلاo**

ای لا تنزمل وتو قد ودع ھذہ الحال لما ھوا فضل منھا وقم الی الصلوٰۃ فی اللیل

''اے پیارے اوڑھنے والے (کمبل) اوڑھ کر آرام نہ کر اور اس حال کو چھوڑ دے اُس حال کے لئے جو اس سے افضل ہے۔ اور رات کو نماز کے لئے اٹھو''۔

تفسیر سراج المنیر میں بھی اسی طرح مرقوم ہے۔

قم اللیل ای الذی ھو الخلوۃ والخفیہ والسر فصل لنا فی کل لیلۃ من ھذا الجنس وقف بین یدینا بالمناجاۃ والانس بما انزل علیک من کلامنا فانا ترید اظہارک واعلاء قدرک فی البر والبحر والسر والجھر۔

''اے محبوب ﷺ! رات کو اُٹھ کہ وہ وقت علیحدگی اور پوشیدگی کا ہے۔ ہمارے لئے خصوصیت سے ہر رات میں ایسی رات کی نماز پڑھ اور ہمارے سامنے مناجات کرنے کے لئے کھڑا ہو اور ہماری کلام جو تجھ پر نازل کی گئی ہے اس سے پڑھ کیونکہ ہم تیرے قدر کا اظہار دریاؤں اور جنگلوں اور ظاہر اور پوشیدہ میں کرنا چاہتے ہیں''۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قیام پر معہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسا مجاہدہ کیا کہ اُن کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے اور رنگ زرد ہو گئے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تخفیف فرمائی جس کا اس سورہ شریف کی آخری آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس نماز تہجد کا کس قدر تاکیدی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے اور اس خطاب **یا یھا المزمل** سے کس قدر ملاطفت سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد تیسری آیت اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ اسی قیام تہجد کی تحریص وترغیب کے لئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان نا شئة اللیل ھی اشد وطاً واقوم قیلاً. سورہ مزمل:٦۔

''تحقیق رات کا اٹھنا ریاضتِ نفس کے لئے سخت تر اور موافقتِ دل کی زبان کے ساتھ ہونے میں خوب تر ہے''۔

یعنی رات کا اُٹھنا نفس پر جو اپنے بستر، مکان اور احباب سے الگ ہونا ہے، کلفت اور ثقالت کی رُو سے نہایت مشکل ہے اس لئے رات کے اُٹھنے میں نفس روندا جاتا ہے۔

تفسیری روح البیان میں ہے:

یقال العرب وطی الشبی ای دلسہ برجلہ فان النفس القائمہ باللیل الی العبادۃ اشد وطامن التی تقوم بالنہار فلا ید من قیام اللیل فان افضل العبادات استقھا۔

''عرب کے محاورہ میں وطی الشی سے مراد پاؤں سے لتاڑنا اور کھلنا ہے۔ پس رات کی عبادت کیلئے اٹھنا نفس کے لئے بہت مشکل ہے۔ پس ضروری ہوا رات کا اٹھنا نماز کیلئے کیونکہ وہ افضل عبادت ہوتی ہے''۔

پس معلوم ہوا کہ رات کا اُٹھنا ہی نفس کو مغلوب کرتا ہے اور رات کے اُٹھنے والے کا نفس ہی مطمئنہ ہو جاتا ہے جس کو قرآن شریف میں رضائے مولیٰ ودخول جنت کی خوشخبری آئی ہے۔ یہ بات تجربہ سے بھی ثابت ہوئی ہے کہ ریاضت کرنے سے بھاری کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ پس ایسے وقت میں جب کہ دل فارغ ہو اور تمام کی آوازیں ساکن ہوں اور دل کی زبان سے موافقت ہو، جو کچھ زبان پڑھے، دل فکر کرے تو قرآن شریف کیا لطف دیتا ہے۔ یہ برکت وفضیلت نماز تہجد ہی میں رکھی گئی ہے۔ چنانچہ چوتھی آیت میں خصوصیت سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں:۔

ومن اللیل فتھجدبہ نافلة لک ق صلے .(پارہ ١٥:، سورہ اسریٰ : ٧٩)

''اور کسی قدر رات کے حصے میں پس تہجد پڑھ، ساتھ اس (قرآن) کے۔ یہ تہجد آپ کیلئے زائد ہے''۔

حکم ہوتا ہے کہ نیند کو چھوڑ کر رات کے حصے میں بھی قرآن شریف پڑھ جس طرح دن کی نماز پڑھتا ہے کیونکہ تجھ کو بڑا مرتبہ دیتا ہے۔ وہ تعریف کا مقام شفاعت ہے جب کوئی پیغمبر بول نہ سکے گا، تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے خلق کو تکلیف سے چھڑا دیں گے۔ ھذا فی تفسیر روح البیان وموضح القرآن رات کے جاگنے اور نماز میں قرآن شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ سے نہایت اعلیٰ مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تعریف چھبیسویں پارہ سورہ الذّاریات میں فرماتے ہیں۔

کانو قلیلا من الیل مایھجعون (پارہ۲۶۔ الذّاریات:۱۷)

''وہ لوگ (متقین دنیامیں) رات کو بہت تھوڑا سوتے تھے''۔

تفسیر رُوح البیان میں اس کی تفسیر اس طرح آئی ہے کہ اس میں اشارہ ہے اہل احسان کی طرف:

وھم اھل الجنة والمشا ھدة لاینا لون بالیل الخ .

''وہ رات کو نہیں سوتے اس میں ضرور عبادت کرتے ہیں اور بہت کم سوتے ہیں اور رات کا اکثر حصہ اپنے مولیٰ کریم کی عبادت اور یاد میں گزار دیتے ہیں''۔

حدیث شریف میں ہے:۔

وعن ابی الدرداء رضی اللہ عنه قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰة اللیل افضل قال فی نصف اللیل .

''اور ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز افضل ہے یعنی جسے آدھی رات کی نماز کہتے ہیں''۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نرگس اندر خوابِ غفلت یافت بلبل صد وصال
خفتہ نابینا بود دولت بہ بیداراں رسد

''نرگس خوابِ غفلت میں رہی اور بلبل نے سَو دفعہ وصال کے مزے لوٹے، سویا ہوا

نابینا ہوتا ہے اور دولت جاگنے والوں کو مل جاتی ہے''۔

قال المعنوی ؎

دردِ پشتم دادحق تامن زخواب	''اللہ تعالیٰ نے دردِ پشت دیا ہے تا کہ میں
برجھم درنیم شب باسوز وتاب	نیند سے بیدار ہو کر آدھی رات کو سوز و تاب
دردھا بخشید حق از لطف خویش	میں مصروف رہوں۔ اللہ کریم نے اپنے
تانخسپم جملہ شب چوں گاؤ میش	لطف و کرم سے درد عطا کئے ہیں تا کہ میں
	جانوروں کی طرح تمام رات سویا نہ رہوں''۔

سبحان اللہ! بندگان خدا اپنی بیماری اور تکلیف کو بھی اپنی خوش قسمتی پر محمول کیا کرتے تھے اور اسی حالت میں اپنے مولا کریم کی عبادت کرتے تھے۔ اور بیماری کی بے آرامی کے سبب جو نیند نہ آتی تھی اس میں جاگتے ہوئے خدا کو بھی یاد کرتے تھے۔ اُن کی مدح سرائی قرآن کریم میں بدیں الفاظ مذکور ہے:۔

وبالا سحار ھم یستغفرون.	''وہ وقتِ سحر (پچھلی رات میں) استغفار
پارہ:۲۶:الذاریات:۱۸)	کرتے ہیں''۔

یہ آیہ شریفہ عام ہے خواہ بصورت نماز تہجد استغفار کی جائے اور بعد نماز تہجد استغفار علیحدہ کی جائے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں مذکور ہے:۔

ای معہ قلتہ ھجوعھم و کثرۃ	''یعنی قلتِ نیند اور کثرتِ نماز تہجد
تھجدھم یداومون علی	پر وہ نظر نہیں کرتے اور بوقت آخیر
الا استغفار حتی الاسحار	شب وہ استغفار کرتے ہیں''۔

ایں دلیل آں است کہ بعملِ خود معجب نبودہ اندواز اں حساب نداشتہ یعنی وہ لوگ اپنے اعمال پر متکبر نہ ہوتے تھے اور اس کو حساب میں نہ رکھتے تھے۔

کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

طاعتِ ناقص ما موجب غفران نہ شود	ناقص عبادت ہماری مغفرت کے لائق نہیں
راضیم گر مدد علت عصیاں نہ شود	ہے۔ تاہم ہم اس بات پر راضی ہیں کہ وہ گناہوں کی معاونت کا باعث نہ ہے۔

قال السعدی رحمۃ اللہ علیہ۔

عذرِ تقصیر خدمت آوردم	میں آپ کی خدمت میں اپنی کوتاہی کا عذر لایا
کہ ندارم بطاعت استظہار	ہوں۔ کیونکہ میں اپنے وجود میں عبادت کی طاقت نہیں رکھتا۔
عاصیاں از گناہ توبہ کنند	گنہگار گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارف اپنی
عارفاں از عبادت استغفار	قصورِ عبادت سے استغفار کرتے ہیں۔

۔حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کیف الاستغفار یا رسول ﷺ اللہ ! فرمایا قولو اللھم اغفرلنا وارحمنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

بندگانِ خدا باوجود تھوڑا سونے اور زیادہ عبادت کرنے کے بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں اور اپنے عملوں پر مغرور نہیں ہوتے اور اُن کو کسی گنتی میں نہیں لاتے اور بوقت سحر بارگاہِ خداوندی نہایت الحاح وزاری سے عرض کرتے ہیں۔

اللھم اغفرلنا وارحمنا وتب علینا	”اے اللہ! ہم کو بخش دے اور ہم پر
انک انت التواب الرحیم۔	رحم فرما اور ہم پر رجوع فرما۔ تحقیق تو ہی رحم فرمانے والا ہے“۔

قال الحافظ رحمۃ اللہ علیہ۔

ہر گنج سعادت کہ خداداد بحافظ	”خداوند تعالیٰ نے مجھے جو نیک بختی کا خزانہ
ازیمن دُعائے شب وورد سحری بود	عطا فرمایا ہے وہ رات کی دُعا وسحری وظائف کا نتیجہ ہے“۔

کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے۔

درکوئے عشق شوکتِ شاہی نمی خرند	کوچۂ عشق میں تجھ سے شوکتِ شاہی نہیں

اقرارِ بندگی کن ودعوئے چاکری چاہتے ، اے عاشق تو بندگی کا اقرار کر کے غلامی کا دعویٰ کر"۔

تیسرے پارہ سورہ آل عمران میں بھی اُن کی تعریف اس طرح آئی ہے۔ والمغفرین بالا سحار ۔یعنی آخیر شب میں (اُٹھ اُٹھ کر) گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔اس پاک جملے نے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں، صبر کرنے والوں، راست بازوں اور اللہ کے سامنے فروتنی کرنے والوں اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے والوں کی تعریف کو مکمل کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پچھلی رات کا اُٹھنا اور استغفار کرنا ہی باعث تکمیل درجات ہے۔ اس لئے مقبولانِ الٰہی رات کو سجود و قیام میں گزار دیتے ہیں۔ چنانچہ انیسویں پارہ سورہ فرقان رُبع اول میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاما ... پارہ:۱۹۔سورہ فرقان:۶۴۔ "اور وہ لوگ (عباد الرحمٰن) راتوں کو اپنے رب کے لئے سجدہ اور قیام میں گزار دیتے ہیں"۔

رُوح البیان میں آیا ہے، اگرچہ وہ تمام دن بھی عبادت اور نمازوں میں لگے رہتے ہیں مگر تخصیص یبیتون اس لئے ہے۔

لان عبادة اللیل اشق وابعد من الریاء وھو بیان حالھم فی معاملتھم مع ربھم ووصف لیلھم بعد وصف نھارھم "کیوں کہ رات کی عبادت بہت مشکل ہے اور ریا سے بہت بعید ہے اور وہ اُن کے حال اور معاملہ کا بیان ہے جو اُن کا رب کے ساتھ ہے اور اُن کی رات کی حالت کی صفت کی گئی"۔

حضرات سعید بن المسیب اور فضیل بن عیاض وابوسلیمان درّانی وحبیب عجمی، مالک بن دینار، رابعہ عدویہ وامامنا الاعظم رضی اللہ عنہم کے حالات میں بزرگان دین سے فرداً فرداً مذکور ہے کہ وہ حضرات تمام راتوں کو بیدار رہتے تھے اور صبح کو اپنے نفس سے کہتے تھے کہ اے نفس! تو اتنا کیوں سوتا ہے، قریب ہے کہ ایسی نیند سوئے گا کہ قیامت کی صبح تجھ

کو اُٹھائے گی۔ مقامِ غور ہے کہ بندگانِ خدا شب بیداری کے کس قدر حریص تھے۔ شب بیداری اور اُس کے فضائل اور شب بیداروں کے درجات میں بکثرت آیات وارد ہیں مگر انہی پر اکتفا کر کے چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔

(۱) عن ابی ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول افضل الصلوٰۃ بعد المروضیتہ فی جوف اللیل۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف)

''سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا کہ فرضوں کی نماز کے بعد افضل نماز درمیانِ رات کی نماز ہے۔ روایت کیا اس کو امام احمدؒ نے''۔

(۲) عن ابی قتادۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذ اھو بابی بکر یصلی یخفض من صوبۃ ومر بعمر وھو یصلی رافعا صوتہ قال فلما اجتمعا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ابابکر مردت بک وانت تصلی تخفض صوتک قال قد استمعت من ناجیت یارسولؐ اللہ جل جلالہٗ.

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نکلے، پس ناگہاں گزرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ نماز پڑھتے تھے اس حال میں کہ وہ اپنی آواز پست کرتے تھے اور گزرے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اور وہ پڑھتے تھے نماز درحالیکہ بلند کرنے والے تھے آواز اپنی۔

وقال لعمر مردت بک وانت تصلی رافعاصوتک یارسول الله اوقظ الوسنان واطرداایشیطان فقال النبی صلی الله علیه وسلم یاابابکر ارفع من صوتک شیاء وقال العمر ا خفض من صوتک شیئا . رواه ابو داؤد وروی الترمزی نحوه

پس جب جمع ہوئے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر، گزرا تھا میں تجھ پر اور تو نماز پڑھتا تھا پست کئے آواز اپنی ۔کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق سناتا تھا میں اُس کو کہ مناجات کرتا تھا میں اس سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مناجات کرتا تھا اپنے رب سے وہ سنتا ہے نہیں محتاج طرف بلند کرنے آواز کے۔

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ گزرا تھا میں تجھ پر اور تو نماز پڑھتا تھا بلند کئے ہوئے آواز اپنی۔ پس کہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اے رسولِ خدا ﷺ! میں سوئے ہوؤں کو جگا تا تھا وقت عبادت کے کہ وہ بہ سبب گرانی نیند جاگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جاگیں اور ہانکتا تھا میں شیطان کو۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوبکر اپنی آواز کچھ اور بلند کر۔ اور حضرت عمر سے فرمایا کہ اپنی آواز کچھ اور پست کر۔ یعنی

دونوں کواعتدال کی طرف رہنمائی فرمائی''۔ روایت کی یہ ابوداؤد نے اور ترمذی نے مانند اس کے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ یہ نماز جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پڑھ رہے تھے وہ نماز تہجد تھی اور اس وقت حضور علیہ السلام کا دورہ فرمانا۔ کیونکہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اونچی آواز سے پڑھنے کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں سونے والوں کو جگانے کے لئے اونچی پڑھتا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب سے عین مناجات آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی نماز تہجد خدا سے مناجات کرنے کا ذریعہ ہے اور افضل الصحابہ اس میں کس قدر خود بھی کوشش فرماتے تھے اور دوسروں کو بیدار کرنے کے حریص تھے۔

(۳) عن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعقد الشيطن على قافية راس احد كم اذا هو نام ثلث عقد يفرب على كل عقدة عليك ليل طويل فارقدفان استيقظ فذكر الله انحلت عقدة فان توضا ، انحلت عقدة فان صل انحلت عقدة فاصبح نشيطا طيب النفس والا فاصبح خبيث النفس كسلان . متفق عليه .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اُوپر گدی سر گرہ لگاتا ہے ایک اُس وقت کہ جب انسان سوتا ہے تین گرہ مارتا ہے ۔ ہر گرہ سونے والے کے دل پر مارتا ہے کہ ابھی بہت رات باقی ہے پس سو رہ۔ پس اگر وہ شخص جاگا اور اللہ کو یاد کیا یعنی دل سے یا زبان سے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے کسالت اور بطالت کی ۔ پھر وضو کیا تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب نماز پڑھی تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پس پاک نفس صبح شادمانی کے ساتھ کرتا ہے

اور اگر نہ جاگا، نہ ذکر کیا نہ وضو کیا اور نہ نماز پڑھی تو پھر پلید نفس کاہلی اور سستی کے ساتھ صبح کرتا ہے"۔ یہ حدیث مبارکہ بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نفس کی پاکیزگی اور شادمانی کا باعث نمازِ تہجد ہی ہے اور شیطانی گرہ جو رات کو آدمی کی قفا (گدی) پر ماری جاتی ہیں سوائے شب بیداری کے نہیں کھلتیں۔

(۴) عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رحم الله رجلا قام فی اللیل فصلی فایقظ امراته فان ابت نضح فی وجهها الماء رحم الله امراة قامت فصلت و ایقطت زوجها فصلی فان ابی نضحت فی وجهه الماء . رواه ابوداؤد والنسائی ، مشکوٰة باب التحریض علی قیام اللیل .

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحمت کرے جو رات کو وقت پر اُٹھا، نماز پڑھی اور پھر اپنی عورت کو جگایا اور اُس نے بھی نماز پڑھی، اگر وہ عورت غلبۂ نیند کے سبب نہ جاگے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اور اللہ کریم رحمت کرے اُس عورت پر جو رات کو اُٹھی اور نماز پڑھی پھر جگایا اپنے خاوند کو اور اُس نے بھی نماز پڑھی، اگر خاوند نہ جاگا تو اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دے"۔ روایت کی یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو مرد اور عورت ایک دوسرے کو رات کی نماز (تہجد) کیلئے بیدار کرے اور اگر بباعثِ کسل اور غلبۂ نیند کے ایک دوسرا غفلت معلوم کرے تو منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اطاعتِ الٰہی کے لئے اُس کے جگانے میں سعی

کرے تو خداوند تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور اِس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی پر نیکی کے لئے جبر کرنا بھی جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

(۵)عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلة الی سماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الاخر یقول من یدعنی فاستجیب له من یالنی فاعطیه من یغفرلی فاعقرله (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب جو بابرکت اور بلند ہے ہر رات میں آسمان سے نیچے نزول فرماتا ہے جبکہ تہائی رات باقی رہتی ہوتی ہے یعنی پچھلی رات۔اور فرماتا ہے،کون ہے جو مجھے پکارے میں اُس کی فریاد کو قبول کروں،کون ہے جو مجھ سے مانگے،میں اُسے دوں،کون ہے کہ بخشش چاہے،میں اُس کو بخش دوں۔ روایت کیا اسے بخاری و مسلم نے۔

اِس حدیث کی رُو سے اُس شخص کے لئے نہایت فضل واحسان ہے جو رات کے اس حصہ میں جاگتا ہے۔ایک دوسری حدیث شریف بھی اسی مضمون کی مؤید اسی باب میں آئی ہے۔

(٦)عن جابر قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان فی اللیل لساعة لایوافقها رجل مسلم یسال الله فیها خیر امن امر الدنیا والا اخره الا اعطاه ایاه وذالک کل لیلة . راوه مسلم .

''حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ فرماتے تھے کہ رات میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں مرد مسلمان امرِ دُنیا و آخرت کی بھلائی مانگتا ہے تو مل جاتی ہے اور وہ ساعت ہر شب میں ہے''۔روایت کیا اسے مسلم نے۔

اوروہ ساعت اکثر کے نزدیک آدھی رات کے ہے۔

(۷)قالت اُمّ سلیمان بن داؤد علیها السلام یابنی لاتکثرالنوم بالیل فان کثرة النوم باللیل تترک الانسان فــقیــرا یــوم الــقیــامة (علی) مرسلاً کنزالعمال .

''حضرت سلیمان بن داوٗد کی والدہ ماجدہ نے فرمایا ہے۔اے بیٹے ! رات کی نیند کوزیادہ نہ کرکہ رات کی نیند کی زیادتی انسان کوقیامت کے دن فقیر کرکے چھوڑے گی''۔

(۸)من کثرت صلٰوة باللیل حسن وجهه بالنهار (جابر) کنز العمال باب قیام اللیل .

''جس شخص کی نماز رات میں زیادہ ہو، دن میں اُس کا منہ خوبصورت ہوگا۔'' (جابر)

(۹)افضل الساعات جوف اللیل الاخر (عمر بن علبه) کنزالعمال باب قیام اللیل.

''پچھلی رات کادرمیان تمام ساعتوں سے افضل ہے''۔(عمر بن علبہ)

(۱۰)رکعتان یرکعها ابن آدم فی جوف اللیل الاخر خیرله من الدنیا وما فیها ولولا ان اشق علی امتی لفرضة علیهم عن ابن نصرعن حسان بن عطیه. مرسلاً کنزالعمال .

آدم علیہ السلام کاجو بیٹا پچھلی رات کے درمیان دو رکعتیں پڑھے،اُس کے لئے وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہیں۔اگر میں اپنی اُمت پر تنگی اورتکلیف کاخیال نہ کرتا تو نماز تہجد کواُن پرفرض کردیتا۔(ابن نصر)

(۱۱)علیکم بقیام اللیل فانه داب الصالحین قبلکم ومقربة علی الله ومرضاة للرب ومکفرة للسئیات ومن هات عن الائم ومنتظردة عن الجسد . ابن عساکرعن سلیمان (ابونعیم کنزالعمال)

رات کے قیام کولازم پکڑو کہ یہ ان نیکو کاروں کاطریقہ ہے جوتم سے پہلے گزر گئے وہ تمہارے لئے باعثِ قرب ورضائے الٰہی ہے، برائیوں کی کفارت اورگناہ سے بچانے والی اورجسم کوتمام آلودگیوں سے محفوظ رکھنے والی ہے۔(ابن عساکر)

(۱۲)علیکم بصلوٰۃ اللیل ولو رکعۃ واحدۃ فان صلوٰۃ اللیل منھاۃ عن الاثم وتعفی غضب الرب تبارک وتعالیٰ وتدفع عن اھلھا حر النار یوم القیامۃ وان ابغض الخلق الی اللہ ثلاثۃ الرجل کثیر النوم بالنھار ولم یصل من اللیل شیئاً والرجل یکثر کل ولا لسیمی اللہ تعالیٰ علی طعامہ ولا یحمدہ والرجل کثیر الضحک من غیر عجب فان کثرۃ الضحک لیمیت القلب ویورث الفقر (کنز العمال) ابن عمر باب قیام اللیل.

رات کی نماز کولازم پکڑو اگر چہ ایک ہی رکعت ہو۔ تحقیق رات کی نماز گناہوں سے بچانے والی، رب تبارک وتعالیٰ کے غضب کو بجھانے والی اور عذابِ دوزخ اور قیامت کو دور رکھنے والی ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابغض الخلائق تین آدمی ہیں۔ (جن پر اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ناراض ہوتا ہے) ایک (۱) وہ جو دن کو زیادہ سوئے اور رات کو کچھ بھی نہ پڑھے۔ دوسرا (۲) وہ جو بہت کھائے اور کھاتے وقت نہ بسم اللہ پڑھے اور نہ اللہ کا شکر کرے۔ تیسرا (۳) وہ جو بغیر کسی عجب کے زیادہ ہنستا ہو کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور فقر کا وارث بناتی ہے۔ (ابن عمر)

(۱۳)اذا استیقظ الرجل من اللیل وایقظ اھلہٗ و صلیاً رکعتین کتبا من الذاکرین والذاکرات (ابی ھریرہ) کنز العمال باب قیام اللیل)

جب کوئی آدمی رات کے کسی حصہ میں بیدار ہو اور اپنی اہلیہ کو جگائے اور مل کر دو (۲) رکعت پڑھیں تو وہ دونوں (میاں بیوی) ذکر نے والوں میں لکھے جاتے ہیں (ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱۴)عن المغيرة قال قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ تورمت قدمالا فقيل له لم تضع هذا وقد غفرلک ماتقدم من ذنبک وماتاخر قال افلاكون عبداشكورا . متفق عليه ، مشکوٰۃ باب تحريض على قيام الليل.

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج گئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس واسطے اتنی تکلیف برداشت فرماتے ہیں حالانکہ آپ کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشیں بخشی گئیں ہیں۔ فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں ۔ روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے۔

پس اللہ تعالیٰ نے میری سب لغزشیں بخش دی ہیں (حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی لغزش نہیں ہوئی) کیا عبادت کی مشقت چھوڑ دوں اور شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ بلکہ مغفرت کی یہ نعمت اور دوسری تمام نعمتیں جو مجھے عطا ہوئی ہیں ان کے شکرانہ میں مجھے بہت سی عبادت کرنی چاہئے تا کہ میں شکر گزار بندہ بنوں۔

تمام آیات اور احادیثِ مندرجہ بالا تہجد اور تہجد گزاروں کے حق میں وارد ہیں۔ اب اقوال وعمل بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین برائے استفادۂ طالبانِ حق درج کیے جاتے ہیں:۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ کے امام عالیجناب امامِ ربانی قطب لاثانی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص ساری رات جاگتا رہا مگر اس نے عشاء اور فجر کی نمازیں جماعت سے نہیں پڑھیں۔ دوسرے آدمی نے عشاء اور فجر کی نمازیں جماعت سے پڑھیں اور آخری رات اُٹھ کر تہجد پڑھی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس باجماعت نماز پڑھنے والے کا ثواب ساری جاگنے والے کی نسبت زیادہ ہے کیونکہ اُس نے نمازیں جماعت سے نہیں پڑھیں۔ اگرچہ وہ جاگتا رہا۔ سوکر اُٹھنے سے جو تکلیف نفس

کو ہوتی ہے وہ ساری رات جاگنے میں نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ تتجا فی جنوبھم عن المضاجع (اُن ایمانداروں کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہوتے ہیں۔ سورہ الم سجدہ:۱۶) اور جو انعام اکرام کے وعدے پچھلی رات کو اُٹھنے والوں کے لئے فرمائے اور کسی کے لئے نہیں فرمائے۔ قرۃ اعین کا لفظ تہجد گزاروں کے سوا کسی اور کے لئے نہیں فرمایا۔ تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فرض تھی مگر امت پر سنت ہے۔

نمازِ تہجد کی خصوصیات:۔

اور جتنی نمازیں ہیں اُن کو روشنی میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لئے اندھیرے میں پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ یہ خفیہ نماز ہے اور پڑھنے والے اور خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ فقیر کے اُستاد مولوی حافظ حاجی احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بجے رات کو آہستہ چپکے سے بغیر کسی آہٹ کے اُٹھ کر خود پانی لے کر اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے اور اگرچہ مسجد میں بیسوں طالب علم موجود ہوتے تھے لیکن کبھی بھی کسی پر آپ نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

اندھیرے میں تہجد پڑھنے کے فائدے:۔

(۱) اندھیرے میں نمازِ تہجد پڑھنے والے کا دل اللہ تعالیٰ نورانی اور روشن کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے چہرے سے انوارِ الٰہی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

(۲) مرنے کے بعد اُس کی قبر میں نورانیت اور روشنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو میری محبت میں بال بچے اور گرم بستر چھوڑ کر اندھیری رات میں تہجد پڑھا کرتا تھا۔ اس کی برکت سے آج ہم تیری قبر میں روشنی کرتے ہیں۔

تہجد پڑھنے کے فائدے:۔

(۱) تہجد پڑھنے والے کے دل پر دس بجے دن تک دُنیا کا کوئی رنج و غم، فکر اور صدمہ

نہیں آ سکتا اور اگر وہ شخص نیزہ بھر آفتاب نکلنے تک مراقبہ میں بیٹھا رہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شام تک کوئی رنج وغم اُس کے دل پر نہیں آ سکتا۔ گویا کہ وہ دُنیا میں ہی جنت میں ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — بہشت وہ جگہ ہے کہ جہاں کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔
کسے را با کسے کارے نباشد — کسی کو کسی سے کوئی واسطہ، جھگڑا وغیرہ نہ ہوگا۔
؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست — یہ سعادت بازو کے زور سے نہیں ہے جب تک
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ — کہ بخشنے والا خدا عنایت نہ فرمائے۔

(۲) پچھلی رات اُٹھنے والے کو دین و دُنیا میں کوئی پرواہ نہیں رہتی۔

(۳) جو شخص بلا ناغہ ہمیشہ تہجد پڑھتا رہے گا، اُس کی دوسری نمازیں پھر کبھی قضا نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنے خزانۂ رحمت سے اُس کو باقی پنجگانہ ادا کرنے کی توفیق بخش دیتا ہے۔

(۴) اس کو حضورِ قلب اور اخلاص کی نعمت نصیب ہوتی ہے۔

(۵) اس کا قلب مستغنی ہو جاتا ہے۔ دُنیا میں وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ ان اللہ لایضیع اجر المومنین (تحقیق اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نیک کام کرنے والوں کی اُجرت ضائع نہیں کرتا۔ پارہ:۴۔ سورہ آل عمران:۱۷۱)

فرماتے ہیں کہ جو لوگ نیک کام کرتے ہیں۔ اُن کا اجر ہم دے دیتے ہیں۔ دنیا میں بھی دیتے ہیں، قیامت کو بھی دیتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص تین بجے رات سے اُٹھ کر نفل تہجد پڑھ کر صبح تک درود شریف پڑھتا رہا، یا ذکر اذکار کرتا رہا اور ایک دوسرا آدمی 9 بجے دن تک سوتا رہا۔ اگر یہ دوسرا دیوانہ شخص یہ کہے کہ مجھے کچھ مل جائے تو اُس کا کیا حق ہے۔ وہ کیسے اس شخص کی برابری کر سکتا ہے جو رات کو اُٹھ کر پڑھتا رہا۔ کیا اُس کو اجر نہیں ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ملے گا۔

جگت مزدوری نہ رکھے کیوں رکھے بھگوان

جب دنیا میں ہم کسی کا کام کرتے ہیں اور وہ ہمیں اُجرت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ

جوارحم الرحمین ہے اپنے بندے کی اُجرت کیوں ضائع کرے گا۔اُجرت کس کو ملے گی، کام کرنے والے کو۔

کیتے باجھ نہ ملے مزدوری پھرنا ہیں کسے بھرواسے

جب تک کام نہ کروگے اُجرت نہیں ملے گی۔ پھر کس بھروسے پر پھر رہے ہو۔

(٦) اللہ تعالیٰ پچھلی رات کو اُٹھنے والے کو اولاد سے محروم نہیں رکھتا۔

حکایت:۔

کسی شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ بکری ایک سال ایک یا دو بچے جنتی ہے اور کتیا ایک سال میں چار دفعہ جنتی ہے اور ہر جھول میں بارہ بچے دیتی ہے۔مگر جس جگہ دیکھو باوجودیکہ ہر روز ہزارہا بکریاں ذبح ہوجاتی ہیں۔بکریوں کے گلے کے گلے نظر آئیں گے۔اور کتے صرف ایک یا دو۔چاہئے تو یہ تھا کہ کتوں کے گلّے کے گلّے اور بکریاں ایک دو نظر آتیں۔لیکن معاملہ بالکل برعکس ہے۔اس کی کیا وجہ ہے، یہ بات خلافِ عقل ہے اور سمجھ میں نہیں آتی۔اُن بزرگوں نے فوراً ارشاد فرمایا۔اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی معلوم نہیں ہوتی کہ کتا ساری رات جاگتا رہتا ہے اور پچھلی رات سوجاتا ہے۔بکریاں پہلی رات کو سو کر پچھلی رات کو اُٹھتی ہیں۔یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بکری کی اولاد میں اس قدر برکت دے دی ہے۔یہ سب پچھلی رات جاگنے کی برکت ہے۔

تہجد کا وقت اور طریقہ:۔

تہجد کا وقت بارہ بجے رات سے شروع ہو کر صبح صادق تک رہتا ہے۔اب یہ کہ اس کی کتنی رکعتیں ہیں۔حدیث شریف میں تین روائیتں ہیں۔بارہ رکعت، آٹھ رکعت اور چار رکعت۔زیادہ وقت ہو بارہ، اس سے کم ہو تو آٹھ اور اگر تھوڑا وقت ہو تو چار رکعت پڑھے۔لیکن دو دو کرکے پڑھے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔اس کی ترکیب وہی ہے جو اُس کو پیر کا فرمان ہو۔اگر سورۂ اخلاص پڑھے تو دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ، پھر ہر رکعت میں ایک ایک کم کرتا جائے حتیٰ کہ بارہویں رکعت میں ایک مرتبہ پڑھے۔

(۲) پہلی رکعت میں ایک مرتبہ پھر ہر رکعت میں ایک ایک بڑھاتا جائے حتیٰ کہ بارہویں رکعت میں بارہ مرتبہ۔

اب گھٹانے والی ترکیب دینی فوائد کیلئے بہتر ہے اور بڑھانے والی ترکیب دنیاوی فوائد کے لئے۔ اگر ہر رکعت میں سورۂ اخلاص بڑھاتا جائے تو اُس کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ اُس کو دولت مند بنا دیتا ہے۔ اور جو شخص چالیس (۴۰) روز متواتر تہجد پڑھنے میں ناغہ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے خزانۂ رحمت سے سحر خیزی کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

غافلوں کو جس طرح پچھلی رات کا اُٹھنا حرام ہے، بندگانِ خدا کو اُس وقت سونا حرام ہے۔ گویا اُن کو پچھلی رات بستر کاٹتا ہے۔ جب تک وہ اُٹھ کر نفلِ تہجد نہ پڑھ لیں اُن کو آرام وچین نہیں آتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال میں لکھا ہے کہ ایک دن اُن کی تہجد کی نماز فوت ہوگئی۔ صبح اُٹھ کر بہت روتے رہے۔ ایک دن پھر وقت تنگ ہوگیا، نہ اُٹھے تو شیطان نے آکر جگا دیا۔ آپ نے اُس سے پوچھا، تُو تو نماز سے لوگوں کو روکتا ہے، مجھے کیوں جگایا۔ پہلے تو وہ لیت ولعل کرتا رہا۔ پھر اُس نے کہا کہ اُس دن آپ کی نماز قضا ہوگئی اور آپ روتے رہے۔ آپ کو کئی نمازوں کا ثواب مل گیا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ کو جگا دوں تاکہ آپ کو ایک ہی نماز کا ثواب ملے، زیادہ ثواب کے مستحق نہ ہوں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اگر کسی کی تہجد کی نماز قضا ہو جاتی تو اُس کی ماتم پُرسی کی جاتی تھی۔ لوگ ماتم پُرسی کے لئے آتے تھے اور کہتے تھے کہ سُنا ہے کہ آپ کی تہجد کی نماز فوت ہوگئی۔ کیونکہ مسئلہ ہے کہ نوافل کی قضا نہیں، اس لئے تہجد کی نماز قضا نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ یہ ہے، تین چیزیں تصوّف کا اُصول ہیں۔ کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن۔

ہر مومن مخلص کے لئے ضروری ہے کہ تھوڑا کھائے، تھوڑی بات کرے اور تھوڑا سوئے۔ ضرورتِ وقت اور نفس کے آرام کے لئے نیند بھی اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت بخشی ہے۔ مولیٰ کریم جل شانہ، خود فرماتے ہیں:۔

وجعلنا نومکم سباتاً (پارہ: ۳۰، سورہ النبأ:۹) ''ہم نے تمہاری نیند کو بنایا آرام وآسائش''۔

اس نیند کا حق اتنا ہے کہ ایک دفعہ انسان کی آنکھ بند ہو جائے۔ پھر جس وقت آنکھ کھلے اُٹھ کر بیٹھ جائے۔ نفس کا اتنا ہی حق ہے خواہ تین گھنٹہ سویا ہو یا خواہ پانچ گھنٹے سویا ہو۔

ہزارہا بندگان خدا ایسے گزرے ہیں جو تمام عمر نہیں سوئے۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ اولیاء'' میں اِن سب کا حال بیان کیا ہے۔ ہر ایک یارطریقت کو اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ جو اصل فارسی نہ پڑھ سکے وہ اس کا اُردو ترجمہ ''انوارالاولیاء'' منگوا کر پڑھ لے، لاہور سے حاجی چراغ الدین سراج الدین کی دوکان سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ ساری عمر رات کو کبھی نہیں سوئے۔ رات کو نیند آنے لگتی تو آنکھ میں نمک ڈال لیتے۔ اس طرح تمام عمر میں سات من نمک خرچ ہوا۔ ایک بزرگ کے حال میں لکھا ہے کہ ایک بالشت بھر پتھر جس کے دونوں طرف بہت گہرے گڑھے کھودے ہوئے تھے، پر بیٹھ کر ساری رات گزار دیتے تھے۔

بعض بزرگ ایسے بھی گزرے ہیں کہ کنویں پر وسط میں لکڑی رکھ لیتے اور اُس پر بیٹھ جاتے تاکہ گرنے کے خوف سے نیند نہ آئے اور ذکر کرتے رہتے۔ بعض ایسے ہوئے ہیں کہ رات کو کمر تک پانی میں کھڑے رہے تاکہ نیند نہ آئے اور عبادت کرتے رہے۔ بعض نے عمر بھر رات کا کھانا نہیں کھایا تاکہ نیند نہ آئے۔ بعض ایسے گزرے ہیں کہ جو تمام عمر قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ ضیاء معصوم نقشبندی مجدّدی سرہندی کابلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو زیادہ تر مکّہ شریف اور مدینہ شریف میں رہا کرتے تھے، سِن بلوغت سے لیکر اَسّی برس کی عمر تک دن کو روزہ رکھا اور رات کو جاگتے رہے۔ جب

مکّہ شریف میں تشریف فرما ہوتے تو ہر رات ستائیس (۲۷) مرتبہ طواف کیا کرتے۔ایک طواف میں کعبہ شریف کے گرد سات دفعہ پھرنا پڑتا ہے۔ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ایک بڑھیا ساری رات طواف کرتی رہتی ہے۔

دوسرے حضرت حافظ حاجی سلطان محمود نقشبندی مجدّ دی رحمۃ اللہ علیہ جن کا مولد موضع غفری ضلع شاہ پور (حال ضلع سرگودھا) تھا مگر چونکہ نواب شیخ نصیر الدین رئیس اعظم لاہوری کے حال پر نظرِ عنایت تھی، اُن کے پاس کئی سال تک قیام فرما رہے۔آپ کا مزار پُر انوار قبرستان میانی صاحب لاہور میں سنگِ مرمر کا بنا ہوا جنازگاہ کے پاس زیارت گاہِ مخلوق ہے۔آپ کی عادت مبارک بھی یہی تھی۔اَسّی برس کی عمر میں آپ نے ایک دن فرمایا کہ بارہ برس کی عمر سے آج تک میں نے تکیہ پر رات کو سر نہیں رکھا۔اور تمام عمر روزہ نہیں چھوڑا۔یعنی آپ بھی قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔جب شیخ نصیر الدین مرحوم ریاست بہاولپور میں وزیر اعظم تھے تو فقیر نے کوئٹہ (بلوچستان) جاتے ہوئے اپنے جانے کی اطلاع اُن کو دی تو وہ خود گاڑی لے کر اسٹیشن پر آئے اور فقیر کو ساتھ لے گئے۔کھانے کا وقت ہوا تو حاجی صاحب نے بھی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔میں نے خیال کیا اب بوڑھے ہوگئے ہیں شاید عادت چھوڑ دی ہوگی۔دوسرے دن دوپہر کا کھانا آیا تو پھر کھالیا۔دوسرے دن فقیر نے پوچھا کہ آپ کی عادت تو ہمیشہ روزہ رکھنے کی تھی۔اب آپ نے وہ عادت چھوڑ دی۔فرمایا نہیں۔میں نے کہا، کل سے آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ کھانا میرے ساتھ کھاتے ہیں۔بڑی محبت کے لہجے میں فرمایا کہ شاہ صاحب خوش قسمتی سے آپ میرے مہمان ہوں اور میں روزہ رکھوں۔گویا حاجی صاحب نے اپنا عہد جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا اور اَسّی برس کا معمول چھوڑ کر فقیر کی خاطر کھالیا۔اُن کے فرمانے کا میرے دل پر اس قدر صدمہ ہوا کہ فقیر اگلے ہی دن صبح گاڑی پر سوار ہو کر سیدھا کوئٹہ چلا گیا۔میں نے حاجی صاحب سے کہا کہ پہلے بھی میں نے یہ واقعہ سُنا ہوا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے قطب تھے، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ایک دن اُن کے ہاں مہمان آگئے۔اسی طرح اُنہوں نے بھی مہانوں کے ساتھ بیٹھ کر

کھانا کھالیا۔ بعدازاں کسی خادم نے عرض کی کہ آپ تو روزہ دار تھے، یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ دوستوں کے ساتھ مل کر کھانے کو میں نفلی روزہ سے افضل سمجھتا ہوں۔

میرے گاؤں (علی پور سیّداں) کے متصل ایک گاؤں ککاپن میں ایک پیر بھائی رہا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔۔ انہوں نے فقیر سے ذکر کیا کہ تیس (۳۰) برس ہو گئے جبکہ میں اپنے پیرومرشد قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں داخل سلسلہ ہوا۔ اس تیس برس کے عرصہ میں میری ایک دن کی بھی نمازِ تہجد قضا نہیں ہوئی۔ اُس نے کہا کہ ساری عمر مجھ پر دو (۲) مرتبہ بڑی مشکل پڑی۔ ایک دفعہ فروری کا مہینہ تھا، کسی ہندو کے گاؤں میں مہمان ہوا۔ اس گاؤں میں مسجد بھی نہیں تھی۔ اُنہوں نے مجھے ایسے مکان میں سُلایا جہاں چوپائے بندے ہوئے تھے۔ باہر شدید سردی تھی اور بارش ہورہی تھی۔ پانی کا لوٹا رات کو ساتھ رکھ لیا تھا۔ پچھلی رات کو اُٹھا، وضو کیا اور دیکھا کہ باہر کیچڑ ہے اور اندر جگہ پلید۔ بہت دیر سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ دل میں بار بار یہ اندیشہ آتا رہا کہ آج تو تہجد قضا ہو جائے گی۔ کافی دیر سوچنے کے بعد ترکیب سُوجھی۔ چارپائی کو اُلٹا بچھا دیا اور قبلہ رُخ ہو کر نفل پڑھ لئے۔

دوسری مرتبہ پانی کی نگہبانی کے لئے رات کو کھیت میں کھڑا تھا۔ چاروں طرف میل میل تک پانی تھا۔ رات کو زمیندار پانی توڑ کر لے جاتے تھے۔ ساون کا مہینہ تھا۔ پچھلی رات ہوئی تو سوچا کہ اب نماز کیسے پڑھوں۔ کھیت سے باہر بھی پانی ہی پانی ہے۔ اِدھر جگہ خالی نہیں ہے۔ کافی دیر سوچ کر ایک کھیت کے منڈیر پر جس پر گھاس تھی، پانی میں کھڑا ہو گیا، پاؤں اور گھٹنے پانی میں تھے، ہاتھ اور پیشانی منڈیر پر رکھ کر سجدہ کرتا تھا۔ اُس دن بھی تہجد قضا نہیں کی۔ میں نے کہا۔

آفرین باد بریں ہمتِ مردانہ تو "تیری مردانہ ہمت پر آفرین ہو کہ یہ کام تو
ایں کار از تو آید و مرداں چُنیں کُنند نے کیا اور مرد ایسے ہی کام کرتے ہیں"

میرے پیر بھائیوں میں سے جہاں تک میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا کسی پیر بھائی نے بھی نفل تہجد قضا نہیں کئے ہوں گے۔ میرے حضرت صاحب قبلہ (باوا جی فقیر محمد

فاروقی چوراہی) رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاجزادے حضرت احمد نبی رحمۃ اللہ علیہ ساری عمر عشاء کے وضو سے اشراق کی نماز پڑھتے رہے۔

حضرت سیّد محمد امین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آلومہار شریف ضلع سیالکوٹ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت خواجہ خان عالم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو باؤلی شریف ضلع گجرات کے باشندے تھے، ہمارے گاؤں میں اپنے پیر بھائیوں کے ہاں تشریف لائے۔ چونکہ اُن کے ساتھ بہت سارے درویش تھے اس لئے اُن کے پیر بھائیوں نے بہت سا کھانا پکایا اور ایک بہت بڑے برتن میں ڈال کر اُن کے آگے رکھ دیا کہ پہلے آپ تناول فرمالیں پھر درویش کھالیں گے۔ چونکہ حضرت صاحب بڑے قوی جوان اور بابرکت تھے، آپ نے سب کا سب کھانا کھالیا۔ اس پر یہ بہت نادم ہوئے کیونکہ باقی درویشوں کے لئے کھانا نہیں تھا۔ پھر تیار کرایا اور بڑے حیران ہوئے کہ یہ انسان ہیں یا جن کہ اسقدر کھانا کھا گئے ہیں۔

کھانا کھانے کے بعد حضرت خواجہ خان عالم رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ عشاء پڑھائی۔ نماز پڑھانے کے بعد اُسی مصلّے پر دوزانو مراقبے میں بیٹھ گئے۔ اسی وضو سے تہجد، فجر اور اشراق کی نماز پڑھ کر اُٹھے۔ ہم بہت حیران ہوئے کہ انسان ہیں یا فرشتہ کہ اتنا کھا گئے، نہ نیند آئی اور نہ اُونگھ ؂

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

اُن کی یہ ہمت اور برکت دیکھ کر ہم تو قربان ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو کوئی فرشتہ ہیں۔ دیوانِ حافظ میں لکھا ہے ؂

خواب و خورت ز مرتبہ عشق دور کرد
آں دم رسی بدوست کہ بے خواب و خور شوی

نینداور کھانے پینے نے تجھے عشق کے مرتبہ سے دُور کر دیا ہے تو اُس وقت دوست تک رسائی حاصل کریگا جب سونے اور کھانے پینے کو چھوڑ دے گا۔

میرے اُستاد صاحب حضرت سیّد امیر حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ساکن مکان شریف ضلع

گورداسپور (حال مشرقی پنجاب، بھارت) نے ایک دن فرمایا کہ سو (۱۰۰) برس میں میری سات وقتوں کی نمازوں میں سے ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں ہوئی۔ نماز پنجگانہ، تہجد اور اشراق۔

ایک چور گوجرانولہ کے ضلع میں کسی کی دو بھینسیں نکال کر لے آیا۔ مالکوں نے دیکھا کہ بھینسیں نہیں ہیں، وہ پیچھے بھاگے اور سڑک پر دوڑے جارہے تھے کہ چور نے اُن کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ اُس نے بھینسوں کو چھوڑ کر سڑک سے سو(100) قدم کے فاصلے پر ایک طرف ہو کر نماز شروع کر دی۔ مالکوں نے دیکھا کہ بھینسیں تو جارہی ہیں مگر چور نظر نہیں آرہا۔ اُس کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑے، دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ یہ اُس کے پاس کھڑے رہے۔ جب اُس نے سلام پھیرا تو اُنہوں نے پوچھا حضرت صاحب! اِدھر کوئی آدمی تو نہیں دیکھا، اُس نے کلام تو کوئی نہ کیا اور اشارہ سے کہا ''ہوں، ہوں'' اور پھر دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی۔ اُنہوں نے سمجھا کہ یہ تو کوئی ولی اللہ ہے کہ بات بھی نہیں کرتا۔ حالانکہ چور ہی تھا۔ وہ لوگ اپنی بھینسیں لے کر چلے گئے۔ چور نے نمازِ تہجد کے بہانے اپنی جان بچالی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جب جھوٹی نماز کا بہانہ بنا کر چور نے اپنی جان بچالی تو سچی خالصاً لوجہ اللہ نمازِ تہجد پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے کیوں نہ بچائے گا۔ وہ تو ارحم الراحمین ہے۔

بعض لوگ مسجد میں آکر تہجد پڑھتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے لئے باعث تکلیف اور رنج بنتے ہیں۔ وہ نمازِ تہجد جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تکلیف پہنچے، سورہنا بہتر ہے اور یہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے کہ نفلِ تہجد گھر میں پڑھنے کا زیادہ درجہ ہے۔ فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ نمازِ تہجد گھروں میں پڑھا کرو۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے، اس لئے آپ نے پہلے ہی یہ حکم دے دیا تھا تاکہ لوگ مسجدوں میں جا کر خدا کی مخلوق کو تکلیف نہ دیں۔

فقیر جمیع اہل اسلام کو عموماً اور اپنے یارانِ طریقت کو خصوصاً تاکید شدید کرتا ہے کہ حتیٰ الامکان تہجد قضا نہ ہونے دیں۔

اند کے پیشِ تو گفتم غمِ دل تر سیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حنیاً لا رباب النعیم نعیمها
وللعاشق المسکین مایتبحرح

فقیر بارگاہِ الٰہی میں دُعا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ فقیر کو اور فقیر کے جملہ متعلقین اور متوسلین اور جمیع یارانِ طریقت کو نماز تہجد پڑھنے کی توفیق بخشے اور ہمارا سب کا خاتمہ بالخیر کرے۔آمین ثم آمین۔

﴿صحبت کا اثر﴾

اثر کے لیئے زیادہ تر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ایک ''اثر'' اور دوسرا ''تاثیر''۔ مثلاً تخم کی تاثیر اور صحبت کا اثر۔عربی میں مشہور ہے الولد سر ،لابیه یعنی باپ کی بیٹے کے وجود میں تاثیر ضرور ہوا کرتی ہے اور صحبت کا اثر بھی ہوتا ہے۔مگر محققین کے نزدیک صحبت کا اثر تخم کی تاثیر پر غالب آجایا کرتا ہے۔جیسا کہ سیّدنا حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے پر ہوا۔جن میں تخم کی تاثیر تو یہ تھی کہ پیغمبر کے صاحبزادے تھے لیکن تخم کی تاثیر پر صحبت کا اثر غالب آگیا، جو مخالف گروہ کی صحبت کا اثر تھا۔

پسر نوحؑ بابداں بنشت خاندان نبوّتش گم شد
سگ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

نیکوں کی صحبت سے بُرے، نیک اور بروں کی صحبت سے نیک، بُرے ہو جایا کرتے ہیں۔قرآن شریف میں بھی یہی مضمون ہے: **فلاتقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین** (پارہ ۷:سورہ الانعام:۶۸)۔(جب معلوم ہو جائے تو تم ظالموں کے پاس مت بیٹھو) خداوند تعالیٰ جل جلالہ، جو ظالموں کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ یہ خدائی فرمان علی الاعلان ثابت کر رہا ہے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوا کرتا ہے۔ تم ان کے پاس بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے رہا کرو تا کہ انکی صحبت کا اثر تم پر نہ ہو جائے۔

دوسری جگہ خدا تعالیٰ جلّ شانہٗ ارشاد فرماتا ہے۔ یاایّھا الّذین آمنو اتقوا اللہ کو نو مع الصّادقین .(پارہ ۱۱:۵، سورہ توبہ:۱۱۹)۔یعنی ''اے ایمان دارو! ''اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو''۔ پہلی آیت میں ظالموں کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا۔ یہاں ہمیشہ صادقین کے پاس بیٹھنے کو ارشاد فرمایا تاکہ نیکوں کی نیک صحبت تم میں اثر کر جائے۔اس آیت سے اور بھی بہت سے مسائل مثلاً ''تصوّر شیخ'' وغیرہ ثابت ہوسکتے ہیں۔ جوانشاء اللہ فقیر پھر کبھی بیان کرے گا۔

صحیح بخاری شریف میں وارد ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نیکوں کی صحبت ایسی ہے جیسے کستوری والوں کی۔ جتنی دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہو گے خوشبو ضرور آتی رہے گی اور برے کی مثال ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی کی۔یعنی جتنی دیر تک لوہار کی دوکان پر بیٹھے رہو گے، اوّل تو چنگاریوں سے کپڑے جلتے رہیں گے ورنہ دھواں ضرور لگتا رہے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:۔''ولا تسئل عن مھر ء بل سل عن خلیلہ''،یعنی تو کسی شخص کی نسبت یہ سوال نہ کر کہ وہ کیسا ہے بلکہ اس کے دوستوں کی نسبت سوال کر۔ جیسے اس کے دوست ہوں گے ویسے اس کی نسبت بھی خیال کرلو۔آپ فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت کا اثر اس میں بھی ضرور ہوگا۔پنجابی میں ضرب المثل ہے۔ ''گوانڈھن دا روپ نہیں آوندا، مت آجاندی اے۔اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس کی صحبت کا اثر ضرور ہو جاتا ہے۔اس کے متعلق حضرت مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ؎

صحبت صالح ترا صالح کند　　　　صحبت طالع ترا طالع کند

یعنی نیکوں کی صحبت تمہیں نیک اور بُروں کی صحبت تمہیں بُرا بنا دیتی ہے۔اگر تو نیک بننا چاہتا ہے تو نیکوں کی صحبت اختیار کر۔ نیک بننے کا علاج قدرت نے سوائے نیکوں کی صحبت حاصل کرنے کے دوسرا کوئی نہیں بنایا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ اسی واسطے تمام دُنیا سے افضل واعلیٰ ہے کہ ان کو حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ حضراتِ نقشبندیہ علیہ الرحمۃ کے طریقہ کا سارا دارومدار صحبت پر ہی رکھا گیا ہے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یعنی چوتھی صدی میں ایک شخص خلیفۂ وقت کی عدالت میں پیش ہوا۔ بادشاہ نے اُس شخص کو کہا کہ اے بے ادب! اُس نے عرض کی کہ زبان سنبھال کر بولیں۔ مجھے اس کے بعد بے ادب نہ کہیں۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ میں ایک گھنٹہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتِ عالیہ میں بیٹھ کر آیا ہوں۔ جو شخص اُن کی صحبت میں بیٹھے وہ کبھی بھی بے ادب نہیں ہوسکتا۔ گویا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک گھنٹہ کی صحبت اُس کے لئے ساری عمر کے واسطے ایک سند تھی۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔

شو ہمدمِ پروانہ تا سوختن آموزی باسوختگانِ بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

(تو پروانے کی صحبت اختیار کرتا کہ جلنا سیکھ لے، جلے ہوؤں کے ساتھ بیٹھ، شاید کہ تو بھی جل جائے۔

ہندوستان میں ایک ضرب المثل ہے کہ ''خربوزے سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے''۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بے جان چیزوں میں صحبت کا اثر ہوتا ہے کہ جو ذی رُوح اور جاندار اشرف المخلوقات ہیں اُن میں صحبت کا اثر کیوں نہ ہوگا۔

جب دو مومن ملتے ہیں تو جس طرح اُن کی بظاہر جسمانی ملاقات ہوتی ہے، اسی طرح اُن کی رُوحانی ملاقات بھی ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح جسم آپس میں ملتے ہیں اسی طرح رُوح بھی آپس میں ملتے ہیں اور یہی صحبت کا اثر رُوح کا خاصہ ہے نہ کہ جسم کا۔ اور وہی تاثیر ہے جو ایک رُوح دوسرے سے قبول کر لیتا ہے۔ مگر اس اثر کے قبول کرنے کیلئے محبت یا نسبت یا تعلقِ رُوحانی کا ہونا ضروری ہے۔ جب تک ان میں غیریت باقی رہے گی تب تک دوسرا رُوح تاثیر قبول نہیں کرسکتا۔ اور علم تصوّف کا سارا دارومدار اسی ایک رُوحانی مسئلہ پر ہی رکھا گیا ہے۔ رُوحانی تعلق روزِ اول سے ہے جبکہ رُوحیں پیدا کی گئی تھیں۔ آج بنائے نہیں بنتا ہے۔

مُخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق یوں خبر دی ہے۔ الا روح جنود مجندۃ فما لتارف منہا ایتلف وما تنا کرمنہا اختلف (راوۃ البُخاری والمسلم) یعنی اللہ

جل جلالہٗ نے جب سب رُوحیں پیدا کیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک دنیا میں آنے والی ہیں تو وہ رُوحیں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھیں اور سب ایک ہی جگہ جمع تھیں۔ وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ خدا تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا نور چھڑکا، روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں ایک رُوح نے دوسری کو پہچان لیا۔ یعنی اِن ارواح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا جو دنیا میں ایک ہی زمانے اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اگر ہم اپنے زمانۂ پیدائش سے پہلے پیدا ہونے والے بشر کی رُوح کو دیکھتے تو کیا فائدہ ہوتا۔ بلکہ انہی ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا جو ایک زمانہ اور ایک ہی مُلک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اُسے روزِ ازل سے یہ تعلق پیدا ہو گیا جو پیر کو مرید کے ساتھ یا مرید کو پیر کے ساتھ ہوتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا رُوحانی تعلق ہے یا نہیں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہے لیکن یہ تعلق بالواسطہ ہے۔ واسطہ کیا ہے؟ اپنے پیر کی رُوح جس طرح ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کہلاتے ہیں اور وہ ہمارے جسمانی باپ ہیں۔ ویسے ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے رُوحانی باپ ہیں۔ ہم سب اُن کے ہی رُوحانی فرزند ہیں مگر اپنے پیر کے واسطہ سے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ رُوحانی تعلق نجاتِ اُخروی کیلئے اشد ضروری امر ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پاک لوگوں کی زیارت کرنا یا پیر کی صحبت میں رہنا خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کے ارشاد کے مطابق ہے اور کہ پیر کی صحبت میں انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو موانعات کے باعث پیر کی صحبت بلا واسطہ نصیب نہ ہو سکے تو وہ اپنے پیر بھائی کی صحبت اختیار کرے اور وہ اس صحبت کو اپنے پیر کی محبت کا قائم مقام سمجھے۔

اکثر یارانِ طریقت اس مسئلہ سے ناواقف ہیں جو اپنی نفسانی خواہشات کے باعث بغض وحسد پیدا کر کے اپنے مولا کو ناراض کر لیتے ہیں اُن کو اپنے گریبان میں منہ

ڈال کر اپنے نفس کی خرابیوں سے شرمانا چاہئے۔ اور ان خرابیوں کو دُور کر کے باہمی محبت وارتباط کا سلسلہ قائم کرنا اور آپس کی صحبت سے استفادہ کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ جو کچھ ہے محبت ہی محبت ہے اور بس۔ لہذا تمام یارانِ طریقت اس پر کار بند رہیں۔

اللہ اللہ! ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ پانچ پانچ سو میل سفر پا پیادہ طے کر کے اپنے پیر یا پیر بھائیوں کی صحبت حاصل کرنے کیلئے جایا کرتے تھے اور اس نعمتِ عظمیٰ کے برابر اور کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔

تھوڑے عرصے کا ذکر ہے کہ فقیر کے یارانِ طریقت میں سے ایک شخص مسمی میاں وزیر محمد امرتسری، خدا تعالیٰ جل شانہ کی ہزار ہزار رحمتیں اُس کی رُوح پر نثار ہوں، امرتسر میں رہا کرتا تھا۔ بے چارہ دو چار آنے روزانہ کما کر اپنا پیٹ پالا کرتا تھا۔ مگر جب اُسے معلوم ہو جاتا کہ علی پور سے کوئی شخص امرتسر آیا ہے تو سب کاروبار چھوڑ کر اُس کی تلاش میں نکلتا اور جب تک اُسے تلاش نہ کر لیتا چین نہ لیتا۔ پھر اُس کو اپنے گھر بلاتا اور پنی استطاعت سے بڑھ کر اُس کی خدمت کرتا اور فیضِ صحبت سے حصہ لیتا۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں اس مسئلہ کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے وہ قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! جب برادری وصحبت کا عہد ہو گیا تو اُس کو عقدِ نکاح کی مانند سمجھ کر جو اُس کے حقوق ہیں بجالانے میں سعیٔ جمیلہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ جناب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے جو ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔ نیز آپ نے حقوقِ صحبت کئی قسم کے بیان فرمائے ہیں جن میں سے مختصراً فقیر بیان کرتا ہے۔ جس نے زیادہ واضح طور پر دیکھنے ہوں (بلکہ ضرور دیکھیں) وہ رسالہ ''پیر بھائی یا یارانِ طریقت'' دفتر رسالہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور سے منگوا کر ضرور بالضرور مطالعہ کرے اور استفادہ کرے، جو فقیر کے نام سے ہی طبع شدہ ہے۔

پہلا حق جو مال سے تعلق رکھتا ہے، یہ حق سب حقوق پر مقدم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کے حق کو مقدم سمجھے اور اپنا حصہ اُسے

دے ڈالے۔ جیسا کہ انصار کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **ویو ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ** (پارہ ۲۸: سورہ: الحشر: ۹)۔ یعنی "وہ اختیار کرتے ہیں اپنی ذاتوں پر اگرچہ اُن کو احتیاج ہو"۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کو اپنے جیسا سمجھے یعنی اپنے اور اُس کے درمیان اپنے مال کو مشترک جانے اور سب سے آخری وجہ کہ دوست بھائی کو اپنا خادم یا غلام سمجھا جاوے یعنی جو چیز اپنی حاجت سے بچ جائے اُسے دے دے۔ لیکن اس سبب سے ادنیٰ درجہ میں بھی اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ محتاج دوست کو سوال نہ کرنا پڑے۔ اگر سوال تک نوبت پہنچ گئی تو دوستی جاتی رہی۔ یہ دوستی یا صحبت اربابِ صحبت کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

چند صوفی، ایک بادشاہ کے دربار میں کسی کی چغلی پر گرفتار ہو کر پیش کیے گئے۔ بادشاہ نے تلوار کھینچ کر اُن کو قتل کرنا چاہا۔ جن میں حضرت ابوالحسن نوری قدس سرّہٗ جو اُس گروہ میں شامل تھے، سب سے پہلے قتل ہونے پر آمادہ ہوئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم سب سے آگے کیوں بڑھتے ہو۔ کیا تمہیں اپنی جان عزیز نہیں ہے؟ بیان کیا کہ مجھے اپنی موت کا یقین ہو چکا ہے، کیوں نہ اپنے دوست بھائیوں سے ایک دم پہلے قتل ہو جاؤں تا کہ میری جان اِن پر نثار ہو جائے۔ یہ جواب سُن کر بادشاہ حیران ہوا اور کہنے لگا کہ اگر ایسے بامروّت لوگ قتل کیے جائیں تو میں نہیں جانتا کہ زندہ رہنے کے لائق کون سے لوگ ہوں گے۔ پھر ان سب کو رہا کر دیا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگل میں دو مسواکیں ملیں جن میں سے ایک سیدھی اور ایک ٹیڑھی تھی۔ ایک صحابی جو آپ کے ہمراہ تھے، سیدھی اُن کو دے دی اور ٹیڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھ لی۔ صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! یہ سیدھی مسواک آپ رکھ لیجئے اور ٹیڑھی مجھے عنایت فرما دیجئے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو "جب کوئی شخص کسی کے ساتھ گھڑی بھر صحبت رکھے تو قیامت کے دن اُس سے سوال کیا جائے گا کہ آیا تو نے حق صحبت ادا کیا"۔ آپ کا یہ فرمان شریف صاف بتلا رہا ہے کہ حقِ صُحبت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے کام کی چیز دوست کو

دے دیوے۔

جناب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب دو آدمی باہم صحبت رکھتے ہیں تو اُن میں خدا کا بڑا دوست وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ شفقت کرتا ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُرے دوست سے پناہ مانگنا چاہیئے، اس لئے کہ جب وہ برائی دیکھتا ہے تو ظاہر کر دیتا ہے اور جب نیکی دیکھتا ہے تو چُھپا دیتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے فرزند! امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجھے اپنا مقرّب بنایا ہے اور بوڑھوں پر ترجیح دی ہے۔ خبردار! پانچ باتیں یاد رکھنا۔

(۱) اُن کے راز کو افشا نہ کرنا۔

(۲) اُن کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا۔

(۳) اُن سے کوئی جھوٹ نہ بولنا۔

(۴) اُن کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔

(۵) وہ تجھ سے ہرگز کوئی خیانت نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا کہ زمین پر بندھے ہوئے ہیں۔ جب ایک اُٹھتا تو دوسرا بھی ساتھ اُٹھتا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ بے اختیار روئے اور فرمایا کہ برادرانِ دینی بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کھڑے ہونے اور چلنے میں ایک دوسرے کی متابعت کرتے ہیں۔

حضرت ابوعلی رباطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک دفعہ عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا رفیق ہو کر سفر کو نکلا۔ اُنہوں نے پوچھا کہ راستہ میں تم سردار رہو گے یا مَیں۔ مَیں نے کہا تم رہو۔ اُنہوں نے کہا، جو کچھ میں کہوں میری فرمابرداری کرنا۔ مَیں نے کہا بسر و چشم۔ اُنہوں نے توبرہ مانگا، مَیں نے لا کر حاضر کر دیا۔ زادِ راہ اور کپڑے جو کچھ پاس تھا اس میں بھر کر اُنہوں نے اپنی پیٹھ پر لادا اور چل نکلے۔ ہر چند میں نے اُن سے کہا مجھے

دیجیے تاکہ آپ تھک نہ جائیں۔ جواباً انہوں نے کہا کہ تمہیں سردار پر حکومت نہیں پہنچتی تم فرمانبردار رہو۔ ایک رات بارش ہونے لگی۔ صبح تک میرے اوپر کمبل اوڑھے رہے تاکہ مجھ پر بارش کا پانی نہ پڑ جائے۔ جب میں گفتگو کرتا تو کہتے کہ میں سردار ہوں اور تم فرمابردار ہو۔ میں اپنے دل میں کہتا کہ کاش مَیں اُنہیں اپنا سردار نہ بناتا۔

حضرت ابو دردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا بھائی گناہ کرتا ہے۔ تم اُس سے دشمنی کیوں نہیں کرتے۔ آپؓ نے کہا کہ میں اُس کے گناہ سے تو بیزار ہوں لیکن وہ میرا بھائی ہے۔ ابتدا میں ایسے آدمی سے برادری نہ کرنا چاہئے کہ برادری نہ کرنا خیانت نہیں ہے مگر صحبت قطع کرنا خیانت ہے۔ اور اُس کا حق چھوڑ دینا ہے جو پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر بھائی نے تیرے حق میں تقصیر کی ہے تو اُس کو بخش دینا اولیٰ ہے۔ اور اگر وہ عذر خواہی کرے تو اگر چہ وہ جھوٹا ہے مگر اُس کا عذر قبول کر لینا چاہئے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کا عذر قبول نہیں کرتا وہ اُس شخص کی مانند ہے جو راستے میں مسلمانوں سے خراج لے۔ اور فرمایا کہ مسلمان جلدی خفا ہوتا ہے اور جلدی خوش ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو اپنے دوست کی زندگی میں اور موت کے بعد دُعا کے ساتھ یاد کرتا رہ اور جس طرح اپنے زن و فرزند کے واسطے دُعا کرتا ہے اسی طرح اُس کے زن و فرزند کے لئے بھی دُعا کرتا رہ اور در حقیقت وہ دُعا اپنے حق میں ہوتی ہے۔

فرمایا: ''وفائے دوستی کو نہ بھولے اور وفاداری کے ایک معنی یہ ہیں کہ دوست کی وفات کے بعد اُس کے زن و فرزند اور دوستوں سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک بڑھیا حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تعظیم فرمائی۔ صحابی اس بات سے متعجب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانے میں یہاں آیا کرتی تھی اور دوستی نباہنا ایمان میں داخل ہے۔ اور وفاداری یہ ہے کہ جو شخص کسی دوست سے علاقہ رکھے،

اُس کا فرزند ہو یا غلام یا شاگرد سب پر مہربانی کی نظر رکھے اور اِس مہربانی سے زیادہ اثر دل پر پایا جائے جو دوست کیساتھ رکھتا ہے اور وفاداری یہ ہے کہ اگر منصب یا دولت یا حکومت پا گیا ہے تو اُسی تواضع اور مدارات کو نگاہِ میں رکھے اور اپنے دوستوں سے غرور سے پیش نہ آئے۔ وفاداری اسی کا نام ہے کہ ہمیشہ دوستی رکھے اور کسی سبب سے قطع محبت نہ کرے۔ کیونکہ شیطان کا بڑا کام یہ ہے کہ برادروں کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے برادرانِ یوسف علیہ السلام کی نسبت قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے"۔

فرمایا۔ تکلّف درمیان سے اُٹھا دے اور دوست کے ساتھ بھی ویسا ہی رہ جیسا کہ تو اکیلا رہتا ہے۔ اگر ایک دوست دوسرے دوست سے تکلّف رکھے گا تو وہ دوست ناقص ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا ہے کہ وہ دوست سب دوستوں سے بدتر ہے جس سے تُجھے معذرت اور تکلّف کرنے کی ضرورت پڑے۔

اِن شواہد وواقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ پاس بیٹھنے سے ایک دوسرے کی رُوح کو تاثیر ہو جاتی ہے۔ بلکہ جس زمین پر نیک بندے بیٹھ جاتے ہیں، قیامت تک اُس زمین میں نیکوں کی نشست سے نیکی اور بدوں کی نشست سے بدی کی تاثیر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں وارد ہے کہ ایک روز حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ شریف سے عرفات شریف کو تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ڈیرہ لگا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار پیچھے پیچھے تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ یہاں سے جلدی ڈیرہ اٹھاؤ، تمہیں معلوم نہیں کہ اس سرزمین میں ایک مرتبہ بُرے اور بدبخت لوگ بیٹھے تھے، وہ اصحابِ فیل تھے۔ آپ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آگے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی بستر اُٹھا کر چل پڑے۔

تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ اب تک حاجیوں کیلئے یہی حکم ہے کہ جب اس سرزمین سے گزرتے ہیں تو بموجب ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام دوڑتے

ہی گزرتے ہیں۔ خواہ اونٹ ہوں یا گھوڑے، پیادے ہوں یا سوار، بوڑھے ہوں یا جوان، مرد ہوں یا عورتیں سب دوڑتے ہی گزرتے ہیں۔ تا کہ اِن بُروں کی تاثیر جو اس سرزمین میں بیٹھے تھے، ہم میں بھی اثر نہ کر جائے۔

اِس حدیث شریف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب زمین میں بھی بیٹھنے سے تاثیر ہو جاتی ہے تو آدمی کو اُن کے پاس بیٹھنے سے کیوں تاثیر نہ ہوگی۔ حضرت شیخِ طریقت حافظ انور علی رُہتکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ میرا ایک دہریہ سے مقابلہ ہوا۔ جب میں گھر پہنچا تو میرے دل میں بھی ویسے ہی بیہودہ خیالات آرہے تھے۔ بڑی دیر کے بعد اُن سے استغفار کر کے نجات پائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحبت کا اثر لازمی اور ضروری ہے۔

میرے پیرو مرشد حضرت قبلہ خواجہ فقیر محمد (فاروقی چوراہی) تیراہی قدس سرّہٗ العزیز ایک دفعہ امرتسر تشریف لائے۔ مستری غلام محمدؒ نے ایک بہت بڑی حویلی کٹڑہ مہاں سنگھ میں سکھوں سے مانگ کر زرِ کثیر صرف کر کے آراستہ و پیراستہ کی۔ حضرت نے ایک رات تو اُس حویلی میں گزاری اگلے دن صبح صبح ہی فرمایا کہ اس مکان میں ہمارا دل بہت تنگ ہے، اس میں ہم نہیں رہ سکتے۔ میں نے عرض کیا کہ مستری صاحب نے بہت سارو پیہ خرچ کر کے محض حضور کی خاطر اسے سجایا ہے، اگر آپ تشریف لے گئے تو اُس کی بہت دل شکنی ہوگی۔ فرمایا، ہم ہرگز ہرگز اس مکان میں نہیں رہیں گے۔ ہمارا دل یہاں بہت تنگ اور بے چین ہے۔ آپ ظہر کی نماز کے وقت مسجد شیخ خیر الدین مرحوم میں تشریف لے گئے اور بعد از نماز ایک حجرہ میں جلوہ افروز ہوئے اور فرمانے لگے اس حجرہ کو چھوڑ کر اُس مکان میں نہیں جاؤں گا۔ پھر جتنے روز قیام رہا، اُسی حجرہ میں ہی رہا۔ بعد میں پتہ چلا کہ جب سے وہ مکان بنا تھا، سکھوں کے قبضہ میں رہا اور اس میں زیادہ تر شراب کا استعمال ہوتا تھا اور زنا وغیرہ جیسے فحش کام ہوتے تھے، جس کی نحوست آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوگئی تھی۔

تیس (۳۰) سال کا عرصہ ہوا کہ فقیر کو خود ایسا واقعہ پیش آیا، ہوا یوں کہ فقیر قصور

میں مولوی محمد حسین بی اے کے ہاں مہمان ہوا۔ اُنہوں نے بازار میں ایک بالا خانے پر فقیر کی رہائش کا انتظام کیا۔ تین دن تک وہاں قیام رہا مگر دل بہت تنگ تھا۔ ایک دن چارپائی پر لیٹے ہوئے ایک کونے میں گیند کی شکل میں بالوں کا گچھا نظر پڑا۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ بال کیسے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ اس مکان میں اس سے پہلے ایک بازاری عورت رہائش پذیر تھی۔ بات سمجھ میں آگئی کہ دل تنگ رہنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ مکان زانیہ عورت کے پاس کرایہ پر تھا۔ اُس کے چھوڑ جانے کے بعد مولوی صاحب نے کرایہ پر لے لیا تھا۔ جب مولوی صاحب آئے تو فقیر نے کہا کہ مولوی صاحب! مرے لئے یہی منحوس مکان کنجری کا ہی رہ گیا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کا ڈیرہ اس میں اس لئے کیا ہے کہ وہ نحوست جاتی رہے اور برکت آجائے۔ فقیر نے کہا کہ وہ نحوست تو جاتے ہی جائے گی، فی حال تو مجھ پر اثر کر رہی ہے۔ دوسرے دن فقیر وہاں سے چلا گیا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مکان میں بھی نیکوں کے بیٹھنے سے نیکی کی اور بُروں کے بیٹھنے سے بُروں کی تاثیر باقی رہ جاتی ہے۔

مدینہ منوّرہ کو تمام دُنیا میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ صرف اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک اس سرزمین میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک دن فقیر سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے جا رہا تھا، راستہ میں کچی سڑک تھی جس پر ہر طرف گرد و غبار تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ ''سُلطان روم'' اِس سڑک کو پختہ کیوں نہیں بنوا دیتے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ یہ وہ سرزمین ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہوئے ہیں، اس واسطے پختہ نہیں بنائی جاتی۔ اگر سڑک پختہ بنائی جائے تو وہ رحمت و برکت نہیں رہے گی۔

مُوطا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت امام نے نوّے برس کی عمر پائی۔ سوائے ایک مرتبہ حج کرنے کے مدینہ شریف سے باہر تشریف نہ لے گئے۔ ہارون الرشید بادشاہ آپ کا غلام تھا۔ آپ کے اصطبل میں گھوڑے، خچریں موجود رہتی

تھیں مگر آپ باوجود ضعف و پیری کے ہمیشہ پا پیادہ چلا کرتے تھے۔ایک دن ایک غلام نے عرض کی، جب آپ کے پاس گھوڑے، خچریں موجود ہیں تو آپ اُن پر سوار کیوں نہیں ہوتے۔آپ نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔فرمایا۔''کہ اسی سرزمین میں حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک آویں اور اسی سرزمین کو میں گھوڑوں اور خچروں کے پاؤں سے روندوں۔اتنی بے ادبی مجھ سے کیوں کر ہوسکتی ہے۔ آپ نے تمام عمر مدینہ منورہ کی زمین میں پاخانہ، پیشاب وغیرہ نہیں کیا اور نہ ہی اس سرزمین میں تھوکا۔وہ جانتے تھے کہ اس سرزمین میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی تاثیر اب تک باقی ہے۔اور قیامت تک رہے گی، جو اہل بصیرت کو اب تک نظر آتی ہے اور نظر آتی رہے گی۔

محرم ۱۳۱۰ھ (جولائی اگست ۱۸۹۲ء) کا ذکر ہے کہ جس کو آج انتیس (۲۹) سال ہوتے ہیں۔فقیر کو مدینہ شریف کی حاضری کا شرف حاصل تھا۔ایک شخص کو بازار میں ننگے پاؤں دیکھا۔دوسرے شخص نے جو جوتا پہنے تھا، اُس کو کہا تو ننگے پاؤں کیوں جارہا ہے۔اُس نے جواب دیا کہ اس سرزمین پر حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک آئیں اور اُسی سرزمین کو میں جوتا پہن کر لتاڑوں۔اتنی بے ادبی مجھ سے کیسے ہوسکتی ہے؟ جوتا پہننے والے نے قسم کھا کر کہا کہ میرا ایمان ہے کہ مدینہ منورہ کی سرزمین پاک ہے اور میرے پاؤں پلید۔میں نے جوتا اِس لئے پہنا ہوا ہے کہ میرے پلید پاؤں اس پاک سرزمین کو پلید نہ کردیں۔جس حیوان کا یہ چمڑہ ہے وہ بے زبان اور بے گناہ تھا۔اس کا چمڑہ میرے جسم سے کئی درجہ پاک ہے جو درمیان میں مَیں نے پردہ کیا ہوا ہے۔فقیر ان دونوں کی گفتگو سُن کو متعجب ہوا اور اس کے بعد عہد کرلیا کہ کبھی مکّہ شریف اور مدینہ شریف کی سرزمین میں جوتا نہیں پہنوں گا۔

سمجھ ہے اپنی اپنی اور عقیدہ اپنا اپنا ہے

ہر ایک شخص کی ایمانی قوت علیحدہ علیحدہ ہے۔جیسے ہماری رنگت، ہماری شکلیں، صورتیں وغیرہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ویسے ہی ہر ایک کی ایمانی قوتیں بھی الگ الگ ہیں۔

ایمانی قوّت کی کمی بیشی محبت کی کمی بیشی پر منحصر ہے۔ جتنی محبت کامل ہوگی، اُتنا ایمان کامل ہوگا۔ جتنا محبت میں فرق ہوگا اُتنا ہی ایمانی قوّت میں فرق آئے گا۔

یہ مسئلہ صحیح بخاری کی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جس زمین پر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے نیک بندوں کے قدم آ جائیں، وہاں قیامت تک اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ اور جس زمین پر بُروں کے قدم آ جائیں وہاں قیامت تک خدا تعالیٰ جل جلالہٗ کا قہر و غضب نازل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ فقیر اپنا ایک اور چشم دید واقعہ بیان کرتا ہے:۔

میرے حضرت قبلہ پیر و مرشد (حضرت باباجی فقیر محمد چوراہی) رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ جب کبھی راولپنڈی تشریف فرما ہوتے تو میاں وارث ملتانی مرحوم کی مسجد میں تشریف فرما ہوتے۔ جتنے دن قیام فرماتے تو اسی مسجد میں فرماتے۔ ایک مرتبہ سردی کے ایام میں مسجد کو گرم کرنے کے لئے گھاس کا فرش کیا ہوا تھا۔ نمازی مغرب کی نماز پڑھ کر چلے گئے تھے۔ چراغ سے ایک چنگاری گری۔ اس نے مسجد کے تمام فرش کو جلا دیا مگر جانب جنوب جس جگہ پر آپ کا بستر ہوا کرتا تھا اور آپ نماز پڑھا کرتے تھے، وہ جگہ بالکل صحیح سالم بچ گئی۔ جب عشاء کے وقت نمازی آئے، دروازہ کھولا تو تمام مسجد دھوئیں سے بھری ہوئی تھی۔ دیکھا تو مسجد کا فرش جلا ہوا ہے۔ مگر جانب جنوب جگہ جہاں آپ کے قدم مبارک آیا کرتے تھے، صحیح و سالم تھی۔ وجہ یہ تھی کہ جس جگہ پر آپ کے متبرک قدم لگے تھے اس میں وہ برکت اور نورانیت موجود تھی۔ لہٰذا اُس کو آگ کیسے جلا سکتی تھی۔ اس واقعہ اور کرامت کے دیکھنے والے بہت سے لوگ اب تک راولپنڈی میں موجود ہیں۔ جس کا دل چاہے جا کر دریافت کر لے۔

اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کس کی صحبت اختیار کرے۔ حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھے جس کے خدمت میں جانے سے اُس کے دل سے تمام افکار و تفکرّات رفع ہو جائیں اور اُس کے دل کو چین، سکھ اور اطمینان مل جائے۔ جس کی خدمت میں جانے سے اُس کے دل کو یہ

چیزیں نصیب نہ ہوں، اُس کی صحبت میں بیٹھنے سے پرہیز کرے۔ مثلاً ایک اندھا دھوپ میں جا رہا ہو، آگے ایک درخت آ جائے تو اندھے کو خود بخود یہ بات محسوس ہو گی کہ وہ پہلے دھوپ میں تھا، اب سایہ میں آ گیا ہے۔ ایسے ہی بندگانِ خدا کی خدمت یا صحبت میں جانے سے بغیر کسی کے کہنے کے اُس کے دل کو یہ بات محسوس ہونے لگے کہ اُس کے دل کو سُکھ، چین اور سکون مل گیا ہے۔

اللہ کریم جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے:۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (پارہ:۱۳، سورہ: رعد:۲۸) یعنی یہ بات یاد رکھو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے ذکر کے دل کو اطمینان حاصل ہونے کا کوئی علاج پیدا نہیں ہوا۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے دل کو چین، سُکھ یا آرام ملے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے فرمان کے مطابق اُسے لازم ہے کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے تاکہ ذکر کی برکت سے اُس کے دل کو چین و آرام نصیب ہو۔ اگر وہ شخص ذکر نہیں کرتا تو پھر ذکر کرنے والے کی خدمت میں جا کر بیٹھ رہے، اُس کے دل کو چین اور آرام رہے گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں دنیا میں آیا اور کوشش کی کہ کسی طرح میرے دل کو آرام وسکون حاصل ہو۔ میں نے نکاح کیا کہ شاید اس سے دل کو آرام ملے مگر بے چینی مزید بڑھ گئی۔ پہلے تو صرف اپنی جان کی فکر تھی، اب بیوی کے کھانے پینے، کپڑے، مکان اور پردے کی فکر بھی دل میں جاگزیں ہو گئی۔ پھر خیال آیا کہ بچے پیدا ہوں تو آرام ملے مگر جب بچے ہوئے تو دل کو اور زیادہ پریشانی لاحق ہو گئی۔ ایک بچے کو سر درد تو دوسرے کو بخار اور تیسرے کو ہیضہ ہو گیا۔ بس جتنے غم، رنج اور دکھ اُن بچوں کی جان کو تھے، اُن سب کا غم میرے دل کو ہوا اور پریشانی بڑھ گئی۔

پھر فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر میں نے بھی گھوڑا خرید لیا کہ شاید اس سے ہی سکون کی دولت مل جائے مگر گھوڑے کی حفاظت، اُس کے کھانے پینے کا انتظام غرض کئی فکر لاحق ہو گئے۔ پھر ایک شخص کو پالکی پر سوار دیکھ کر پالکی خرید لی کہ شاید

اب یہ آرام واطمینان ہاتھ آجائے مگر پالکی اُٹھانے والے آٹھ آدمیوں، اُن کی رہائش اور خورد ونوش کا مسئلہ کھڑا ہوگیا مگر سکون نہ ملا سکا۔ پھر تختِ شاہی پر بیٹھا کہ شاید اس طرح ہی سُکھ اور اطمینان مل جائے مگر رعایا کی جانوں کی فکر، ملک کے انتظام وانصرام اور دیکھ بھال کا غم وفکر مجھ اکیلے کی جانِ ناتواں کو کھانے لگا۔

الغرض وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نا اُمید ہوگیا کہ اِس دُنیا میں دل کو آرام وسکون اور اطمینان ملے یہ محال ہے۔ یہ دوضدیں ہیں جو یکجا جمع نہیں ہوسکتیں۔

دریں دنیا کسے بےغم نہ باشد اگر باشد بنی آدم نہ باشد

ایں خیال است ومحال است وجنوں

جب نا اُمید ہوگیا تو چلتے چلتے ایک درویش سے ملاقات ہوگئی اور اُس کی خدمت میں رہنے لگا۔ فرماتے ہیں کہ میں جتنی دیر اُس درویش کی خدمت میں رہا، میرے دل کو سُکھ چین اور سکون رہا۔ اب میں نے سمجھ لیا اور راز کو پالیا کہ دُنیا میں سکون قلب وجاں کی جگہ اگر کوئی ہے تو وہ درویشوں کی صحبت ہے۔ انسان یا تو خود ذوق وشوق اور محنت سے ذکر کرے تاکہ اُسے اطمینانِ قلب نصیب ہو یا پھر اہلِ ذکر وفکر کی خدمت میں رہے تاکہ اُن کی صحبت میں اس کے دل کو آرام، قرار، سرُور، فرحت اور اطمینان حاصل ہوجائے۔

نہ سُکھ گھوڑی پالکی نہ سُکھ چھتر کی چھانھ

یا سُکھ ہر کی بھگت میں یا سُکھ سنتاں مانھ

یعنی گھوڑے کی سواری، پالکی کی سواری اور تختِ شاہی پر آرام اور سُکھ نہیں ملا، سکون کی دولت ہاتھ نہیں آئی، بےقراری بدستور مقدّر بنی رہی۔ اگر یہ سکھ، سکون اور اطمینان ملا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وجلالہٗ کے ذکر میں یا پھر ذکر کرنے والوں کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے سے ملا ہے۔ نتیجہ یہ کہ تمام دُنیا میں بے آرامی وبے سکونی ہے، ہنگامہ آرائی ہے اور بےچینی ہے۔ اگر آرام، سکون اور چین ملتا ہے تو درویشوں، اللہ والوں اور خاکساروں کے قدموں میں ملتا ہے واقعی ؂

اگر در خانہ کس است یک حرفِ سعدیش بس است

اطمینانِ قلب یا دل کا آرام وہ نعمتِ بے بہا ہے کہ سوا درویشوں کے کسی کو حتیٰ کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ، بادشاہی چھوڑ کر درویشی اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی درویش نے درویشی چھوڑ کر تختِ شاہی قبول کیا ہوا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گدا بادشاہ است و نامش گدا

یعنی دراصل بادشاہ درویش ہی ہوتے ہیں، اگرچہ اُن کا نام درویش ہے۔

حکایت ہے کہ ایک دن حضرت اورنگزیب عالمگیر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں میر صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دروازے پر دربان نے روک لیا۔ عالمگیر بادشاہ نے یہ مصرعہ لکھ کر اُس درویش کو دیا۔

درِ درویش را درباں نباید

کہ "درویش کے دروازے پر دربان نہیں ہونا چاہیے"۔

حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مصرعہ کے نیچے لکھا دیا کہ۔

بباید تا سگِ دُنیا نیاید

یعنی "درویش کے دروازے پر دربان ہونا چاہیئے تا کہ دُنیا کے کُتّے نہ آنے دے"۔

بادشاہ دوسرا مصرعہ پڑھ کر بڑا نادم ہوا اور ہوش آ گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ سارے ہندوستان کا بادشاہ درویش کے دروازے پر حاضر ہوتا ہے اور درویش اُس کو سگِ دنیا کے لقب سے پکارتے ہیں۔ یہ کس کی برکت تھی۔ یہ اطمینانِ قلب کی نعمت یا دولت تھی۔ جس نے بادشاہ کے حق میں ایک درویش کی زبان سے یہ کلمہ نکلوایا کہ تو "سگِ دُنیا" ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ، خدا تعالیٰ جل شانہٗ ہر ایک کو اطمینانِ قلب نصیب فرمائے۔

درحقیقت بادشاہ وہی ہوتے ہیں جن کے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بفراغِ دل زمانے بماہروئے   بہ ازانکہ چترِ شاہی ہمہ عمر ہائے وہوئے

ترجمہ: دل کے سکون کے لئے کچھ دیر کے لئے کسی ماہرو (اللہ والے) کی طرف دیکھنا بہتر ہے کہ چترِ شاہی سر پر او راور ساری عمر ہاؤ ہو میں گزر جائے۔

یعنی ساری عمر کی بادشاہی کرنے سے ایک لحظہ (لمحہ) دولتِ فراغتِ قلب یا آرامِ دل کا نصیب ہونا بہتر ہے۔ یا پھر یوں کہہ لیجئے کہ تمام عمر کی بادشاہت کرنے سے ایک لحظہ دل کو سکون مل جانا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ یہ اطمینانِ قلب کی نعمت فقیر کو اور یارانِ طریقت کو نصیب فرمائے۔ یارب الکریم جل جلالہٗ، آمین۔

مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ نعمت سوائے مراقبہ کے یا اپنے پیر و مُرشد قبلہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے کسی شخص کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ بدیں وجہ ہر ایک یار (برادرِ طریقت) پر فرض ہے کہ وہ مراقبہ میں زیادہ کوشش کیا کرے تا کہ اطمینانِ قلب کی نعمت حاصل کر کے مقرّب بارگاہِ الٰہی بن جائے۔ برعکس اِس کے جس شخص کے پاس بیٹھنے سے اطمینان، آرام، سُکھ، چین حاصل نہ ہو، لازم ہے کہ ایسے شخص کی صحبت سے پرہیز کرے، کنارہ کشی کرے تا کہ اُس کے دل کی پریشانی اور بے آرامی اِس کے دل پر عکس یا اثر نہ ڈالے۔ اگر کسی شخص کو نیک صحبت نصیب نہ ہوسکے تو اُسے الگ ہو کر تنہا بیٹھ رہنا چاہیئے۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک پیر کا مرید دوسرے پیر کی صحبت اختیار کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر اُس کا اپنا پیر زندہ ہے، حیات ہے تو اُسے کسی صورت میں بھی دوسرے پیر کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہیئے، بجُز اس کے کہ اپنے پیر و مُرشد اجازت دیں تو دوسرے نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اگر کسی پیر، درویش یا بزرگ کی خدمت میں جانے سے اُس کی قوّتِ ایمانی، اعتقاد اور اخلاص میں ترقی ہو تو اُس کی صحبت اختیار کرنے میں کوئی حرج اور ممانعت نہیں اور اگر اُس کی خدمت میں حاضر ہونے سے اُس مرید کے پہلے سے موجود ایمان، اعتقاد یا اخلاص میں فرق آئے تو ایسی صورت میں ہرگز ہرگز نہیں جانا چاہیئے۔ اور اگر اُس کی نسبت کامل ہوچکی ہو اور اُس کا رابطۂ قلب اپنے پیر سے مضبوط ہوچکا ہے اور اُس کو یقین ہے کہ

میرے اُوپر کسی دوسرے کی صحبت کا اثر نہ ہوگا تو ایسی صورت میں بحکم ''زیارتِ بزرگاں کفارۂ گناہ'' بندگانِ خدا کی زیارت کرلے۔ نیز اگر ایک پیر کا مرید کسی دوسرے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہو اور اُس فیض کو اپنے ہی پیر کا فیض سمجھے تو ایسے مرید کو کسی بھی اہل اللہ پیر کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حکایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت خواجہ سیّد حسن رسول نما دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی درخواست کی۔ آپ نے اُسے مُدّت مدید تک ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ایک دن بحالتِ جذب حضرت خواجہ صاحبؒ نے اُس شخص کو فرمایا کہ تو میرے کندھوں پر سوار ہو۔ ایسا کرتے ہی اُس شخص کو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگئی۔ جب کندھوں سے نیچے اُترا تو کہنے لگا۔ الحمد للہ! میں اپنے پیر کا بڑا شکر گزار ہوں جس کے طفیل سے مجھے یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔ (بیدمؔ شاہ وارثیؒ نے کیا خوب کہا ہے ۔

بیدمؔ نمازِ عشق یہی ہے خدا گواہ

ہر دم تصوّرِ رُخ جانانہ چاہئے)

حضرت خواجہ صاحبؒ اور اُن کے مریدانِ باصفا کو یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی۔ حتیٰ کہ ایک مرید نے کہدیا کہ تو بڑا احسان فراموش اور ناشکر گزار ہے۔ تجھے زیارت تو کرائی ہمارے پیر نے اور تُو شکر ادا کرتا ہے اپنے پیر کا۔

اُس مرید نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے اپنی حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کیا ہوں۔ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ حضرت خواجہ صاحب جو قطبِ وقت ہیں، مجھے اپنی جوتیوں کی جگہ میں بھی کھڑا ہونے کی اجازت دیتے۔ مگر یہ میرے اپنے پیر و مُرشد کی برکت ہے کہ اُس نے اِس قُطب کے کندھوں پر سوار کرا کر مجھ جیسے گنہگار اور سیہ کار کو زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کروائی۔ یہ سُنتے ہی حضرت خواجہ صاحبؒ اور اُن کے مریدوں کو بات سمجھ میں آگئی۔

حضرت خواجہ سیّد حسن رسول نما علیہ الرحمہ نے اپنے مریدوں کو مخاطب کرکے

فرمایا کہ اگر تم مریدی سیکھنا چاہتے ہو تو اس شخص سے سیکھو۔ اس کو فیض یا نفع تو میں نے پہنچایا، زیارت میں نے کرائی مگر اس کی نگاہ اور توجہ اپنے پیر و مرشد کی طرف رہی۔ اور اس کے اعتقاد یا ایمان میں سرِ مو لغزش نہیں آئی۔ جو گھر سے باہر جا کر کمائی کر کے اپنے گھر لے آئے، اُس پر اُس کے ماں باپ اور خویش و اقارب سب خوش ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ کماؤ ہے، کمائی کرنے والا ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص اپنے گھر سے مال و اسباب اور دیگر اشیاء نکال کر دوسرے لوگوں کو دے دے تو اُس پر ماں باپ اور خویش و اقارب سب ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ یہ بڑا نالائق ہے۔

القصہ جو مرید اپنی توجہ کا مرکز و محور اپنے ہی پیر و مرشد کی ذات کو بنائے رکھے اور دوسرے بزرگوں کی خدمت میں جا کر فیض حاصل کر کے اپنے گھر آجائے اور پیر پر اعتقاد کامل رکھے وہ بلا کسی جھجک کے بزرگوں کی خدمت میں جا کر زیارت کرے۔ مگر جس مرید کے دوسرے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے سے اُس کے اعتقاد، ایمان یا ارادت میں فرق آئے تو اُسے ہرگز نہیں جانا چاہئے۔ اگر کسی شخص کی بیوی بیگانے مرد کو تاڑتی پھرے کہ یہ بڑا جواں مرد ہے یہ بڑا طاقتور ہے اور خوبصورت ہے۔ جب اُس کے شوہر کو اُس کی یہ نازیبا حرکت معلوم ہو جائے تو کیا وہ اُس کا سر کاٹے گا یا نہیں؟ ضرور کاٹے گا۔ یقیناً کاٹے گا۔ بالکل اسی طرح جب پیر کو بھی اُس مرید کا ہرجائی پن (یعنی ہر ایک کے پاس جانا) معلوم ہوگا، تو پھر اُس کا پیر اُس مرید کو اس کے بعد کس نظر، نگاہ اور آنکھ سے دیکھے گا؟ کیا پیر کو مرید کی غیرت عورت کے برابر بھی نہیں۔ بلکہ اُس سے بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہے۔ ایسے ہرجائی مرید کو ایک دو سالہ بچے سے ہی سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اُس دیوانے کو تو اتنی بھی عقل نہیں جتنی دو سالہ بچے کو ہوتی ہے۔ ہزار ہا عورتیں خوبصورت، ریشمی لباس پہنے ہوئے، زر و جواہر سے آراستہ بیٹھی ہوں اور ایک بچہ کی ماں میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے، بھونڈی شکل اور سیاہ رنگ کی ایک کونے میں بیٹھی ہو تو وہ بچہ اُن سب خوبصورت عورتوں کو چھوڑ کر اپنی میلی کچیلی اور کالی سیاہ ماں ہی کی طرف دوڑ کر جائے گا اور دوسری عورتوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

طوبیٰ کی چھاؤں تجھ کو مبارک ہو زاہد
ہم کو تو اپنے سایہ دار سے ہے غرض

اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور ثابت ہو چکی کہ جو شخص اپنی توجہ، عقیدت اور اعتقاد کا مرکز ایک ہی متبرک وجود کو نہیں بناتے بلکہ آج ایک بزرگ کی خدمت میں گئے، کل دوسرے کے ہاں اور پرسوں تیسرے کی خانقاہ میں۔ ایسے لوگ ہمیشہ فیض، برکت اور رحمتِ الٰہی جل شانہٗ سے محروم رہتے ہیں، کیونکہ اُن کا صدق، یقین اور اعتقاد کامل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی جناب سے جو کچھ اُسے ملنا ہے وہ اُس کے اندازے اور پیمانے پر ہی ملنا ہے۔

آپ نے بازاری رنڈی عورتوں کی گود میں کبھی بچے دیکھے، حالانکہ اُن کے پاس ہر روز بڑے بڑے جوانمرد اور قوّت والے آتے جاتے رہتے ہیں مگر چونکہ اُن کا صدقِ یقین نہیں ہوتا لہذا خداوند تعالیٰ جل شانہٗ اُن کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک بھنگی کی عورت کو دیکھئے کہ وہ ایک دُبلے پتلے سیاہ رنگ کے آدمی پر اعتقاد کر کے بیٹھی رہتی ہے اور دل میں یہ کہتی ہے کہ دُنیا میں بڑے بڑے جوانمرد اور قوّت والے بے شمار ہوں گے مگر مجھے تو اپنے غریب، لاغر اور کالے کلوٹے شوہر کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہ ہے، میرے لئے تو سب کچھ وہی ہے۔ اس بھنگن کو اُس کے صدقِ یقین کی برکت سے خداوند تعالیٰ جل شانہٗ دس بچے عنایت فرماتا ہے اور اُس رنڈی بازاری عورت کو تمام عمر میں ایک بھی نہیں دیتا۔ لہذا وہ مرید جو ہر روز نئے نئے بزرگوں کی تلاش میں رہتے ہیں، وہ بھی اِن بازاری عورتوں کی طرح فیضانِ الٰہی جل شانہٗ سے ہمیشہ مرحوم رہتے ہیں۔

جو دل قمار خانے میں بُت سے لگا چکے
وہ کعبتیں چھوڑ کر کعبے کو جا چکے

جیسے خدا تعالیٰ جل جلالہ ایک، ماں ایک، باپ ایک، عورت کا شوہر ایک ویسے ہی مرید کا پیر بھی ایک ہونا چاہئے۔ دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ثباتے بدست آرائے بے ثبات
کہ بر سنگِ گرداں نہ روید نبات

حضرت خواجہ عزیزانِ علی رامتینی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیرانِ عظام کے سلسلہ میں سے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں۔

باہر کہ نشستی ونشُد جمع دِلت — وزتو نرمید زحمتِ آب وگلت
از صُحبتِ وے اگر تبرّا نہ کُنی — ہرگز نکند رُوحِ عزیزاں بحلّت

یعنی ''تو جس شخص کے پاس بیٹھا اور تیری دل جمعی نہ ہوئی اور تجھ سے آب وگل (واہی تباہی) خیالات کی کدورت دُور نہ ہوئی تو پھر اگر تو اُس کی صحبت سے بیزار نہ ہوگا، تو یاد رکھ کہ عزیزاں کی رُوح تجھے کبھی بھی معاف نہیں کرے گی''۔

ایک انڈا، ایک مُرغی کے نیچے رکھا جائے تو اُس سے اکیس دن بعد بچہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہی انڈہ دو دن دوسری مرغی کے نیچے اور پھر مزید دو دن تیسری مرغی کے نیچے رکھ دیا جائے تو اس میں سے بچہ پیدا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ گندا ہو جاتا ہے اور بار بار کی ہیر پھیر میں اس انڈا میں بچہ پیدا ہونے کی قابلیت یا استعداد باقی نہیں رہتی۔ یہی حال اُن بھونڈے مریدوں یا ہرجائی پن والوں کا ہے جو آج ایک بزرگ کی خدمت میں، کل دوسرے کی اور پرسوں تیسرے کی خدمت میں جاتے ہیں، اور اپنی استعداد، قابلیّت یا نورِ ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب اُس دیوانے نے اورصراطِ مستقیم یا راہِ راست حاصل کر لیا تو پھر دوسرے کے پاس کس چیز کی طلب اور حصول کے لئے جاتا ہے۔ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اُصول ہے۔

یک در بگیر ومحکم بگیر — ارادت از یکجا وفیض از صد جا

(ماخذ: (۱) ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور دسمبر ۱۹۲۰ء ص ۱۱ تا ۲۳)

(۲) ''صحبت کا اثر'' مرتبہ ڈاکٹر محمد اللہ دتہ کنجاہیؒ مطبوعہ ادارۂ انوری، کراچی ۱۹۸۱ء صفحہ ۳ تا ۲۸)

/☆/☆/☆/☆/

اَعوذباللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم.

نحمدہ ونصلی علی لرسولہ الکریم.

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (طلاق:۳)

''جوشخص اللہ پر بھروسہ کرے پس وہ اس کے لئے کافی ہے''۔

وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین (المائدہ : ۲۳)

''اور اللہ ہی پر توکل کرو اگر تم ایماندار ہو''۔

لفظ توکل کے معنی بھروسہ کرنے کے ہیں۔اور شرعی اصطلاح میں اس کے معنی ہر ایک امر میں خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کے ہیں۔اور زیادہ تر توکل کا لفظ رزق کے بابت میں بھروسہ کرنے پر استعمال کیا جاتا ہے۔صوفیائے کرام کے دوگروہ ہیں۔ایک تو یہ کہتے ہیں کہ کام بھی کرو اور پھر خدا پر بھروسہ کرو۔اُن کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔اعقل وتوکل ۔

گفت پیغمبر بآوازِ بلند　　　برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

دوسری جگہ مولانا روم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

گر توکل مے کنی درکار کُن　　　کسب کُن پس تکیہ برجبّار کُن

رمزاً الکاسب حبیب اللہ شنو　　　از توکل درسبب کاہل مشو

دوسرے گروہ کے صوفیائے کرام اس طرف گئے ہیں کہ بغیر کسب اور بغیر سبب کے مطلق خدا کی ذات پر بھروسہ رکھے اور زیادہ تعداد میں صوفیائے کرام اسی خیال کے پائے جاتے ہیں اور بغیر سبب کے محض ذات باری پر بھروسہ کرنے کے معتقد ہیں۔یعنی ہاتھ پاؤں توڑ کر محض توکل کے سہارے پر جینے کے قائل ہیں۔ان کی نسبت مولانا رومؒ نے فرمایا ہے۔

بیں توکل کُن بلرزاں پاوٗ دست رزق تُو برتُو زتُو عاشق تراست

برسرِ ہردانہ بنوشتہ عیاں ایں نصیبِ ابنِ فلاں ابن فلاں

ان دونوں گروہوں میں سے بظاہر تو ترجیح آخرالذکر کو معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ اپنے خیال میں دونوں حق پر ہیں۔ اور ہر ایک اپنے قول کی تائید میں دلائل پیش کرتا ہے۔ چنانچہ گروہِ اوّل کہتا ہے کہ کُل دُنیا ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے تو دُنیا کے کاروبار کس طرح چلیں۔ تمام مخلوقات نکمّی اور اپاہج ہوجائے گی۔ خدا تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات رازقِ بھی ہے مگر ساتھ ہی مسبّب الاسباب بھی۔ اس وقت میرا مقصود گروہِ دوم کے مطابق ہے۔ صرف ایک رزق کے متعلق میں اس مضمون کو بیان کرتا ہوں۔ سب سے پہلے مومن کے واسطے اصولِ ایمان میں یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات پاک کو رازقِ مطلق سمجھے، اگر وہ خدا کی ذاتِ پاک کو رازق مطلق نہیں سمجھتا اور اپنی کمائی اور اپنی محنت یا اپنے قوّتِ بازو پر اُس کی نگاہ ہے تو وہ مومن کے پاک خطاب کے لائق نہیں۔ کیونکہ صفتِ ایمان میں یہ پہلا رکن ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسماءِ ذاتی وصفاتی پر ایمان لائے۔ **اٰمنت باللہ کماھو باسمائہ وصفاتہ** اور ''یارازق'' اسم صفت ہے۔ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دِن دس حصّوں میں سے نو حصے مخلوقات اس عذاب میں گرفتار ہوگی کہ وہ خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو رازق مُطلق نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم دسترخوانِ خداوندی کے خوشہ چین ہیں۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنے قوّتِ بازو سے کماتے اور کھاتے تھے یعنی اُن کی نگاہ سبب پر تھی اور مسبّب پر نہ تھی۔ ایمان نہ تھا کہ اُس کا خوانِ کرم ہر حال میں بچھا ہوا ہے۔ کام کرنے والا یہاں برابر ہے۔ محنت اور مزدوری صرف ایک دکھاوا ہے۔ لیکن رزق اُن سے وابستہ نہیں۔ اگر ہم محنت نہ بھی کریں اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہیں تو بھی رزق بے کم وکاست ہم کو دیا جائے گا۔

اگر روزی بدانش برفروزے زناداں تنگ تر روزی بنودے

بناداں آنچناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بماند

پنجاب میں ایک بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

کھاندے ربدا تے کہندے کھادا کھٹ   انہیں گلیں ستھریا جاندے چوڑ چپٹ

فقیر کی موجودگی میں ایک شخص نے حافظ امام الدین صاحب سیال کوٹی سے جو بڑے پرہیز گار عالم و متوکل تھے، پوچھا کہ آپ کا کھانا کس کے گھر سے آتا ہے۔فرمایا کہ سُلطانی لنگر میں پکتا ہے۔ دونوں وقت دے جاتے ہیں، میں کھالیتا ہوں۔ چونکہ سائل کی نگاہ گروہِ اوّل کی طرح اسباب پر تھی اس لئے اُس نے سمجھا کہ سلطانی لنگر سے مراد شاہِ روم کا لنگر ہے جو ملّہ مکرّمہ میں جاری ہے۔حالانکہ حافظ صاحب کی مراد خدائی لنگر سے تھی جو دنیا کے ہر کونے میں جاری ہے۔اُن کا مطلب یہ تھا کہ خدا کے ہاں میرا کھانا پکتا ہے اور مجھے بھیج دیا جاتا ہے۔اور میں کھالیتا ہوں۔اور حافظ صاحب بیس سال سے اسی قول پر کاربند تھے۔دُنیا، وطن اور جملہ تعلقات چھوڑ کر ملّہ مکرّمہ کے مجاور بن کر بیٹھ رہے تھے اور محض توکل پر اوقات بسر کررہے تھے۔چنانچہ ۱۳۲۸ھ یکم رمضان شریف (۶/ستمبر ۱۹۱۰ء) کو ستر سال کی عمر میں ملّہ مکرّمہ میں انتقال فرمایا۔ **اللھم اغفرہ والرحمہ انت خیر الراحمین۔**

اگر بغور دیکھا جائے تو صفت توکّل کا انسان کے دل میں قائم ہونا ایمانی قوّت کے کم وبیش ہونے پر منحصر ہے۔جس شخص کی ایمانی قوّت جس قدر بڑھی ہوئی ہوگی اُسی قدر توکل زیادہ ہوگا۔چنانچہ صوفیائے کرام کا ایک مقولہ ہے۔**رزق العوام فی یمینیھم ورزق الخواص فی یقینھم**۔یعنی عام لوگوں کا رزق اُن کے قوّتِ بازو پر ہے اور خاصانِ خدا کا رزق اُن کے یقین پر ہے۔یعنی اُن کی ایمانی قوّت جس قدر بڑھی ہوئی ہوگی، اسی قدر اُن میں توکل زیادہ ہوگا۔اس کے متعلق مجھے ایک حدیث قدسی یاد آ گئی ''**انا عند ظن عبدی بی**''۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میرا بندہ جیسا سمجھتا ہے، اُس کے لئے میں ویسا ہو جاتا ہوں۔یعنی جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم محنت کریں گے تو پائیں گے تو اُن کو اللہ تعالیٰ اُسی طریق سے پہنچاتے ہیں۔اور جن کو یہ یقین ہے کہ وہ ذات پاک ہماری رازق ہے اور ہم کو اپنے خزانہ غیب سے بغیر ہماری کوشش و محنت کے دے گا، اُن کو گھر بیٹھے پہنچاتا ہے۔شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبرو ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کُنی محروم　　تو کہ با دُشمناں نظر داری

فقیر جب علی پور میں اپنے اُستاد حضرت مولانا مولوی عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بچپن میں کتاب ''گلستان'' (گلستانِ سعدی) پڑھا کرتا تھا۔ اُنہوں نے پڑھایا تھا ؎

رزق ہر چند بے گماں برسد　　شرطِ عقل است جُستن از دَرہا

یعنی رزق تو بے شک ہر انسان کو پہنچتا ہے۔ مگر عقل کا تقاضا ہے کہ دروازوں پر جا کر تلاش کرے یعنی اُنہوں نے جُستن (بہ جیم مضموم) پڑھایا۔ مگر اُن کے بڑے بھائی جو بڑے صوفیٔ کامل تھے، اُنہوں نے فرمایا کہ جو معنی تجھ کر پڑھائے گئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں۔ اس شعر میں لفظ جُستن نہیں بلکہ جَستن (بفتح جیم) بمعنی جَست کرنا اور کودنا ہے۔ یعنی عقل چاہتی ہے کہ مخلوقات کے دروازوں سے جَست کر کے نکل جائے تا کہ اُن کو رزق بے گماں مل جائے۔ یعنی تمام مخلوق کے دروازے اپنے اُوپر بند اور صرف ایک رازقِ حقیقی کا دروازہ اپنے لئے کھلا ہوا سمجھے۔ فرمایا کہ انسان کی نظر جب تک مخلوقات کے دروازوں پر لگی ہوئی ہے یعنی جب تک وہ اس اُمید پر ہے کہ مجھ کو فلاں فلاں دروازے سے رزق ملے گا اور اس طرح وہ مخلوقات کو اپنا رازق سمجھتا ہے۔ تب تک وہ بے گماں پہنچنے کا مستحق ہی نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے دروازوں سے جَست کر جائے اور صرف رازق حقیقی کے دروازے پر آس لگا بیٹھے تو پھر رزقِ بے گماں کا مستحق ہو گا۔ اور بے گماں اُس کو پہنچے گا بھی۔ اور در حقیقت دوسرے معنی ٹھیک بھی ہیں اور توحید بھی حقیقت میں یہی ہے۔ کم از کم ہمیں اپنے خدا پر اتنا بھروسہ تو ہونا چاہئے جتنا چار پائے کو اپنے آقا پر ہوتا ہے۔ ہر چار پایہ یہ جانتا ہے کہ جب تک میرا آقا موجود ہے، کھانے پینے کو ملے گا اور مجھے گرمی سردی سے بچائے گا۔ اور میری ضروریات اور میرے آرام کا ہر طرح سے فکر رکھے گا۔ ان بے زبان حیوانوں کو ایک زبان دار حیوان پر یہ ایمان اور اس قدر بھروسہ کہ اُس کی وجہ سے وہ بالکل بے فکر ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس حیوانِ ناطق کو اپنے خالق و مالک اور رازق

پر اتنا بھروسہ نہیں جتنا بھروسہ اِن بے زبان چار پایوں کا اپنے مالک پر ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر غیرتِ الٰہی اُسے رزق سے محروم کر دیتی تو کچھ بعید نہ تھا۔ مگر وہ ذات ارحم الراحمین ''جُرم بیند و نان برقرار مے دارد''۔ باوجود ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں کے اپنے عہد کو

وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقھا (سورہ ھود : ٦)

(''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اُس کا رزق خدا کے ذمّے ہے'')۔

بتا رہے ہیں۔ انسان اپنے دستِ نگر حیوانوں سے سبقِ توکل سیکھے اور اپنی شرافت کو داغ نہ لگائے۔ (باقی آیندہ) (ماہنامہ ''طریقت'' لاہور بابت ماہ جنوری ۱۹۱۶ء ص۴۶ تا ۴۸)۔

☆/☆/☆/☆

شریعت بل

دُنیا میں سچا مذہب ہے تو اسلام ہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہزار آدمی کے ہاتھ میں ایک سفید رنگ کا چمکدار بلور کا ٹکڑا ہے۔ وہ اپنی غلطی سے اِسے ہیرا یا الماس سمجھے ہوئے ہیں۔ اگر تحقیق سے دیکھا جائے تو الماس ہمارے ہاتھ میں ہے۔ باقی ساری مخلوق کے ہاتھ میں بلور ہے۔ فقیر کا یہ دعویٰ کہ دُنیا میں اِسلام ہی سچا مذہب ہے صرف فقیر ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ بڑے بڑے پادری اور بشپ جب یورپ، امریکہ وغیرہ میں بڑے بڑے جلسوں میں تقریر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ دُنیا میں سچا مذہب ہے تو اسلام ہی ہے۔ بلکہ تمام دُنیا نے جو کچھ سیکھا اسلام سے سیکھا۔ دیکھو "سنین اسلام" ڈاکٹر لیٹز صاحب (جرمنی) بانی پنجاب یونیورسٹی۔ "جن سر چشموں سے ہم پانی پی کر سیراب ہوئے تھے اب وہ چشمے خشک ہو رہے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان سر چشموں کو سیراب کریں"۔

ان سب کے دل میں یہی یقین ہے کہ دُنیا میں سچا مذہب اسلام ہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ بظاہر اپنی دُنیاوی ضروریات یا رسم و رواج کے باعث اِسلام قبول نہ کریں گے مگر دل سے تو وہ بھی اسلام کی صداقت کے قائل ہیں۔ پریوی کونسل لنڈن میں بڑے بڑے جج اپنے فیصلے لکھتے ہیں تو وہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ ہے۔ ان کو یقین ہے کہ سچا مذہب اسلام ہی ہے۔ مگر وہ لوگ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے جن کے ماں باپ مسلمان، ان کے نام مسلمانوں کے، مرنے کے بعد قبر بھی مسلمانوں کی پلید کریں گے، ان کو یقین نہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ بلکہ وہ جنٹلمین جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہارے پاس صداقتِ اسلام کا کیا ثبوت ہے؟

(۲) ڈاکٹر ہالرائڈ صاحب ڈائریکٹر صیغہ تعلیم لاہور نے ایک دن اپنے سر رشتہ دار شیخ عزیز الدین صاحب مرحوم سے پوچھا کہ تمہارے پاس اسلام کے سچا ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ وہ بیچارہ کچھ عالم تو تھا نہیں، چند دلیلیں پیش کیں۔ ڈائریکٹر صاحب نے کہا

ہم تم کو سناتے ہیں۔ ولایت کے پارلیمنٹ میں ۷۰۰ ممبر ہیں۔ اُن کی دو پارٹیاں ہیں۔ ساڑے تین سو کی ایک اور ساڑھے تین سو کی دوسری۔ بڑے بڑے قانون دانوں، بیرسٹروں اور لارڈوں کو منتخب کر کے پارلیمنٹ کا ممبر بنایا جاتا ہے۔ ایک ایک آدمی کی عقل ایک ایک ہزار کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ تو گویا وہ سات سو ممبر سات لاکھ آدمی کے برابر ہوتے ہیں۔ وہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کرتے ہیں۔ اس کو بنائے ہوئے ایک سال نہیں گزرتا کہ اس میں کئی غلطیاں واقع ہوجاتی ہیں۔ مجبور ہو کر ان کو یا تو وہ قانون منسوخ کرنا پڑتا ہے یا اُس میں کچھ ترمیم کرنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہائے افسوس۔ قانون غلط پاس ہوگیا۔ سات لاکھ آدمیوں کی عقل کے مجموعے کا یہ حال ہے کہ اُن کا بنایا ہوا قانون ایک سال تک نہیں چل سکتا۔ مگر تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب شریف کے جنگل میں بیٹھ کر ایک قانون بنایا جس کو بنے ہوئے ساڑے تیرہ سو سال ہوگئے ہیں۔ اب تک اس میں ایک غلطی بھی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ روز بروز وہ قانونِ شریعت ترقی پر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا میں سچا مذہب ہے تو اسلام ہی ہے۔

(۳) دُنیا میں جتنے فرقے اور دشمنانِ اسلام ہیں ان سب کے دلوں میں تو یہی یقین ہے کہ سچا مذہب اسلام ہی ہے۔ لاہور لوہاری منڈی مسجد پٹولیاں کے دروازے پر شام کے وقت جا کر دیکھو۔ ہندو نہیں بلکہ آریوں کی بیسیوں عورتیں اپنے بچوں کو لے کر مسجد کے دروازے پر کھڑی رہتی ہیں۔ جب نمازی نماز پڑھ کر باہر نکلتے ہیں تو بڑی منت سے درخواست کرتی ہیں کہ "میرے بچے کو دم کرو اس کو خدا شفا بخشے"، باوجودیکہ وہ دشمنِ اسلام ہیں۔ مگر اُن کے دِلوں میں یقین راسخ ہو چکا ہے کہ سچا مذہب اسلام ہی ہے۔ اسی واسطے اپنے بچوں کو لے کر آتی ہیں کہ نمازیوں کے دم کرنے سے ہمارے بچوں کو شفا ہوجائے گی۔ اگر اُن کو صداقتِ اسلام کا یقین نہ ہوتا تو وہ کیوں آتیں۔ فقیر نے بارہا اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب سارے نمازی دم کر کے چلے جاتے ہیں اور وہ جگہ خالی ہوجاتی ہے تو جس جگہ نمازی جوتے اُتارتے ہیں وہاں کی خاک لے کر وہ آریہ عورتیں اپنے چہروں پر ملتی ہیں۔ اسلام کے سچا ہونے کا اِن کے دلوں میں یہاں تک یقین اور

اعتقاد راسخ ہے کہ وہ سمجھتی ہیں کہ مسلمانوں کے دم کرنے میں تو برکت ہے ہی، اِن کے جوتوں کے تلے کی خاک اگر بچے کے چہرہ پر لگ جائیگی تو اس کی برکت سے خدا تعالیٰ جل جلالہٗ بچے کو شفا بخشیں گے۔ کیا کوئی شخص تمام ہندوستان میں یہ نظریہ پیش کرسکتا ہے کہ ابتدائے زمانہ سے لیکر آج تک کسی مسلمان عورت نے کسی ٹھاکر دوارہ، گوردوارہ، شودیالہ میں جاکر کسی پنڈت، برہمن یا پجاری کے پاس یہ درخواست کی ہو کہ "تو میرے بچے کو دم کرتا کہ وہ خدا اُسے شفا بخشے"۔ مسلمان یا ان کی مستورات کے دلوں میں جب ان کے پنتھ کے سچا ہونے کا یقین ہی نہیں تو وہ جائیں تو کیوں جائیں۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

(۴) جب قرآن مجید نازل ہوا تو مصر میں سریانی زبانی بولی جاتی تھی۔ اور شام میں عبرانی، تورات شریف سریانی زبان میں تھی اور انجیل شریف عبرانی زبان میں۔ قرآن شریف کے نازل ہونے پر خدا تعالیٰ نے جن زبانوں میں پہلی کتابیں نازل کی تھیں وہ زبانیں اُٹھالیں۔ آج ساری دُنیا تلاش کرنے سے توریت شریف کی ایک آیت شریف جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی تھی نہیں ملے گی۔ مگر ہاں ان کے ترجمے ہزاروں زبانوں میں ملیں گے۔ خدا تعالیٰ نے ان دونوں مقدس کتابوں کو صفحہ ہستی سے ہٹا دیا یا اُٹھالیا۔ حتیٰ کہ نہ صرف کتابوں کو اُٹھالیا بلکہ ان زبانوں کو بھی اُٹھالیا جن میں وہ کتابیں تھیں۔ آج شام میں جاکر تلاش کرو۔ ایک گھر میں بھی عبرانی نہیں بولی جاتی۔ اسی طرح سارا مصر کا ملک تلاش کرو۔ ایک گھر میں بھی سریانی زبان نہیں بولی جاتی۔ بلکہ اِن دونوں ملکوں میں بجائے ان زبانوں کے عربی کا دَور دورہ ہے یعنی عربی بولی جاتی ہے۔ اور یہ دلیل صداقتِ اسلام کی دلیل ہی نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ قرآن مجید کا ایک نقطہ تو کیا زیر و زبر میں آج تک کمی بیشی نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ہوگی۔ بلکہ قرآن مجید میں جو برکت و رحمت روز ازل میں تھی وہی اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ جو شخص کہے کہ قرآن مجید میں اب وہ رحمت و برکت نہیں یہ اس کی حماقت ہے۔ چونکہ ہماری زبانیں حرام کھا کھا کر پلید ہوگئی ہیں۔ اس واسطے ہمیں وہ رحمت و برکت نظر نہیں آتی۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب بارش

ہوتی ہے تو بارش کا پانی پتھروں اور پہاڑوں پر پڑے تو بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ وہ بارش کا پانی اگر گندگی پر پڑے تو پلید ہو جاتا ہے۔ پانی تو پاک تھا اسے پلید کس نے کیا۔ اس گندگی والی زمین نے۔ اسی طرح خدا کا کلام پاک ہے۔ اس میں ہمیں رحمت و برکت نظر نہیں آتی۔ کیوں کہ یہ ہماری گندی زبانوں کی تاثیر ہے۔ ورنہ اس میں وہی رحمت و برکت اب بھی ہے جو روزِ ازل میں تھی اور وہی رحمت قیامت تک رہے گی۔ زبان کے پاک کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اصول تعلیم فرمائے۔ اکلِ حلال اور صدق مقال۔ آج یہ دونوں باتیں مسلمانوں میں مفقود ہو گئی ہیں۔ اس لئے وہ رحمت و برکت ہمیں نظر نہیں آتی۔

(۵) جرمنی نے قرآن مجید کی تعلیم اپنے مدرسوں میں لازمی کر دی ہے۔ اسی طرح جاپان نے اپنی تعلیم گاہوں میں قرآن مجید اور اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دے دیا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں نے قرآن مجید پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بکے

مسلمان اگر کوئی بُھولا بھٹکا قرآن شریف اور دین کی تعلیم حاصل کرے، ہمارے جنٹلمین اِسے کہتے ہیں کہ یہ اولڈ فیشن ہے۔ مگر یاد رکھو کہ ہمارا خدا بھی اولڈ فیشن ہمارا رسول ﷺ بھی اولڈ فیشن اور کتاب بھی اولڈ فیشن۔

طوبیٰ کی چھاؤں تجھ کو مبارک ہو زاہد
ہم کو تو اپنے سایۂ دیوار سے غرض

ہم کو جو خطاب دیئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ نکمے، ناکارہ، تنگ خیال، مذہبی کھنڈنوں میں پھنسے ہوئے، ضروریات زمانہ سے بے خبر، مذہبی آدمی وغیرہ۔

(۶) انگریزی قانون کی اگر کوئی شخص نافرمانی کرے تو اسے باغی کہا جاتا ہے اور اس کی سزا قتل ہے یا پھانسی۔ ذرا غور کا مقام، جو اس خدائی قانون کی مخالفت کرے جو اٹل اور یقینی ہے وہ، کس درجہ کا باغی ہوگا۔ اور اسے کیا سزا ملنی چاہئے۔ شریعت کے مقابلے میں رواج کیا چیز ہے۔ شریعت خدائی قانون ہے اور رواج بندوں کا بنایا ہوا ہے۔ اور وہ خدائی

قانون تمام دنیا کے لئے وضع کیا گیا ہے بلکہ اس قانون کی علت غائی یا غرض وغایت سارے رسم ورواج کو ترک کر کے اس پر عمل کرنا ہے۔ اس خدائی قانون کے مقابلے میں رسم ورواج پر عمل کرنا صریح دیوانگی ہے۔ اللھم احفظنا من کل بلاء الدنیا وعذاب الاخرۃ.

(۷) جو لوگ اٹل خدائی قانون پر رواج کو ترجیح دیتے ہیں وہ دیوانے ہیں۔ فقیر دو مثالیں دے کر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کا جواب کوئی رواج پسند دے گا تو فقیر اس کو مبلغ دس ہزار روپیہ دے گا۔

اول: فقیر ایک مرتبہ بمبئی میں تھا۔ ایک سیٹھ صاحب کی عورت نے پوچھا کہ شریعت میں لڑکیوں کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ فقیر نے کہا خدا تعالیٰ نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہونے کی صورت میں دو حصے لڑکے کے اور ایک حصہ لڑکی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس عورت نے کہا کہ آپ سیٹھ صاحب کو نہیں سمجھاتے۔ فقیر نے کہا وہ بھی تو سن رہے ہیں۔ پھر اس عورت نے کہا یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک ہی پیٹ سے دو بچے پیدا ہوں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا تو تمام جائیداد کا وارث ہو اور لڑکی محروم رہے۔ یہ کیوں۔ فقیر نے سیٹھ صاحب سے کہا بولو مگر وہ ایسے دم بخود تھے گویا مردہ تھے۔

دوم: مہاراجہ پرتاب سنگھ والئی جموں وکشمیر کے پاس ایک مقدمہ کی اپیل پیش ہوئی۔ ایک شخص مر گیا تھا اور پیچھے ایک لڑکی اور بھائی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی نے دعویٰ کیا کہ میں اپنے باپ کی جائز وارث ہوں مجھے باپ کی میراث سے جائز حصہ ملنا چاہئے۔ تمام ماتحت عدالتوں نے اسے محروم کیا اور بھائی کو وارث قرار دیا۔ آخر لڑکی نے مہاراجہ کے پاس اپیل کی۔ متوفی کا بھائی لالہ دولت رام بیرسٹر راولپنڈی کو ایک ہزار روپے فی پیشی مقرر کر کے جموں لے گیا۔ مہاراجہ نے لڑکی کے چچا سے پوچھا "تم کون"؟

چچا: "مسلمان"

مہاراج: جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا کرتے ہو۔

چچا: مولوی صاحب آتے ہیں۔ اس کے دائیں کان میں اذان، بائیں میں اقامت

پڑھتے ہیں۔ آٹھویں دن عقیقہ کرتے ہیں۔ دو بکرے ذبح کرتے ہیں۔ ان کا گوشت مسکینوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ماں باپ اس کا گوشت نہیں کھاتے۔ پھر اس کا سر منڈواتے ہیں۔ بالوں کو چاندی کے ساتھ وزن کر کے حجام کو دے جاتے ہیں۔ بکری کی ایک ران دایہ کو دے دیتے ہیں۔

مہاراج: شادی کے وقت کیا کرتے ہو؟

چچا: مولوی صاحب آتے ہیں، شرع شریف کے مطابق نکاح پڑھتے ہیں۔

مہاراج: مرنے کے بعد کیا کرتے ہو؟

چچا: مولوی صاحب آ کر میّت کو غسل دیتے ہیں۔ کفن پہناتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ پھر اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں اور قبر کھود کر اسے دفن کر دیتے ہیں۔ پھر صدقہ وخیرات مسکینوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

یہ ساری تقریر سن کر مہاراج نے دولت رام بیرسٹر سے کہا بولو اس کا جواب دو۔ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک تمام رسم ورواج اسلامی قانون کے مطابق کرتے رہے۔ اور جب لڑکی کو حصہ دینے کا وقت آیا تو ہندو یعنی ہندو قانون اختیار کرتے ہیں۔ اب دولت رام صاحب کیا بولتے، سر نیچے ڈال دیا۔ مہاراج نے فیصلہ لکھا کہ یہ شخص مسلمان ہے اور مسلمان کا خدائی قانون یہ ہے کہ لڑکی کو باپ کی جائیداد سے حصہ دیا جائے۔ یہ اُن کی ہٹ دھرمی اور بے دینی ہے۔ جب سارے رسم ورواج واصول پیدا ہونے سے مرنے تک اسلامی قانون کے مطابق کرتے رہے۔ لڑکیوں کو حصہ دیتے وقت ہندوؤں کا قانون انہوں نے کیسے لے لیا۔ میں لڑکی کو وارث قرار دیتا ہوں اور اس کے چچا کو محروم کرتا ہوں اور آئندہ قیامت تک اِن کو قوم (راجپوت) میں لڑکیوں کو برابر حصہ ملنا چاہیئے۔ فقط۔

اند کے پیشِ تو گفتم وزغم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ہفت روزہ ''الفقیہہ'' امرتسر جلد ۱۸، شمارہ ۲۹، بابت ۷/ اگست ۱۹۳۵ء، ص ۲ تا ۴۔

☆☆☆☆☆

ضرورتِ مُرشد

صدق الله العلی العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذالک من الشاهدین والشاکرین والحمدلله رب العلمین ط

اما بعد ! خداوندتبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

یآایها الذین اٰمنو اتقو الله و ابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیلهٖ لعلم تفلحون. (پارہ،٦،سورہ مائدہ:٣٥)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرواوراس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔ اوراس کی راہ میں کوشش کروتا کہ تم خلاصی پاؤ۔

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ وسیلہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی ایمان اور اتقا اور جہاد فی سبیل اللہ کو جیسا ضروری بیان فرمایا ہے ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ایک ضروری امر قرار دیا ہے۔ بلکہ نجات کا دارومدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو، اتقا ہو، جہاد ہو اور وسیلہ اس کے قرب کے حاصل کرنے کے واسطے بھی ہو، جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کیساتھ ایک خاص تعلق ہے اوران پر نہایت درجہ کی عنایت ومہربانی ہے۔ باوجود ایسے تعلق اور الطاف کے پھر بھی ہدایت کا ذریعہ رسولوں اور انبیاء ہی کو ٹھہرایا۔ کیونکہ قدرت نے جہاں اور کائنات کو بغیر قواعد کے نہیں چھوڑا۔ وہاں ہدایت کے محکمہ میں بھی ایسے قواعد جاری فرمائے ہیں کہ ان کی پابندی کے بدون ہدایت کے سلسلہ کا جاری رہنا محال ہے۔ رسول خالق اور مخلوق کے مابین بَرزَخ ہوتا ہے اور اِن کو دونوں طرف تعلق ہوتا ہے۔ دل اس کا خداوند کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم مخلوق کے ساتھ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل !! خواص اس بَرزَخ کبریٰ میں تھا حرف مشدّد کا

اس بَرزَخ کا یہ کام ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کی رضا پر ثابت ہونے کی ہدایت کرے۔ عبادت کے قاعدے سکھائے اور خداوند تعالیٰ اور بندوں کے معاملات میں

جو بندوں کی سیہ کاریوں کی وجہ سے پیچیدگیاں واقع ہو گئی ہوں ان کو دور کرے معاملات صاف کر دے۔ عہدِ رسالت کے بعد یہ خدمت خلافت کو سپرد ہوئی۔ جس کو حضرت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے خلفاء نے بڑی محنت سے نباہا اور قیامت تک یہی خلفاء رسول ﷺ اس خدمت کو انجام دیتے رہیں گے۔ اسی گروہ کو گروہِ صوفیاء کرام یا پیرانِ عظام یا مُرشدانِ کامل کہا جاتا ہے۔ یہی فرقہ خالق اور مخلوق کے درمیان وسیلہ ہے۔ یعنی قرب الٰہی کے حاصل کرنے کے واسطے ان پیرانِ عظام میں سے کسی ایک کو وسیلہ پکڑنا طالبانِ حق کے لئے ضروری بلکہ فرض ہے۔

آیت مذکور کی تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد سے نقل کر کے وسیلہ سے مراد ذاتِ مُرشد لی ہے اور جن لوگوں نے لفظ وسیلہ کے معنی قرآن شریف یا ذاتِ رسول علیہ السّلام اختیار کئے ہیں ان کو شاہ صاحب یوں جواب دیتے ہیں۔ کہ اللہ عزوجل نے اس آیت میں مومنوں کو خطاب کر کے وسیلہ کی تلاش کا حکم فرمایا ہے اور کوئی شخص جب تک قرآن شریف اور جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہوتا۔ یعنی مومن وہی ہے جو قرآنِ پاک اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دل سے حق مان چکا ہوگا۔ پس وہ وسیلہ کوئی اور وجود ہوگا جس کی تلاش کا بندوں کو قرآن اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ایمان لانے کے بعد حکم فرمایا ہے اور وہ مرشد کی ذات ہے جو بندے کو مولا سے واصل کر دیتا ہے۔ شریعت پر چلنے کا لوگوں کو حکم کرتا ہے۔ بدی سے روک کر لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو دلوں میں قائم کرتا ہے۔ اگرچہ ہادیٔ حقیقی خدا کی ذات ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرے، مگر یہ بھی اس حکیم کی حکمت ہے کہ دُنیا کو عالم اسباب بنا کر ہر ایک چیز کو سلسلۂ اسباب میں ایسا پابند کر دیا ہے کہ جیسے کوئی بچہ بغیر ماں کے پیدا نہیں ہوتا اس طرح پیر اور مرید کے تعلق کے بدوں کوئی طالب حق خدا سے واصل نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب تک کوئی پیر کامل دستیاب نہ ہو ہدایت کا حاصل ہونا محال ہے۔ یہی قاعدہ دُنیا کی ہر ایک چیز پر جاری ہے۔ حضرت مولانائے روم فرماتے ہیں:۔

ہیچ کَس از نزدِ خود چیزے نشُد ہیچ آہن خنجر تیزے نشد !!

ہیچ حلوائی نہ شد استاد کار تا کہ شاگردِ شکر ریزے نشد

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نہ شد

ان تینوں بیتوں کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کچھ نہیں بن سکتا جیسے کہ کوئی لوہا خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کا ہو لوہار کی محنت کے بغیر تلوار نہیں بن سکتا۔ دوسرے بیعت میں یوں فرماتے ہیں کہ تلوار کا بننا تو بڑا کام ہے۔ مٹھائی جو صرف تین چیزوں (گھی، چینی، میدہ) سے بنتی ہے، یہ بھی کسی حلوائی کی شاگردی کے بغیر نہیں بن سکتی۔ تیسرا بیت جو اس غزل کا مقطع ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مولوی بھی جب تک شمس تبریزیؒ کا غلام نہ بنا یہ بھی مولانائے روم کہلانے کا مستحق نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ کہ کوئی بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا کام کسی دوسرے کی مدد کے بغیر اس دُنیا میں نہیں ہوسکتا۔ یعنی جب مٹھائی جیسی چیز بھی اُستاد کی مدد کے بغیر اس دُنیا میں نہیں بن سکتی تو ایک خاک کے پتلے کا مقربِ بارگاہِ الٰہی بن جانا پیر کی امداد کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ دوسری جگہ مولانائے روم اس طرح فرماتے ہیں:۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر! ہست بَس پُر آفت و خوف و خطر

کاندریں راہ بارہا تو رفتۂ! بے قلاوز اندراں آشفتۂ !

یعنی جن راہوں میں تو ہر روز چلتا پھرتا ہے ان میں رہنما کی امداد کے بغیر بھول جاتا ہے تو راہِ سلوک جس کو تو نے کبھی نہیں دیکھا اور جس میں نفس اور شیطان جیسے راہزن موجود ہوں اس میں کسی راہنما کی امداد کے بغیر تو کیسے چل سکتا ہے۔ آج کل کا مشاہدہ گواہ ہے کہ اس زمانے میں وہی لوگ زیادہ تر گمراہ ہوئے جن کا کسی سلسلۂ پیرانِ عظام سے تعلق نہ تھا۔ جن لوگوں نے کسی خلیفۂ رسول ﷺ یعنی پیر کامل کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا اور خود بخود اس راہ کو طے کر کے پیر بننے کی کوشش کی وہ شیطان کا شکار ہوئے۔ اور اس ہدایتِ شیطانی کے موافق اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن ایک نیا فرقہ جاری ہوتا ہے اور اس فرقہ کے خیالات بھی نئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک اور احکام

شریعت کو اپنے خیالات کے موافق بنانا چاہتے ہیں۔ تاویل کے پیرایہ میں تحریف قرآنی کرتے ہیں۔ احادیث نبویہ ﷺ کو اُلٹ پلٹ کر اپنی رائے کے ماتحت بناتے ہیں۔ خود ہادی بنتے ہیں۔ اس طرح سے خود گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد حق کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ان جان وایمان کے دشمن فریبی راہزنوں سے لوگوں کو بچایا جائے۔

مرشد ایسا ہونا چاہیے جو خود کسی ایسے سلسلۂ پیران میں داخل ہو جو سلسلہ جنابِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام تک جا پہنچتا ہو۔ جیسے تسبیح کے دانے ایک ودسرے سے مل کر ایک سلسلہ کا حکم رکھتے ہیں اور سب ایک ہی امام کے پیچھے ہوتے ہیں یا زنجیر کے حلقے جو ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں یا جس طرح ایک چراغ ودسرے چراغ سے روشن کیا جاتا ہے اور اس دوسرے چراغ سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا یہاں تک کہ اگر ایک ایک ہزار چراغ بھی اس سلسلہ سے روشن کیا جاوے تو ہزارویں چراغ کی روشنی میں بھی یہ عام انتقال کمی پیدا نہیں کرسکتا۔ یعنی اس چراغ میں بھی وہی نور پایا جائے گا جو پہلے چراغ میں تھا۔ اسی طرح سے آپ سلسلہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی تصور کرلیں کہ سیّدنا جناب رسالتمآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کا نور سینہ بسینہ پیرانِ عظام کے سینوں میں منتقل ہوکر آیا ہوا ہے۔ یعنی جناب حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سینہ مبارک سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ میں یہ نور منتقل ہوا۔ حدیث شریف:۔

ماصب اللہ فی صدری الا ھبیتہ فی صدر ابی بکر۔

ترجمہ: جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ میں ڈال دیا۔

اس پر گواہ ہے۔ وہاں سے سلمان پارسیؓ کے سینہ میں، وہاں سے حضرت امام قاسمؒ نے لیا۔ غرض اِسی سلسلہ سے میرے پیرومرشد جناب حضرت بابا جی صاحب قبلہ عالم تیراہی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ میں ظاہر ہوا۔ بزرگانِ دین کا سلسلہ تار گھروں کے دفتروں کا سا ہے۔

سارے بزرگانِ دین کی روحیں آپس میں تعلق رکھتی ہیں۔ایک اسٹیشن پر اگر تار ہلا دی جائے تو سب تار گھروں میں وہ خبر جا پہنچتی ہے۔یعنی ہر ایک صوفی کی روحانی برق کا تعلق تجلّیات الٰہی کے سب سے بڑے دفتر یعنی دربار حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوتا ہے۔باقی سب تار برقیاں اسی صدر کی شاخیں ہیں۔

یا یوں کہو کہ بجلی کی وہ کل جس میں بجلی پیدا کر کے انسان کے جسم میں پہنچائی جاتی ہے۔اس کل کو گھماؤ اور ایک آدمی کا ہاتھ اس سے لگاؤ وہ بجلی اس آدمی کے جسم میں اثر کرے گی پھر اس آدمی کے ساتھ دوسرا آدمی اور دوسرے کے ساتھ تیسرا آدمی ہاتھ لگاتے جائیں تو جس قدر انسان اس بَرقی سلسلہ میں شامل ہوں گے سب کے جسم میں وہی تاثیر موجود ہوگی جو پہلے آدمی کے بدن میں تھی۔اسی طرح جو لوگ برقِ محمدی ﷺ کے سلسلہ میں مسلسل ہیں، ان کے سینوں میں بھی وہی نورِ عرفان موجود ہے جو سینہ نبوی ﷺ میں تھا۔پس ضروری ہوا کہ جو شخص اس نورِ عرفان کا طالب ہو وہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلسلہ میں کسی سلسلہ کے پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرے ورنہ محروم رہے گا۔کیونکہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سینوں کے بغیر اس نورِ عرفان کا حاصل ہونا محال ہے۔

اس مضمون کی تائید میں ''تفسیر روح البیان'' کی مندرجہ ذیل عبارت کافی شہادت ہے۔

واعلم ان لاية الكريمة صرحت بالا مربا بتغاء الوسيلة ولابد منها البتة فان الوصول الى الله تعالىٰ لايحصل الا بالوسيلة وهى علماء الحقيقة و مشائخ الطويقة. (قال الحافظ ؒ)

قطع ایں مرحلہ بے ہمرھی خضر مکن ظلما تست بترس از خطر گمراہی

والعمل بالنفس يزيد فى وجودها ۔ واما العمل وفق اشارة المرشد دلالة انبيآء والاولياء فيخلصها من الوجود ويرفع الحجاب ويوصل الطالب الىٰ رب الارباب قال الشيخ ابو الحسنؒ الشاذلى كنت انا وصاحب لى

قد آمينا الى المغارة لطلب الدخول الى الله واقمنا فيها ونقول يفتح لنا غداً اوبعد غدٍ فد خل علمينا يوماً وجل ذوهيبة وعلمنا انه من اولياء فقلنا له كيف حالك فقال كيف يكون حال من يقول يفتح لنا غداً ادبعد غدٍ يانفس لم لاتعدين الله الله فيه تقطنا وتبنا اِلى الله تعالىٰ وبعد ذالك فتح علينا فلابه من قطع التعلق من كل دوجه ينكشف حقيقة الحال ...الخ

''یعنی واضح رہے کہ اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے طلب کرنے کے صاف طور سے تصریح کی ہے جس سے ہرگز چارہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وصول الی اللہ بغیر وسیلہ کے ممکن نہیں اور وسیلہ سے علماء حقیقت اور مشائخ طریقت مراد ہیں اور نفس کی رائے پر عمل کرنا اس کے وجود کو زیادہ کرتا ہے۔ لیکن مرشد کے حکم اور انبیاء اور اولیاء کی دلالت پر عمل کرنے سے نفس اپنے اخلاقِ ذمیمہ سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے اور حجاب دور ہوجاتے ہیں اور طالب رب الارباب کے ساتھ واصل ہوجاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا ہے کہ میں ایک رفیق کے ساتھ ایک غار میں طلبِ خدا کے واسطے گیا اور ہم آپس میں گفتگو کرتے تھے کہ ہمارا کام کل یا پرسوں تک ہوجاوے گا۔ ایک دن ایک بارعب آدمی ہمارے پاس آیا اور اس کے بشرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ ولی کامل ہے۔ ہم نے اس کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اس شخص کے حال کا کیا پوچھنا جو کہے کہ میرا کام کل یا پرسوں تک بن جاوے گا۔ اے نفس! تو اللہ کی بندگی اللہ ہی کے واسطے کیوں نہیں کرتا۔ اس سے ہم ہوشیار ہوگئے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی۔ اس کے بعد ہماری مشکل آسان ہوگئی۔ بے شک برگزیدہ لوگوں کی صحبت میں شرفِ عظیم وسعادتِ عظمیٰ حاصل ہوتی ہے''۔ انتہیٰ کلامہ۔

دوسری دلیل:۔ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:۔

قد جآءكم من الله نور وكتاب مبين .(پارہ:٦ . سورہ المائدہ :١٥) ''(اے ایمان والو!) تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور قرآن آیا''۔

پس قرآن شریف تو ہم علماء ظاہر سے سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ نورِ عرفان پیرانِ

عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔اس واسطے کسی پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہوا۔

تیسری دلیل:۔ قرآن پاک میں ہے:۔

هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم اٰیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة.(پاره ۲۸. سوره جمعه :٦.)

”ہم نے اَن پڑھوں میں سے ایک رسول ﷺ بنا کر بھیجا۔وہ ان پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اوران کو پاک کرتا ہے اور اُن کو قرآن مجید اور حکمت سکھاتا ہے“۔

اس آیت میں تین چیزوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ایک تو آیت کا پڑھنا۔ دوسرے لوگوں کو پاک بنانا۔تیسرے کتاب اور حکمت سکھانا۔تو دل کو پاک کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ ہم ایسے شیخ کی تلاش کریں اوراس کی خدمت میں حاضر ہوں جس کا سینہ نورِ عرفان سے منوّر ہواور کسی پیر کی توجہ سے پاک وصاف ہو چکا ہو۔

چوتھی دلیل:۔

دُنیا میں چندروزہ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی ایسا نمونہ پیش نظر رکھے جو ہر کام میں اس رہنمائی کا نمونہ ہو تا کہ کل امور دینی و دُنیاوی میں اس کی تقلید کرے۔نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال اس کو دیکھ کر بجا لاسکے۔چنانچہ فقیر پچھے سال دہلی میں تھا تو مخدومی ومکرمی جناب مولانا مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ آیا کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے یانہیں۔آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہایت ضروری ہے۔پھر محمد زین خان صاحب اپیل نویس پشاور نے عرض کی کہ اس عمل کے ضروری ہونے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس واسطے کہ شیخ مرید کو عملی نمونہ بن کا دکھادے۔اس پرانہوں نے عرض کی۔کیا آپ کو بھی پیر کی ضرورت ہے۔آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے بھی ضرورت ہے۔مثل مشہور ہے کہ نصیحت سے مثال بہتر ہے۔خداوند پاک کی قدرت کاملہ کون نہیں سمجھتا۔جناب رسول

علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے احکام کا کون قائل نہیں۔ مگر پھر بھی استاد اور والدین کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔ ان کا ہر ایک قول اور فعل ہم پر زیادہ اثر پیدا کرتا ہے اور ان سے ڈر بھی زیادہ لگتا ہے۔ کیونکہ نمونہ اور مثال پیش نظر رہتا ہے۔

پانچویں دلیل:۔ قرآن پاک میں ہے۔

یوم لاینفع مال ویبتون ط الا من اتی اللہ بقلب سلیم ۵ ط (پارہ: ۱۹.. سورہ شعرا.. ۸۸،۸۹)

''قیامت کے دن تمہارا مال اور بیٹے نفع نہیں دیں گے مگر اس شخص کو جو ہماری بارگاہ میں سلامت دل لائے گا''۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ قلب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قلبِ سلیم اور دوسرا قلبِ مریض۔ عموماً قلب تین بیماریوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ایک تو بیماری حدیث نفس ہے۔ یعنی دل خود بخود باتیں کئے جاوے۔ جیسے کوئی آدمی ایک جگہ تنہا بیٹھا ہوا خود بخود باتیں کر رہا ہو تو جو آدمی باہر سے آوے گا اس کو ضرور پاگل تصوّر کرے گا۔ ایسے ہی جو دل خود بخود باتیں کئے جائے اس کو دانا لوگ دیوانہ دل کہتے ہیں۔ یہ دیوانگی ہر ایک شخص میں موجود ہے۔ الا ماشاء اللہ ۔

غور کر کے دیکھو کہ کسی وقت جب انسان تنہا بیٹھا ہوا ہو تو دل کی طرف خیال کر کے دیکھے کہ دل کیسے کیسے خیالات دوڑاتا ہے۔ پس یہی بیماری دل کی ہے۔ حدیث شریف میں اس مرض کے دفعیہ کی تاکید موجود ہے۔ فرمایا:۔

من صلی رکعتین ولم یحدث فیہ نفسہ ..... الخ . (مشکوٰۃ شریف)

''جو شخص دو رکعت ادا کرے اور ان میں اس کا دل باتیں نہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں''۔

اس پر ایک مثال صادق آتی ہے کہ ایک دن میاں شیخ چلّی صاحب نماز میں کھڑے ہوئے تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس دو پیسے ہیں۔ ان کے انڈے خرید کر بچے نکلواؤں گا۔ اس طرح بہت سی مرغیاں ہو جائیں گی تو ان کو بیچ کر بکریاں لوں گا۔ وہ فروخت کر کے گائے لوں گا۔ اس تجارت میں بہت سے روپے پیدا

کر کے شادی کرلوں گا۔ دو بچے ہوں گے۔ ایک کا نام عبداللہ رکھوں گا اور دوسرے کا نام عبدالرحمٰن۔ عبداللہ عربی پڑھ کر مولوی فاضل ہو جائے گا۔ عبدالرحمٰن انگریزی پڑھ کر ایم۔اے پاس کرے گا۔ عبداللہ عربی لباس رکھے گا اور عبدالرحمٰن انگریزی۔ اس ادھیڑ بن میں تھا کہ پیٹ میں درد اُٹھا۔ درد کا اُٹھنا تھا کہ وہ خیالی پلاؤ رہا نہ وہ نماز۔

اس مثال سے پورے طور سے خیال میں آسکتا ہے کہ ایک آدمی ایک وقت میں تین کام کرسکتا ہے۔ رکوع سجود بھی کرسکتا ہے۔ قرآن شریف بھی پڑھ سکتا ہے۔ بچے بھی نکلوا سکتا ہے۔ حقیقت میں شیخ چلّی ایک نہیں تھا۔ بلکہ دو تھے۔ ایک وہ جو قرآن شریف پڑھ رہا تھا اور دوسرا وہ جو بچے نکلوا رہا تھا۔ جب تک انڈوں بچوں والا شیخ چلّی نہ مر جائے تب تک نماز کامل نہیں ہوسکتی۔ وہ شیخ چلّی والی نماز تو خدا کے ساتھ ٹھٹھا ہے کہ زبان تو اس کی حمد کہہ رہی ہے اور دل بچے انڈے نکلوا رہا ہے۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر! ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر!

قول مشہور ہے:

مرتو اقبل انت مرتوا "مرنے سے پہلے مرجاؤ"۔

مطلب یہ کہ اس شیخ چلّی کو مار ڈالو۔ مگر یہ شیخ چلّی نہ تو تلوار سے مرتا ہے اور نہ بندوق سے۔ نہ کسی دوسرے ہتھیار سے۔ بلکہ اس کے مارنے کے واسطے پیرِ کامل کا ہونا ضروری ہے۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظلِ پیر دامنِ آں نفس کُش را سخت گیر!

اب واضح رہے کہ شیخ چلّی کوئی خاص آدمی نہ تھا بلکہ ہر ایک آدمی اگر غور کرے تو وہ شیخ چلّی ہے۔ قرآن پاک میں بھی شیخ چلّی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے

الذی یوسوس فی صدور الناس ط سورہ آخری پارہ: ۳۰)

نتیجہ یہ کہ جب تک وہ انڈے بچے نکلوانے والا شیخ چلی مر نہ جائے تب تک کوئی عبادت ٹھیک نہیں ہوتی۔

دوسری بیماری دل کے خطرات ہیں اور وہ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ رحمانی،

ملکانی، نفسانی اور شیطانی۔ ان نفسانی اور شیطانی خطرات کو دور کرنے کے واسطے بھی کسی پیر کی ضرورت ہے۔ مثلاً کسی آدمی کی نگاہ کسی خوبصورت سے لڑ گئی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی اس کی صورت کا نقشہ اس کے دل میں کھینچ گیا ۔

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ!

عاشق بے چارہ ایسا محوِ نظارہ ہوا کہ دُنیا اور مافیا کی کوئی خبر نہ رہی ۔

درودیوار ہمہ آئینہ از کثرتِ شوق! ہر کجا می نگرم روئے ترا مے بینم

کی حالت ہوگئی۔ اس مرض کے علاج کے واسطے اگر سارے جہاں کے ڈاکٹر اور طبیب جمع ہوں تو بھی شفا محال ہے۔

مریض عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مگر خداوند عالم نے چند مبارک وجود دنیا میں ایسے بھی پیدا کئے ہیں جو اِس دَرد کی دوا کر سکتے ہیں۔ وہی پیرانِ عظام ہیں۔ کامل پیر کی ایک نظرِ توجّہ سے ہی یک لخت وہ سارا خیال دل سے دور ہو سکتا ہے۔ حضرت سیّد میراں بھیکھ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ے ست گر ایسا چاہیۓ جو صقلی گر سا ہو جنم جنم کے مورچے پل میں دیوے کھو

تیسری بیماری دل کی انتقاش صورِ محسوسات ہے۔ مثلاً ایک شخص نے لاہور کی شاہی مسجد دیکھی۔ جس وقت اس کے پاس اس کا ذکر کیا جائے تو فوراً وہ مسجد اس کی آنکھوں کے روبرو دکھائی دینے لگ جائے گی اور کوئی خوبصورت نظارہ اگر اس نے دیکھا ہو تو اس کی شکل بھی ذرا سا غور کرنے سے اس کے روبرو آجائے گی۔ اس بیماری کے دور کرنے کے واسطے بھی ضروری ہے کہ کوئی پیر کامل ہو جو لوگوں کے دلوں سے ایسے خیالات دور کر سکے کیونکہ یہ بھی توجہ الی اللہ میں ایک روک ہے۔

چھٹی دلیل۔ خداوند تعالیٰ نے اس کارخانہ قدرت میں ہزار ہا امراض پیدا کئے ہیں اور ان کے علاج کے واسطے ہزار ہا ذرائع صحت مقرر کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر میں صدہا طبیب وڈاکٹر و ویدک موجود ہیں۔ تو قرین قیاس ہے کہ روحانی اور باطنی

بیماریوں کے واسطے بھی ڈاکٹر اور حکیم مقرر کیے ہوں گے۔ ایسے ڈاکٹر یا طبیب خدا رسیدہ لوگ ہوتے ہیں جو پیر یا مرشد کے نام سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ ان روحانی اطبا کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے اب تک برابر جاری چلا آیا ہے۔ پس ہم کو روحانی امراض کا علاج ان روحانی طبیبوں سے ہی کرانا چاہئے۔

ساتویں دلیل:۔ قرآن پاک میں ہے۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون . پارہ : ۳۰، سورہ مصطففین: ۱۴.) "گناہوں کی شامت سے ان کے دلوں پر زنگار لگے ہوئے ہیں"۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہی کا نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب دوسرا گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو دوسرا نقطہ پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کثرت کے ساتھ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر کوئی وعظ یا کلام اثر نہیں کرتا۔ جب زنگار زیادہ ہو جاتا ہے تو وہ نہ علم سے دور ہو سکتا ہے اور نہ وعظ سے بلکہ علماء ظاہر بھی اس زنگار کے دور کرنے سے عاری ہیں۔ اس کے صیقل کرنے کے لئے کسی مرشد کامل کی توجہ درکار ہے۔ جو اپنی توجہ باطنی سے اس زنگار کو دور کر کے دل کو نورانی اور روشن بنا دیوے۔ مولانائے غنیمت کنجاہی کا قول ہے۔

کہ اے بے پیر تا پیرت نباشد ہوائے معصیت دل مے خراشد

آٹھویں دلیل:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم پیغمبر تھے ان کو علم لدُنی سیکھنے کے واسطے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ یہ قصہ قرآن پاک کے پارہ پندرہ کے اخیر میں موجود ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرارِ علم لدُنی سے بے خبر تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے، لڑکا مار ڈالنے اور دیوار بے اجرت بنانے کے اسرار پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے گئے۔ حضرت

خضر علیہ السّلام بار بار اعتراض سے منع فرماتے گئے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام اعتراض سے باز نہیں آئے تو حضرت خضر علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے صاف کہہ دیا کہ آپ اعتراض سے باز نہیں آتے اس واسطے آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ھذا فراق بینی و بینک کہہ کر رخصت کر دیا۔اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر کے کاموں پر مرید کا اعتراض کرنا اس کی محرومیت کی دلیل ہے۔مرید صادق وہ ہے جو پیر کے حکم کو بے دلیل مان لے ۔حافظ شیرازی کہتے ہیں ۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید که سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزل ہا

چنانچہ میراں بھیکھ علیہ الرحمہ کے احوال میں لکھا ہے کہ آپ ایک روز مجلس عام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کئی چوروں نے آ کر ایک بیل اور ایک بوری غلّہ گندم آپ کی نذر کر کے بیان کیا کہ ہم لوگ چوری کو گئے تھے اور تو کچھ دستیاب نہ ہوا صرف ایک بیل پر ایک گون (بوری) گندم لدی ہوئی ملی۔ چونکہ ہم بہت آدمی ہیں اور مال مسروقہ تھوڑا ہے۔ ہر ایک کو پورا نہیں ہوسکتا۔اس واسطے ہم وہ مال آپ کی نذر کرتے ہیں۔آپ نے قبول فرما کر درویشوں کو حکم دیا کہ بیل کو ذبح کر لو مگر اس کا سر اور چمڑا الگ رکھنا اور غلہ گندم پسوا کر روٹیاں پکوا کر درویشوں کو کھلا دو مگر دو سیر گندم بچا کر رکھ لینا۔حسب الحکم کھانا تیار ہوا اور درویشوں کو کھلایا گیا مگر ان درویشوں میں سے دو شخص صاحب علم تھے۔انہوں نے نہ کھایا اور کہا کہ حضرت صاحب نے ستم کیا کہ چوری کا مال درویشوں کو کھلا دیا۔ ہم تو یہ حرام مال نہ کھائیں گے۔جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دو شخصوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ ہم نے اپنی کھیتی کا چالیسواں حصہ آپ کی نذر کیا ہوا تھا اور ایک بیل بھی آپ کی نیت کا رکھا ہوا تھا۔آج وہ غلہ اس بیل پر لاد کر ہم آپ کے دربار میں لا رہے تھے کہ راہ میں وہ مال چوروں نے لوٹ لیا۔اب آپ فرمائیں کہ وہ نذر ادا ہوگئی یا نہیں یا ابھی ہمارے ذمہ ہے۔آپ نے وہ غلہ جو بچا رکھا تھا اور وہ بیل کا چمڑا اور سر منگوا کر ان کو دکھلایا اور فرمایا کہ یہ پہچانو ، یہ غلہ اور بیل تمہارا ہے یا کسی اور کا؟ انہوں نے فوراً پہچان لیا اور عرض کی کہ بس یہی بیل تھا اور یہی غلہ۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری نذر ادا ہوگئی ہے تم

ذرا دیر کر کے لاتے، درویش بھوکے تھے۔ چوروں نے جلدی پہنچا دیا۔ بعد ازاں آپ نے ان مولوی صاحبان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ ناحق فقیر پر بدگمانی کر کے بھوکے رہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں کو حرام کبھی نہیں کھلاتا۔ یہ واقعہ دیکھ کر مولوی صاحبان بہت پشیمان ہوئے معافی کے خواہاں ہوئے۔

اصل میں ایمان یہی ہے کہ بغیر دلیل کے ہو۔ اصحابِ عشرہ مبشرہ کو دیکھو کہ جن کو اس مخبر صادقؐ علیہ السّلام نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی ان کا ایمان ایسا مقبول ہوا کہ سارے اصحاب ممتاز ہو گئے۔ انہوں نے کون سا عمل کیا تھا؟ صرف یہی کہ نماز کے درمیان حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ پھیرا تو انہوں نے بھی بلا حیل وحجت ساتھ ہی منہ پھیر لیا۔ یہی عمل مقبول ہو گیا۔ شیخ کے حکم پر دلیل طلب کرنا، طالبِ صادق کی شان سے دور ہے۔ حکم مان لینا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے حضرت خضر علیہ السّلام کی خدمت میں جانے سے بھی پیر کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے۔

نویں دلیل:۔ دین کا دارومدار اور نجات کا، محبتِ حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر رکھا گیا ہے۔ وہ محبت نہ تو کتابوں میں مل سکتی ہے اور نہ علماءِ ظاہر سے۔ اس کے حاصل ہونے کے واسطے پیرِ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ یہ محبت کا سبق استاد روحانی کے سوا کوئی دوسرا پڑھا نہیں سکتا۔

عقل کے مدرسہ سے اُٹھ عشق کے میکدہ میں آ جامِ فنا دبیخودی ہم نے پیا جو ہو سو ہو!
مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو اس کا پہلا ہی سبق یار وفنا فی اللہ ہو!

دسویں دلیل:۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔

یوم یفر اولرءُ من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه .. پارہ ۳۰، سورہ :التکویر: ۳۴تا۳۶) ''قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ اور بیٹی بیٹے سے بھاگ جاوے گا۔''

ہر ایک اپنے حال میں گرفتار ہوگا۔ سب رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر پیر اور مرید کا رشتہ ہے کہ وہاں بھی قائم رہے گا۔ یہ رشتے روزِ ازل سے مقرر ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لا رواح جنود مجندة من متعارف منها ایتلف ومن تنا کر منها اختلف .

یعنی ارواح کا لشکر جمع شدہ تھا۔ روزِ ازل میں تمام ارواح (جو حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر قیامت تک پیدا ہوں گے) اکٹھے کئے گئے تھے۔ ان میں جس جس رُوح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ان روحوں کی دُنیا میں بھی آ کر ضرور محبت ہوگی اور جن روحوں کی وہاں شناخت نہیں ہوئی ان کی دُنیا میں آ کر بھی ہرگز محبت نہ ہوگی۔ اگر چہ وہ دونوں بھائی بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے دن ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، عورت جن کے رحموں کے تعلقات ہیں وہ سب ٹوٹ جائیں گے۔ مگر روحوں کے تعلقات ضرور قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

الاخلاءُ یومئذ بعضھم ببعض عدو الا المتقین ۔(پارہ ۲۵، سورہ الزخرف:۶۷))

سب دوست اس دن دشمن ہو جائیں گے۔ مگر وہ لوگ جو پرہیز گار ہیں۔ وہ اس روز بھی دوست ہی رہیں گے۔ محبت روحانی وہی محبت ہے جو پیر کو مرید کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ محبت روحانی حشر کے دن ذریعہ نجات ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حشر کے دن کوئی سایہ عرش کے سایہ کے سوا نہ ہوگا۔ اس سایہ میں سات قسم کے لوگوں کو جگہ دی جائے گی۔ جن میں سے دو آدمی وہ ہوں گے جن کی دُنیا میں محض اللہ کے واسطے محبت رہی ہو۔ پس اس حدیث کی رو سے پیر اور مرید دونوں زیرِ سایۂ عرش ہوں گے۔ تو ضروری ہے کہ کوئی پیر اختیار کیا جائے جس کی محبت کے ذریعے آفتابِ حشر سے امان ملے۔

گیارہویں دلیل:۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔

افرا ایت من التخذ الٰھه هواه ط "کیا تونے اس آدمی کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے"۔
پارہ ۱۹، سورہ جاثیه: ۲۳)

بعض آدمیوں کو کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس محبت میں محو ہوکر خدا کو بھول جاتے ہیں۔کوئی زر کا طالب ہے کوئی شیدائے زن۔کوئی فرزند پر مفتون کوئی دیوانہ عزت وثروت، کسی کو زمین سے عشق ہے اور کسی کو گھوڑی سے۔ یہ لوگ محبت میں ایسے غرق ہوجاتے ہیں کہ اصل مطلب ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

عشق بیٹھا ہے دل میں اِک بُت کا ہم تو یارو خدا کے بھی نہ رہے

اس پر ایک حکایت یاد آئی ہے وہ ہدیۂ احباب ہے۔ایک دن میرے استاد صاحب حضرت مولانا مولوی فیض الحسن صاحب مرحوم سہارنپوری، نے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب نے ایک درویش سے پوچھا کہ کہئے شاہ صاحب کیسے گزرتی ہے؟ درویش نے جواب دیا جب سے میرا خدا مر گیا ہے بہت اچھی گزرتی ہے۔اس پر مولوی صاحب سخت برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ خدا واحد قیوم حیّ لایموت ہے وہ ہرگز نہیں مرے گا۔تو مرتد ہوگیا ہے۔کافر ہوگیا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔اس پر درویش نے آہستہ سے پوچھا کہ مولوی صاحب! آپ نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے؟ اس نے کہا۔ہاں۔درویش نے کہا، مولوی صاحب یہ آیت بھی پڑھی ہے۔افرا ایت من التخذ الٰھه هواه ط

مولوی صاحب میری مراد تو یہ تھی کہ جب سے میری خواہشیں مرگئی ہیں میری زندگی بہت اچھی گزرتی ہے۔اس پر مولوی صاحب سخت نادم ہوکر معافی کے خواستگار ہوئے کہ مجھے اس آیت کے معنی معلوم نہیں تھے۔توحید اور معرفت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کو خدائے برحق مان کر اس کے ساتھ دل لگایا جائے اور باقی خواہشات نفسانی دل سے دور کردی جائیں۔

دل آرامیکه داری دل درو بند! دگر چشم از همه عالم فرو بند!

بات تو درست یہی ہے کہ کہ دل ماسوائے اللہ سے پاک ہوجاوے۔مگر یہ کام یعنی دُنیا کی محبت کا دل سے دور کردینا آسان کام نہیں ہے۔اس کے واسطے سب سے

اوّل ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا دل دُنیا کی محبت سے بالکل سرد ہو چکا ہو پھر اس شخص کی خدمت میں رہنا اور اسکی اطاعت کرنا لازمی ٹھہرایا جائے تو دل دنیا کی محبت سے پاک ہوسکتا ہے۔

بارہویں دلیل:۔ قرآن پاک میں وارد ہے:۔

الا بذکر الله تطمئن القلوب (پارہ ۱۳، سورہ الرعد آیت ۲۸)

درحقیقت سب نعمتوں سے بڑی نعمت اطمینان قلب ہے اور وہ سوائے ذکرِ الٰہی کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت، جاہ و ثروت تو دِل کی مزید پریشانی کا باعث ہوتے ہیں۔ ؎ چندانکہ غنی تراند محتاج تراند

ایک ہندی شاعر لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے ؎

نہ سُکھ گھوڑی پالکی نہ سُکھ چتر کی چھانھ یا سُکھ ہر کی بھگت میں یا سُکھ سنتاں مانھ

یعنی اطمینان میں نے گھوڑے کی سواری میں تلاش کیا، نہ ملا۔ پالکی میں تلاش کیا، نہ ملا۔ تختِ شاہی پر بھی اطمینان نصیب نہ ہوا اور مِلا تو دو ہی جگہ ملا، ذکرِ الٰہی یا صحبتِ صوفیا میں۔ اطمینان کے طالب کو ان لوگوں یعنی صوفیائے کرام کی صحبت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اطمینانِ قلب انہیں کے حصے میں دے رکھا ہے۔ ان کے سوا کوئی بھی دوسرا اس اطمینانِ قلب کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ان کی خدمت اکسیر اعظم ہے۔

تیرہویں دلیل:۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔

انما المومنون الذین اذاذکر الله وجلت قلوبھم ط پارہ ۹، سورہ انفال: ۲) "ایماندار وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے پاس اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں"۔

اس آیت سے ایماندار کا نشان یہی پایا جاتا ہے کہ اللہ کی یاد سے اس کا دل متاثر ہو۔ جلالِ خداوندی اس کے دل کو ڈرا دیوے۔ عظمتِ الٰہی اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ پس ان صفات کا حاصل کرنا مومن بننے کے واسطے ہر ایک آدمی کو ضروری ہے اور ظاہر ہے

کہ یہ صفات انہی لوگوں سے مل سکتی ہیں جو خود ان کے مشتاق ہوں اور ان صفات سے متصّف ہو چکے ہوں۔ وہ سوائے پیرانِ عظام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

چودھویں دلیل:۔

قرآن پاک میں مقربین کا خطاب مقربانِ بارگاہِ الٰہی کو عطا ہوا ہے اور درجہ مقربین کا علماء ظاہر سے نہایت اعلیٰ فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ بادشاہ کے نوکر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو چوکیدار جن کا فرض ہے کہ غُل مچاتے رہیں اور لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں تاکہ چور گھروں میں داخل نہ ہونے پاویں۔ چوکیدار اگر چپ رہیں تو مجرم ہوتے ہیں۔ چوکیدار تو علماء ظاہر کو تصوّر کرو کہ ان کا فرض ہے کہ لوگوں کو وعظ و کلام سنا کر دین کی اشاعت میں ساعی رہیں۔ اگر عالم خاموش ہے تو حدیث شریف میں اس کو گونگا شیطان کہا گیا ہے۔

دوسرے خاص نوکر ہوتے ہیں جو راز سے بھی آگاہ ہوتے ہیں اور خلوت خانہ شاہی میں بھی حاضر رہتے ہیں۔ بہت سے پوشیدہ امور ان پر واضح ہوتے ہیں۔ مگر ان کو زبان بلانا بالکل رَوا نہیں۔ اگر اظہار کر دیں تو ویسے ہی مجرم ہیں جیسے کہ چوکیدار خاموشی پر۔ بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ ؎

ستانند زباں از رقیبانِ راز　　　کہ تا رازِ سلطاں نگویند باز

یعنی جو راز سے آگاہ نوکر ہوتے ہیں ان کی زبانیں شاہی حکم سے کاٹ لی جاتی ہیں۔ تاکہ راز افشا نہ ہو جائے۔ یہی صوفیائے کرام گروہِ مقرّبین ہیں جن کی زبان خاموش ہے دیکھو جامی کیا فرماتے ہیں ؎

دَر عالم عشق بے زبانی اولیٰ!　　　دَر عالم فقر بے نشانی اولیٰ!

یہ رموز پڑھنے لکھنے میں نہیں آسکتے ؎

ایں مدرسہ نیست جائے آواز　　　از سینہ بہ سینہ مے رَسَد راز

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

ایں علم دَرسی نہ بود در سینہ بود

یہی علم لدُنی یا علم باطن اصولِ دین و ایمان ہے۔ بغیر صحبتِ کاملاں یہ نعمت عظمیٰ نصیب نہیں ہوسکتی۔ یہ حدیثِ دل ہے۔

حدیث سرِّ دل دل داند و بس ۔۔۔ زبان دلب ازاں آگاہ نباشند
برزباں قفل است در دل رازہا ۔۔۔ لب خموش و دل پُر از آوازہا!

یہ علم معرفت یا نورِ ایمان صرف صاحب دلوں کی خدمت سے مِل سکتا ہے۔

پندرہویں دلیل:۔

من تاب وامن وعمل عملاً صالحا فا ولئک یبدل اللہ سیٔا تھم حسنات ط (پارہ: ۱۹ سورہ الفرقان: ۷۰)

''جوکوئی توبہ کرے اور ایمان لاوے اور عمل نیک کرے تو اس کے سابقہ گناہوں کو ہم نیکیوں سے بدل دیتے ہیں''۔

اس آیت سے مولا کریم کی اپنے بندوں پر انتہا درجہ کی مہربانی اور عنایت ثابت ہوتی ہے کہ ایک توبہ سے سارے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور توبہ از روئے دیانت تو کافی ہے کہ بندہ خدا کو حاضر جان کر اس کے رُوبرو اپنے گناہ کا اقرار کرے اور اس سے معافی طلب کرے۔ مگر از رُوئے شریعت ضروری ہے کہ توبہ کا ایک گواہ بھی ہو چونکہ گواہ کی وقعت پر بڑا دارومدار ہے۔ اس واسطے توبہ کا گواہ ایک کامل مردِ خدا ہونا چاہئے اور وہی مُرشد ہوتا ہے۔

سولہویں دلیل:۔

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا ط (پارہ ۳۰، سورہ شمس: ۹،۱۰)

''اس نفس کو جس نے پاک کرلیا وہ خلاصی پا گیا''۔

اب نفس کے پاک کرنے کے واسطے اس کے اخلاق ذمیمہ کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ وہ نیک اخلاق سیکھے اور نفس بالطبع سختی پسند ہے۔ صلح سے اس کا راہ پر آجانا ممکن نہیں تو کوئی پاک وجود تلاش کرنا چاہئے جس کا نفس پاک ہو چکا ہو۔ اس کی صحبت کو لازم

پکڑنا اور اپنی کل خواہشوں کو اس کی خواہش کے ماتحت کر دینا چاہئے۔ نفس اس کی وحشت اور رعب سے دبکا رہے گا۔ اور خباثت کو ظاہر نہ کرے گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اس دوسرے پاک شدہ نفس کی عادات حاصل کرنے لگے گا۔ اس آدمی کو جس کی صحبت میں بیٹھ کر نفس پاک ہوتا ہے مرشد کہتے ہیں اور مُرشد کی جس قدر اخلاق ذمیمہ کے دور کرنے میں ضرورت ہے اس سے زیادہ اخلاقِ حسنہ کے پیدا کرنے کے واسطے احتیاج ہے۔ غرض شیخ کے بغیر انسان کا نہ تو نفس پاک ہوسکتا ہے اور نہ انسان انسان بن سکتا ہے۔

سترہویں دلیل:۔

هوالا ول والاخرو الظاهر والباطن ۔ (پارہ:۲۷۔سورہ حدید:۳)

اسمِ ظاہر کا پَرتَو تو علمِ ظاہر پر ہوتا ہے اور اسمِ باطن کا پَرتو علمِ باطن پر۔ علم ظاہر تو علماء ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر علم باطن کہاں سے حاصل کریں۔ وہ علماء باطن سے حاصل ہوسکتا ہے اور وہ لوگ کہ کاشفانِ اسرارغیب ہیں، محرمِ راز ہیں، اسرارِ باطنی سے آگاہ ہیں۔ ان کو علماء باطن بھی کہتے ہیں۔

اٹھارہویں دلیل:۔

فسئلو ااهل الذكران كنتم لاتعلمون۔ (پارہ:۱۴،سورہ:النحل:۴۳)

''اگر تم کوئی مسئلہ نہ جانتے ہو اور نہ کوئی اور تم کو بتلا سکے تو تم ایسے مسائل اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو''۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ علماء باطن کے سینے میں وہ جوہر ہے جس سے علماء ظاہر و دیگر بنی نوع انسان بے خبر ہیں۔ کیونکہ خداوند نے اس آیت میں اہل علم کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اہل ذکر کا یعنی ارباب باطن فرمایا ہے۔ اور ارباب باطن کے دل نورِ عرفان اور علمِ لدُنی کے خزانے ہیں۔ اربابِ باطن کو ہی ''پیرانِ طریقت'' کہا جاتا ہے۔

انیسویں دلیل:۔

نفسِ امّارہ کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ اس کی امارگی سے انبیاء علیہم

السّلام نالاں ہیں۔پس نفس جو فطرتاً شریر ہے خود بخود شرارت کو نہیں چھوڑ سکتا۔جب تک اس کا باقاعدہ علاج نہ کیا جاوے۔اور اس کو آہستہ آہستہ مطیع نہ بنایا جاوے۔اس کا علاج کرنے والے لوگ ، وہی پیرانِ عظام ہیں جن کے علاج سے یہ نفس امارہ لوامہ اور **مطمئنہ** کے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور شرارتیں چھوڑ کر مطیع فرمان بن جاتا ہے،اس کا علاج کریں۔ان کی خدمت غنیمت جاننی چاہئے۔

بیسویں دلیل:۔

تعرج الملئکة والروح اليه فی یوم کان مقدارہ خمسين الف سنة ۔(پارہ۲۹،سورہ:المعارج:۴)

’’فرشتے اور روح اس کی طرف ایک ایسے دن میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔‘‘

اس آیت کے حکم سے راہِ سلوک پچاس ہزار سالہ راہ ہوئی۔جس کو طے کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک تو اعمال صالح اور دوسرا توجہ ٔ شیخ۔اس کی مثال یوں سمجھ لو کہ ایک دریا ہے جس کو ہم نے عبور کرنا ہے اس عبور کے دو قاعدے ہیں۔ایک تو بذریعہ شناوری کے اور دوسرے بذریعہ کشتی کے۔شناوری سیکھنے اور پھر اس دریائے پچاس ہزار سالہ راہ کو عبور کرنے کے واسطے عمر طویل چاہئے۔اور اس اُمّت کی عمر ساٹھ اور ستر سال کی ہیں اور ان ساٹھ سالوں میں ہزارہا مشاغلِ دنیوی بھی ساتھ ہیں۔تو ہم کیونکر اس بیکراں سمندر کو تیر کر عبور کر سکتے ہیں۔ہم کو وہی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔یعنی کسی ملّاح کشتی بان کے حوالے اپنے آپ کو کر دیں اور جس طرح وہ پار لے جانا چاہے ہم اس میں چون و چرا نہ کریں۔

حضرت مجدّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کا یہ راستہ دس سال میں طے ہو جاتا ہے کسی کا بیس سال میں۔کسی کا ایک سال میں اور کسی کا ایک ماہ میں بلکہ ایک دن ایک گھنٹہ میں بھی طے ہو جاتا ہے۔مگر عنایت اور توجہ پیر پر سب کچھ موقوف ہے۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق! گر ملک باشد سیہ ہستش ورق!

اکیسویں دلیل:۔

یاایها الذین اٰمنو ا ذکر و االله ذکراً کثیرا . پارہ۲۲،سورہ الاحزاب:۴۱)

رجال لاتلهیهم تجارة و لا بیع عن ذکر الله۔(پارہ۱۸۔سورہ نور:۳۷)

و الـذاکرین الله کثیراً و الذاکرات اعد الله لهم مغفرة و اجر عظیماً (پارہ ۲۲،سورہ الاحزاب:۳۵)

خداوند تعالیٰ نے اوّل آیت میں کثرت سے ذکر کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ سودا خریدنے یا بیچنے اور دُنیا کے کاروبار کرنے میں بھی ہماری یاد سے غافل نہ ہوجانا چاہیئے۔تیسری آیت میں ذاکروں کے واسطے مغفرت اوراجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔علاوہ اس کے بے شمار آیتیں قرآن شریف میں ذاکروں کی تعریف میں بیان فرمائی ہیں۔پس معلوم ہوا کہ ذکر بڑی نعمت ہے اوراس کا حاصل کرنا موجب رضائے خداوندی ہے۔یہ کیونکہ حاصل ہوتا ہے۔اس امر کا فیصلہ میرے پیرومرشد قبلہ وکعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مفصّل بیان فرمایا ہے۔

"ذکر نہیں حاصل ہوسکتا جب تک دل نہ ہواور دل نہیں مل سکتا جب تک پیر نہ ہواور پیر نہیں مل سکتا جب تک ارادت نہ ہو"۔

اس فیصلہ میں بھی مرید کی طلب اور شیخ کی ضرورت کوضروری قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ذکر کی حلاوت اوراس کے انوار سے ہرگز دل نورانی نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی شیخ باقاعدہ ذکر کی تلقین نہ کرے تو شیخ کا ہونا نہایت ضروری ہوا جو دل کو قابل بنادے پھراس میں ذکر کا بیج بوئے۔

بائیسویں دلیل:۔

یـایها الذین اٰمنو ا لا تلهکم اموالکم و لا اولادکم عن ذکر الله ۔ (پارہ۲۷۔سورہ المنٰفقون:۹)

"اے ایماندارو!ایسا نہ ہو کہ مال اوراولادیں تمہیں اللہ کی یاد سے غافل کردیں"۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے سب سے زیادہ خطرناک رکاوٹیں جو ذاکر کو ذکرِ الٰہی میں پیش آتی ہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو حُبِ مال اور دوسری حُبِ اولاد۔ ہم جہاں تک دیکھتے ہیں لوگ اولاد اور مال کی دھن میں کچھ ایسے لگے ہوئے ہیں کہ ذکرِ خدا سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ اس خسارہ سے وہ شخص جو کسی پیر کی صحبت میں رہ چکا ہو خوب واقف ہوتا ہے۔ غفلت چونکہ ایک خوفناک مرض ہے اس واسطے اس سے بچنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی مُرشد کی تلاش کی جائے۔

تیئسویں دلیل:۔

انا عرضنا الا مانته علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقز منها وحملها الانسان: (پارہ۲۲۔سورہ الاحزاب:۷۲)

اگر مفسرین نے اس آیت میں لفظ امانت کی تفسیر میں بہت سی بحث کی ہے اور مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں لیکن سب سے زیادہ مناسب اس کی تفسیر یہی ہے کہ امانت سے معرفت الٰہی مراد ہے جو صوفیائے کرام کے سینے میں ودیعت ہوئی ہے۔

نخوتے دارند کبرے چوں شہاں خادمی خواہند از اہلِ جہاں!

وہ امانت یہاں سے حاصل کرنی چاہیئے۔

تا نباشی پیشِ شاں راکع دوتو کے سپارند آں امانت را بہ تو!!!

یہ علمِ نیا جاری نہیں ہوا بلکہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر اسی طرح چلا آیا ہے اور اس کے عالم بھی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہ عالم خدا کی رحمت کے نشان تا دَور قیامت زمین پر موجود رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں تو اس علم نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ دُنیا کے سب تعلقات چھوڑ کر اسی کی طرف ہو رہے۔ اور رہبان بن کر پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی عمریں گزار دیں۔ لیکن حضورِ انور حضرت سیّدنا محمد علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کو درجۂ اعتدال پر رکھ کر حکم دیا کہ خدا کی یاد میں بندگانِ خدا کے حقوق کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے۔ اللہ کو یاد کرو دل سے اور مخلوق کی خدمت کرو جسم سے۔ چنانچہ اب بھی صوفیائے کرام کا یہی دستور العمل ہے۔

ایں چنیں زیبا روش کم تر بود اندر جہاں　　از دروں شو آشنا و ز بروں بیگانہ وش!

اور جس قدر غوث، قطب، ولی، ابدال، اوتاد آج تک گزرے ہیں، وہ سب کسی نہ کسی کی غلامی کر کے اس مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچے ہیں۔ پس مرتبۂ قرب حاصل کرنے کے واسطے کسی پیر کے ساتھ بیعت کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر جہالت اور گمراہی ہے۔ ہدایت پانے کا یہی طریقہ مقرر ہے اور یہی قیامت تک رہے گا۔

گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت

چوبیسویں دلیل:۔

ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا فهولهٗ قرین ط (پارہ۲۵،سورہ الزخرف،آیت:۳۶)

''جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہو جائے اس کے ساتھ ہم ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے''۔

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے دل پر پنجہ مارا ہوا ہے۔ جب کوئی آدمی پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ پنجہ دل سے چھٹ جاتا ہے۔ بعد ازاں جب تک پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے یا مرید کا خیال پیر کی جانب رہے تب تک اس مرید کا دل اس شیطان کے دخل سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ انسان کے سارے جسم کی اصلاح صرف دل کی اصلاح پر موقوف ہے تو لازم ہے کہ کسی پیر کے ساتھ تعلق پیدا کر کے دل کو پنجہ شیطان سے نجات دی جاوے تا کہ دل کی اصلاح ہو جاوے۔

پچیسویں دلیل:۔

یایها الذین اٰمنو اتقو الله و کونو امع الصادقین ۔(پارہ۱۱،سورہ التوبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادق لوگوں کے ساتھ رہا کرو''۔

صادقین سے مراد صوفیاء کرام ہیں۔ ان کی صحبت میں رہ کر ہم خوفِ خدا اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ قرآن شریف کی اس آیت میں بھی انہی

لوگوں کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے۔

الصادقون هم المرشدون الی طریق الوصول فاذا کان السّالک فی جملة احبابهم ومن زمرة الخدا م فی عبتة بابهم فقد بلغ محبهم وتو بیتهم وقوة و لایتهم الیٰ مراتب فی السیرا الیٰ الله وترک ماسواه قال حضرة شیخ الاکبر قدس سره الاطهر ان لم تجر فعالک علی مراد غیرک لم یصح لک انتقال عن هوائک ولوجا هدت نفسک عمرک فاذا وجدت من یحصل فی نفسک حرمة فاخدمه وکن فیها بین یدیه یصرفک کیف یشاء لاتدبیر لک فی نفسک معه نقش سعیداً مبادراً لامتثال بایا مرک به وینهک عنه فان امرک بالحرفة فاحترف عن امره لاعن هواک وان امرک بالقعود فاتعد عن امره لاعن هواک هوا عرف بمصالحک منک فاسع یانبی فی طلب شیخ یرشدک ویعصم خواطرک حتیٰ تکمل ذاتک بالوجود الا لٰهی وحینئذ تدبرک نفسک بالوجود والکشفی الاعتصامیٰ کذافی مواقع النجوم ط

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش　　سُست ورزیدہ چو آب وگل مباش
چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو۔!　　ہمچو موسیٰؑ زیرِ حکم خضرؑ رو
شیخ را کہ پیشوا ورہبر است !　　گر مریدے امتحان کرد اُو خراست

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ پیرِ صادق وہ لوگ ہیں جو وصول الیٰ اللہ کے طریق کے راہ نما اور ہادی ہیں۔ اگر سالک راہ حق ان کے محبوں میں داخل ہوجائے اور ان کے آستانوں کا خادم بن جائے تو اس کو ان کی محبت حاصل ہوجائے گی۔ اور ان کی تربیت میں داخل سیر الیٰ اللہ اور ترک ماسوا کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔

حضرت شیخ الاکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو اپنے تمام امور کو کسی پاک

وجود کے امر کے تحت نہ کرے تو تُو ہوا و حرص کے جال سے کبھی رہائی نہیں پا سکتا۔ اگرچہ تو ساری عمر اپنے نفس کو مجاہدہ میں ڈالے رکھے۔ پس اگر تجھے کوئی ایسا وجود مل جائے جس کی تعظیم و تکریم تو اپنے نفس سے پاوے تو اس کی خدمت لازم پکڑ۔ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد ایسے کر دے جیسے کہ میّت غسّال (میّت نہلانے والے) کے بس میں ہوتی ہے۔ وہ جس طرح چاہے تجھ سے تصرّف کرے تو اپنی سب تدبیریں چھوڑ دے۔ تیرا اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا عین سعادت ہے۔ تجھے چاہئے کہ جو وہ امر کرے فوراً اس کی تعمیل کرے اور جس بات سے وہ منع کرے اس سے ہٹ جاوے۔ اگر تجھ کو کسب کے لئے حکم کرے تو اس کے حکم سے کسب کرے نہ اپنی خواہش نفسانی سے اور اگر تجھ کو کسب کے ترک کرنے کا حکم دے تو اس کے حکم سے ترک کر نہ کہ اپنی مرضی سے۔ کیونکہ وہ تیری بہتریوں کو تجھ سے بہتر جانتا ہے۔ پس اے فرزند! شیخ کی تلاش میں سعی کر جو تیری رہنمائی کرے اور تجھ کو خواطر نفسانی سے بچائے۔ یہاں تک کہ تیرا نفس پاک ہو جائے۔ انتہیٰ کلامہ۔

چھبیسویں دلیل:۔

ان الـذين يبالعونک انما يبا يعون الله يد الله فوق ايديهم۔ (پ ۲۶۔ سورہ الفتح: ۱۰)

''اے رسول ﷺ! جو لوگ تمہارے ساتھ بیعت کرتے ہیں وہ ہماری ہی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے''۔

سلسلہ میں بیعت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی طالب کسی پیر کے ساتھ بیعت کرتا ہے اور پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے تو اس کا ہاتھ سلسلہ میں مسلسل ہو کر جناب رسالتماب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مبارک ہاتھ میں پہنچتا ہے۔ جب کہ طالب رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ میں ہاتھ دے چکتا ہے تو اس آیت کے حکم سے اس کا ہاتھ خدا کے دستِ قدرت میں پہنچ گیا۔ یہ ادنیٰ فائدہ پیرِ سلسلہ کے ساتھ بیعت کرنے کا ہے۔

ستائیسویں دلیل:۔

تعبدو الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک ۔(حدیث)

''اپنے پروردگار کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر یہ مرتبہ تجھ کر حاصل نہیں تو یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھتا ہے''۔

یہ حدیث شریف صحیح مسلم اور بخاری میں موجود ہے ۔شریعت میں اس کوعِلم احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس علم احسان کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ کسی پیرومُرشد کے پاس حاضر ہو کر ان سے یہ علم حاصل کیا جائے ۔کیونکہ یہ علم بغیر پیرانِ عظام کی خدمت میں حاضر ہونے کے حاصل نہیں ہوسکتا۔اس لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

اٹھائیسویں دلیل:۔

حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

حفظت من رسول الله صلی الله علیه وسلم وعائین فامّا احد هما فبثثت فیکم و امّا الاخر لو بثثت فیکم لقطع هذا لباحوم منی یعنی مجری الطعام (رواه البخاری)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوعلم لئے۔ ان میں سے ایک تو تمہارے درمیان ظاہر کرتا ہوں اور اگر دوسرا ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ لیا جائے''

اس حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک علم باطنی ہے،دوسرا علم ظاہری۔ علم ظاہری تو عالمانِ ظاہری سے حاصل کر سکتے ہیں ۔لیکن علمِ باطنی عالمان باطنی کی خدمت میں حاضر ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔اس لئے ضروری ہوا کہ کسی پیر طریقت کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ علم بھی حاصل کیا جائے۔اگرچہ اس قحط الرّجال کے زمانہ میں بندگانِ خدا کا ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے مگر طلب اور جستجو ضروری ہے۔ جو شخص طالبِ راہِ خدا ہوگا،خداوند کریم اس کو خود رہبر ملادے گا۔فقیر کے دل میں ایک دن خیال آیا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ صدہا بندگانِ خدا یعنی اولیاء اللہ زمانہ میں موجود تھے۔ جہاں طالبانِ علم باطن چاہتے تھے حاضر ہو کر مستفید ہو سکتے تھے۔اور اپنی مشکلات کے واسطے

دعائیں کرا سکتے تھے۔ اور اپنی کسی مصیبت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دل کی تسلی و اطمینان کر سکتے تھے۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ لاہور اور امرتسر جیسے بڑے بڑے شہروں میں جن میں قریباً تین لاکھ کی آبادی ہے۔ ایک بھی ایسا متبرک وجود بظاہر معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ایک دن وہ بھی آ جائے گا کہ مختلف مقامات میں جو بعض متبرک وجود عالمان علم باطن موجود ہیں ان کا بھی ملنا مشکل ہو جائے گا۔ طالبانِ راہِ خدا کو لازم ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم باطن حاصل کریں اور حوادثاتِ زمانہ سے محفوظ رہیں۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

انتیسویں دلیل:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:۔

علم دو ہیں۔ ایک وہ علم ہے جو زبان کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور ایک وہ جو دل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ دوسرا یعنی دل کا علم زیادہ نافع اور ضروری ہے۔ پس زبان کا علم تو عالمانِ ظاہر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر علم قلب سوائے عالمانِ باطن یعنی صوفیائے کرام کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

علم خوانی ہم طریقش قولی است !! حرف آموزی طریقش فعلی است !!
فقر خواہی او بصحبت قائم است نے زبانت کارے آید نہ دست

مختصر یہ کہ علم قلبی یعنی علم باطن صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام فقر یعنی علمِ باطن ہے جس کے واسطے پیر و مُرشد کی ضرورت ہے۔

اب میں اس مضمون کو دعا پر ختم کرتا ہوں۔ خداوند کریم اس کو قبول فرمائے اور اس مختصر تحریر کو طالبانِ خدا کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ بحرمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ الامجاد

؎ اندکے پیشِ تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مُرید صادق﴾

اگرچہ لفظ مرید ایک ایسا عام فہم لفظ ہے جو روزانہ بول چال میں بے تکلف استعمال میں آتا رہتا ہے۔ لیکن لغت میں مرید کے معنی ارادہ کنندہ کے ہیں۔ بلاتمیز اس بات کے کہ ارادہ کنندہ کا نیک ارادہ ہو یا نہ ہو اور اصطلاح صوفیائے کرام میں تو اس لفظ کے اس قدر وسیع معنے لئے گئے ہیں جن کے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ حضرات صوفیا کے نزدیک مرید اس شخص کو کہتے ہیں جو سچی ارادت لے کر وصول الی اللہ کی غرض سے کسی شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو اس کے ہاتھ پر بیچ ڈالے۔ یعنی اپنی کل خواہشیں اور ارادے شیخ کی خواہشوں اور ارادوں میں فنا کر دے اور تاوقتیکہ اپنے مقصدِ حقیقی یعنی ذات باری عزاسمہ' کو نہ پالے چین سے نہ بیٹھے۔ صوفی دُنیا کا ایک مقولہ مشہور ہے۔ المرید لا یرید الا اللہ۔ یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوائے کسی دوسری شے کی خواہش نہ ہو۔ مرید کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ مریدِ اسمی اور مرید حقیقی۔ مریدِ اسمی وہ ہے جس کو پیر تلقین کرے کہ مذہب اہلِ سنت والجماعت پر قائم رہو۔ دیکھی اور سنی ہوئی ناجائز باتیں چھوڑ دو۔ اور مرید حقیقی وہ ہوتا ہے جس کو پیر تلقینِ توبہ و ارادت کے وقت حکم دے کہ تم ہماری صحبت میں رہو اور ہم تمہاری صحبت میں رہیں گے۔ مرید حقیقی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ مرید اور مراد۔ مرید وہ ہوتا ہے جو مجاہدے اور ریاضت وعبادت سے پیر کو خوش کرنے کی کوشش کرے اور ہر وقت پیر کی رضا جوئی میں مصروف رہے۔ مراد وہ ہوتا ہے جس کی رضا پیر تلاش کرے اور اس کی لغزش پر بلا مواخذہ اسے مطلع کر دیا جائے۔ اس کی تھوڑی عبادت کو زیادہ قبولیت دی جاوے۔ غرض مرید محبّ ہوتا ہے اور مراد محبوب۔ مرید عاشق ہوتا ہے اور مراد معشوق۔ مرید طالب ہوتا ہے اور مراد مطلوب۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری غرض کے لئے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہ فی الحقیقت مرید نہیں ہوتے۔ البتہ بار بار حاضر ہونے

سے شیخ کی روحانیت کا فیض ان پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے۔اور رفتہ رفتہ اس سلسلہ وار تاثیر سے اِس مرید کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔اور آخر کار شیخ کی برکت سے وہ شخص بھی حقیقی مرید کہلانے کا حق دار ہو جاتا ہے۔لیکن اس بوجھ کے اٹھانے والا یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرنے والا آدمی دھن کا پکا ہونا چاہیئے۔محبوب سبحانی غوث صمدانی امام ربانی قطب الاقطاب مرجع شیخ وشباب، عالیجناب حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ ارشاد فرماتے ہیں "دریں راہ اند کے جنوں ہم در کار است" یعنی اس راستہ میں قدم رکھنے والے کے لئے قدرے جنون کی بھی ضرورت ہے"۔جس سے مراد یہ ہے کہ رستے کا کوئی حادثہ یا ملامت کرنے والے کی طعن و تشنیع یا جان و آبرو کا خوف غرض کوئی بڑی سے بڑی روک بھی اس کو اِس رستہ سے نہ روک سکے۔امامُ العاشقین حضرت سرمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کو ایک عجیب وغریب رباعی میں یوں منظوم فرماتے ہیں۔

در مذبح عشق جز نکورا نکشند !! لاغر صفتاں وحیلہ جورا نکشند
گر طالب صادقی زکشتن مگریز! مردار بود کسیکہ اورا نکشند

یہی مضمون ایک دوسری رباعی میں حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

سرمدؔ غمِ عشق بوالہوس راند ہند سوز پر پروانہ مگس راند ہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار سرمدؔ ایں دولت ہمہ کس راند ہند

مختصر مطلب ان رباعیوں کا یہ ہے کہ عشق کے مذبح میں ذبح ہونے کے لائق ہمت اور استقلال والے قرار پاتے ہیں۔پست ہمتوں اور بھگوڑوں کو وہاں بار نہیں ملتا۔

غرض یہ وہ کڑی منزل ہے۔جس میں راہرو کو دل نہ چھوڑ دینا چاہیئے۔اور اس بحر نا پیدا کنار میں کمر ہمت مضبوط باندھ کر کود پڑنا چاہیئے۔بلبل شیراز "بوستان" میں یوں نغمہ طراز ہے۔

طلب گار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

کہ زر ہا بخاکِ سیاہ در کنند کہ باشد کہ روزے مسے زر کنند

یعنی مرید صادق اور طالب مولا کو کم از کم مہوّس کا سا استقلال تو رکھنا چاہیئے جو ایک موہوم امید پر اپنا سارا مال و دولت جلا کر خاک کر دیتا ہے اور بار بار کی ناکامی اس کے حوصلے پست نہیں کر سکتی اور جس شے کو اپنا مقصود ٹھہرا رکھا ہے اس سے کبھی منہ نہیں پھیرتا۔ اسی طرح امرت سر (حال بھارت) میں ایک درویش نے فقیر کے پاس آ کر اپنی ایک باطنی مشکل بیان کی اور اس مشکل کے حل ہونے کے واسطے فقیر سے دعا کا خواہاں ہوا۔ مرید وہ درویش کسی دوسرے بزرگ کا تھا۔ فقیر نے اسے ایک وظیفہ بتلا کر رخصت کر دیا۔ دوسرے ہی دن علی الصبح وہ درویش نہایت خوش و خرم فقیر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ الحمدللہ آپ کی دُعا سے خدا تعالیٰ نے آج رات میری وہ مشکل حل کر دی۔ میں آپ کا بڑا مشکور ہوں۔ بڑا ممنون ہوں لیکن کیا کروں خدا تعالیٰ نے مجھے ایک ہی سر دیا تھا جس کو میں ایک جگہ بیچ چکا ہوں۔ دوسرا ہوتا تو میں ضرور آپ کی نذر کرتا۔ اس درویش کے اس فقرے پر فقیر عش عش کر اُٹھا۔ باوجودیکہ اس کیساتھ فقیر نے سلوک بھی کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مشکل بھی حل کر دی لیکن جس دروازے کو وہ اپنی توجہ کا مرکز ٹھہرا چکا تھا۔ اس کی طرف سے خیال یا توجہ کو سرمو لغزش نہ ہوئی۔

سایہ حق برزمین فرزند حضرت سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سراج الہدیٰ خواجہ ارجمند شہنشاہ مشکل کشا نقشبند بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حالات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن سرِ شام میرے دل میں اپنے پیر و مرشد خواجہ عالیجاہ آیت من آیت اللہ محبوب حضرت ایزد متعال سیّد السادات حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی قدم بوسی کا شوق غالب ہوا۔ بے تاب ہو کر گھر سے نکلا اور درِ دولت کی طرف بے اختیار روانہ ہوا۔ رستے میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسّلام ملے اور مجھے ایک محبت آمیز لہجہ میں پکارا کہ بہاؤالدین کہاں جاتے ہو۔ ذرا ٹھہر جاؤ! مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میں نے توجہ نہ کی اور اپنی رفتار کو بدستور جاری رکھا۔ انہوں نے کئی دفعہ پکارا۔ مگر میں نہ ٹھہرا۔ اپنے پیر و مُرشد حضرت خواجہ میر کلال قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر

فرمایا۔ بہاؤالدین! آج تمہیں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسّلام ملے مگر تو نے توجہ نہ کی۔ میں نے نہایت مؤدبانہ طریق سے عرض کی کہ یا حضرت! جو حضور کے رُخ پر نور کو دیکھ چکا ہو اس کو خضر علیہ السّلام سے کیا کام۔ سبحان اللہ! یہ ہے مرید اور یہ ہے ارادت۔

ہمہ شہر پُر زخوباں منم وخیالِ ماہے
چہ کنم، چشمِ بد خونکند بہ کس نگاہے

فخرِ زمان حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جس کو اگر ہزار ذلت اور ہزار رسوائی کے ساتھ شیخ اپنی مجلس سے نکال بھی دے تو بھی اس کے دل میں شیخ کی عظمت ومحبت ذرّہ بھر کم نہ ہو۔ بلکہ نقصان کی بجائے اس محبت میں اور ترقی ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے حضور بیٹھا ہوا تھا۔ مجلس خوب گرم تھی کہ شیخ نے مجھے نہایت بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں نے تعمیلِ ارشاد کی اور مریدانہ آداب کے ساتھ مجلس سے اُٹھ کر چلا آیا۔ لیکن اس کے بعد میں نے عہد کرلیا جب تک زندہ رہوں گا شیخ کے دروازے پر پڑا رہوں گا اور شیخ کے حکم کے بغیر وہاں سے کبھی غیر حاضر نہ ہوں گا۔ ایک مدت تک میرا یہی حال رہا کہ آستانِ شیخ پر رات دن حاضر رہتا تھا۔ آخر اس طبیب قلبی نے جب میری یہ استقامت دیکھی تو مجھے اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ اپنا مقرب خاص بنایا اور وہ عنائیتں کیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔

سراج السالکین حضرت خواجہ محمد صالح بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو شاہ خواجگان بلا گردان ہادئ گمراہان عالیجناب حضرت خواجہ بہاؤ الحق والدین المعروف بشاہ نقشبندؒ کے مرید با اخلاص اور خلیفہ خاص ہیں۔ اپنی کتاب ''انیس الطالبین'' میں جو انہوں نے اپنے شیخ کے حالات میں لکھی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ میرے پیرومُرشد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے احوال میں ایک دن مجھے اپنے شیخ ومولا سیّدنا حضرت امیر کلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر سے نکلا۔ آفتاب مجھے رستے میں ہی غروب ہوگیا۔ اور برف بھی پڑنی شروع ہوگئی۔ دربار شریف پہنچ کر میں نے آستان بوسی کی اور حجرۂ خاص میں قدمبوسی کے واسطے حاضر ہوا۔

مجھے کیا خبر تھی کہ مزاج شریف کا اس وقت کیا حال ہے۔ پوچھا کون ہو۔ میں نے عرض کی بہاؤالدین۔ شانِ بے نیازی، مجھے تو کچھ ارشاد نہ ہوا۔ خادمِ خاص کو بلا کر حکم دیا کہ اس کو اسی وقت میری خانقاہ سے باہر نکال دو۔ اس نے فقیر کے مکان کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ خادم نے فوراً تعمیل ارشاد کی اور مجھے جھٹ خانقاہ سے پکڑ کر نکال باہر کیا۔ میں نے اپنے نفس کے ساتھ صلاح کی کہ یہاں سے تو تم نکلوا دیئے گئے ہو۔ اب جہاں کہیں چلنا ہو چلو۔ میرے نفس نے چاروں طرف نگاہ کی تو خدائے تعالیٰ کی اس وسیع زمین میں کوئی ٹھکانہ نظر نہ آیا۔ آخر یہی صلاح ٹھہری کہ کہاں کا جانا اور کہاں کا آنا۔ اس آستانہ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ ٹھان کر میں نے باہر کی دہلیز پر سر رکھ دیا اور رات بھر وہیں پڑا رہا۔ برف بھی رات بھر نہ تھمی۔ صبح تک مجھ پر برف کا ایک خاصا ڈھیر لگ گیا اور میں سردی سے بے ہوش ہو گیا۔ پچھلی رات جو حضرت اتفاقاً باہر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے قدم مبارک دہلیز پر رکھا تو خدا کی شان، آپ کا قدم مبارک میرے ہی سر پر آ گیا۔ حضرت نے درویش کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ چراغ لا کر دیکھو کہ دہلیز پر کیا ہے۔ خادم چراغ لایا تو حضرت کی حق شناس نگاہیں میرے بیہوش چہرے پر پڑیں۔ اپنے دستِ خاص سے میرے سر کو اُٹھایا اور خادموں کی مدد سے مجھے اپنے حجرۂ خاص میں لا کر لٹا دیا اور میرے جسم کو گرم کرنا شروع کیا۔ مجھے ہوش آئی تو میں حضرت کو اپنے پاس کھڑے دیکھ کر سخت نادم ہوا اور قدموں پر گر کر معافی کا خواستگار ہوا اور عرض کیا۔

جز آستانِ تو ام در جہاں پناہے نیست
سرمرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

حضرت امیر نے جو جو عنائتیں اور شفقتیں اس وقت مجھ پر مبذول فرمائیں وہ احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہیں۔ حضرت خواجہ محمد صالحؒ جو اس روایت کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ اپنا یہ واقعہ مجلسِ خدّام میں بیان فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ میں بھی جب صبح اُٹھتا ہوں تو پاؤں کے ساتھ اپنی باہر کی دہلیز کو ٹٹولتا ہوں کہ دیکھوں اس دہلیز پر بھی کسی ارادت مند کا سر تو نہیں۔ افسوس آج تک میری دہلیز پر کسی ارادت مند کا سر

نہ پہنچا۔

حضرت ابوالعباس ابن مشروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ مرید صادق وہ ہے جس کو دُنیا و مافیہا میں سے شیخ سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ ہو۔ یعنی تمام اشیاء سے بڑھ کر شیخ اس کو محبوب ہو۔ کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری ذات اس کے نزدیک اس کے مال، اس کی جان یہاں تک کہ دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اور یہ حدیث شریف سلسلہ بہ سلسلہ وراثت شیوخ کے بارے میں بھی ہے۔ لہذا وہ حکم سابق یعنی مرید صادق کے نزدیک شیخ کا تمام دُنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تر ہونا ثابت ہوگیا۔

حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اپنے شیخ کے ساتھ کسی قسم کا اختلاف نہ کرے اور شیخ اگر کسی امر کو ظاہر نہ فرمائے تو مرید اس کے دریافت کرنے پر اصرار نہ کرے بلکہ مجلس شیوخ و علمائے طریقت میں مرید کو اس طرح ادب کے ساتھ خاموش بیٹھنا چاہیئے کہ دیکھنے والا خیال کرے کہ یہ شخص اہلِ مجلس کی گفتگو سے بالکل ناواقف ہے۔ اور یہ طریقہ یعنی مجالسِ شیوخ میں باادب خاموش بیٹھے رہنا مرید کو اس وقت تک قائم رکھنا واجب ہے جب تک کہ وہ کاملین کے درجے تک نہ پہنچ جائے اور اپنے شیخ کی طرف سے اس کو مجالس شیوخ میں گفتگو کرنے کی اجازت نہ مل جائے۔ سچ ہے۔ کسی مرید صادق نے کیا خوب کہا ہے۔

چو درسِ عشق میخوانی کتاب نطق را طے کن کہ اَرباب محبت راز باندانی زیاں دارد!!

یہی حضرت یعنی جناب داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مُرید صادق وہ ہے جو اپنے مولا حقیقی کے خوف و حیا کی وجہ سے ایک قدم بھی خواہشِ نفسانی کے پیچھے نہ چلے۔

سلطان العارفین برہان الکاملین امام العاشقین سیّدنا حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید صادق وہ ہے جس سے عورت کی شہوت بالکل منقطع ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ مرید عورت اور دیوار میں بھی تمیز نہ کرسکے اور اس بات کی اسے

مطلق پرواہ نہ ہو کہ اس کا استقبال کسی دیوار نے کیا، یا عورت نے۔ یہی جناب ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ آداب شریعت میں سے کسی مستحب کو بھی حتیٰ الامکان عمداً ترک نہ کرے۔ ہاں سہواً ادائے مستحب میں قصور ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

حضرت یونس ابن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ نوجوان لڑکوں کی محبت، منہیات کی مباشرت اور عورتوں کے ساتھ دوامی موافقت یہ سب مرید کی بربادی کے اسباب ہیں۔ فرمایا جو مرید عزیمت چھوڑ کر رخصت کے درپے ہوتا ہے وہ دعویٰ ارادت میں کاذب ہیں۔

حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ مرید کاذب کی یہ علامت ہے کہ سماع کو حد سے زیادہ دوست رکھے اور سماع سُننے کے وقت وہ اس درخت کی مانند ہو جاوے جس کا سارا پھل پک چکا ہوا اور ایک ہی بار حرکت دینے سے وہ سارے کا سارا پھل گر پڑے۔

حضرت حمدون قصار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب وہ اپنے شیخ کے حضور میں جائے تو شیخ کا رعب وہیبت اس پر ایسا غالب ہو کہ گویا وہ ایک جابر بادشاہ کے سامنے جاتا ہے اور جب تک حضور میں حاضر رہے ہر دم لرزاں وترساں رہے۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اِدھر اُدھر کی بیہودہ قیل وقال اور محبت دنیا کو ترک کر دے۔

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو حالت سماع و وجد میں طریق سُنت کو نہ چھوڑے اور جس نے حالتِ سماع میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے وہ منافق ریاکار اور کاذب ہے۔

حضرت ابن صانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو اپنے مولا حقیقی کے سوائے کسی شخص کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ اگرچہ اسے بار بار خطاب بھی کیوں نہ

کیا جاوے۔

حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ جو مرید لہو ولعب سننے کی رخصت طلب کرے وہ کاذب ہے۔

حضرت سقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب کبھی بازار کی طرف نکلے تو اپنی آنکھوں کو بند رکھے یا اپنے چہرے پر چادر ڈال لے اور چلتے وقت اپنے قدموں کے سوائے دوسری طرف نظر نہ ڈالے۔

حضرت ابنِ خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ مرید صادق وہ ہے جس کا نفس رخصتوں اور تاویلات رکیکہ کا پابند نہ ہو۔ بلکہ سنُت اور عزیمت پر کاربند رہے۔

حضرت نصر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ جو مرید ہر وقت عورتوں کے ساتھ مجالست اور صحبت رکھے وہ کاذب ہے اس لئے کہ جب تک شیوخ کاملین کا وجود باقی ہے تب تک امر و نہی حلت و حرمت کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ اور حلال کو اپنی جگہ اور حرام کو اپنی جگہ قائم رکھنے کا ہر ایک کو حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ مرید صادق کی یہ بھی علامت ہے کہ جب کبھی اس کو اور اس کے شیخ کو کسی دعوت میں مدعو کیا جاوے تو مرید شیخ سے پہلے وہاں پہنچ کر بوجہ بے صبری کے کھانا نہ کھاوے۔ کیونکہ شیخ سے پہلے وہاں پہنچ کر کھانا کھانا بھی خلافِ آدابِ شیخ ہے۔

حضرت ابوعلی وقائق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مرید داخل طریق ہونے سے پہلے جن لوگوں کے ساتھ صحبت رکھتا تھا۔ بعد داخل ہونے کے بھی انہی پہلے دوستوں کے پاس جا کر بیٹھے اور ویسے ہی صحبت رکھے جیسے کہ داخل ہونے سے پہلے رکھتا تھا تو وہ مرید ارادت میں کاذب ہے۔

فرمایا۔ جس مرید کو مجاہدے کی عادت نہیں اس کو طریقت سے مس نہیں۔

فرمایا۔ دونوں جہان کی سعادت حاصل کرنے کے واسطے دوام ذکر سے بڑھ کر کوئی رہنما نہیں۔ پس جس شخص کو دوام ذکر کی توفیق دی گئی ہے اسے میدان ولایت کا

علمبردار بنایا گیا۔

فرمایا۔ یادِ خدا ایک ایسی تلوار ہے جس سے مرید اپنے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور جو بلائیں اس پر حملہ کرتی ہیں ان کو دور کرتی ہے۔

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے جو مرید اس امر کی تمنا کرے کہ اُس پر حضراتِ اولیاء اللہ کے احوال میں سے کوئی حال بغیر مجاہدہ کے منکشف ہو جاوے تو وہ غلطی پر ہے۔

سراج العاشقین سلطان العارفین سیّدنا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے مرید صادق وہ ہے جو حرص نفسانی کو چھوڑ کر تمام مخلوق کو مردہ خیال کرے اور ان پر جنازے کی چار تکبیریں پڑھ دے تاکہ اس کا دل مقصودِ حقیقی کے سوائے کسی دوسری شے کی طرف مائل نہ ہو۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے نوجوانو! عبادات میں خوب کوشش کرو قبل اس کے کہ تم میری طرح بوڑھے ہو جاؤ اور تمہارا نفس مجاہدہ سے جی چرانے لگے۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے اوّل درجہ کے مرید ہیں فرماتے ہیں کہ ہم حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدے، عبادت و ریاضت کو اِس وقت بھی نہیں پہنچے۔ یعنی بڑھاپے کی حالت میں بھی وہ اس قدر عبادت کرتے ہیں کہ ہم باوجود جوان ہونے کے بھی اس قدر عبادت نہیں کر سکتے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مرید صادق کو یہ تین باتیں اپنے اوپر لازم کر لینی چاہیں۔ اول، سخت بھوک کے وقت کھانا کھائے۔ دوم، غلبہ خواب کے وقت سوئے۔ سوم، بغیر ضرورت کے بات نہ کرے۔

حضرت ابن المجید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مرید اپنے نفس کی بڑائی کرے اور دوسروں پر اس کو ترجیح دے۔ وہ شیطان ہے اور دعویٰ ارادت میں کاذب ہے۔

سیّد الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مرید عام لوگوں کی عادتوں

کی طرف میلان ظاہر کرے اور خواہشاتِ نفسانیہ کی طرف جھک پڑے وہ جھوٹا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مرید صادق کی یہ علامت فرماتے ہیں کہ اس کا ایک سانس بھی رات اور دن میں یادِ خدا کے بغیر نہ گزرے اور فرماتے ہیں۔ مرید صادق ہر حالت میں یادِ خدا میں مشغول رہتا ہے۔ اگر چہ وہ اپنے دل میں اس ذکر کی حلاوت محسوس نہ کرے۔

حضرت ابن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ مرید صادق کی یہ نشانی بتاتے ہیں کہ اگر اس کا شیخ اس کو گرم تنور میں داخل ہونے کا حکم دے تو وہ بغیر چون وچرا اس میں داخل ہو جائے اور داخل ہو کر ہائے مَیں جل گیا تک زبان سے نہ نکالے۔ اگر یہ کلمہ اس کی زبان سے نکل گیا تو وہ کاذب ہے۔

حضرت ابوبکر وقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق وہ ہے جو تیس سال تک اپنے بائیں ہاتھ کے فرشتے کو تکلیف نہ دے۔ یعنی اس کے بائیں ہاتھ کا فرشتہ برابر تیس سال تک اس کے گناہ بھی نہ لکھے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ مرید کاذب کی یہ علامت فرماتے ہیں کہ وہ مرید اپنے رات کے جاگنے کو شیخ کی نیند سے افضل سمجھے اور مرید صادق کی یہ علامت بتلاتے ہیں کہ شیخ کی ریاکاری کو اپنے اخلاص سے بہتر تصوّر کرے۔

حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ارادت میں صادق ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے پھر تین دن کھانے کے بغیر صبر نہیں کر سکتا تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

حضرت ابراہیم ابنِ شیبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید رخصتوں کو لازم پکڑے گا برباد ہو جائے گا۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید صادق کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اس کا شیخ اس کے قلب کا جاسوس ہے۔ اس کے دل میں داخل ہو کر اس کے تمام حالات سے واقف ہو جاتا ہے اور اس طرح دل سے ہو کر نکل جاتا ہے کہ خیال میں نہیں آتا۔

حضرت ابو علی وقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مرید صادق کی یہ علامت ہے کہ جب بیٹھے تکیہ لگا کر نہ بیٹھے اور فرماتے ہیں کہ فقراء بادشاہ ہیں۔ جو مرید ان کی صحبت بغیر اخلاص اور صدق کے کرتا ہے اس کو قتل کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ مرید صادق پر لازم ہے کہ اس بات کو ہر وقت مدنظر رکھے کہ اس کی بے ادبی کی وجہ سے اس کو شیخ کے دل میں اس کی طرف سے کسی قسم کی ناراضگی پیدا نہ ہو جائے کیونکہ مرید پر ضروری ہے کہ اس کا کوئی فعل بغیر رضاء شیخ کے وجود میں نہ آئے۔ ورنہ سخت اندیشہ ہے۔

حضرت ابو علی وقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے شیخ پر اعتراض کرے وہ شخص دعویٰ ارادت میں کاذب ہے۔ اگرچہ وہ اعتراض مرید کے دل سے زبان تک نہ بھی پہنچے اور جملہ مشائخ کرام کا اس بات پر اجتماع ہے کہ مُرشد اور اُستاد کے عاق کی توبہ قبول نہیں۔ پس جو شخص ان کے ساتھ بیعت کر کے ان پر اعتراض کرتا ہے وہ بیعت سے خارج ہو جاتا ہے اور طریقہ سے نکل جاتا ہے اور سلسلۂ مشائخ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

حضرت ابو عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید شیخ کے حکم پر کیوں کہے وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا اور فرماتے ہیں جو مرید ارادت میں صادق ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے شیخ کے پاس بہت سا مال ہو جس کو وہ مساکین میں بانٹ دے اور اس مرید کو باوجود محتاج اور فاقہ کش ہونے کے کچھ نہ دے تو مرید اگر مال نہ ملنے کی حالت سے زیادہ خوش ہو تو صادق ہے ورنہ کاذب اور خیانت کنندہ۔ کیونکہ اُس نے اِس امر پر بیعت کی تھی کہ شیخ کے ہر فعل پر خوش اور اُسکے ہر حکم کے ماتحت رہے گا۔ اب جب مال نہ ملنے کی حالت میں یہ خوش نہیں ہوا تو اس نے عہدِ صحبت توڑ ڈالا۔ اس لئے کہ اس کا شیخ اس کو مال نہ دینے پر خوش تھا تو اس مرید کو دوبارہ توبہ کرنا لازم ہے۔ اس کے شیخ کو اختیار ہے اس کی توبہ قبول کرے نہ کرے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس مرید کو اس کا شیخ نماز، روزہ، قرأت قرآن، درس و تدریس یا کوئی حرف سیکھنے کا حکم دے یا بعض

باتوں میں منع کرے اور وہ مریدان حکموں میں سے کسی حکم کے بجالانے یا ممنوعات میں کسی امر سے باز رہنے میں کدورت ظاہر کرے تو وہ مرید خداوند ذوالجلال اور حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ کا نافرمانبردار ہے۔

حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے کسی روزے دار مرید کو فرمایا کہ آج ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھالو اور روزہ افطا کرلو۔ تمہیں ایک دن کے روزے کا پورا اجر مل جاوے گا۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہفتہ بھر کے روزوں کا ثواب مل جاوے گا۔ اس نے یہ بھی قبول نہ کیا۔ آپ نے سال بھر کے روزوں کے ثواب کا وعدہ کیا وہ پھر بھی نہ مانا۔ آخر آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رعائت اور عنایت سے دور جاپڑا ہے۔ چنانچہ اس مرید نے وہاں سے نکلتے ہی چوری کی اور اس کا ہاتھ اس جرم میں کاٹ دیا گیا۔

حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جو مرید اپنے شیخ کے دعوے کی تصدیق نہ کرے بلکہ اس کو حقیر اور ذلیل خیال کرے تو وہ مرید شیخ کی تمام برکتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔

فقیر راقم الحروف کے نزدیک مرید صادق کی یہ تعریف ہے کہ پیر کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم رکھے۔ پیر کے فرمان کو فرض کے برابر سمجھ کر اس کے بجالانے میں سرِ موفرق نہ کرے۔ اپنی جان و مال اور اولاد سے اس کے فرمان کو عزیز سمجھے۔ مستحب کو فرض سمجھ کر اس کے ادا کرنے میں کوشش کرے۔ اس کے روبرو اگر اسکے شیخ کی اہانت کی جاوے تو اس کو قدر رنج پہنچے کہ اپنی جان تک دینے میں بھی دریغ نہ کرے اور اپنے پیر و مُرشد کو ساری دُنیا کے مشائخ سے افضل سمجھے۔

بعض اشخاص جو مرید نہیں ہوتے بلکہ مرید کے لفظ کو بدنام کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کو یہ بُری عادت ہوتی ہے کہ آج ایک شیخ کی صحبت میں ہیں تو کل دوسرے شیخ کی مجلس میں اور پرسوں تیسرے شیخ کے حضور میں۔ ایسے لوگ طریقت میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کو کسی خاص وجود سے ارادت حاصل نہیں ہوتی اور یہی وہ لوگ ہیں

جن کو حضرات مشائخ کی اصطلاح میں بھونڈ و چیلا کہا گیا ہے۔ ان کا یہ ہرجائی پن ان کی استعدادوں کو برباد کر دیتا ہے اور وہ اس انڈے کی طرح ہو جاتے ہیں جو دو دن تو ایک مرغی کے نیچے رہے اور دو دن دوسری مرغی کے نیچے اور دو دن تیسری مرغی کے نیچے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس بار بار کے ہیر پھیر میں اس انڈے میں بچہ پیدا ہونے کی حالت باقی نہیں رہتی اور اس گردش میں خواہ ہزار برس تک بھی چکر کھاتا پھرے، اس میں کبھی بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس تحریر سے فقیر کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ مرید کو حضرات مشائخ کے حضور میں حاضر ہونا منع ہے۔ جبکہ فقیر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ایک جگہ ارادت صحیح نہ ہو جائے، حضرات مشائخ کرام کی صحبت سے مزید فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا غلام نبی صاحب للہیؒ نے فرمایا کہ مرید نارسیدہ مثلِ طفل شیر خوار ہے کہ جب قبل از ختم ایام رضاعت اپنی والدہ سے علیحدہ ہو جائے تو اس کے نشو و نما میں فرق آ جائے گا۔ اسی طرح اگر مرید قبل از وقت پیر سے علیحدہ ہوگا، ناقص و ابتر رہ جائے گا۔

مرید کو اپنے شیخ کے سوائے کسی دوسرے شیخ کے حلقے میں داخل ہونا یا اس کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرنا جائز نہیں۔ ہاں البتہ اس صورت میں بجبوری جائز ہے کہ پہلا شیخ دُنیا سے رحلت کر گیا ہو۔ یا مرید اس پیر سے اتنے فاصلے پر جا پڑا ہو کہ شیخ کی زیارت کی کوئی امید باقی نہ رہ جائے اور مرید بھی نو آموز ہو۔ ورنہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اپنے پیر کے ہی کسی خلیفہ یا اس کے پیر بھائی کے ساتھ تجدید بیعت کر لینا چاہئے اور بصورت مجبوری کسی دوسرے سلسلہ کے شیخ کے ساتھ بھی جائز ہے۔

حضرت خواجہ محمد موسیٰ دہبندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کنز الفوائد میں شرائطِ مرید حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

شرط اول یہ ہے کہ مرید کسی چیز کو شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے اور جو کچھ اس کے دل پر گذرے خواہ وہ از قسم خیر ہو یا از قسم شر، تمام شیخ کی خدمت میں عرض کر دے تا کہ شیخ اس مرید کے احوالِ باطنی سے آگاہ ہو کر اس کی حقیقتِ استعداد پر واقفیت حاصل کرے اور

اسکے امراض متعدی کا معالجہ اس کے مزاج کے موافق کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی کسی بات پر اعتراض نہ کرے۔ ہر چند پیر کی وہ بات بظاہر اس مرید کی سمجھ میں نہ آوے۔ اگر نفس کسی طرح بھی اس بات پر اصرار کرنے سے باز نہ آئے تو مرید کو چاہئے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ یاد کرے اور یقین رکھے کہ اس طریق درویشی میں مرید کے لئے کوئی چیز پیر پر اعتراض کرنے سے زیادہ نقصان رساں نہیں۔ اور حضرات مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرید کی ہر بیماری کا علاج کیا جاسکتا ہے مگر اعتراض وہ بد بلا مرض ہے جس کو کوئی علاج نہیں۔ اس لئے ہر ایک بیماری میں مرید معذور ہوتا ہے اور اس کا عذر مقبول ہوتا ہے۔ لیکن اعتراض کی حالت میں وہ معذور نہیں ٹھہرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو حجاب اعتراض سے پیدا ہوتے ہیں وہ کسی شے سے دور نہیں ہو سکتے۔ غرض اعتراض نہایت ہی نامبارک شے ہے جو مرید کے مجازی فیض سے سدھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور فیض سے مرید کو محروم کر دیتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ طلب میں ثابت قدم رہے اور کسی طرح قلب سے ہمت نہ ہارے، خواہ سارا جہان ننگی تلوار اس کے سر پر کھینچ کر بھی اس کو اس کام سے روکے۔

عاشقِ ثابت قدم آں کس بود کز کوئے دوست
رُو نہ گرداند اگر شمشیر بارد بر سَرَش!

یعنی پختہ کار عاشق وہ شخص ہوتا ہے جس کے سر پر تلواروں کا مینہ بھی برس جاوے تو بھی دوست کے کوچے سے منہ نہ پھیرے۔ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ یہاں تک ارادت صحیح کرے کہ اس کو ہر شے ہر شخص یہاں تک کہ اپنی جان سے بھی عزیز سمجھے۔ جیسا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کامل ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے اور اس کے مال سے اور اس کے فرزند سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مرید پیر کے ہر فعل کی اقتداء نہ کرے، جب تک کہ شیخ اسے اس فعل کا حکم نہ دے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ شیخ بعض فعل اپنے مقام خاص کے مناسب

حال کرتا ہو اور مرید بھی اندھا دھند وہ کام کر بیٹھے کہ اس کے مقام اور مشرب کے لحاظ سے زہر قاتل ہو جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک وخوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

فی الحقیقت اس شعر میں اس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دفعہ زہر ہلاہل کی دو شیشیاں پی لینے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تفصیل اس قصّہ کی اس طرح ہے کہ شام کے ایک بادشاہ نے زہر کی دو شیشیاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی کہ اس زہر میں اس قدر سَمیّت ہے کہ اس کا ایک قطرہ ہی دشمن کے ہلاک کے لئے کافی ہے۔ اس کو نہایت احتیاط سے رکھئے گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے نفس سے بڑھ کر کوئی دشمن نہیں ہے۔ یہ فرمایا اور دونوں شیشیاں پی لیں۔ لیکن خدا کی شان ہے کہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پاک پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شاعر کہتا ہے کہ اے شخص تو جو اپنی نفسانی خواہشوں کے جال میں پھنسا ہوا ہے اپنے انداز سے باہر پاؤں مت رکھ وہ صاحب دلوں کا کام ہے جو زہر پی جاویں تو زہر ان کے جسموں میں شہد کا کام دے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مرید شیخ کے حکموں کے ظاہر الفاظ پر ثابت قدم رہے اور ان کی ہرگز تاویل نہ کرے۔ تاکہ خدا تعالیٰ اس مرید کے صادق عقیدے کی برکت سے اس کو مدارج حقائق تک ترقی بخشے اور دقائق اور معانی کے سمجھنے کی قابلیت اسے عطا فرمائے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ شیخ نے مرید کو ذکر، توجہ، مراقبہ، رابطہ وغیرہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہو، مرید اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے عمل کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اگرچہ مشائخ نے اس دوسرے عمل کی بہت سی خوبیاں اپنی تصنیفات میں درج کی ہوں۔ کیونکہ مرید کی بھلائی اس عمل میں ہے جس کا اس کے شیخ نے اپنے نورِ فراست سے اس کی استعداد کو ملاحظہ فرما

کر اسے حکم دیا ہے اور شیخ کی فراست انوار الٰہی میں سے ایک نور ہے۔ جس کے ذریعے معلوم کی ہوئی باتیں کبھی غلط ثابت نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی فراست سے بچتے رہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھ لیتا ہے۔

اتقو من فراسته المومن الحاضر:

ساتویں شرط یہ ہے کہ مرید اپنے آپ کو سب سے نالائق تر خیال کرے اور اپنا کسی شخص پر کوئی حق نہ ٹھہرائے اور نہ اپنے اوپر کسی کا کوئی ایسا حق ثابت کرے۔ جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو اور اعتقاد رکھے کہ کون و مکان میں اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی شے (از خود) موجود نہیں تاکہ اس عقیدے کی برکت سے وہ اس مقام پر پہنچ جاوے کہ محسوسات کا حجاب اس کی بصیرت کے آگے سے اُٹھ جائے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح مستانہ وار یہ کلمات اس کی زبان پر جاری ہو جائیں۔ **ان وجهت وجهى للذى فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين** ۔یعنی میں نے اپنا منہ اس ذات عزاسمہٗ کی طرف یکرخہ ہو کر کرلیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت اسماعیل اتا رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ جب کبھی کسی مرید کو تلقین کرتے تو اسے یوں ارشاد فرماتے کہ آج سے ہم اور تم دونوں برادرِ طریقت ہو گئے۔ ہماری ایک نصیحت سن رکھو۔ اس دُنیا کو ایک نیا گنبد سمجھ لو اور خدا تعالیٰ کا اس قدر ذکر کرو کہ غلبہ توحید میں حق ہی حق باقی رہ جائے۔ اور تم درمیان سے اُٹھ جاؤ۔ خواجہ خواجگان خواجہ بلا گرداں حضرتِ شہنشاہِ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسماعیل اتا کے اس قول سے عجیب توحید کی خوشبو آتی ہے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کے احکام میں سے کسی حکم میں خیانت نہ کرے۔ اور شیخ کے احترام میں انتہائی کوشش صرف کردے۔ اور جس ذکر کا شیخ نے اسے حکم دیا ہو دل و جان سے کوشش کر کے اسے انجام تک پہنچائے اور جس وقت ذکر کے سوائے شہوانی یا کوئی دوسرا خطرہ اس کے دل پر گزرے تو فوراً ذکر کی طرف رجوع کرے

اور اپنے نفس کو ہدایت کرے کہ ایک وقت میں دو مخالف باتوں میں مشغول ہونا ممکن نہیں تا کہ غفلت طاری نہ ہو اور وہ مذموم خطرہ پھر دل میں نہ گزرے۔ اسی مشق کو جاری رکھے یہاں تک کہ ذکر کی بدولت غفلت کا ازالہ ہو جائے۔

نویں شرط یہ ہے کہ مرید کو دونوں جہاں میں کسی شے کی ہوس اور خواہش نہ ہو جس وقت مرید کے دل میں کسی شے کی ہوس یا خواہش پیدا ہو گئی، اس وقت وہ مرید نہیں ہوگا بلکہ طالب ہوا ہوگا۔ حضرات مشائخ کرام فرماتے ہیں، مرید کو اپنے شیخ کے قبضے میں اس طرح رہنا چاہئے جیسے میت غسل دینے والے کے قبضے میں ہوتی ہے۔ کہ جس طرح وہ چاہتا ہے اسے حرکت دیتا ہے۔ پس مرید پر یہ واجب ہے کہ جو کچھ شیخ اس کے حق میں بہتر خیال فرماوے وہ بھی اپنے حق میں اسی کو بہتر سمجھے اور اپنے شیخ کے کلام کو کسی طرح رد نہ کرے۔ اگر چہ حق اسی کی جانب ہو اور شیخ کی خطا کو اپنے صواب سے بہتر سمجھے۔

دسویں شرط یہ ہے کہ شیخ جس شخص کو مرید پر فضیلت دے اگر چہ وہ شخص علم میں اس مرید سے کمتر بھی ہو تو اس کا تابعدار رہے اور اعتقاد رکھے کہ میرے شیخ کا انتخاب سب انتخابوں سے افضل ہے۔ اور میرا شیخ کل مشائخ سے اکمل۔ اگر اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد نہ رکھے گا تو اس کا دل خواہ مخواہ کسی زیادہ کامل شیخ کی تلاش میں رہے گا اور یہ تلاش اس میں کبھی نسبت ذوقیہ پیدا نہ ہونے دے گی۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امیر قاسم قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مولانا زین الدین ابوبکر تایبادی کی ملاقات کو گیا۔ ان کی مجلس میں ایک شخص بیٹھا تھا جو رسمی شیخوں میں سے کسی شیخ کا مرید تھا۔ حضرت مولانا نے اس طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ محبت رکھتا ہے یا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ۔ اس شخص نے کہا کہ اپنے شیخ کے ساتھ۔ حضرت مولانا نے غصہ سے فرمایا۔ کتّے! تو اپنے شیخ کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح دیتا ہے اور ایسے خفا ہوئے کہ غصہ سے بیٹھ نہ سکے۔ اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ میں اور وہ شخص دونوں حیران بیٹھے رہے۔ لحظہ بھر کے بعد وہ شخص بھی اُٹھ کر چلا گیا۔ اور میں اکیلا رہ

گیا۔ لیکن سخت فکر مند ہوا۔ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے۔ مولانا نے اس شخص کی نسبت ایسے سخت کلمات کیوں کہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے باہر تشریف لا کر پوچھا۔ وہ شخص کہاں گیا۔ میں نے عرض کی وہ تو اسی وقت چل دیا تھا۔ حضرت مولانا نے فرمایا! آؤ اس سے عذر خواہی کریں۔ حضرت مولانا اور میں دونوں اس شخص کی تلاش میں نکلے۔ وہ رَستے میں مل گیا اور کہنے لگا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو تھا۔ اس وقت آپ سخت غصے میں آ گئے۔ میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ اب میں اپنے اس جواب کے معنی عرض کرتا ہوں۔ توجہ سے سنئے۔ پچاس برس سے میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر ہوں اور مجھے اس پابندی مذہب نے ایک گناہ سے بھی نہ روکا۔ اب چند روز سے اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو اس چندروزہ ملازمت نے میرے دل کو سب گناہوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا ہے اور میں اپنے دل میں اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی طرف میلان پاتا ہوں۔ اگر اس حالت میں میں نے اپنے شیخ کے ساتھ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت زیادہ محبت رکھنے میں ناجائز کام کیا ہے تو میں اپنے اس قول سے استغفار کرتا ہوں۔ حضرت مولانا نے کئی بار آنکھوں کو بوسہ دیا اور بہت سی عذر خواہی کے بعد فرمایا کہ بھائی تو حق پر ہے میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔

مرید کو چاہئے کہ فضول کلام وفضول نظر سے پرہیز کرے۔ کیونکہ یہ باتیں حضرات مشائخ طریقت کے نزدیک مکروہ ہے۔

اور حضرت مولانا غلام نبی للہیؒ نے فرمایا ہے کہ طالب صادق وہ ہے کہ جس کو محبت مرشد اور اتباع خیر البشر ﷺ غالب ہو۔

نیز فرمایا کہ جس قدر طالب میں شکست وعاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر فیض اس پر زیادہ وارد ہوتا ہے۔

امام العارفین حضرت بابا داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ جو خلیفہ اکبر حضرت مخدوم حمزہ کشمیریؒ کے ہیں اپنی کتاب ''شرح درد المریدین'' میں فرماتے ہیں کہ آداب مرید میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرید ہر وقت اپنے دل کو شیخ کے دل کے مقابل رکھے۔ اور شیخ کے

دل سے فیض کا منتظر اور مدد کا خواہاں رہے۔ کیونکہ فتوحاتِ غیبی اوّل اوّل شیخ کے دل کے دریچہ سے مرید کے دل میں پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ من القلوب الی القلوب روزنة ۔یعنی دلوں سے دلوں کی طرف راہ ہوتے ہیں۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ بے چارہ مرید پہلے بے شمار حجابوں میں گرفتار ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ‘ کی طرف ہرگز توجہ نہیں کرتا۔ اس لئے کہ وہ عالم شہادت کا خُو کردہ ہے۔ عالم غیب سے اسے آشنائی نہیں اور صورت شیخ عالم شہادت میں داخل ہے۔ پیوند ارادت مضبوط ہونے پر مرید کی توجہ شیخ کے دل میں آسانی کے ساتھ پہنچ جاتی ہے اور شیخ کا دل چونکہ متوجہ حضرتِ الٰہی ہے اور ہر لحظہ غیب سے شیخ کے دل میں فیضانِ ربانی پہنچتا رہا ہے۔ اس واسطے مرید جس قدر توجہ شیخ کے دل کی طرف کرے گا۔ اسی قدر فتوحاتِ غیبی مُرشد کے دل سے مرید کے دل میں پہنچتے رہیں گے۔ اسی طرح مرید کا دل شیخ کے واسطہ سے فیضانِ غیبی حاصل کرنے کی عادت کر لیتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ آخر کار وہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ بغیر واسطہ کسی کے فیض ربانی اسے پہنچنے لگتا ہے۔

اور حضرت ممدوح الشان اس امر پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ یہ شرط جملہ شرائط مرید سے زیادہ مشکل ہے اور جس قدر زیادہ مشکل ہے۔ اسی قدر زیادہ فائدہ مند بھی ہے۔ اگر اس شرط میں نقصان واقع ہو جائے تو راہِ کمال بالکل ایسی بند ہو جاتی ہے کہ کوئی عبادت اس کو نہیں کھول سکتی اور اگر اس شرط میں نقصان واقع نہ ہو تو باقی شرطوں میں جو نقصان واقع ہو جائے شیخ کے دل کی حمایت کی برکت سے اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے۔ اگر خدانخواستہ مرید کی ارادت فاسد ہو جائے۔ یا ربطِ قلب میں نقص واقع ہو جائے تو کل جنّوں اور انسانوں کے اعمال سے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حضرات مشائخ کرام کا مسلّمہ ارشاد ہے کہ شیخ کی ولایت مرید کا قلعہ ہے اور مرید کی ارادت اس کی دیواریں ہیں۔ اگر مرید کی ارادت میں نقصان واقع ہو جائے تو قلعہ کی دیوارایں گر جاتی ہیں اور شیاطین کا لشکر حملہ کر دیتا ہے۔

حضرت ممدوح الشان مرید صادق کی آٹھ شرائط بیان فرماتے ہیں۔

۱ ۲ ۳ ۴ ۵
وحدت وذکر وضو نفی خواطر ربطِ قلب
۶ ۷ ۸
صمت وتقلیل ورضا کاندرسلوک انصر نہ شد

یعنی وحدت تنہائی دوام، ذکر دوام، ہمیشہ باوضو رہے، نفی خواطر، ربطِ قلب باشیخ، خاموشی، تقلیل یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا خدا کی رضا پر راضی رہنا۔

اب اس مضمون کو فقیر ختم کرتا ہے اور دُعا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اور باقی سب یارانِ طریقت کو مرید صادق بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم !!!

اند کے پیش تو گفتم، غم دل تر سیدم
کہ دِل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیاراست

/☆/☆/☆/☆/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: انما المومنون اخوۃ ۔(پارہ۲۶۔سورہ حجرات۔۱۰)

''تمام ایماندار آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔

تمام دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہ مومن لوگ ہیں جو اس مبارک نام سے پکارے جاتے ہیں۔اور در حقیقت مبارک زندگی بھی انہی لوگوں کی ہے جو اس خطاب سے موسوم ہو چکے ہیں۔یعنی جن مومنوں کو آپس میں یارانِ طریقت یا پیر بھائی بننے کا اور رشتہ رُوحانی ومحبت ویک جہتی ایک دوسرے کے ساتھ قائم کرنے کا فخر حاصل ہے۔

یہ وہ رشتۂ الفت ہے جو بلا تمیز رنگ وقوم وملک کے سب مومنوں کو ایک رنگ حقیقی واصلی میں رنگ دیتا ہے [1]۔خواہ وہ ہندی ہوں یا سندھی، ترکی ہوں یا تاتاری، چینی ہوں یا بخاری، عربی ہوں یا قندھاری، افغانی ہوں یا ایرانی۔اور خواہ پہلے وہابی ہوں یا نیچری، بے دین ہوں یا لامذہب، ہندو ہوں یا عیسائی، آریہ ہوں یا دہریہ۔الغرض اس رنگ کے چڑھنے پر وہ سب آپس میں شیر وشکر ہو کر اس طرح آرام وراحت سے زندگی بسر کرتے ہیں کہ ان میں سے غیریت بالکل اُٹھ جاتی ہے۔بلکہ حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کو عزیز جاننے لگتے ہیں۔

یہاں پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے۔ایک دن علی پور سیّداں میں جو فقیر کا مولد ومسکن ہے میرے دلی مخلص ومحبّ واخی فی الدین قاضی حسن الدین صاحب جو آجکل لدّاخ متصل تبت میں، نائب تحصیلدار ہیں۔شیخ فضل دین وشیخ دین محمد کو ایک برتن میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر بہت متعجب ہو کر یہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ وبحمدہٖ، کیسی مولا کی شان ہے اور یہ صرف صوفیائے کرام کی صحبت کی تاثیر ہے کہ ایسے دو شخص جو ایک دوسرے

---

[1]:قال اللہ تعالیٰ : صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة۔(پارہ1۔سورہ بقرہ:138)

سے سخت متنفر بلکہ ایک دوسرے کے سایہ سے پرہیز کرنے والے تھے وہ دو قالب و یک جان ہو کر مادر زاد بھائیوں سے بھی بڑھ کر عزیز بن رہے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ شیخ دین محمد تو پہلے ہندو قوم برہمن کا پنڈت تھا اور شیخ فضل دین پہلے خاکروب یعنی چوہڑا تھا۔

درحقیقت دیکھا جائے تو یہ اسلام کی بڑی خوبی ہے کہ دو کو ایک کر دیتا ہے۔ اور عشقِ حقیقی کی چاٹ لگا کر سب اختلافات کو مٹا دیتا ہے۔ اور ان کا حال ڈنکے کی چوٹ پر اشتہار کر دیتا ہے۔ کہ قال اللہ تعالیٰ: انما المومنون اخوة ۔ ۱

یہ سب ایمان اور عشق کا ظہور ہے کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے۔

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ شمشیرِ حق بیں کہ دو کس را یکے کند

یہ ایک حال ہے جو صوفیوں کی صحبت اور خدمت کی برکت سے عطا ہوتا ہے۔ اس صحبت کیمیا خاصیت کا وہ رتبہ اور اثر ہے کہ محال کو بھی ممکن کر دیتا ہے۔ یہ تو کہتے ہی ہیں کہ العادة لا یرد الا بالموت۔

جبل گردو جبلت نہ گردو ۲

مگر ۔ آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد
خورشید نظر چو کرد بر سنگ تحقیق کہ لعلِ بے بہا شد ۳

اسی طرح انسان ناقص جو مثل آہن ہے۔ انسان کامل کی صحبت سے کندن بن جاتا ہے۔ سارا کھوٹ اس کا نکل جاتا ہے یا یوں سمجھئے کہ خورشید ولایت محمدی ﷺ، صوفی کامل عاشق اللہ کی نظر منور میں یہ اثر ہے کہ نفس امّارہ کے سنگین قلعہ پر اگر وہ پڑ جاتی ہے تو

۱۔ پارہ:۲۶۔ سورہ حجرات:۱۰)

۲: ”پہاڑ بدل جائے تو بدل جائے مگر طبیعت نہیں بدلتی“۔

۳: ”جو لوہا پارس سے آشنا ہو وہ اسی وقت سونا بن گیا، سورج نے جونہی پتھر پر نظر ڈالی وہ سچ مچ بے بہا لعل بن گیا“۔

تو اس کو لعلِ بے بہا بنا دیتی ہے۔ ہر چند کہ چشمِ ظاہر بین اور ناقص حال میں محال معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آہن سا سیاہ باطن کندن بن جائے یا کوئی پتھر کا دِل لعلِ بے بہا بن جائے مگر اس حال کا ممکن ہونا یا جبلت اور عادت کا بدلنا اگر ہو سکتا ہے تو صرف ایک صوفیائے کرام کی صحبت کی برکت سے ہی ہو سکتا ہے جس کے صدہا مشاہدے ہم ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ صدہا فاسق اور فاجر ہزار ہا ڈاکو اور راہزن اور بے دین اپنی بدعادتوں کو چھوڑ کر ایک صوفی کی صحبت سے پکے دیندار، عابد و زاہد و متقی پرہیز گار بن جاتے ہیں۔

ادھر آ تجھ کو دکھاؤں میں گلستان ان کا

ہاں اگر روزِ روشن میں کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر کے سورج کی روشنی سے انکار کرے تو اس کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم! چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

بعض لوگ اپنی خرابیٔ حال سے یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسے صاحب تاثیر کہاں ہیں۔ اگر ہیں تو ہم کو دکھا دو۔ یہ ان کا کہنا محض غلط خیال اور خرابیٔ حال کا اثر ہے۔ اگر ان کی آنکھیں ہوں اور استعداد ان کی دیکھنے کی ہو تو یہ صاحبانِ تاثیر ان کو جابجا نظر آویں مگر ان کی عقیدت نہیں، استعداد نہیں پھر کیا نظر آویں۔ صوفیائے کرام کا زمانہ حضرت آدم علیہ السّلام سے شروع ہوا اور روز بروز ترقی کرتا رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں تو اس گروہ نے یہاں تک ترقی کی کہ یہ لوگ تارک الدنیا ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا کر رہتے اور مجرّدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر بلند آواز سے فرمایا کہ:

لا رهبانية في الاسلام "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے"۔

اس مجرّدانہ زندگی کو چھوڑ کر عیالداری و معاشرت کا حکم فرمایا۔ اس سے صوفیت اور صفائے باطن کی تکمیل ہوئی۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی۔ اس میں عشق الٰہی ظاہر ہوا۔ اس کی بجلی نے تمام دل اور باطن کو منوّر کر دیا اور صوفی لقب پایا۔

یہ گروہ صوفیائے کرام قیامت تک قائم رہے گا۔ انہی کی برکت سے زمین

وآسمان کا قیام ہے۔ کیونکہ یہی لوگ زمین کی میخیں ہیں جن سے زمین ٹھہری ہوئی ہے۔ اور یہی لوگ آسمان کے ستون ہیں۔ جن کی برکت سے آسمان قائم ہے۔ جس دن زمین پر یہ لوگ نہ ہوں گے اس دن نہ یہ زمین ہوگی نہ آسمان۔ دیکھو حدیث شریف:۔

وبهم يرزقون وبهم يمطرون

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انہی پاک وجودوں کی برکت سے تم زندگی بسر کرتے ہو۔ انہی کے وسیلے سے تم پر بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ انہی کے طفیل سے تم کو رزق دیا جاتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف کا نواں پارہ کا اخیر:

وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم (سورہ انفال : ۳۳)

یعنی ”ہم ان کو عذاب نہیں کریں گے جب تک آپ ﷺ ان میں تشریف رکھیں گے“۔ کافر بھی اگر بچے ہوئے ہیں تو انہی پاک وجودوں کے طفیل سے۔

ایک دن لاہور میں ایک شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ الزنا یخرج البناء یعنی جس جگہ زنا ہوتا ہے وہ جگہ نیست ونابود ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور کے انارکلی، لنڈا و ٹبی بازار میں باوجود اس قدر زنا ہونے کے لاہور کئی میلوں تک بڑھ رہا ہے۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ تم رات کو میرے پاس سونا پھر اس کا جواب دیں گے۔ جب آدھی رات گزری تو اس بزرگ نے اٹھ کر وضو کر کے تہجد کی نماز ادا کی۔ پھر سائل کو فرمایا اُٹھ تو بھی نماز پڑھ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو فرمایا دیکھ! جب اس نے نگاہ کی تو دیکھا کہ کئی ہزار آدمی تہجد میں کھڑے تھے۔ اس وقت انہوں نے فرمایا کہ اگر پہلی رات اس قدر زنا ہوتا ہے تو پچھلی رات ہزاروں آدمی تہجد بھی پڑھ رہے ہیں۔ لاہور جو دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے تو انہی پاک نفوس کی برکت سے ہے جو اس وقت گرم بستروں کو چھوڑ کر اپنے مولا کی یاد میں کھڑے ہیں۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے اور صرف پہلی رات والے ہی ہوتے تو اب تک لاہور کی بیخ و بنیاد اکھڑ گئی ہوتی۔

اور دوسری صحیح مسلم کی حدیث ۱؎ شریف میں وارد ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی

ـہ ۱ : عن انسؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تقوم الساعة حتى لايقال فى الارض الله الله وفى رواية والا تقوم الساعة على احد يقول الله الله (راوه مسلم)

جب تک کہ ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا (یعنی صوفی) دُنیا میں موجود ہے، باقی رہی یہ بات کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ صوفی ہمارے حال پر خود بخود نظر عنایت کیوں نہیں کرتے اور ہمارے پاس آ کر کیوں نہیں کہتے کہ آؤ تمہیں سیدھا راستہ یا راہِ حق دکھائیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ وہ تو دُنیا میں اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو راہِ راست دکھلائیں اور بُرے کاموں سے ہٹا کر لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کریں۔ مگر کن کو دکھاویں، ان کو جو ان کی خدمت میں طالب صادق بن کر ارادتِ صادق لے کر آئیں۔ آپ اتنا تو خیال فرمائیں کہ بیمار ڈاکٹر یا طبیب کے گھر جاتا ہے یا ڈاکٹر بیمار کے پاس آتا ہے۔! دُنیا میں تو قدیم سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ بیمار ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتا ہے اور علاج کی درخواست کرتا ہے۔

اگر کوئی ڈاکٹر یا حکیم گلی کوچے میں یہ آواز دیتا پھرے کہ آؤ میں حکیم اور طبیب ہوں تو ایسے حکیم کو ہر شخص دیوانہ یا پاگل تصوّر کرے گا تو اور یہ کہے گا کہ اگر یہ ڈاکٹر یا حکیم ہے تو بیمار خود اس کے پاس چلے آئیں گے۔ اس کو پکارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور درحقیقت بات بھی یہی ہے کہ بیمار جب تک علاج کی خود درخواست نہ کرے ڈاکٹر کے خود بخود علاج کرنے سے فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ دیکھو اس کے متعلق صوفیوں کے سرتاج حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ اور پُر معنی مختصر فیصلہ فرمایا ہے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست! تا بیارو آبت از بالا و پست!

یعنی پانی کی تلاش مت کر اور پیاس حاصل کر۔ اگر تمہیں پیاس ہوگی تو نیچے (یعنی زمین سے) اور اوپر (یعنی آسمان سے) پانی تمہیں مل جائے گا اور جب ایک شخص کو پیاس ہی نہیں تو تم شربت میں برف ڈال کر بھی جبراً اس کے منہ میں ڈالو تو وہ باہر پھینک دے گا کیونکہ اس کو پیاس ہی نہیں اور سخت پیاس کے وقت اگر کسی شخص کو گرم پانی بھی مل جاوے تو اس کو آبِ حیات سمجھ کر پی لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اعتراض کرنے والوں کو پیاس ہی نہیں۔ ورنہ پانی تو بہت ہے۔ یعنی صوفی تو بہت ہیں طالب ہی نہیں ہیں۔

ایک شخص نے کسی بزرگ کو خط لکھا کہ کوئی پیر کامل ہو تو بتائیے۔ انہوں نے

جواب میں لکھا کہ پیر کامل تو میں بہت بتادوں گا آپ کوئی طالب صادق ہوتو بتایئے۔

میرے قبلہ وکعبہ ہادی ومولیٰ حضرت پیرومُرشد بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب حضرت خواجہ محمد فیض اللہ صاحب تیراہی قدس سرّہٗ کوہاٹ میں حضرت خواجہ آدم بنوری مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی کی مسجد میں حوض کے کنارے تشریف فرماتھے۔ پاس سے ایک شخص شاہزادہ میاں نامی نے ٹھنڈی آہ بھر کر باآواز بلند کہا۔ آہ افسوس! مرد کامل کوئی نظر نہیں آتا۔ تین مرتبہ یہی کلمہ کہا۔ چوتھی مرتبہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں! کامل تو بہت ہیں طالب کوئی نہیں۔ تب شہزادہ میاں نے اپنے زخمی پاؤں کے اوپر سے کپڑا کھول کر عرض کی کہ حضرت طالب تو میں ہوں جو تیس سال سے کسی صوفی کامل کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں دن رات خاک چھان کر پتھروں کی ٹھوکروں سے اپنے پاؤں کو زخمی کر چکا ہوں۔ تب حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کو اُس کی حالت زار پر رحم آیا اور حجرے میں لے جاکر اس کو پچھلے گناہوں سے توبہ واستغفار پڑھا کر ذکر کی تلقین کی۔ پھر وہی شہزادہ میاں آپ کی صحبت کی برکت سے ایسے کامل ہوئے کہ ہزار ہا مخلوق خدا ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئی۔

میرے حضرت قبلہ وکعبہ ہادی ومولیٰ روحی فداہ باباجی فقیر محمد صاحب قدس سرّہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے اپنی بچپن کی عمر میں اس شہزادہ میاں کو دیکھا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر حبسِ دم کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور تہجد کی نماز کے وقت دم چھوڑتے۔ اس حبسِ دم کی وجہ سے ان کی پسلیوں میں سوراخ ہو گئے تھے۔ جب وہ سردی کے دنوں میں اپنا کرتہ اتار کر دھوپ میں ڈالتے تھے تو ان کے وہ سوراخ دیکھ کر ان میں، ہم انگلیاں ڈال کر خوش طبعی کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جن کی فضیلت اور لیاقت کی ساری دُنیا کے فلاسفر شہادت دیتے ہیں، کیا خوب فرماتے ہیں:

تا ارادت نیاری چیزے نبری

یعنی جب تک تو ارادتِ صادقہ لے کر کسی صوفی کے پاس نہ جائے گا وہاں سے

کچھ بھی نہ لائے گا کیونکہ مثلاً پانی کا دریا بہہ رہا ہے۔ اس میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق پانی لے جاتا ہے۔ یا پیاسا اپنی پیاس کے مطابق پانی پی لیتا ہے۔ مگر ایک شخص کے پاس برتن ہی نہیں، وہ پانی کس چیز میں لے گا؟ یا ایک شخص گرم گرم پلاؤ تقسیم کر رہا ہے۔ برتن والے برتن لے گئے اور پلاؤ لے آئے۔ انہوں نے اس کھانے سے خود بھی پیٹ بھرا اور دوسروں کو بھی دیا۔ ایک شخص نے جس کے پاس برتن ہی نہ تھا ان کے دیکھا دیکھی اپنے دونوں ہاتھ اس تقسیم کرنے والے کے آگے پھیلا دیئے۔ اس نے پلاؤ کی گرم گرم رکابی اس کے ہاتھ پر اُلٹ دی۔ گرمی سے اس کے ہاتھ جلے تو اس نے پلاؤ کو نیچے پھینک دیا۔ اب اس بے وقوف نے برتن نہ ہونے کے سبب دو نقصان کیے۔ ایک تو کھانے کو ضائع کیا جو کسی دوسرے بھوکے آدمی کے کام آتا۔ دوسرے اپنا ہاتھ جلا کر چلا آیا۔ ایسے بے وقوف آدمی جن کے پاس اپنا برتن نہ ہو اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور دوسروں کا بھی۔

یاد رہے کہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کا گروہ تا دورِ قیامت قائم رہے گا۔ اور ان کے فیض سے ہمیشہ مخلوق خدا مستفیض ہوتی رہے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ صوفی میں رکن رکن اوصاف و علامات کا ہونا ضروری ہے اور ان کی کیا شناخت ہے فقیر کسی دوسرے مضمون میں لکھے گا۔ یہ تو میں کہاں کا کہاں جا نکلا۔ اب میں اپنے مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

''یارانِ طریقت یا پیر بھائی'' رکن کو کہا جاتا ہے؟ ان دو شخصوں کو کہا جاتا ہے جو ایک پیر کے ملنے والے اور ہم صحبت ہوں۔ ان کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''یارانِ طریقت یا پیر بھائی'' کہتے ہیں۔ اور یہ مبارک خطاب اور پیارا نام یعنی ''یارانِ طریقت یا پیر بھائی'' ہر ایک مومن حاصل کر سکتا ہے، خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک کا ہو۔ پیر کی خدمت میں جانے اور پیر کا ہاتھ پکڑنے، اس کے ساتھ نسبت قائم کرنے سے اس شخص کو جو پہلے بالکل اجنبی اور نا آشنا تھا اپنے پیر اور پیر بھائیوں کے ساتھ اس قدر محبت حقیقی اور رشتہ اُلفت اصلی قائم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کو اپنے مادر زاد بھائیوں سے بھی نہیں

ہوتی۔ وہ اپنے سب پرانے خیالات اور عادتیں جو اس کا ملکہ راسخہ ہو چکی ہوتی ہیں، سب کو یکبارگی چھوڑ کر محبت پیر سے اپنے پیر کے رنگ میں ایسا رنگا جاتا ہے کہ گویا اس کی کایا پلٹ گئی اور جس کسی نے اس کو پیرومرشد کے ملنے سے پہلے دیکھا ہو اس کی اس وقت کایا پلٹی ہوئی دیکھ کر اس کے پہچاننے سے ششدر وحیران رہ جاتا ہے اور زبانِ حال سے کہہ اُٹھتا ہے۔

کہ کل کون تھا آج کیا ہو گیا یہ

رُباعی

آدمی رانچشم حال نگر۔! وزخیالاتِ دی پری بگذر

خون بود است نافۂ تاتار سنگِ بودہ است ابتدائے گہر!ا

پھر اس شخص کو اگر پیر کی صحبت میسّر رہے تو اس کی رُوحانی حالت روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے خواہ اس کو خبر ہو یا نہ ہو۔

سوال: مجھے یہ تو بتایئے کہ پیر کے پاس جانے سے کیا فائدہ؟

جواب: اس کے بہت فائدے ہیں۔

(۱) فائدہ اوّل: پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے پچھلے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

(۲) فائدہ دوم: جتنے گناہ نامۂ اعمال میں ہوتے ہیں وہ مٹ کر اتنی ہی نیکیاں اس کے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کے ایک لاکھ گناہ تھے تو پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے وہ لاکھ گناہ بخشے گئے اور ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی گئیں۔ دیکھو قرآن شریف انیسویں پارہ پہلے پاؤ کا تیسرا رکوع۔ فاولئک یبدل اللہ سیّاتھم حسنات ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے ہم اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

ا: آدمی کو اب دیکھ کہ کیا ہو گیا ہے۔ کل پرسوں کے خیالات سے درگزر کر۔ تاتار کا نافہ پہلے تو خون ہی تھا اسی طرح جو موتی ہے وہ پہلے پتھر تھا۔

(۳) تیسرا فائدہ: تائب نے اپنی توبہ کا ایک نیک آدمی کو گواہ بنالیا جو کل قیامت کے دن اس کی توبہ کا گواہ ہوگا۔

(۴) چوتھا فائدہ: یہ ہے کہ ایک نئی روحانی زندگی اس کو نصیب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عمر کی بابت سوال کیا کہ حضرت آپ کی عمر کتنے سال ہے؟ آپ نے فرمایا دو سال۔ سائل نے عرض کی کہ آپ تو بوڑھے اور ضعیف العمر ہیں۔ مسلمانوں کے امام ہو کر جھوٹ بولتے ہیں۔ فرمایا جھوٹ نہیں بولتا۔ دو برس ہوئے جب میں نے اپنے پیر و مرشد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ درحقیقت یہی دو برس میری عمر ہے۔ پہلے 68 برس عمر کے ضائع ہوئے۔ اس وقت امام صاحب کی 70 برس کی عمر تھی۔

پیر کے پاس جا کر مرید کی جو حالت ہوتی ہے اس کی درست مثال یہ ہے کہ جیسے ایک درخت کو دوسرے درخت کے ساتھ پیوند لگ جاتا ہے تو پیوندی درخت کو پہلے اگر چھوٹا پھل لگتا تھا تو اب پیوند لگنے سے اس کو بڑا پھل لگنا شروع ہوتا ہے۔ یا پہلے وہ کھٹے کا درخت تھا تو پیوند کے بعد اس کو سنگترے اور مالٹے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گو درخت جڑ سے وہی رہتا ہے مگر اس کا پھل بدل جاتا ہے۔ اسی طرح جسم انسانی پیر کی خدمت میں تو وہی رہتا ہے مگر مرید کی روحانی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر مرید پہلے تند خو تھا تو وہ اب رحم دل، نیک خو، متحمل، بردبار بن جاتا ہے اور اپنی پہلی عادتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نفس میں جو شیطانی صفات تھیں وہ سب رحمانی صفات کے ساتھ تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کے دل سے حرص، طولِ امل، غصہ، جھوٹ، بغض، ریا، تکبر، فخر وغرور نکل جاتے ہیں۔ اور ان کے بدلے صبر و شکر، قناعت، یقین، تفویض، توکل، تسلیم، تحمل، رضا، رجا وغیرہ نیک صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کو اس طرح سے سمجھو کہ ایک گلاس میں پانی بھرا ہے۔ ہم اس کو نکال کر اس گلاس میں دودھ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کے دو قاعدے ہو سکتے ہیں۔ اول تو یہ کہ اس گلاس کو یکبارگی الٹ کر پانی نکال دیا جاوے اور پھر اس میں دودھ بھر دیا جاوے جیسے میرے

پیر و مُرشد سیّدنا و مولانا حضرت خواجہ باقی اللہ صاحب نقشبندی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مہمانوں کو کھانا کھلانے پر خوش ہو کر ایک نانبائی کو فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے؟ نانبائی نے عرض کی حضرت مجھے اپنے جیسا بنا دو۔ آپ نے اس کو حُجرہ میں لے جا کر توجہ اتحادی القاء کی۔ باہر نکلے تو دونوں کی شکل و صورت ایک تھی۔ کوئی دیکھنے والا حضرت خواجہ صاحب و نانبائی میں تمیز نہ کر سکتا تھا کہ ان میں خواجہ صاحب کون ہیں اور نانبائی کون۔ دونوں میں صرف فرق اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب تو ہوش میں تھے اور نانبائی بے ہوش۔ آخر تین دن کے بعد اسی بے ہوشی میں مر گیا۔

در حقیقت یہ کام ہر ایک صوفی کا نہیں۔ سوائے کاملین اور مکملین کے ہر ایک شخص ایسا نہیں ہو سکتا جو خواجہ صاحب نے کیا۔ یعنی یکبارگی اس پانی کو الٹ کر اس میں دودھ بھر دیا۔ ہاں البتہ جو دوسرا فائدہ ہے اس پر سب صوفی عمل کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جس گلاس میں پانی پڑا ہوا ہو اس میں ایک ایک قطرہ دودھ کا ڈالتے جاویں تو جتنے قطرے دودھ پڑتے جاویں گے اتنے ہی قطرے پانی کے نکلتے جاویں گے۔ آخر الامر ایک وقت ایسا آ جاوے گا کہ اس گلاس میں صرف دودھ ہی دودھ رہ جائے گا اور پانی کا نام بھی نہیں رہے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

لن یلج ملکوت السموت والارض الا من ولد مرتین ط ”کہ جب تک آدمی دو دفعہ پیدا نہ ہو تب تک اس کے لئے رحمت کے دروازے نہیں کھلتے“۔

لوگوں نے عرض کی کہ حضرت لوگ تو ایک دفعہ پیدا ہوتے ہیں۔ دو مرتبہ کون پیدا ہوتا ہے؟ فرمایا ایک پیدائش وہ ہے جس دن بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور دوسری پیدائش اس دن ہوتی ہے جس دن انسان کسی پیر و مُرشد کے پاس جا کر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے بیعت کرتا ہے اور در حقیقت روح کی پیدائش کا یہ پہلا دن ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس کی روح نفس اور شیطان کے پنجہ میں گرفتار تھی۔ کسی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے اس کی روح شیطان کے پنجہ سے خلاصی پا جاتی ہے۔

دیکھو حدیث شریف میں وارد ہے کہ انسان کے دل میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔

ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف۔ دائیں طرف کی کوٹھڑی میں فرشتہ رہتا ہے اور بائیں میں شیطان رہتا ہے۔ انتہیٰ ۔۱

جب انسان پیر کے پاس جا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر توبہ کرتا ہے تو اس کا دل شیطان کے پنجہ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے بعد اگر تین صورتوں میں سے ایک صورت بھی قائم رہے تو شیطان اس کے دل پر قابو نہیں پا سکتا۔ ورنہ پھر اس پر پنجہ مار کر اپنا تسلط کر لیتا ہے۔

صورت اوّل: مرید کا خیال پیر کی طرف رہے۔

صورت دوم: پیر کی توجہ مرید کی طرف رہے۔

صورت سوم: وہ مرید اللہ کا ذکر کرتا رہے۔

ان تینوں صورتوں میں انسان پر شیطان کا قبضہ نہیں ہو سکتا اور اگر ان تینوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو شیطان اس کے دل پر قابو پالیتا ہے۔ غرض کہ طالب حق کو کسی پاک روح کے ساتھ محبت اور تعلق ضرور پیدا کرنا چاہئے جو قیامت کے دن اس کے لئے نجات کا ذریعہ ہو۔

دیکھو حدیث شریف حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سات شخصوں کو خدا تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ ایک وہ ہوگا جس کو دوسرے

ف ۱: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من امن لقلبه بيتان فى احدهما الملک وفى الأخر الشيطان فاذااذكر الله خنس واذلم يذكر اله وضع الشيطان منقار فى قلبه روسوس لهٔ. راوه ابن شيبه عن عبدالله بن شقيق حصن حصين.**

ترجمہ: مومن کے دل کے اندر دو کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور دوسری میں شیطان۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو شیطان چھپ جاتا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا شیطان اپنی منقار سے اس کے دل کو کریدتا ہے اور وسوسے ڈالتا ہے۔

مسلمان کے ساتھ محض للہ محبت ہوگی یعنی روحانی تعلق ہوگا"[1]۔ اس حدیث شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیر اور مرید دونوں قیامت کے دن زیرِ سایہ عرش ہو کر نجات پاویں گے۔

---

[1] عن ابی ہریرہؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعة یظلمھم اللہ فی ظلہ یوم الاظل الا ظلہ امام عادل وشاب نشاء فی عبادۃ اللہ ورجل قلبہ متعلق بالمسجد اذاخرج منہ حتیٰ یعود والیہ ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعاعلیہ وتفرقا علیہ الخ متفق علیہ.

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جب اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک حاکم عادل، ایک وہ جوان جس کی پرورش عبادتِ الٰہی میں ہوئی ہو۔ اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا ہو۔ جب مسجد سے نکلے جب تک پھر مسجد میں جاوے اور وہ دو شخص جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے باہم محبت رکھتے ہوں، اسی محبت پر آپس میں ملیں اور اسی محبت پر جدا ہوں۔

[1]: عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ کان فی بنی اسرائیل رجل قتل تسعتہ وتسعین انسانا ثم خرج یسئل فانی راھبا نسئلہ فقال لہ توبتہ قال لا . فقتلہ رجعل یسئل فقال لہ رجل ایت قریۃ کذا وکنانا نادر کہ الموت فناء الصدرہٖ فاختصمت فیہ ملائکۃ الرحمۃ وملائکۃ العذاب فاوحی اللہ ابی ھذہٖ ان تقربی والی ھذہٖ ان تباعدی قال قیسوی مابینھمافوجدالی ھذہٖ بشبرہ فغفرلہ. (متفق علیہ)

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے (۹۹) آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ اسکے بعد وہ مسئلہ پوچھنے کیلئے نکلا۔ ایک راہب ملا اس سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے یا نہیں؟۔ راہب نے جواب دیا کہ قبول نہیں ہوسکتی۔ اس شخص نے راہب کو قتل کر دیا۔ پورے سو (۱۰۰) کا قاتل ہوگیا۔ پھر آگے چلا کہ کسی اور اللہ والے سے دریافت کرے۔ لیکن راستہ کے درمیان میں اس کو موت آگئی۔

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے کہ ایک شخص[1] جو سو آدمی کا قاتل تھا۔ کسی نیک بندے کی زیارت کے لئے بغرض توبہ جار ہا تھا راستہ میں مر گیا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے آئے حکم ہوا کہ یہ جس جگہ سے روانہ ہوا تھا۔ وہاں سے اس عالم کے مکان تک پیمائش کرو۔ جس کے پاس یہ جانا چاہتا تھا۔ پیمائش کرنے پر معلوم ہوا کہ نصف مسافت سے ایک بالشت بھر زمین زیادہ اس عالم کے مکان کی طرف طے کر چکا تھا۔ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ ہم نے اس کو بخش دیا۔ ملائکہ کو کہا تم اس کی روح کو بہشت میں لے جاؤ۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ صوفیائے کرام کے پاس حاضری تو درکنار ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرنے والے بھی بخشے جایا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا حضرت خضر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہونا۔

قرآن شریف ثابت کرتا ہے کہ مرید کا پیر کی خدمت میں جانا ضروری ہے جس سے کسی اہل اسلام کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ سب سے ضروری امر یہ ہے کہ مرید اپنی عمر کا اکثر حصہ پیر کی خدمت میں گزارے اور حقیقت میں عمر بھی وہی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہو۔ کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

عمر سو جو گُرواں نال گزرے

یعنی عمر وہی ہوتی ہے جو پیر کی خدمت میں بسر ہوتی ہے۔ ایک بزرگ راولپنڈی کے علاقے میں فرمایا کرتے تھے۔

بَرْ دَرِ پیرے بُرو ہر صبح وشام تا ترا حاصل شود مقصد تمام[1]

(تسلسل) رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے آ گئے اور اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف کی زمین کو حکم دیا کہ قریب ہو جا۔ دوسری طرف کی زمین کو حکم دیا کہ دور ہو جا۔ اور پھر فرشتوں سے فرمایا، ناپو۔ جب فرشتوں نے ناپا تو وہ شخص بالشت بھر اس اللہ والے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس کے پاس جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

[1]:۔ ہر صبح وشام پیر کے دروازے پر حاضر ہو تا کہ تیرا مقصد پورا حاصل ہو۔

اور فرمایا کرتے تھے۔ اول تو مناسب ہے کہ مرید ہر وقت اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہے اگر یہ نہیں ہوسکتا تو ایک دن میں ایک دفعہ پیر کی زیارت کرے۔ مشاغلِ دنیوی کے باعث یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو مہینہ بھر میں ایک مرتبہ۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو چھ مہینے کے بعد ایک دفعہ، یہ بھی نہ بن پڑے تو گیا گزرا سال میں تو ایک دفعہ ضرور اپنے پیر و مرشد کی زیارت سے بہرہ ور ہو۔ یہ بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ روحانی متعلقین میں اس کا اپنے آپ کو داخل سمجھنا صرف برائے نام ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ جس قدر عبادتیں ہیں ان میں سے اکثر کا سال بھر میں ادا کرنا فرض ہے۔

اسی طرح بندگانِ خدا کی زیارت بھی ایک عبادت ہے جس کا بجالانا سال بھر میں کم از کم ایک دفعہ ضرور ہونا چاہئے۔ اور یہ وہ عبادت ہے جس کے مقبول ہونے میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بابت فرماتے ہیں النظر الی وجہ العالم عبادۃ۔ یعنی عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اسی طرح جتنی مرتبہ ان کے چہرہ کی طرف دیکھے گا اتنی ہی اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاویں گی۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیوں کے سرتاج ہیں فرماتے ہیں۔

دیدن دانا عبادت ایں بود۔! فتحِ ابوابِ سعادت ایں بود[1]!

جب پیر کی زیارت بموجب حدیث شریف مذکور بالا عبادت ٹھہری تو انسان جتنی زیادہ عبادت کرے گا، اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ دیکھو اس کی بابت اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے۔

یایها الذین اٰمنوا اتقوالله و کونو مع الصادقین ۔ (پارہ ۱۱ : توبة :۱۱۹)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہمیشہ صادقین کے ساتھ رہا کرو۔"

اس آیت میں معیت سے اگر معیت جسمانی دائمی مراد لی جاوے تو حکمِ الٰہی کا بجالانا قریباً قریباً ناممکن ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ حوائج بشری سے آخر پیر بھی تو خالی نہیں۔ پاخانہ پیشاب

---

[1]: عبادت یہ ہے کہ عالم کی زیارت کی جائے کہ اس سے سعادت کے دروازے کھلتے ہیں۔

کے وقت یا دیگر ایسے ضروریات کے وقت مرید کبھی پیر کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اور آیت کا حکم بجالانا ضرور ہے۔

اکثر مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معیّت دو قسم کی ہے۔ جسمانی اور روحانی، اگر دونوں معیّتیں کسی خوش نصیب کو میسر ہو جاویں تو سبحان اللہ! نور علی نور ہے۔ ورنہ روحانی معیت تو مرید کو پیر کے ساتھ ضرور ہے۔ اور یہی روحانی معیت تصوّف کا اصل اصول ہے۔ کیونکہ تعلق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ تعلق جسمانی اور تعلق روحانی۔ جسم چونکہ فانی شے ہے۔ اس لئے اس کا تعلق بھی فانی ہے۔ یعنی جسم کے فنا ہوتے ہی جسمانی تعلقات بھی قطع ہو جاتے ہیں۔ باپ کا بیٹے کے ساتھ، شوہر کا بیوی کے ساتھ، ماں کا بچے کے ساتھ یا بھائی کا بھائی کے ساتھ۔ غرض یہ جتنے تعلقات ہیں ان کی انتہائی حد قبر کی چار دیواری سے اِدھر اُدھر ہے۔ دُنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد یہ سب تعلقات قطع ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف میں ان تعلقات جسمانی کی نسبت یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یوم یفر البرءُ من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه ۔ یعنی قیامت کے دن بھائی بھائی سے، بیٹا ماں سے، باپ بیٹے سے، عورت خاوند سے بھاگ جاویں گے اور کوئی اس دُنیا کا تعلق وہاں کام نہیں آوے گا۔ (پارہ: ۳۰۔ سورہ عبس: ۳۴ تا ۳۶)۔

اس کے مقابلہ میں روحانی تعلق کا حال سُنئے کہ یہ تعلق قیامت کے دن بھی ویسا ہی قائم رہے گا جیسا کہ دُنیا میں تھا۔ بلکہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد یہ تعلق روحانی اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور قرآن کریم اس پر گواہ ہے۔

الا خلاءُ یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین (پارہ ۲۵ : زخرف :۶۷)

یعنی جتنے دُنیا میں دوست ہیں سب قیامت کے دن دشمن ہو جاویں گے۔ مگر وہ جو نیکوکار ہیں وہ قیامت کے دن بھی دوست ہی رہیں گے۔ یعنی ان کا روحانی تعلق قیامت کے دن بھی نہیں ٹوٹے گا۔ اور یہی تعلق ہے جس پر شفاعت باہمی کے مسئلے کی بنیاد ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے کہ حشر کے دن ایک شخص کے نامہ اعمال میں ایک نیکی کی کمی نکلے گی۔ وہ عرض کرے گا، الٰہی! میں اپنے متعلقین میں

سے کسی ایک کے پاس سے ایک نیکی مانگ لاتا ہوں۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ اپنی ماں کے پاس جاوے گا۔ پھر باپ کے پاس، پھر بھائی کے پاس، پھر عورت کے پاس، پھر بچہ کے پاس، علیٰ ہذالقیاس وہ سب رشتہ داروں کے پاس پھرے گا۔ لیکن سب کی طرف سے اس کو صاف جواب ملے گا۔ ماں کہے گی میں نے تجھے جنا ہی نہیں۔ باپ کہے گا میں تجھے پہچانتا نہیں۔ بیوی کہے گی میں نے تو دُنیا میں شادی ہی نہیں کی تھی تو میرا خاوند کیسے ہوسکتا ہے؟ بچہ کہے گا میں نے تو دُنیا میں تجھے دیکھا ہی نہیں۔ یہاں کیا نیکیاں دھری ہیں۔ چلے جاؤ۔ ہمارے پاس کوئی نیکی نہیں۔ سارے جسمانی تعلقداروں کے پاس پھر پھرا کر اور نا اُمید ہو کر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے رحم کے بھروسہ پر چلا جاوے گا۔ راستہ میں اسے ایک شخص جس کی اس سے للہِ محبت تھی مل جاوے گا۔ وہ دوست اس مایوس سے پوچھے گا۔ دوست خیر تو ہے حیران و پریشان کیوں ہو؟ یہ کہے گا میرے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کم ہے۔ متعلقین جسمانی کے پاس گیا تھا ان سب نے صاف جواب دے دیا اور کسی نے ایک نیکی سے میری مدد نہیں کی۔ اب دیکھئے اس نیکی کی کمی مجھے جہنم میں پہنچاتی ہے یا کیا حال ہوتا ہے۔ وہ دوست کہے گا گھبراؤ نہیں، میرے پاس صرف ایک ہی نیکی ہے اور تم جانتے ہو کہ ایک نیکی سے میری نجات کسی طرح ممکن نہیں۔ چلو وہ میں تمہیں دے دیتا ہوں، بلا سے میرا کچھ ہی حال ہو۔ تمہاری تو نجات ہو جائے۔ وہ مایوس شخص اس اپنے دوست سے نیکی حاصل کر کے خوش خوش بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ بارگاہِ ربّ العزت سے سوال ہوگا۔ یہ نیکی کہاں سے لائے۔ وہ عرض کرے گا۔ الٰہی جسمانی تعلقدار جن کے لئے میں رات دن مرتا رہا، نا کردنی کام کئے، نا گفتنی الفاظ زبان سے نکالے۔ ان سب نے تو جواب دے دیا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم تجھے پہچانتے تک نہیں۔ راستہ میں خوش قسمتی سے ایک روحانی تعلق دار مل گیا۔ جس کے ساتھ میرا صرف پیر بھائی ہونے کا تعلق تھا۔ سوائے اس تعلق کے میں نے اس کی اور کوئی خدمت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی کوئی میرا احسان اس کی گردن پر تھا۔ یہ نیکی اس نے مجھے بغیر سوال کے دے دی۔ ارشاد ہوگا کہ اس نے ہمارے لئے تم کو ایک نیکی بخشدی جو اس کی ساری بضاعت تھی۔ ہم تم کو تو

نیکیوں کے عوض بخشتے ہیں اور اسے تمہاری طفیل اپنے فضل سے بخش دیتے ہیں۔ جاؤ ہمیشہ کے لئے جنت میں آرام کرو۔

دیکھئے حدیث شریف مذکور کس وضاحت سے ثابت کرتی ہے کہ جسمانی تعلقات میں الجھے ہوئے رہنا ہر گز مفید نہیں اور کس قدر تاکید فرماتی ہے کہ روحانی تعلق نجات کے لئے از حد ضروری ہے۔ اس بڑی نعمت کو ہر گز ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں دُنیا میں زیادہ تر تعلقات نیک لوگوں کے ساتھ اس لئے بڑھاتا ہوں تاکہ حشر کے دن خدا تعالیٰ ان میں سے کسی کو بخشدے تو وہ بخشا ہوا شخص میری شفاعت بارگاہِ الٰہی میں کر کے حقِ آشنائی ادا کرے گا۔ حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روحانی تعلق آج بنائے سے نہیں بنتا۔ بلکہ روزِ ازل سے ہی ہے جب کہ رُوحیں پیدا کی گئی تھی مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کے متعلق یوں خبر دی ہے۔
الارواح جنود مجندہ فما تعارف منھا ایتلف وما تناکر منھا اختلف (رواہ البخاری ومسلم)
یعنی جب اللہ تعالیٰ نے سب روحیں پیدا کیں جو حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر قیامت تک دُنیا میں آنے والی ہیں تو وہ روحیں چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھیں۔ اور سب ہی ایک جگہ جمع تھیں وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نور چھڑکا روشنی ہوگئی [1]۔ اس روشنی میں ایک روح نے دوسری کو پہچان لیا۔ یعنی یعنی ان ارواح نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ جو دُنیا میں ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اگر ہم اپنے زمانۂ پیدائش سے پہلے پیدا ہونے والے بشر کی روح کو دیکھتے تو کیا فائدہ ہوتا۔ بلکہ انہی ارواح نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جو ایک زمانہ اور ایک ہی ملک میں پیدا ہونے والی تھیں۔ اسے روزِ ازل سے یہ تعلق پیدا ہو گیا جو پیر کو مرید کے ساتھ یا مرید کو پیر کے ساتھ یا پیر بھائی کے ساتھ ہوتا ہے۔

[1]: عن عبداللہ بن عمر وقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقی علیھم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدی ومن اخطاہ ضل (رواہ احمد والترمذی).

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا روحانی تعلق ہے یا نہیں؟ جس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ تو ہے۔ لیکن یہ تعلق بالواسطہ ہے۔ واسطہ کیا ہے۔ اپنے پیر کی روح۔ جس طرح ہم سب حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد کہلاتے ہیں۔ اور وہ ہمارے جسمانی باپ ہیں۔ ویسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے روحانی باپ ہیں۔ اور ہم سب ان کے ہی روحانی فرزند ہیں۔ مگر اپنے پیر کے واسطہ سے۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ روحانی تعلق نجات اخروی کے لئے اشد ضروری امر ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ پاک لوگوں کی زیارت کرنا، پیر کی صحبت میں رہنا خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ہے اور یہ کہ پیر کی صحبت میں انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی شخص کو موانعات کے باعث پیر کی صحبت بلا واسطہ نصیب نہ ہو سکے تو اس کو چاہئے کہ اپنے پیر بھائی کی زیارت کر لیا کرے اور اس زیارت کو پیر کی زیارت کا قائم مقام سمجھا کرے۔ آپ نے سنا ہوگا جو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں مجنوں کے عشق کی ایک حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔

مجنوں نے ایک کتّے کے پاؤں چومے۔ لوگوں نے کہا۔ میاں مجنوں، کتّا تو پلید ہے۔ تم نے یہ ناجائز کام کیوں کیا؟ مجنوں نے جو جواب دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہا کہ تم لوگ چونکہ عشق و محبت کے رموز سے بے بہرہ ہو۔ اس لئے کیا جانو کہ میں نے اس کے پاؤں کیوں چومے۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کتّا ایک پلید چیز ہے۔ مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اس کتّے کا اس کوچے میں گزر ہوا کرتا ہے جو میرے محبوب لیلیٰ کی قیام گاہ ہے ۔

پائے سگ بوسید مجنوں خلق گفتہ ایں چہ بود؟
گفت گاہے ایں سگے دَر کوئے لیلیٰ رفتہ بود

اسی طرح پر میرا پیر بھائی میاں امام الدین صاحب جو موضع چک تحصیل پسرور کا باشندہ ہے اٹھ کر ہر روز اس گھوڑی کی قدم بوسی کیا کرتا تھا جو میرے پیر و مرشد قبلہ وکعبہ

قدس سرّہٗ العزیز نے اس کے پاس بھیجی ہوتی تھی اور بڑی محبت اور پیار سے کہا کرتا تھا کہ یہ وہ گھوڑی ہے جو میرے قبلہ وکعبہ کے دربار شریف سے آئی ہوئی ہے۔

حضرت سید بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن کلانور ضلع گورداسپور (حال بھارت) جن کے دیکھنے والے اب تک موجود ہیں اور جو حضرت حاجی سیّد حسین علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجدّدی ساکن مکان شریف ضلع گورداسپور کے مرید تھے، اپنے پیر بھائی حضرت سیّد امام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن مکان شریف کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ اس زمانے میں کوئی مرید اپنے پیر کا ویسا ادب نہیں کرتا ہے۔ حتیٰ الامکان عمر بھر میں مکان شریف کی طرف پیٹھ نہیں کی اور نہ مکان شریف کی زمین پر پیشاب کیا، نہ اس میں کبھی جوتا پہنا اور نہ اس طرف کبھی منہ کر کے تھوکا۔

ایک دن مکان شریف سے ایک خاکروب یعنی چوہڑا کلانور میں جانکلا۔ آپ نے اس کا یہاں تک ادب کیا کہ اس کو اپنی مسند پر جو تخت شاہی سے بھی کہیں بڑھ کر تھی بٹھانے کے لئے نہایت اصرار کیا۔ وہ بیٹھنے سے انکار کرتا رہا۔ بہت دیر کے اصرار کے بعد آپ نے فرمایا اگر مجھے خوش کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس مسند پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ ناچار بیٹھ گیا۔ جتنے گھنٹے وہ وہاں رہا آپ نے دست بستہ اس کی خدمت کے واسطے کھڑے رہے اور اپنے ہاتھ سے اس کو کھانا کھلایا اور ایک پوشاک اور چند مبلغات دے کر اس کو رخصت کیا۔ اس کے ساتھ ایک کتّا بھی تھا اُسے مانگ کر رکھ لیا۔ جب تک آپ زندہ رہے ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ ہر روز صبح اٹھ کر اس کتّے کی زیارت کیا کرتے اور نہایت محبت و پیار سے فرمایا کرتے کہ یہ مکان شریف سے آیا ہوا ہے۔ اس کے لئے عمدہ کھانا تیار ہوتا۔ خود کبھی کھانا نہ کھاتے جب تک کہ اس کو پہلے نہ کھلاتے۔

حضرت میاں عزیز الدین صاحب قدس سرّہٗ ساکن جلالپور جٹاں ضلع گجرات، حضرت باوَلی شریفؒ والوں کے مرید تھے۔ اور حضرت باوَلی شریف والے قدس سرّہٗ میرے حضرت پیرو مرشد قدس سرّہٗ کے ملنے والے تھے۔ میاں عزیز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی کسی بات سے ایسے خوش نہیں ہوتے تھے جتنے کہ اپنے پیر بھائیوں کے

ملنے اور دیکھنے سے ہوا کرتے تھے جب کوئی مسافر یار طریقت حضرت صاحب کی خدمت میں جانے والا مل جاتا تو باوجود ضعف پیری کے اپنے ہاتھ سے اس کی خدمت کرتے، اس کے پاؤں دباتے۔ دو دو میل تک اس کو رخصت کرنے کے لئے ساتھ تشریف لے جاتے۔ اور شکرانہ کے نفل پڑھتے اور کہتے کہ الحمد للہ آج مجھ کو یار کی زیارت نصیب ہوئی اور اگر اتفاق سے کسی دن کوئی مسافر یار طریقت نہ آتا تو کوٹھے پر چڑھ کر دیکھتے۔ اگر کوئی یار نظر نہ آتا تو رویا کرتے کہ الٰہی! مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا کہ جس کی شامت سے آج کسی یار طریقت کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔

ایک دفعہ ان کے پیرو مرشد حضرت خواجہ خان عالم صاحب قدس سرّہٗ نقشبندی مجدّدی ساکن باؤلی شریف، جلال پور جٹاں ضلع گجرات تشریف لائے۔ آپ نے مرنے کے وقت وصیت کی کہ میری قبر اس جگہ بنانا جس جگہ میرے پیر و مُرشد کے گھوڑے باندھے گئے تھے اور جس جگہ انہوں نے پیشاب اور لید کی تھی۔ آخر ان کی وصیت پر عمل کر کے اسی جگہ اس کی قبر بنائی گئی جو اب تک موجود ہے۔

حضرت سیّد میراں بھیکھ صاحب چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ ساکن ٹھکہ شریف (مشرقی پنجاب، بھارت) کے حالات میں ان کے خلیفہ حضرت سیّد علیم اللہ صاحب جالندھریؒ اپنی کتاب ''نزہۃ السالکین'' میں جو اب تک نہیں چھپی، تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت میراں بھیکھؒ صاحب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ ابوالمعالی قدس سرّہٗ کے ہمراہ انبیٹھ سے سہارنپور میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ ابوالمعالی قدس سرّہٗ کا ایک صاحبزادہ محمد باقر نامی تھا جن کے ساتھ آپ کو کمال درجہ کی محبت تھی۔ اس کو مع اس کی والدہ اور درویشوں کے انبیٹھ میں چھوڑ آئے تھے اور ایک دُکاندار کے سپرد کر آئے تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو ان کو دے دیا کرنا ہم آ کر تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے۔ جب رات کو آپ نے کھانا کھایا تو فرمایا معلوم نہیں محمد باقر نے کھانا کھایا ہے کہ نہیں۔ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ نے یہ بات سُن کر جس شخص نے دعوت کی تھی اس کو کہدیا کہ دو تین آدمیوں کے لئے کھانا رکھ لینا۔

حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ وضو کرانے کی خدمت تھی۔ حضرت کو عشاء کا وضو کرایا۔ آپ نماز پڑھ کر سو گئے تو حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانا لے کر دوڑے اور انبیٹھ میں جا کر وہ کھانا پہنچا کر پھر دوڑے ہوئے سہارنپور اس وقت آن پہنچے کہ ابھی تہجد کی نماز کے واسطے حضرت نہیں اُٹھے تھے۔ آپ اُٹھے۔ حسب معمول آپ نے وضو کرایا۔ اسی طرح حضرت خواجہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مہینہ تک سہارنپور میں قیام کیا۔ اور آپ ہر روز اسی طرح انبیٹھ میں برابر کھانا پہنچاتے رہے۔

اب یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انبیٹھ، سہارنپور سے ۱۶ (سولہ) میل کے فاصلے پر ہے جس کی آمد و رفت کی مسافت کے ۳۲ میل ہوتے ہیں۔ گویا آپ روزمرہ عشاء سے تہجد تک ۳۲ میل کا سفر پا پیادہ کرتے رہے اور اپنے پیر و مرشد پر ہرگز اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ ان کا یہ کام محض خالصاً لوجہ اللہ تھا۔ ان کی یہ نیت تھی کہ میرے پیر و مُرشد کے صاحبزادے صاحب یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

جب ایک مہینہ کے بعد آپ انبیٹھ میں تشریف لائے تو دوکاندار کو بلایا اور کہا کہ گھر والوں نے جو کچھ برداشت کیا ہے اس کا حساب کرو۔ دوکاندار نے عرض کی کہ مجھ سے کوئی چیز نہیں لی گئی ہے کیا حساب کروں۔ یہ بات سُن کر متعجب ہوئے۔ پھر اپنے فرزند محمد باقر کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ برخوردار! مجھ کو تو خداوند تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نعمتہائے گوناگوں اور مختلف اقسام کے لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا۔ معلوم نہیں تم نے یہ مہینہ کس تکلیف سے گزارا ہوگا۔ محمد باقر نے عرض کی ہم کو بھی اللہ تعالیٰ نہایت لذیذ لذیذ کھانے دیتا رہا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے رہے ہو۔ عرض کی کہ وہی کھاتا رہا ہوں جو آپ بھیجتے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو تمہارے واسطے کبھی کھانا نہیں بھیجا۔ بچے نے کہا ہم کو تو ہر روز پہنچتا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سُن کر آپ بہت حیران ہوئے کہ یہ راز کیا ہے؟ اور محمد باقر کا یہ کہنا کہ آپ بھیجتے رہے ہیں اور ادھر حضرت پیر صاحب دل میں یہ خیال کر رہے تھے کہ الٰہی! یہ کھانا کون لاتا رہا ہے، میرے ساتھ تو صرف

ایک درویش میراں بھیکھ ؒ تھا جو ہمیشہ عشاء اور تہجد کا وضو کراتا رہا ہے۔ بتیس میل کا فاصلہ روزمرہ طے کرنا انسانی طاقت سے بعید ہے۔ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سامنے کھڑے تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ یہ کام ہو نہ ہو میراں بھیکھ ؒ کا معلوم ہوتا ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آیا۔ اسی وقت آپ نے اُٹھ کر ان کو گلے لگا کر "نور علی نور" بنا دیا۔

اس حکایت کے کیا معنی؟ حضرت میراں بھیکھ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خیال کیا کہ میری جان کو تکلیف ہو تو ہو مگر پیر و مُرشد کے صاحبزادے یعنی پیر بھائی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پاوے۔

فائدہ: یہ جو عام مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں شخص کو ایک دم میں بھرپور کر دیا، یا کامل کر دیا۔ ایسا کام ہمیشہ نہیں ہو سکتا وہ اتفاقاً کسی ایسے رضا کے وقت میں کامل کسی پر خوش ہو کر جوش میں بحکم خدا کر گزرتے ہیں۔ جیسا حضرت ابوالمعالی صاحب ؒ نے کیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نقشبندی دہلوی ؒ نے اس نانبائی پر خوش ہو کر اس کو "نور علی نور" بنا دیا۔ یا جس طرح میرے حضرت پیر و مرشد جناب حافظ جمال اللہ صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے میاں درگاہی شاہ صاحب ؒ کو خوش ہو کر نور علی نور بنا دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت خواجہ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ریاست رامپور کے متصل دریا کے کنارے شکار کھیل رہے تھے۔ ہرن کے پیچھے صبح سے دوپہر تک گھوڑے کو دوڑاتے ہیں۔ ہرن قابو میں نہیں آتا تھا۔ شاہ درگاہی شاہ بھی ساتھ تھے۔ دعا کی یا مولا! یہ ہرن ان کے ہاتھ نہ آئے۔ حضرت کو یہ بات کشف سے معلوم ہوگئی۔ فرمایا! شاہ درگاہی اسی جگہ کھڑا رہ، اور آپ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ہرن کے پیچھے چلے گئے۔ ہرن قابو میں نہ آیا۔ آپ خالی ہاتھ گھر آ گئے۔

بہت مدت گزر گئی شاہ درگاہی صاحب کا کوئی پتہ نہ ملا۔ پورے چھ مہینے کے بعد آپ اسی جنگل میں ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتے ہوئے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ شاہ درگاہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی جگہ کھڑے ہیں۔ آپ گھوڑے سے اترے فرمایا، شاہ درگاہی تو کب سے یہاں ہے؟ عرض کی جب سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہاں کھڑا

رہ۔ اسی وقت سے کھڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا اتنی مدت تک، عرض کی حضرت اتنی مدت کیا۔ اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں قیامت تک اسی جگہ کھڑا رہتا۔ آپ کا فرمان اور میں سَرِ موفرق کرتا۔ جب آپ نے فرمایا اسی جگہ کھڑا رہ تو میں کیسے ہل سکتا تھا۔

شاہ درگاہیؒ کی یہ بات سن کر حضرت حافظ صاحبؒ اتنے خوش ہوئے کہ اس کو بغلگیر کر کے مالا مال کر دیا۔ پھر اسی جگہ شاہ درگاہیؒ کی خدمت میں بڑے بڑے نواب دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ مگر اس میں یہ بات قابل دید ہے کہ حافظ صاحبؒ نے تو ان کو نور علی نور بنایا مگر شاہ درگاہی صاحبؒ کی ارادت و اعتقاد کو بھی دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے پیر و مرشد کے فرمان کی تعمیل میں اپنی جان عزیز کھونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انسان کا چھ ماہ تک نہ کھانا نہ پینا، گرمی، سردی، دھوپ، بارش میں ایک ہی جگہ بلاحرکت کھڑے رہنا طاقتِ بشری سے باہر نہیں تو اور کیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وسعتِ میدانِ ارادت بیار ۔۔۔ تا بزند مرد سخن گوئے گو [1]

پہلے حضرت شاہ درگاہی صاحبؒ کا جیسا عقیدہ ہو تو پھر حافظ صاحبؒ اس کے حال پر نظر عنایت فرما دیں۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر کرد! ۔۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست [2]

دو پیر بھائیوں کے درمیان محبت کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ان دونوں شخصوں کو اپنے پیر کے ساتھ محبت ہے اور پیر کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے محبتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہونا علامت ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت ہونے کی۔ اور در حقیقت یہی ایمان ہے۔ یہ محبت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر ایمان کامل ہوگا اور جس قدر کمی اس محبت میں واقع ہوگی اسی قدر اس کے مدارجِ طریقت میں نقصان ہوگا۔ حقیقت میں پیر کی محبت اور خدا کی محبت دو نہیں۔

---

[1]: ارادت و محبت کے میدان کی فراخی لاتا کہ مرد بات کہنے والا وہاں گیند مارے۔

[2]: وہ عاشق نہیں جس کے حال پر اس کے یار نے نظر نہیں کی۔ اے خواجہ! درد نہیں ہے ورنہ طبیب تو ہے

حکایت!

ایک دن میرے اُستاد زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین حضرت حاجی حافظ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نواب درویش گجراتی نے سرہند شریف کے اسٹیشن پر فقیر کی موجودگی میں دعا کے واسطے عرض کی۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تم کو اپنی محبت میں مستغرق کرے۔ نواب درویش نے عرض کی۔ حضرت میں یہ نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو پیر کی محبت میں مستغرق کرے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب فرمایا وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا وہ دو نہیں ہیں۔ کیا معنی کہ پیر اور خدا کی محبت دو نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی ہے۔ پیر کی محبت عین خدائے تعالیٰ کی محبت ہے۔ کیونکہ پیر وسیلہ یا ذریعہ ہے، خدا کی محبت کا اور خدا تعالیٰ کی محبت فرض ہے۔ خدائے تعالیٰ کی محبت سوائے پیر کی محبت کے اور کسی صورت سے حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کے واسطے کوئی خاص قاعدہ نہیں۔ طالب کے دل کی جس قسم کی زمین ہوگی، اسی قسم کی محبت کے آثار اس پر ظاہر ہو سکتے ہیں۔ نرم دل بچہ اور عورت میں اس محبت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ دلوں کا نرم اور سخت ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے یہ حدیث شریف صحیح بخاری میں وارد ہے۔

یہ پیر بھائیوں کا سلسلہ کب سے جاری ہوا۔ اس اُمت میں سب سے پہلے پیر بھائیوں کا سلسلہ صحابہ کرامؓ سے شروع ہوا (رضی اللہ عنہم) یہ سب ایک دوسرے کے پیر بھائی تھے جو کچھ صحابہ کرامؓ کو ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت تھی اس کی نظیر آج محال ہے۔ اس کے بعد یہ اتحاد محبت کا سلسلہ اب تک اسی طرح سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے اور اس محبت کا کم و زیادہ ہونا پیرانِ عظام کی نظر عنایت پر موقوف ہے۔

مرشدِ کامل کو کسی بات سے بڑھ کر خوشی نہیں ہوتی۔ جتنی کہ اپنے دو مریدوں کو آپس میں متحد دیکھ کر ہوتی ہے۔ اور اس کے برخلاف کسی بات سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا کہ دو مریدوں کو آپس میں ناراض دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اور اصول بھی یہی ہے کہ جب

یہ سلسلۂ اتحاد اور محبت کا محض اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے تو پھر اس میں غیریت کیسی اور عناد چہ معنی؟ ایسے دو شخصوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دونوں مردودِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ علاوہ اپنے پیرو مُرشد اور ہادئ برحق کے دل دکھانے کے خدا تعالیٰ کو بھی ناراض کر لیتے ہیں۔ تو جو محض اپنی نفسانیت کے واسطے خدا تعالیٰ کو ناراض کرے اس سے بڑھ کر بدنصیب اور شقی کون ہوسکتا ہے۔

اکثر یارانِ طریق ان مسائل سے ناواقف ہیں۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے باعث باہم بغض پیدا کر کے اپنے مولیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں۔ ان کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے نفس کی خرابیوں سے شرمانا چاہیے اور ان خرابیوں کو دور کر کے باہمی محبت کا سلسلہ قائم کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ ہے محبت ہی محبت ہے اور بس!

اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ لوگ پانچ پانچ سو کوس کا سفر پاپیادہ طے کر کے اپنے پیر یا پیر بھائیوں کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور اس نعمت کے برابر کوئی نعمت نہ سمجھتے تھے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ فقیر کے یارانِ طریق میں سے ایک شخص میاں وزیر محمد نامی (خدا تعالیٰ کی ہزار ہزار نعمتیں اس کی روح پر نثار ہوں) امرت سر (حال بھارت) میں رہا کرتا تھا۔ بیچارہ دو چار آنے روز کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ جب اسے معلوم ہو جاتا کہ علی پور سے کوئی شخص امرتسر آیا ہے تو سب کاروبار چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلتا اور جب تک اس کی تلاش نہ کر لیتا، چین نہ لیتا۔ پھر اس کو اپنے گھر لاتا اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر اس کی خدمت کرتا۔

اب بھی ایک شخص بابا روڈا نامی سیالکوٹ میں رہتا ہے۔ نہایت ضعیف البدن اور بالکل مفلس آدمی ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص علی پور سے سیالکوٹ میں آیا ہے تو باوجود اپنی ضعیفی اور معذوری کے بذات خود اس کی تلاش کر کے جب تک اپنے گھر میں لے جا کر اس کی خدمت نہ کر لے اسے آرام نہیں آتا۔ خدا تعالیٰ دوسرے سب یاروں کو بھی یہ محبت روحانی عطا فرمائے۔

میرے قبلہ وکعبہ حضرت پیرو مرشد ہادی و مولیٰ فداہ روحی وقدس اللہ سرہ العزیز اپنے والدِ ماجد حضرت خواجہ نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر کے اکثر ارشاد فرماتے

اور خود بدولت بھی اس بات پر زور دیا کرتے کہ یارِ طریقت وہ ہوتا ہے جو یارانِ طریق کی خدمت کرے ورنہ صرف ہماری ہی خدمت کرنے سے کوئی شخص یار ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ہماری خدمت تو کافر بھی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ ایک جامع پُر معنی جملہ ہے جس کے الفاظ تھوڑے سے ہیں مگر لفظ لفظ کے نیچے حقائق کا سمندر لہریں مار رہا ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ایک مستعد طالب کو عمل کرنے کے لئے ایک ہی حکم کافی ہے۔

حدیث شریف میں یہ مضمون اس طرح وارد ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرے۔ خدا اس کی عزت کرتا ہے"۔ دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ

"جو شخص خدا تعالیٰ کی ذات پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو،

اس کو لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے"۔

اس حدیث شریف میں لفظ اکرام ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کی تشریح جتنی کی جائے تھوڑی ہے۔ ہر ایک قسم کی خدمت اس لفظ کے معنوں میں داخل ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ والسّلام عام مہمان کے اکرام کی اس قدر تاکید فرماتے ہیں تو اس کے بعد جس قدر خصوصیت تعلقات میں زیادہ ہوگی اسی قدر اس حکم میں تاکید زیادہ ہوتی جائے گی۔ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے۔ اٹھائیسواں پارہ پہلے ربع کا چوتھا رکوع: **ویؤثرون علی انفسھم** . یعنی باوجود اپنی ضرورتوں کے دوسروں پر ایثار کرتے ہیں"۔ (پارہ: ۲۸۔ سورہ: حشر: ۹)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے کہ ایک مسکین صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس کوئی شخص بکری کا ایک بھنا ہوا سر لایا۔ اس صحابی نے وہ سر اپنے سے زیادہ محتاج ایک صحابی کے پاس بھیج دیا۔ اس دوسرے نے تیسرے کے پاس اور تیسرے نے چوتھے کے پاس۔ اسی طرح وہ سر نو شخصوں کے پاس پھرا۔ خدا تعالیٰ جل جلالہٗ کو ان کا یہ عمل نہایت پسند آیا۔ اس پر یہ آیت مذکور بالا **ویؤثرون علی انفسھم** نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں بہت سے مہمان آ گئے ۔ حضور ﷺ نے حاضرین سے فرمایا ، ان کی خدمت کرو۔ چنانچہ ہر ایک صحابی بقدر استطاعت ایک ایک دو دو مہمانوں کو اپنے گھر لے گیا۔ ایک صحابی مہمان کو لے کر گھر پہنچا تو گھر میں دو روٹیاں موجود تھیں جن پر ان کے سارے بال بچوں کو گزارہ کرنا تھا۔ اس مردِ خدا نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو تو بھوکا سلا دو اور میں مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ جاؤں تو تم بتی نکالنے کے بہانے سے چراغ کو گل کر دینا۔ جب مہمان اور میزبان دونوں روٹیاں آگے رکھ کر بیٹھ گئے تو اس نیک بخت بی بی نے چراغ گل کر دیا۔ میزبان اندھیرے میں جھوٹ موٹ منہ ہلاتا رہا۔ تاکہ یہ مہمان سمجھے کہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہے۔ یہاں تک کہ ان دونوں روٹیوں میں سے ایک نوالہ بھی اس مرد نے اپنے منہ میں نہ ڈالا۔ یہی نہیں بلکہ خود بھوکا رہا بلکہ مہمان کی خاطر سے اپنی بیوی اور بچوں کو بھوکا رکھا اور مہمان کو جو اس کا پیر بھائی تھا، بھوکا رکھنا گوارا نہ کیا۔ اس صحابی کا یہ عمل چراغ گل کرنا اور بغیر لقمہ اٹھانے کے ہاتھ منہ کی طرف لے جانا، بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوا۔ جب صبح وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ اس کو دیکھ کر مسکرائے اور بہت خوش ہو کر فرمایا کہ تمہیں مبارک ہو۔ تیرا رات والا عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گیا ہے۔ اور تیرے حق میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت بھیجی ہے جس میں تجھے نجات کا وعدہ دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک صحابی زخم سے بے تاب ہو کر گرا اور نزع کی حالت میں پیاس کی شدت ہوئی تو کسی سے پانی مانگا۔ وہ شخص پانی لے کر اس کے سر پر پہنچا تو پاس سے ایک شخص نے ہائے پانی، ہائے پانی پکارا۔ پہلے زخمی نے پانی والے کو کہا کہ پہلے اس دوسرے زخمی کو پلاؤ میں بعد میں پیوں گا۔ وہ شخص پانی لے کر دوسرے کے پاس گیا تو کسی تیسرے زخمی نے آواز دی۔ وہ تیسرے کی خدمت میں حاضر ہوا تو چوتھے زخمی نے پانی پانی پکارا۔ غرض وہ شخص اسی طرح پانی لئے ہوئے سات زخمیوں کے پاس گیا مگر ان میں سے کسی نے ایک دوسرے کو پیاسا رکھ کر خود پانی پینا گوارا نہ کیا۔ جب وہ پانی کا پیالہ لے کا ساتویں کے سر پر پہنچا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ وہ پانی والا

جس ترتیب سے گیا تھا اس ترتیب سے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کے سب جان دے چکے ہیں۔ وہ پیالہ پانی کا جوں کا توں اس پانی والے کے ہاتھ میں موجود تھا۔ یہ ہیں سچے یارِ طریقت یا حقیقی پیر بھائی۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''گلستان'' میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ دو دوست ایک کشتی میں سوار تھے۔ اتفاقاً دونوں دریا میں گر پڑے۔ ملاح ایک کے پکڑنے کو پانی میں کود پڑا تو اس ڈوبنے والے نے کہا کہ میاں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور پہلے میرے اس یارِ طریقت کو پکڑو۔ اس کے ان الفاظ سے کشتی والے بہت بگڑے اور کہا دیوانے تم اپنی جان تو پہلے بچا لو! پھر دوسرے کی فکر کرنا۔ اس کے جواب میں جو فقرے اس ڈوبنے والے کی زبان سے نکلے وہ ایسے جامع ہیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں جو محبت کا دعویٰ کریں گی وہ سب انہیں فقروں کو اپنا دستور العمل بنائیں گی۔ اس نے کہا کہ زبانی جمع خرچ یا منہ سے کسی کو یار کہہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یار وہ ہوتا ہے جو مشکل کے وقت میں اپنے آرام کو یار کی مصیبت پر نثار کر دے اور اگر یار کی خدمت میں جان بھی کام آ جائے تو دریغ نہ کرے ۔

چنیں کردند یاراں زندگانی!! زکار افتادہ بشنو تا بدانی!!

ترجمہ:۔ دوستوں نے اپنی عمر کو ایسے بسر کیا، کسی بیکس سے سنتا تو تجھے معلوم ہوتا۔

گلستان میں کسی دوسری جگہ بلبل شیراز یوں نغمہ طراز ہے۔

دوست مشمار آنکہ درنعمت زند لاف یاری وبرادر خواندگی

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست در پریشاں حالی و در ماندگی !

ترجمہ:۔ اس شخص کو دوست مت شمار کر جو کہ دولت مندی کے وقت دوستی کا دم بھرتا ہے، دراصل دوست وہ ہے جو پریشان حالی اور عاجزی کے وقت مددگار ہو۔

حقیقت میں یار کہلانا تو سہل ہے مگر یارِ طریقت بننا یا اس کا سچا نمونہ بن کر دکھانا مشکل کام ہے۔

میرے حضرت پیر و مرشد ہادی و مولیٰ قدس سرہٗ العزیز سب سے زیادہ اس یار

پر خوش ہوتے تھے جو یاروں کا سب سے زیادہ خدمت گزار ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دربار شریف سے چند زمیندار تجارت کی غرض سے امرتسر جاتے ہوئے علی پور آ نکلے۔ فقیر نے حتیٰ الامکان ان کی خدمت کی۔ انہوں نے دربار شریف پہنچ کر سارا ماجرہ حضور میں عرض کیا۔ آپ اس قدر خوش ہوئے کہ جامہ میں پھولے نہ سماتے تھے۔

ایک بزرگ ساکن موضع لنگے کھودے ضلع گجرات کے پاس ایک شخص دودھ کا پیالہ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے باوجود خود بھوکا ہونے کے دوسرے شخص کو دے دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو تیسرے نے چوتھے کو۔ غرض وہ پیالہ گردش کرتا رہا مگر کسی نے ایک قطرہ بھی نہ پیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ کیا تم سب کے سب فرشتے بن گئے ہو۔ اگرچہ ایسی نظیریں اس زمانہ میں ملنی دشوار ہیں مگر پھر بھی جہاں تک ہو سکے ہر ایک مسلمان کو ایسے پاک وجودوں کے پاک افعال کی تقلید کرنا چاہیے۔

ابھی تھوڑے دن کا ذکر ہے کہ ایک شخص احمد خاں گدو کے نامی ساکن ریاست بہاولپور کوٹھے پر چڑھ کر کسی نووارد یا مہمان یا مسافر کا انتظار کرتا اور دعا مانگتا کہ الٰہی کسی مہمان کو بھیج کہ اس کے طفیل میں بھی اچھا کھانا کھالوں۔ آخر الامر اس کی دُعا قبول ہوئی اور خدا تعالیٰ نے تھوڑے دنوں کے بعد اس کو لنگر جاری کرنے کی توفیق بخشی۔

اسی طرح فقیر کے یاروں میں سے عبداللطیف نامی ساکن کوہاٹ نے دُعا کے واسطے التجا کی کہ خدا تعالیٰ مجھے اتنی توفیق بخشے کہ میں لنگر جاری کروں اور مسافروں کی خدمت کیا کروں۔

یارانِ طریقت کو ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر محبت ہونی چاہئے کہ مال و متاع سب ایک دوسرے پر فدا کریں اور اصولِ طریقت بھی یہی ہے کہ ایک پیر بھائی اپنے نووارد پیر بھائی کے لئے اپنی سب چیزیں وقف سمجھے اور اس کی خدمت کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر جہاں تک ممکن ہو کوئی دقیقہ اس کی خدمت گزاری میں فروگزاشت نہ کرے۔ صرف زبانی جمع خرچ کرنے اور یارِ طریقت کہلانے سے کبھی بھی کوئی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ عرب کا ایک قول ہے۔ **المحبت یظھر بالید** ۔ ’’یعنی محبت

ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے''۔ اگر اس کے ثبوت کی ضرورت ہو تو دیکھو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات۔

جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ میں پہنچے تو مدینہ شریف والوں نے اپنے یارانِ طریقت کے ساتھ اس قدر ہمدردی کی کہ اگر ایک شخص کے پاس دو مکان تھے تو اس نے ایک مکان مہاجر کو دے دیا۔ اگر دو برتن تھے تو ایک برتن اور اگر دو کپڑے تھے تو ایک کپڑا اپنے پیر بھائی کے حوالے کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے نکاح میں دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک بیوی کو اپنے مہاجر پیر بھائی کے لئے طلاق دے دی۔ درحقیقت سچا اسلام وہی تھا۔ سچے پیر بھائی وہی تھے۔

میرے گاؤں میں ایک بزرگ میاں غلام رسول صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ ان کا پنجابی میں ایک شعر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

جس نے داری کسے دی نہ کیتی نہ کیتا اس نوں راضی میاں قاضی!!

جے سے برساں پڑھے نمازاں تد بھی رب نہ راضی ہتھوں پاضی!

یعنی جو کوئی اپنے مہمان کی خدمت کر کے اسے راضی نہیں کرتا وہ صدہا سال تک نماز بھی پڑھے، پھر بھی اپنے خدا کو راضی نہیں کر سکتا بلکہ بجائے راضی کرنے کے ایسے شخص یعنی خدمت نہ کرنے والے پر اللہ تعالیٰ خود ناراض ہوتا ہے۔ اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ہر کہ نخوت کرد اُو محروم شد

حدیث شریف میں آیا ہے: **سید القوم خادمهم**۔ ایک دن جناب حافظ شہاب الدین صاحبؒ امام مسجد پٹولیاں ساکن لاہور نے حضرت مولوی خلیفہ نظام الدین صاحب لاہوری وارد بمبئی (جو لاکھوں روپے کے مالک تھے) سے سوال کیا کہ آپ نے اس قدر روپیہ کس طرح حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا: حافظ صاحب میں جس تنگی سے لاہور میں گزارہ کرتا تھا وہ آپ کو یاد ہے۔ بمبئی پہنچ کر میں نے درویشوں کی خدمت شروع کی۔ جس کی برکت سے لاکھوں روپے کا مالک بن گیا ہوں۔ آپ سے بھی ہو سکے

تو درویشوں اور مسافروں کی خدمت کیا کرو۔

حافظ صاحب مرحوم نے ان کے فرمان کی تعمیل کے لئے کمر ہمت مضبوط باندھ لی اور درویشوں کی خدمت شروع کردی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ صاحب تھوڑے ہی دنوں میں مالدار ہوگئے اور جس عزت سے حافظ صاحب نے لاہور میں دن بسر کئے وہ اہل لاہور سے مخفی نہیں اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی تعریف میں ان کے مہمانوں کی خدمت کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور انسان تو انسان حیوانوں کی خدمت کرنے میں بھی بڑے درجے ملتے ہیں۔ بلکہ انسان پر حیوان کی خدمت گزاری واجب کی گئی ہے۔ کوئی پیغمبر آج تک نہیں گزرا جس کو بکریاں چَرانے کی خدمت سپرد نہ کی گئی ہو۔ اس میں ان کا امتحان ہوتا تھا۔ میرے قبلہ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی مہمان حاضرِ خدمت ہوتا آپ باوجود ضعفِ پیری اور سو (۱۰۰) سال سے بھی زیادہ عمر ہونے کے بذاتِ خود گھر میں تشریف لے جاکر چھاچھ یا شربت یا دودھ جو کچھ حاضر ہوتا اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر لاتے اور اگر تیار ہوتا تو لے آتے ورنہ اسی وقت کھانا تیار کرواتے۔ عمدہ اور لذیذ کھانے پکواتے اور اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ حق تو یہ ہے کہ جو لذت اس کھانے میں ہوتی تھی وہ اس سے پہلے اور پیچھے کبھی نصیب نہ ہوئی۔ فقیر اس جگہ اتنا کھا جاتا تھا کہ کبھی عمر بھر نہیں کھایا۔

حضرت خواجہ خانِ عالم صاحب نقشبندی نوری رحمۃ اللہ علیہ ساکن باوَلی شریف ضلع گجرات کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی اجنبی پٹھان آپ کے ہاں اتفاقاً آجاتا تو اس کے لئے علیحدہ کھانا تیار کرواتے اور خود اپنے ہاتھ مبارک سے اس کی خدمت کرتے۔ اگر کوئی شخص خصوصیت کی وجہ پوچھتا تو فرماتے کہ میرے حضرت پیر ومرشد کے وطن مبارک کے رہنے والے ہیں۔ اس لئے اور مہمانوں کی نسبت ان کی خصوصیت ہے۔

اب میں یار طریقت کے لغوی معنی بیان کرتا ہوں۔ یار فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی مددگار یا مدد کرنے والے کے ہیں۔ طریقت کے معنی راہ کے ہیں مگر مطلق راہ نہیں۔ بلکہ وہ راہ جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف جانے والی ہو۔ پیر بھائی کے کیا معانی؟

جو دو شخص ایک پیر کے ملنے والے ہوں، ان کو تصوّف کی اصطلاح میں پیر بھائی کہا جاتا ہے۔ جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں ان کو مادرزاد بھائی کہا جاتا ہے۔ ویسا ہی ان دونوں کو پیر بھائی کہا جاتا ہے۔ ان پیر بھائیوں کا تعلق اور محبت ان جسمانی مادر زاد بھائیوں سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ اس کو اپنے پیر بھائی کے دیکھنے سے اتنی خوشی حاصل ہو کہ اپنے متعلقین جسمانی سے کسی کے دیکھنے سے اتنی فرحت حاصل نہ ہو اور اس کے رنج وراحت میں شریک ہو۔ اس پیر بھائی کے رنج کو اپنا رنج، اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھے تو وہ شخص اس سچے خطاب پیر بھائی کا مستحق ہوسکتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب قدس سرّہٗ ساکن تونسہ شریف فرمایا کرتے تھے کہ لفظ پیر بھائی نہیں بلکہ پیڑ بھائی ہے۔ پیڑ پنجابی میں درد کو کہتے ہیں۔ کیا معنی جو شخص دُکھ یا درد یا تکلیف میں اس کا بھائی بن کر اس کی تکلیف یا رنج مٹائے وہی پیر بھائی ہے۔ اس زمانہ میں تو بعض شخصوں کو اس نام سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔ ہاں بعض یارانِ طریقت اس کلمہ کو اپنی عزت اور فخر کا باعث سمجھ کر ادنیٰ سے ادنیٰ غریب سے غریب یار طریق کو فخریہ طور پر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں اور یہ مقولہ ان کی زبان پر ہوتا ہے۔

مقامِ عشق میں شاہ وگدا کا ایک رتبہ ہے　　زلیخا ہر گلی کوچہ میں بے توقیر پھرتی ہے

وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح ایک شخص کے دو بیٹے ہوں۔ ایک لاکھ روپیہ کا مالک اور دوسرا مفلس وعاجز۔ مگر باپ کے بیٹے ہونے میں وہ دونوں شامل ہیں۔ اور وہ مالدار اس مسکین کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا نہیں ہے۔ ولدیت میں دونوں برابر شامل ہوں گے۔ ویسے ہی دو پیر بھائی خواہ وہ کسی حیثیت کے ہوں ان کے پیر بھائی کہلانے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا جو ایسا کرتے ہیں ان کی سخت غلطی ہے۔

میرے یاروں میں سے ایک شخص شیخ محمد ابراہیم صاحب[1] وکیل ریاست

---

[1]: المتوفی بیکانیر ۸/ جون ۱۹۴۷ء (قصوری)

بیکانیر (بھارت) جو بڑے اعلیٰ پایہ کے آدمی ہیں اور مہاراجہ صاحب کے دربار میں کمال درجہ کا اعزاز حاصل ہے۔ ہمیشہ اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ مسکین وغریب یار طریقت کو پیر بھائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان کے کام کو بلامحنتانہ اپنا کام سمجھ کر بلکہ اپنے ذاتی کام سے بھی بڑھ کر سرانجام دیتے ہیں خدا تعالیٰ اوروں کو بھی توفیق بخشے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اب ہم اس مسئلہ میں ایک شرعی نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں اور اپنے ناظرین کو وہ فیصلہ سنانا چاہتے ہیں جو قرآن کریم اور حدیث شریف نے اس مسئلہ کے متعلق فرمایا ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ دیکھو پارہ ۲۶، سورہ حجرات: ۱۰)

انما المؤ منون اخوۃ : یعنی ''مومن بھائی ہیں''۔

دوسری جگہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ دیکھو پارہ چھٹا۔

اذلۃ علی المؤ منین۔ سورہ المائدہ: ۵۴) یعنی ''خدائے تعالیٰ کے محبوب وہ لوگ ہیں جو مومنوں کے ساتھ نرمی اور تواضع سے پیش آئیں''۔ ایک اور جگہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سچے رفیقوں کی صفت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

رُحماء بینھم : یعنی ''وہ لوگ آپس میں محبت اور شفقت کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ (پارہ :۲۶، سورہ فتح: ۲۹)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اسے نیک دوست عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اگر کہیں خدا کو بھول جائے تو دوست اسے یاد دلاتا رہے اور اگر وہ شخص خدا کی یاد میں لگا رہے تو دوست اس کا مددگار رہے۔ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کہ جہاں کہیں دو مومن مل بیٹھیں ایک کو دوسرے سے دین کا ضرور فائدہ پہنچتا ہے۔ فرمایا! جو شخص کسی کو خدا کے لئے اپنا بھائی بنا لے۔ جنت میں ایسا درجہ بلند عطا کیا جائے گا جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت ابو ادریس خولانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ میں آپ کو خدا کے واسطے دوست رکھتا ہوں۔ حضرت معاذ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا، یہ بات ہے تو میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ارشاد فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن عرش کے گرداگرد کرسیاں بچھائی جاویں گی، ان پر ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اس وقت سب لوگ ڈر رہے ہوں گے مگر یہ کرسی نشین اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ یہ لوگ خدا کے دوست ہیں۔ جن کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ غم۔ لوگوں نے عرض کی۔ خدا کے حبیب ﷺ! یہ کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا! **التحابون فی اللہ** ''وہ لوگ ہوں گے جو ایک دوسرے کو خدا کے واسطے دوست رکھتے ہیں۔'' حضور علیہ السّلام کا ارشاد ہے کہ وہ آدمی جو آپس میں اللہ کے واسطے دوستی رکھتے ہیں۔ ان میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اپنے دوست کو زیادہ پیار کرے۔

فرمایا! حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری دوستی کے وہ لوگ حقدار ہیں جو ایک دوسرے سے میرے واسطے ملاقات کریں۔ میرے لئے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی رکھیں۔ مجھے راضی کرنے کے واسطے اپنے مال سے ایک دوسرے کی تکلیف دور کریں اور میرے ہی لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو آپس میں میرے واسطے محبت رکھتے تھے تاکہ آج جب کہ پناہ لینے کو سایہ نہیں ہے ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

فرمایا! جو شخص خدا کے واسطے اپنے دینی بھائی سے ملاقات کرتا ہے اس کے پیچھے فرشتہ ندا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بہشت تجھے مبارک ہو۔

فرمایا ایک شخص اپنے کسی دوست کی ملاقات کو جارہا تھا۔ خدا کے حکم سے اسے ایک فرشتہ راستہ میں ملا اور اس شخص سے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہاں فلاں بھائی سے ملنے جاتا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کیا تمہیں اس سے کچھ کام ہے۔ کہا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا وہ شخص تمہارا کوئی رشتہ دار ہے۔ کہا کوئی نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے جس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تم وہاں جارہے ہو۔ کہا کوئی

نہیں۔ فرشتے نے کہا جب تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو پھر اس سے ملنے کیوں جاتے ہو۔ اس نے کہا بھائی مَیں تو صرف خدا کے واسطے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ اور خدا کے واسطے مجھے اس سے محبت ہے۔ فرشتے نے کہا تمہیں مبارک ہو کہ خدا تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس اس واسطے بھیجا ہے کہ تجھے یہ خوشخبری سناؤں کہ خدا تعالیٰ تجھے دوست رکھتا ہے۔ اس واسطے کہ تو اسے دوست رکھتا ہے اور تیرے واسطے خدائے کریم نے اپنے اوپر بہشت کو واجب کیا ہے۔

فرمایا! ایمان کے بارے میں بہت مضبوط دستاویز وہ دوستی اور وہ دشمنی ہے جو خدا کے واسطے ہو۔

خدا تعالیٰ نے کسی نبی پر وحی بھیجی کہ تم نے یہ زُہد جو اختیار کر رکھا ہے اس سے تم دُنیا اور رنج دُنیا سے چھوٹ کر آرام میں ہو گئے۔ میری یہ عبادت جو تم کر رہے ہو اس سے تمہیں ہمارے دربار میں عزت حاصل ہو گئی ہے لیکن دیکھو تو کبھی تم نے میرے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھی ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے عیسیٰؑ! اگر تم بالفرض کُل زمین والوں اور کُل آسمان والوں کی عبادتیں بھی بجا لاؤ اور ان عبادتوں میں کسی کو دوستی یا دشمنی میرے واسطے نہ ہو تو وہ سب عبادتیں بے فائدہ ہوں گی۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے پوچھا یا روح اللہ! ہم کس کی صحبت میں بیٹھا کریں۔ فرمایا! ایسے شخص کی صحبت میں جس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے۔ جس کی باتیں تمہارے علم کو بڑھائیں اور جس کے اعمال تمہیں آخرت کی طرف مائل کریں۔

حضرت داؤد علیہ السّلام پر خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ داؤدؑ! لوگوں سے بھاگ کر تنہا کیوں بیٹھ رہا ہے۔ عرض کی الٰہی! تیری محبت نے لوگوں کی یاد میرے دل سے محو کر دی اور میں سب سے متنفر ہو گیا ہوں۔ ارشاد ہوا داؤدؑ! ہوشیار رہو۔ اپنے واسطے کوئی دینی بھائی پیدا کرو اور جو شخص دین کی راہ میں تمہارا مددگار نہ ہو اس سے دور بھاگو کہ وہ تمہارے دل کو

سیاہ کرے گا اور مجھ سے تمہیں دور رکھے گا۔

سلطان الانبیاء علیہ وآلہ الصلوٰۃ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا آدھا جسم برف سے بنا ہوا ہے اور آدھا آگ سے وہ دعا مانگتا ہے کہ الٰہی! جس طرح تو نے برف اور آگ میں اُلفت ڈال دی ہے اسی طرح اپنے نیک بندوں کے دِلوں میں بھی اُلفت ڈال دے۔

فرمایا جو لوگ خدا کے واسطے آپس میں دوستی رکھتے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن یاقوت سُرخ کا ایک ستون کھڑا کیا جائے گا جس کی چوٹی پر ستر ہزار دریچے ہوں گے۔ ان پر سے وہ لوگ جو اہل جنت کو جھک جھک کر دیکھیں گے ان کے چہروں کا نور اہل جنت پر اس طرح پڑے گا جس طرح آفتاب کا نور زمین پر پڑتا ہے۔ اہل جنت کہیں گے چلو ان کو دیکھیں۔ ان لوگوں کے بدن میں ریشم کا سبز لباس ہوگا اور ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا المتحابون فی اللہ ۔''یعنی وہ لوگ خدا کے واسطے دوستی کرنے والے ہیں''۔

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا۔ اے خداوندِ دوجہان! تو جانتا ہے کہ میں گناہ کرتے وقت تیرے فرمانبردار بندوں کو دوست رکھتا تھا۔ اس کام کو میرے گناہوں کا کفارہ کر۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے واسطے دوستی رکھنے والے جب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو ان سے اس طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے موسمِ خزاں میں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں اس مسئلہ کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے، وہ قابل دید ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے عزیز! جب برادری اور صحبت کا عہد ہوگیا تو اس کا عقدِ نکاح کی مانند سمجھ کر جو اس کے حقوق ہیں، ان کے ادا کرنے میں جان و دل سے ساعی رہنا چاہیے۔ کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے کہ ایک

دوسرے کودھوتا ہے۔

اور صحبت ومحبت کے حقوق دس قسم کے ہوتے ہیں۔پہلی قسم وہ ہے جس کا مال سے تعلق ہے۔اور یہ حق سب حقوق میں پہلے درجہ پر ہے۔مطلب اس کا یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کے حق کومقدم سمجھے اور اپنا حصہ اسے دے ڈالے۔جیسا کہ انصار کے حق میں خداتعالیٰ ارشادفرماتا ہے۔ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ۔(پارہ:۲۸۔سورہ حشر:۹)یعنی''اُن کواپنی جانوں سے مقدّم رکھتے ہیں اگرچہ خودکواحتیاج ہی ہو۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک دوست اپنے دوست بھائی کواپنے جیسا سمجھے یعنی اپنے اوراس کے درمیان اپنے مال کومشترک جانے اورسب سے آخری درجہ یہ ہے کہ دوست بھائی کواپنا خادم یاغلام سمجھا جائے یعنی جوچیزاپنی حاجت سے زیادہ ہووہ اس کودی جائےلیکن اس سبب سے ادنیٰ درجہ میں بھی اِس بات کالحاظ رکھنالازم ہے کہ محتاج دوست کوسوال نہ کرنا پڑے۔اگرسوال تک نوبت پہنچتی تودوستی جاتی رہی۔یہ دوستی یاصحبت اربابِ محبت کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

عتبۃ الغلام کاایک دوست تھا۔اس نے چارہزاردرہم طلب کیا۔عتبۃ الغلام نے کہااس وقت دوہزاردرہم لے جاؤ۔دوہزارپھرلے جانا۔اس دوست نے جواب دیا۔عتبۃ الغلام تیری غیرت کوکیاہوا۔للہِ دوستی کاتودعویٰ کرتے ہوپھرڈنیاکواس پرترجیح دیتے ہو۔

کسی بادشاہ کے روبروحضرت صوفیائے کرام کے ایک گروہ کے حق میں لوگوں نے چغلی کھائی۔اس پرسب صوفیوں کے واسطےتلوارکھینچی گئی۔ان میں خواجہ ابوالحسن نوری قدس سرّہٗ بھی موجود تھے۔سب سے پہلے آگے بڑھ کرکہاکہ پہلے مجھےقتل کرو۔بادشاہ نے کہاتم کیوں آگے بڑھتے ہو؟کیاتمہیں اپنی جان عزیزنہیں۔آپ نے فرمایایہ سب صوفی میرے دوست بھائی ہیں اورمجھے اس وقت موت کایقین ہوچکا ہے۔چاہتاہوں کہ ایک گھڑی پہلے ان سب سے جان دوں تاکہ وہ جان ان پرنثارہوجائے۔یہ جواب سن کربادشاہ

حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔ سبحان اللہ! ایسے با مروّت لوگ اگر قتل کے لائق ہیں تو میں نہیں جانتا کہ زندہ رہنے کے لئے ان سے بہتر کون سے لوگ ہوں گے۔ پھر سب کو رہا کر دیا۔

حضرت فتح موصلی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک دوست کے گھر گئے۔ وہ گھر میں نہ تھا۔ اس کی لونڈی سے کہا کہ اپنے مالک کا صندوقچہ لا۔ وہ لائی۔ جو کچھ درکار تھا صندوقچہ میں سے لے لیا۔ جب وہ دوست اپنے گھر آیا اور یہ ماجرا سُنا تو خوشی کے مارے اس نے لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے عرض کی، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے دوستی اور برادری کروں۔ آپ نے فرمایا میاں! تمہیں برادری کے حقوق بھی معلوم ہیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ایک حق تو یہ ہے کہ تو اپنے سونے چاندی بلکہ ساری جائیداد میں مجھ سے زیادہ حقدار نہ رہے۔ اس نے عرض کی حضرت ابھی میں اس درجہ کو نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا تو بس چلے جاؤ۔ دوستی و برادری تمہارا کام نہیں ہے۔

مسروق اور خثیمہ رحمۃ اللہ علیہما میں دوستی تھی اور دونوں صاحب قرضدار تھے لیکن ایک دوسرے کا قرض اس طرح ادا کر دیا کہ دوست کو خبر تک نہ ہوئی۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے بیس (۲۰) درہم کسی دوست کے کام آویں تو وہ اس سو درہم سے بہتر سمجھتا ہوں جو فقیروں کو خدا واسطے دوں۔

جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل میں دو مسواکیں بنائیں۔ ایک ٹیڑھی تھی اور دوسری سیدھی۔ ایک صحابی بھی حاضر خدمت تھے۔ آپ نے سیدھی مسواک تو ان کو عطا فرمائی اور ٹیڑھی خود رکھ لی۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ اے خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مسواک اچھی ہے۔ آپ ﷺ لیجئے اور ٹیڑھی مسواک مجھے دے دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یاد رکھو! جب کوئی شخص کسی کے ساتھ گھڑی بھر صحبت رکھے تو قیامت کے دن اس سے ضرور سوال ہوگا کہ آیا تو نے حقِ صحبت ادا کیا یا نہیں؟ آپ ﷺ کا یہ فرمان صاف بتلا رہا ہے کہ حق صحبت کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے کام کی چیز دوست

کو دیوے۔

جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو آدمی باہم صحبت رکھتے ہیں تو ان دونوں میں خدا کا بڑا دوست وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے دوست کے ساتھ زیادہ شفقت کرے۔

صحبت کے حقوق کی دوسری قسم یہ ہے کہ دوست سب کاموں میں اپنے دوست کی طرف سے خواہش ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس کی یاری و مدد کرے۔ خوشی خوشی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ دوست کی خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ پہلے بزرگوں کی عادت تھی کہ ہر روز اپنے دوستوں کے دروازے پر جا کر گھر والوں سے پوچھتے کہ کیا کرتے ہو۔ لکڑی، آٹا نمک ہے یا نہیں؟ دوستوں کے کام کو اپنے کام کی طرح ضروری جانتے۔ کام کرتے تو بجائے دوستوں پر احسان کرنے کے خود احسانمند ہوتے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دینی بھائی مجھے اپنے بیوی بچوں سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ اس لئے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے خدا یاد آتا ہے۔ اور جورو بچے دُنیا یاد دلاتے ہیں۔

حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کم سے کم تین دن کے بعد اپنے دوستوں کی ضرور خبر لیا کرو۔ بیمار ہوں تو ان کی خدمت کیا کرو۔ کسی کام میں مصروف ہوں تو ان کی مدد کیا کرو اور اگر بھول گئے ہوں تو ان کو یاد دلایا کرو۔

حضرت جعفر ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دشمن جب تک مجھ سے بے پرواہ نہ ہو جائے تب تک میں اس کی حاجت روائی میں جلدی کیا کرتا ہوں تو دوست کے حق میں کیا کروں۔

اگلے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس برس تک حقِ صحبت کی رعایت سے اس کے بیوی بچوں کی خدمت کی۔

تیسری قسم زبان سے متعلق ہے کہ اپنے بھائیوں کے حق میں اچھی بات کہے اور ان کے عیبوں کو چھپائے۔ اگر کوئی ان کی پیٹھ پیچھے ان کا ذکر کرے تو اس کا جواب

دے اور یہ سمجھے کہ وہ دیوار کے پیچھے سن رہا ہے۔ جس طرح اپنی پیٹھ پیچھے اس کا رہنا چاہتا ہے۔ اسی طرح اس کے پیٹھ پیچھے خود بھی رہے۔ چرب زبانی نہ کرے۔ جب وہ اس سے کچھ کہے تو مان لے تکرار نہ کرے۔ اس کا راز فاش نہ کرے گو کہ اس سے انقطاع ہو چکا ہو۔ کیونکہ یہ امر بد ظنی سے ہوتا ہے۔ اس کے زن و فرزند اور احباب کی غیبت نہ کرے۔ اگر کسی نے اس کی شکایت کی ہو تو اس سے نہ بیان کرے، اس واسطے کہ یہ امر حسد کی دلیل ہے۔ اگر اس نے اس کی شکایت کی یا کچھ تقصیر کی تو شکایت نہ کرے اور معاف کر دے اور اپنا قصور یاد کرے جو خدا کی عبادت میں کرتا ہے۔ تا کہ اپنے حق میں کسی کے قصور کو اچنبھا نہ جائے اور یہ سمجھے کہ اگر کوئی ایسے شخص کو ڈھونڈے جو بے خطا اور بے عیب ہو تو ہر گز نہ پائے اور خلق کی صحبت چھوڑ دیوے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن ہمیشہ بھلائی ڈھونڈتا ہے اور منافق سدا عیب ڈھونڈتا ہے۔ چاہئے کہ ایک نیکی کے بدلے دس تقصیریں چھپائے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ برے آشنا سے پناہ مانگنا چاہیے۔ اس واسطے کہ جب وہ برائی دیکھتا ہے تو ظاہر کر دیتا ہے۔ جب اچھائی دیکھتا ہے تو چھپاتا ہے۔

جب کوئی قصور معذرت کے لائق ہو تو اسے معاف کر دے اور نیک گمان کرے اس واسطے کہ بدگمانی کرنا حرام ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے مومن کی چار چیزوں کو دوسروں پر حرام کیا ہے۔ مال، جان، آبرو، بدگمانی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو اپنے برادر کو سوتا دیکھتا ہے تو اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتارتا ہے تا کہ وہ ننگا ہو جائے۔ لوگوں نے کہا یا روح اللہ! اس امر کو کون روا رکھے گا۔ فرمایا تم ہی روا رکھتے ہو۔ اس واسطے کہ اپنے برادر کا راز فاش کرتے ہو تا کہ اور لوگ اس سے واقف ہو جائیں۔

بزرگوں نے کہا جب تو کسی کے ساتھ دوستی کرنا چاہے تو پہلے اس کو غصہ میں لا۔ پھر کسی کو اس کے پاس مخفی بھیج تا کہ تیرا ذکر چھیڑے اور اگر وہ افشاء راز کرے تو جان لے

کہ وہ دوستی کرنے کے قابل نہیں۔ اور یہ بھی بزرگوں نے کہا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر کہ تیرا حال جو خدا جانتا ہے وہ جانے اور جس طرح خدا تعالیٰ چھپاتا ہے وہ چھپائے۔

کسی شخص نے ایک دوست سے اپنا راز کہا اور پوچھا تو نے اس بات کو یاد کر لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں بھولا ہوا ہوں۔

بزرگوں نے کہا کہ جو چار وقتوں میں تجھ سے بدل جائے وہ دوستی کے قابل نہیں۔ خوشی کے وقت، غصہ کے وقت، طمع کے وقت، خواہش نفسانی کے وقت۔ چاہئے کہ ان وقتوں میں تیرے حق سے نہ گذرے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجھے اپنا مقرب کیا ہے اور بوڑھوں پر ترجیح دی ہے خبردار پانچ باتیں یاد رکھنا۔ ایک ان کے راز کو فاش نہ کرنا۔ دوسرے ان کے سامنے غیبت نہ کرنا۔ تیسرے ان سے کوئی جھوٹ بات نہ کہنا۔ چوتھے ان کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ پانچویں وہ تجھ سے ہرگز کوئی خیانت نہ دیکھنے پائیں۔

اے عزیز! تو جان کہ کوئی چیز دوستی میں اتنا فساد اور خلل نہیں ڈالتی جتنا مناظرہ اور خلاف خلل ڈالتا ہے دوست کی بات کو رَد کیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ گویا اس کو احمق اور جاہل کہا اور اپنے تئیں عاقل اور فاضل سمجھا اور اس سے تکبر کیا۔ چشمِ حقارت سے اسے دیکھا۔ یہ باتیں دشمنی سے ملی ہوئی ہیں، دوستی سے نہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنے بھائی کے کلام میں خلاف نہ کرو، اس سے ٹھٹھا نہ کرو اور اس کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرو۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تو نے اپنے بھائی سے کہا چل، اس نے کہا کہاں تک؟ تو وہ صحبت کے قابل نہیں بلکہ چاہئے کہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور کچھ نہ پوچھے۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک دوست تھا۔ میں جو کچھ اس سے مانگتا وہ دے دیتا۔ ایک بار میں نے اس سے کہا کہ فلانی چیز کی مجھے ضرورت

ہے۔اس نے کہا کس قدر درکار ہے۔پس اس کی دوستی کی حلاوت میرے دل سے جاتی رہی۔دوستی کا نباہ اس امر میں موافقت کرنے سے ہوتا ہے جس میں موافقت کر سکیں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ زبان سے شفقت اور محبت ظاہر کرے۔رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔**اذا حب احدکم اخاہ فلیخبر**۔یعنی ''جب کوئی شخص کسی کو دوست رکھے تو اسے خبر دے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس واسطے فرمایا ہے تا کہ اس کے دل میں بھی محبت پیدا ہو۔اس صورت میں دوسرے کی طرف سے دوگنی محبت ہوگی۔چاہئے کہ اس کی تمام احوال پُرسی کرے۔رنج وراحت میں اس کا شریک رہے۔اس کے رنج کو اپنا رنج،اس کی خوشی کو اپنی جانے۔جب اسے پکارے تو اچھے نام سے پکارے۔اگر اس کا کچھ خطاب ہے تو اسی سے پکارے کہ وہ اسے بہت دوست رکھتا ہوگا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ایک تو یہ کہ اسے اچھے نام سے پکارا کر۔دوسرے یہ کہ پہلے خود اسے سلام کیا کر۔تیسرے یہ کہ اپنے سے پہلے اسے بٹھا۔ازاں جملہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اس کی ایسی تعریف کر جو اسے پسند ہو۔اس طرح اس کے بیوی بچوں اور متعلقوں کی بھی تعریف کر۔ایسے کام سے دوستی بہت مضبوط ہوتی ہے اور وہ جو احسان کرے اس کا شکر کر۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہ کرے گا وہ نیک کام پر بھی شکر نہ کرے گا۔اور چاہئے کہ اس کی پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے۔جو شخص اس پر طعن کرتا ہے اس کے کلام کو رد کرے اور دوست کو اپنی مانند جانے۔جس کسی کے سامنے برائی کے ساتھ اس کے دوست کا ذکر آئے اور چپ ہو رہے تو یہ امر ایسا ہے کہ گویا دوست کو پٹتے دیکھا اور مدد نہ کی اور چپ ہو رہا۔بلکہ بات کا گھاؤ بہت کاری ہوتا ہے۔کسی کا قول ہے کہ جب کسی نے میرے دوست کے پیٹھ پیچھے اس کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ وہ دوست موجود ہے اور سُنتا ہے۔تو ایسا جواب دیا

جسے میں نے چاہا کہ وہ دوست سُنے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا کہ زمین پر بندھے ہوئے ہیں۔ جب ایک اُٹھا تو دوسرا بھی اُٹھا۔ یہ دیکھ کر آپ بے اختیار روئے اور فرمایا کہ برادرانِ دینی بھی ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کھڑے ہونے اور چلنے میں ایک دوسرے کی متابعت کرتے ہیں۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ علم دین میں جو اسے ضروری ہو سکھاوے۔ اس واسطے کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا، دُنیا کے رنج والم سے چھڑانے کی بہ نسبت اولیٰ ہے۔ اگر علم سیکھنے کے بعد اس پر عمل نہ کرے تو اس کو نصیحت کرے اور خدا سے ڈرائے۔ مگر چاہئے کہ یہ نصیحت تنہائی میں ہوتا کہ مہربانی کی دلیل ہو۔ اس واسطے کہ بَرمَلا نصیحت کرنے میں رسوائی ہے اور جو کچھ کہنا ہے نرمی سے کہے۔ سختی سے نہ کہے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ المومن مرآۃ المومن۔ یعنی ''مسلمان مسلمان کا آئینہ ہوتا ہے''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے عیب ونقصان کو ایک دوسرے سے معلوم کرے اور جب تیرے بھائی نے مہربانی سے تنہائی میں تیرا عیب کہا تو چاہیے کہ اس کا احسان مان اور خفا نہ ہو۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص تجھے اطلاع کرے کہ تیرے کپڑے کے اندر سانپ بچھو ہے تو تو اس سے خفا نہ ہوگا بلکہ اس کا احسان مانے گا۔ سب سے بُرے اخلاق آدمی میں سانپ اور بچھو کی مانند ہیں۔ مگر ان کا زخم قبر میں ظاہر ہوتا ہے اور ان کا زخم روح پر ہوتا ہے۔ وہ اس جہاں کے بچھو سے زیادہ موذی ہیں۔ اِس واسطے اِن کا زخم بدن پر ہوتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر خدا کی رحمت ہو جو میرے عیب کو میرے سامنے ہدیہ لائے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو فرمایا! سچ سچ بتاؤ میرا وہ احوال جو تمہیں بُرا معلوم ہو۔ تم نے کیا دیکھا اور کیا سُنا۔ اُنہوں نے کہا مجھے اس امر سے معاف رکھئے

فرمایا! ضرور بیان کرو۔ جب بہت الحاح کیا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ ایک وقت میں آپ کے دسترخوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے اور آپ کے پیراہن دو ہیں۔ ایک دن کا اور ایک رات کا۔ آپ نے فرمایا! یہ دونوں باتیں نہیں ہیں اور کچھ سُنا ہے کہ نہیں۔

حذیفہ اعمشی نے یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو نے اپنا دین دو جَو کے بدلے بیچ ڈالا۔ یعنی بازار میں کسی چیز کی تو نے خریداری کی۔ مالک نے کہا یہ چیز ایک دانگ کی ہے۔ تو نے کہا تین ملسوج یعنی دو حبہ قیمت ہے۔ اس نے اس واسطے دے دی کہ تجھے پہچانتا تھا تو اس نے یہ مساحت اور رعایت تیری دیانتداری اور پرہیزگاری کے سبب سے کی۔ غفلت کا نقاب سر سے اتار اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔

اے عزیز! تو جان کہ جس نے قرآن اور علم حاصل کیا اور پھر دُنیا کی رغبت کی مجھے خوف ہے کہ وہ خدا کی آیتوں سے دلگی بازی کرتا ہے۔ پس دین کی رغبت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ باتوں سے ناصح کا احسانمند ہو۔ حق تعالیٰ نے جھوٹوں کی شان میں ارشاد فرمایا۔ ولکن لاتحبون الناصحین۔ اور جو شخص ناصح کو دوست نہیں رکھتا، اس سبب سے غرور و تکبر اس کے دین اور عقل پر غالب ہو جاتا ہے۔ یہ سب اس جگہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے عیب سمجھے ہی نہیں اور اگر سمجھ جائے تو اشارۃً نصیحت کرنا چاہئے۔ نہ صراحتہً اور علانیۃً کرنا چاہئے۔

اور اگر وہ اس قسم کا عیب ہے کہ تیرے ہی بارے میں تقصیر کی ہے تو اسے پوشیدہ کرنا اور اس سے انجان بن جانا اولیٰ ہے۔ بشرطیکہ دوستی سے دل سے نہ پھر جائے اور اگر پھر جائے گا تو چھپا کر غصہ کرنا قطعِ محبت سے اولیٰ ہے اور قطعِ محبت جھگڑنے اور زبان درازی کرنے سے بہتر ہے۔ چاہئے کہ صحبت رکھنے سے مقصود یہ ہو کہ پیر بھائیوں سے برداشت اور تحمل کرنے سے تو اپنے اخلاق کو درست کرے۔ یہ نہیں کہ ان سے بھلائی کی اُمید کرے۔

ابو کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرا ایک مصاحب تھا۔ اس کے سبب سے

میرے دل پر گرانی تھی۔ میں نے اس نیت سے اسے کچھ دیا کہ میرے دل سے گرانی نکل جائے۔ مگر نہ نکلی۔ آخر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا اور کہا اپنا کفِ پا میرے منہ پر رکھ۔ اس نے کہا ہرگز ہرگز یہ امر نہ ہوگا۔ میں نے کہا ضرور بالضرور ایسا کر۔ حتیٰ کہ اس نے اپنا تلوا میرے منہ پر رکھا تو وہ گرانی میرے دل سے جاتی رہی۔

ابو علی رباطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ عبداللہ رازی کا رفیق ہو کر میں سفر میں گیا۔ انہوں نے کہا جو کچھ میں کہوں، میری فرمانبرداری کرنا۔ میں نے کہا بسر و چشم۔ انہوں نے توبرہ مانگا۔ میں نے لاکر حاضر کیا۔ زادِ راہ اور کپڑے جو کچھ پاس تھا اس میں بھر کر انہوں نے اپنی پیٹھ پر لادا اور چل نکلے۔ ہر چندان سے میں نے کہا مجھے دیجئے تا کہ آپ تھک نہ جائیں۔ انہوں نے کہا تمہیں سردار پر حکومت نہیں پہنچتی ہے۔ تم فرمانبردار ہو۔ ایک رات مینہہ برسنے لگا۔ صبح تک میرے اوپر کمبل تانے کھڑے رہے تا کہ مجھ پر مینہہ نہ پڑے۔ جب میں گفتگو کرتا تو کہتے میں سردار ہوں تم فرمانبردار ہو۔ میں اپنے دل میں کہتا کہ کاش میں انہیں سردار نہ بناتا۔

چھٹی قسم: جو چوک اور قصور ہو جائے اسے بخش دینا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی بھائی قصور کرے تو ستر طرح کی عذر خواہی تو اپنی طرف سے کر۔ اگر نفس قبول نہ کرے تو اپنے دل سے کہہ کہ تو نہایت بدخو اور بدذات ہے کہ تیرے بھائی نے ستر عذر کیے اور تو نے نہ مانا۔

اگر وہ قصور ایسا ہے جس میں گناہ ہو تو اس کو لازمی ہے نصیحت کرتا کہ چھوڑ دے اگر اس پر وہ اصرار نہیں کرتا تو خود نادان اور انجان بن جا، اگر اصرار کرتا ہے تو اس کو نصیحت کر اور اگر نصیحت سودمند نہ ہو تو اس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہے کہ پھر کیا کرنا چاہئے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قطعِ محبت کرنا چاہئے کیونکہ جب للہ دوستی کی تو اب بھی خدا ہی کے واسطے اُسے دشمن بنا۔

حضرت ابو الدرداء اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ قطعِ محبت نہ کرنا چاہیے۔ اس واسطے کہ امید ہے کہ اس گناہ سے وہ پھر جائے۔ لیکن ایسے شخص

سے ابتداءِ دوستی کرنا نہ چاہئے۔ جب محبت کر چکے تو قطعِ الفت نہ کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بھائی کو کوئی گناہ کرنے کے سبب سے نہ چھوڑ دے۔ اس واسطے کہ شاید آج کرتا ہے کہ نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عالم کی خطا سے حذر کرو۔ اس سے قطعِ عقیدت اور ترکِ محبت نہ کرو۔ اُمید ہے کہ اس گناہ سے جلد باز آئے۔

بزرگانِ دین میں دو دوست بھائی تھے۔ ان میں سے ایک خواہشِ نفسانی کے سبب سے کسی آدمی پر عاشق ہو گیا۔ اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دِل بیمار ہوا ہے۔ مجھے عشق کا آزار ہوا ہے۔ تیرا جی چاہے تو عقدِ اخوت چھوڑ دے۔ رشتۂ محبت توڑ دے۔ اس نے کہا معاذ اللہ میں ایک گناہ کے سبب سے تیری دوستی چھوڑ دوں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ایک مرضِ عشق کی وجہ سے رشتۂ محبت توڑوں اور عزم بالجزم کر لیا کہ میرے دوست کو شافی برحق اس مرض سے جب تک شفا عنایت نہ کرے گا کھانا نہ کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا۔ بالکل فاقہ کروں گا۔ چالیس دن نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ پھر پوچھا کہ کیا حال ہے۔ کہا وہی حال ہے دہی اندوہ وملال ہے۔ پھر آب ودانہ سے صبر کیا اور دُبلا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے آ کر کہا کہ اب فضلِ خدا ہوا۔ میر دل عشق سے ٹھنڈا ہوا۔ تب اس دوستِ صادق نے کھانا کھایا اور شکرِ خدا بجالایا۔ ایک شخص سے لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی دینداری چھوڑ کر مصیبت میں پڑا ہے تو اس سے دوستی کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اُسے آج بھائی کی بڑی ضرورت ہے۔ اس واسطے کہ اس کا کام خراب ہو گیا ہے۔ میں اسے کیونکر چھوڑ دوں۔ بلکہ یہ تو اس کی دست گیری کا وقت ہے کہ مہربانی کر کے اسے سمجھاؤں اور دوزخ سے بچاؤں۔

بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ دونوں ایک پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک ان میں سے شہر میں کوئی چیز خریدنے گیا۔ قضا کار اس کی نگاہ ایک خراباتی عورت پر پڑی۔ عاشق ہو کر وہیں رہ گیا۔ جب کئی دن گذر گئے تو اس کا دوست ڈھونڈنے نکلا اور یہ ماجرا سُن کر اس کے پاس آیا۔ یہ شرمندہ ہو کر بولا میں تجھے نہیں جانتا۔ اس نے جواب دیا

اے بھائی تو کچھ تردّد نہ کر۔ مجھے جتنی مہربانی تیرے ساتھ آج کے دن ہے پہلے ہرگز اتنی نہ تھی۔ اور اسکے گلے میں ہاتھ ڈال کر بوسہ دیا۔ جب اس نے اتنی مہربانی دیکھی تو سمجھا کہ میں اس کی نظروں سے نہیں گرا ہوں۔ اُٹھا اور توبہ کی اور اس کے ساتھ چلا گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب سلامتی سے نزدیک ہے اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ بہت پاکیزہ اور فقیہانہ ہے۔ اس واسطے کہ توبہ کا سبب ہوتا ہے اور آدمی کو عاجزی اور درماندگی کے وقت دینی بھائیوں کی حاجت پڑتی ہے۔ تو ان کو کیونکہ چھوڑ دیں۔ فقہ کی وجہ ہے کہ دوستی کا عقد جو باندھا تھا تو وہ قرابت کا حکم رکھتا ہے۔ تو گناہ کے سبب سے قطع رحم کرنا درست نہیں ہے۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ **فان عصوک فقل انی بریء مما تعلمون**۔ (پارہ:١٩۔ سورہ شعراء:٢١٦) یعنی قرابت والے تیری نافرمانی کریں تو تُو کہہ دے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں۔ یہ نہ کہہ کہ میں تم سے بیزار ہوں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا بھائی گناہ کرتا ہے تم اس سے دشمنی کیوں نہیں رکھتے۔ کہا میں اس کے گناہ سے تو بیزار ہوں لیکن وہ میرا بھائی ہے۔ مگر ابتداء میں ایسے آدمی سے برادری نہ کرنا چاہیے کہ برادری نہ کرنا خیانت نہیں ہے۔ مگر صحبت قطع کرنا خیانت ہے اور اس کا حق چھوڑ دینا ہے جو پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ مگر سب علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر برادر نے تیرے حق میں تقصیر کی ہے تو اس کو بخش دینا اولیٰ ہے اور اگر وہ عذرخواہی کرے تو گو کہ تو جانتا ہو کہ جھوٹا ہے مگر عذر قبول کرے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کا عذر قبول نہ کرے گا تو یہ اس شخص کے گناہ کی مانند ہے جو راستے سے مسلمانوں سے خراج لے اور فرمایا: کہ مسلمان جلد خفا ہوتا ہے اور جلد خوش ہوتا ہے۔

حضرت ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے کہا کہ جب کسی دوست سے کوئی جفا دیکھے تو اس پر عتاب نہ کرے۔ شاید عتاب کرنے سے تو ایسی بات سُنے جو اس جفا سے سخت ہو۔ مرید نے کہا کہ میں نے جب اس بات کو آزمایا تو پیر کی

نصیحت کے موافق پایا۔

ساتویں قسم یہ ہے کہ تو اپنے دوست کی زندگی میں اور موت کے بعد دُعا کے ساتھ یاد کرے اور جس طرح اپنے زن و فرزند کے واسطے دُعا کرتا ہے اسی طرح اس کے زن و فرزند کے لئے بھی دُعا کرے اور در حقیقت وہ دُعا اپنے حق میں ہے۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کے واسطے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو فرشتہ دعا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے بھی یہ بات حاصل ہو اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ خود حق تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ میں پہلے تیرا مدّعا برلاؤں گا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوستوں کی جو دعا جو غیبت میں ہو حق تعالیٰ اسے رد نہیں فرماتا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے کہ میں ستر دوستوں کا نام سجدہ میں لیتا ہوں اور ہر ایک کے واسطے دُعا کرتا ہوں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ بھائی وہ ہے جو تیری موت کے بعد دعا کرے کہ وارث مالِ میراث لینے میں مشغول ہوں اور اس بات کا اندیشہ کرے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ اور تجھ سے کیسے نبھے گی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردہ کی مثال اس کی سی ہے جو ڈوبتا ہو اور سہارا ڈھونڈتا ہو۔ مردہ بھی زن و فرزند اور دوستوں سے دعا کا منتظر رہتا ہے۔ اور زندوں کی دُعا نور ہو کر مُردوں کی قبروں میں پہنچتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دُعا کو نور کے طباقوں میں مُردوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلانے شخص کا ہدیہ ہے۔ مُردے اس طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح زندے ہدیہ سے خوش ہوتے ہیں۔

آٹھویں قسم یہ ہے کہ وفائے دوستی کو نہ بھولے اور وفاداری کے ایک معنی یہ ہیں کہ دوست کی وفات کے بعد اس کے زن و فرزند اور دوستوں سے غافل نہ رہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بڑھیا حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ لوگ اس بات سے متعجب ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ

عورت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وقت یہاں آیا کرتی تھی اور دوستی نبھانا ایمان میں داخل ہے اور وفاداری یہ ہے کہ جو شخص کسی دوست سے علاقہ رکھتا ہے اس کا فرزند ہو یا غلام یا شاگرد۔ سب پر مہربانی کی نظر رکھے۔ اور اس پر مہربانی سے زیادہ اثر دل پر پایا جاوے۔ جو دوست کے ساتھ رکھتا تھا۔ اور وفاداری یہ ہے کہ اگر منصب یا دولت یا حکومت پا گیا ہے تو اگلی وضع داری اور مدارتِ نگاہ رکھے۔ اپنے دوستوں سے غرور نہ کرے اور وفاداری یہ ہے کہ ہمیشہ دوستی قائم رکھے اور کسی سبب سے قطع محبت نہ کرے۔ اس واسطے کہ شیطان کا بڑا کام یہ ہے کہ برادران کو وحشت میں ڈالتا ہے۔ جیسا حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کہا ہے۔ من ؐ بعدان نزع الشیطان بینی وبین اخونی ۔اور وفاداری یہ ہے کہ دوست کے دشمن کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اس کے دشمن کو دشمن جانے۔ اس واسطے کہ جو شخص کسی کا دوست ہو اور اس کے دشمن کا بھی دوست ہو تو یہ دوستی ضعیف ہوتی ہے۔

نویں قسم یہ ہے کہ تکلّف درمیان سے اٹھادے اور دوست کے ساتھ بھی ویسا ہی رہے جیسا کہ اکیلا رہتا ہے۔ اگر ایک دوست دوسرے کا لحاظ رکھے گا تو وہ دوستی ناقص ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا ہے وہ دوست سب دوستوں سے بدتر ہے جس سے معذرت اور تکلف کرنے کی ضرورت تجھے پڑے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرّہٗ نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت سے دوست دیکھے کوئی ایسے دو بھائی نہ دیکھے کہ ان میں سے ایک حشمت کے سبب سے دوسرے کی وحشت کا باعث ہوا۔ مگر یہ کہ کسی میں کچھ عیب ہو۔ بزرگوں نے کہا ہے اہل دُنیا کیساتھ ادب سے گذران کر، ان کو اور اہل آخرت کے ساتھ علم سے اور اہل معرفت کے ساتھ جس طرح تیرا جی چاہے۔

کچھ صوفی اس شرط سے باہم صحبت رکھتے تھے کہ اگر کوئی ہمیشہ روزہ رکھے خواہ ہمیشہ کھانا کھائے یا رات بھر سوئے یا تمام شب نماز پڑھے، تو دوسرا کچھ نہ پوچھے تو کہ اس کا

سبب کیا ہے۔ غرضیکہ للّٰہ دوستی کے معنی یگانگی ہیں اور یگانگی میں تکلف کو کچھ دخل نہیں ہے۔

دسویں قسم یہ ہے کہ اپنے تئیں سب دوستوں سے کمتر سمجھے اور ان سے کسی بات کی اُمید اور آرزو نہ رکھے اور کوئی رعایت نہ چھپائے اور سب حقوق ادا کرتا رہے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرّہٗ کے سامنے کسی شخص نے کہا کہ اس زمانہ میں بھائی کمیاب ہیں اور مکرّر کہا۔ حضرت جنیدؒ نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے کہ تو اس کی خدمت گزاری اور غمخواری کرے تو بہتیرے ہیں۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے تئیں دوستوں سے بہتر جانے گا خود گنہگار ہوگا۔ وہ اس کے حق میں گنہگار رہوں گے اور اگر اپنے تئیں ان کے برابر سمجھے گا تو وہ خود بھی غمگین ہوگا اور وہ بھی رنجیدہ رہیں گے اور اگر اپنے تئیں ان سے کمتر جانے گا تو یہ دونوں راحت و آرام سے رہیں گے۔

حضرت ابو معاویہ الاسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ میرے سب دوست مجھ سے بہتر ہیں کہ مجھے مقدّم رکھتے ہیں اور میری بزرگی جانتے ہیں۔

اُمید ہے کہ یارانِ طریقت اس کو اپنا دستور العمل بنانے کی سعی کریں گے۔ السعی منا والاتمام من اللہ اور اس کے مطابق عمل کر کے سعادتِ دارین سے حظّ وافر حاصل کریں گے اور بزرگوں کے اقوال کو حرزِ جان بناویں گے۔ فقیر بھی دُعا گو ہے کہ اللہ جل شانہٗ سب مسلمانوں کو یک جہتی اور اخوّت کے بیش بہا خزانہ سے کامل حصّہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

نوادرات

حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ العزیز نے بے شمار نایاب کتابیں (عربی، فارسی، اُردو) چھپوا کر اہل علم وفضل کے ذوق کی آبیاری کی۔آپ نے تادمِ آخر تحریر اور مطالعہ سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔اپنی ذاتی لائبریری کو ہزاروں کی تعداد میں نادر و نایاب کتب سے مزّین کیا۔اہم اداروں سے چھپنے والی کتابوں پر نہ صرف آپ کی نظر رہتی تھی بلکہ خرید کر اہل علم کی نذر بھی کرتے رہتے تھے۔

اکثر ناشرین، مصنفین اور تاجر کتب بطور تبرک آپ سے ''تبصروں''، ''تقاریظ'' اور ''آراء'' کی درخواست بھی کرتے تھے۔اور آپ مبنی بر حقیقت اظہارِ خیال فرما دیتے تھے۔اس سلسلہ میں ہمیں جو کچھ دستیاب ہوسکا، پیش خدمت ہے۔

علاوہ ازیں آپ کی نادر تحریریں مجوزّہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسودہ کانسٹی ٹیوشن پر رائے، ''امداد مظلومینِ سمرنا'' اور ''شاہجہان ہوٹل بمبئی'' بھی شامل کی جارہی ہیں۔یہ سب کچھ اس لئے اس کتاب کی زینت بنایا جارہا ہے تاکہ قارئین کرام پر واضح ہوسکے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام کتنا بلند، ارفع اور اعلیٰ تھا۔لیجئے! پڑھیے اور حضرت علیہ الرحمہ کے علم وفضل سے اپنی علمی، ادبی اور روحانی تشنگی دور فرمائیے۔

(قصوری)

☆☆☆

﴿تبصرہ بر ''تفسیر مظہری''﴾

(۱۹۱۲ء میں سید محمد یامین (تاجر کتب) کمبوہ دروازہ میرٹھ شہر (انڈیا) نے ''تفسیر مظہری'' مصنفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت کا کام شروع کیا تو اُنہوں نے عربی متن کے ساتھ ساتھ با محاورہ اُردو ترجمہ کا التزام بھی کیا۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور شمارہ دسمبر ۱۹۱۲ء ٹائٹل ص ۳ پر اس عظیم تفسیر پر مندرجہ ذیل تبصرہ فرمایا۔ قصوری)

''قریب ڈیڑھ سو سال کا عرصہ ہوا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب نے یہ لاثانی تفسیر قرآن مجید تصنیف فرمائی تھی۔ اس تفسیر میں ہر آیتِ قرآنی کے تحت احادیثِ نبویہ علی صاحبہا السّلام و آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم بہ تنقید راویان معہ اقوال آئمہ دین و آراء مستند مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بیان کر کے استخراج و استنباطِ مسائل شرعیہ و وضاحتِ فضیات و اشاراتِ قرآنی و نکاتِ تصوّف ایسے اعلیٰ درجے سے کیا ہے کہ کسی مفسّر نے آج تک ایسا کم کیا ہوگا۔ گویا قرآن شریف و احادیث کو مطابق کر دکھایا ہے۔ اس میں آئمہ اربعہ و قراء سبعہ کے مذاہب بیان کر کے مذہب حنفی کو ترجیح دی ہے۔ فقیر کی رائے میں کوئی تفسیر مذہبِ حنفی میں ایسی جامع الصفات نہیں ہے اور نہ اس قدر مراتب و تنازل جو اس تفسیر میں ہیں کسی دیگر تفسیر میں پائے جاتے ہیں۔ قاضی صاحب کو طبقہ مفسرین میں خاص پائیگا اعلیٰ ملکہ و دستگاہ بفضلہٖ تعالیٰ حاصل تھا کہ جن کی شاہد انکی تفسیر ہے۔ اس لئے کہ آپ علم ظاہری و باطنی میں ماہر و کامل تھے۔

یہ تفسیر ایک ایسی کمیاب تھی کہ نایابی کے درجہ تک پہنچ چکی تھی۔ اب حامیٔ دین متین سید محمد یامین صاحب ساکن شہر میرٹھ کمبوہ دروازہ نے علماء عظام کی خاطر عربی میں اور غیر عربی دان اصحاب کے لئے با محاورہ اُردو میں طبع کراتے رہنے کا اہم اور بصرفِ کثیر کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ حضرات علمائے کرام و صوفیائے عظام کے واسطے یہ موقعہ غنیمت ہے کیونکہ یہ وہ کتاب ہے کہ جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں اور نہ پاتی تھیں۔ بڑے

بڑے اہم مسائل مختلف فیہ شریعت وتصوف کو بھی اس میں پوری توضیح کے ساتھ حل کیا گیا ہے اور چونکہ اس کا اُردو ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے اس واسطے ہر ایک صاحبِ علم کو عموماً، یارانِ طریقت کو خصوصاً اسکی خریداری میں پورا حصہ لینا چاہیئے کیونکہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے یہ ایک عظیم الشان شیخ المشائخ، ماہرِ غوامصِ حقیقت وواقفِ رموزِ طریقت کی بے نظیر یادگار ہے"۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ

تقریظ بر "بیاضِ ذکرِ الٰہی"

(حضرت حافظ انور علی صدیقی نقشبندی مجدّدی رُہتکی (۱۸۴۱ء-۱۹۲۰ء)

بڑے عالم بزرگ اور شیخ طریقت تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ حافظ صاحب نے ۱۹۱۲ء میں انگریزی زبان میں ایک چھوٹی سی کتاب "بیاضِ ذکرِ الٰہی" لکھی جو اپریل ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ نے اس کتاب پر بڑی شاندار تقریظ تحریر فرمائی۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن (اُردو ترجمہ) اپریل ۱۹۶۵ء میں کراچی سے طبع ہوا جس کے صفحہ ۵ تا ۶ پر یہ تاریخی تقریظ درج ہے (قصوری)

"فقیر نے حضرت شیخِ طریقت حافظ انور علی پنشنر رُوہتکی کے بے مثال وبلند پایہ درس "ذکرِ الٰہی" کا معتد بہ حصہ پڑھا۔ جس کو بیحد مفید دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس دلچسپ طریقہ اور لطیف پیرایہ میں یہ درس لکھا گیا ہے وہ صاحبِ ذوق حضرات کو از خود فریفتہ کر دیتا ہے اس کا ہر نکتہ سالکِ راہِ خدا کے لئے ہدایت ہے۔ اگرچہ "ذکرِ الٰہی" پر بہت کچھ بیان ہو چکا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طریقہ وپیرایہ میں "ذکرِ الٰہی" پر حضرت حافظ صاحب نے بیان کیا ہے وہ نرالا ہے۔ ماہر انگریزی داں اور اس زبان کے متبدی (اگر ان کے سینے میں قلبِ صمیم ہے) اس درس سے برابر مستفیض ہو سکتے ہیں۔

ہرچند کہ حافظ صاحب کی شہرت اور رسالہ "انوار الصوفیہ" کی کثیر اشاعت

﴿ضرورتِ مُرشد﴾

صدق الله العلی العظیم وصدق رسوله النبی الکریم ونحن علی ذالک من الشاهدین والشاکرین والحمدلله رب العلمین ۔

اما بعد ! خداوند تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔

یـآیها الـذین اٰمنو اتقو الله و ابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلم تفلحون. (پارہ،۶،سورہ مائدہ:۳۵)

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم خلاصی پاؤ۔

اس آیت شریفہ میں خداوند تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ وسیلہ کی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی ایمان اور اتقا اور جہاد فی سبیل اللہ کو جیسا ضروری بیان فرمایا ہے ویسے ہی وسیلہ کا پکڑنا بھی ایک ضروری امر قرار دیا ہے۔ بلکہ نجات کا دارومدار ہی ان چار چیزوں پر رکھا ہے۔ ایمان ہو، اتقا ہو، جہاد ہو اور وسیلہ اس کے قرب کے حاصل کرنے کے واسطے بھی ہو، جب تو نجات ہے ورنہ معاملہ مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کیساتھ ایک خاص تعلق ہے اور ان پر نہایت درجہ کی عنایت ومہربانی ہے۔ باوجود ایسے تعلق اور الطاف کے پھر بھی ہدایت کا ذریعہ رسولوں اور انبیاء ہی کو ٹھہرایا۔ کیونکہ قدرت نے جہاں اور کائنات کو بغیر قواعد کے نہیں چھوڑا۔ وہاں ہدایت کے محکمہ میں بھی ایسے قواعد جاری فرمائے ہیں کہ ان کی پابندی کے بدون ہدایت کے سلسلہ کا جاری رہنا محال ہے۔ رسول خالق اور مخلوق کے مابین بَرزَخ ہوتا ہے اور اِن کو دونوں طرف تعلق ہوتا ہے۔ دل اس کا خداوند کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم مخلوق کے ساتھ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل !! خواص اس بَرزَخ کبریٰ میں تھا حرف مشدّد کا

اس بَرزَخ کا یہ کام ہوتا ہے کہ مخلوق کو خالق کی رضا پر ثابت ہونے کی ہدایت کرے۔ عبادت کے قاعدے سکھائے اور خُداوند تعالیٰ اور بندوں کے معاملات میں

گرامی درج ذیل ہے۔ پڑھیئے اور استفادہ فرمائیے۔ (قصوری)

"گو علمِ تصوّف میں بزبانِ فارسی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن ان میں سے جس قدر مثنوی مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اور مقبولیت ہے وہ آج تک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ علمائے کرام ظاہری اور باطنی تو اپنی اپنی استعداد اور ملکہ علمی کے اعتبار سے اس دریائے ناپیدا کنار سے متمتع ہو رہے ہیں۔ لیکن عوام کم استعداد اور کم علموں کو اس سے مستفیض ہونے کا آج تک موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اہل علم میں سے کوئی صاحب جو جامع علوم عقلیہ ونقلیہ ہونے کے علاوہ رموزِ تصوّف سے واقف اور صوفیائے کرام کا سچا غلام ہو۔ اس کتاب کی اُردو زبان میں ایسی طرز سے شرح کرے کہ جس سے ادنیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ بھی فائدہ حاصل کرتے اور اس کتاب کی برکت سے صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کے علاوہ اُن کے دلوں میں بزرگانِ دین کی عزت وعظمت جاگزین ہو۔

الحمد اللہ کہ اس ضرورت کو عزیزم مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور نے محسوس کیا اور اُنہوں نے ایک ایسے فاضل اجل سے جو خاندانِ نقشبندیہ کے حلقہ بگوش ہونے کے رموزِ تصوّف اور نکاتِ معرفت سے بخوبی ماہر ہیں، مثنوی مولانا روم کی شرح مرتب کرائی۔ شارع نے مثنوی کی لغات مشکلہ اور ترکیب نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اُردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کر دیا ہے۔ شعر کا مفصل مطلب شارح موصوف نے جس محبت اور کوشش سے قرآن وحدیث واقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بیان کیا ہے وہ بلاشک وشبہ تحسین کے قابل ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص مولانا روم علیہ الرحمۃ کے قول سے فائدہ نہ اٹھائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ بڑا ہی بدقسمت ہوگا۔

فقیر اہل اسلام سے عموماً اور یارانِ طریقت سے خصوصاً اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ضرور بالضرور مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ کو خرید کر لُطف اٹھائیں گے اور تصوّف کے حقائق ومعانی سے واقفیت حاصل کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں گے۔

کتاب کی لکھائی، چھپائی، کاغذ اور جلد وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہے۔
بقلم فقیر جماعت علی عفی عنہ از علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ
یکم/مئی ۱۹۲۹ء

﴿تقریظ بر ''آفتابِ انوارِ صداقت''﴾

(حضرت مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی (ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس) رحمتہ اللہ علیہ نے ایک کتاب ''انوارِ آفتابِ صداقت'' بڑی محنت شاقہ سے وہابیوں اور دیوبندیوں کے رد میں لکھی جو اُن کی چھاتی کا قابوس بنی ہوئی ہے۔ ۱۳۳۸ھ میں مصنف نے اس کتاب پر برصغیر کے نامور علماء و مشائخ سے تقاریظ لکھوائیں۔ حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی تقریظ مبارک سرِ فہرست شامل کتاب ہے۔ ہمارے پیشِ نظر ''انوارِ آفتابِ صداقت'' حصہ اول مطبوعہ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجرانِ کتب کشمیری بازار لاہور'' ہے جس کے صفحہ ۲ پر حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کی تقریظ موجود ہے جو درج ذیل ہے۔ (قصوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

فقیر نے اس کتاب ''انوارِ آفتابِ صداقت'' کا بعض جگہ سے مطالعہ کیا۔ حقیقت میں فاضل مصنف نے عقائدِ باطلہ کی تردید اور عقائدِ حقہ کی تصدیق کے اظہار میں وہ کام کیا ہے جس کی نظیر قبل ازیں فقیر کی نظر سے نہیں گزری۔ الحمد اللہ کہ قاضی صاحب نے جس وضاحت اور دلائل حقہ سے کام لے کر فرقِ باطلہ کی کُتب مفصّلہ سے ان کے مزخرفات کو قلمبند کیا ہے وہ خاصتہً اُن کی سعی کا نتیجہ اور قابلِ امتنان ہے۔ عوام النّاس جو کہ فرقِ ضالہ کے مکائد سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اُن کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے ہیں وہ بھی اب اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد صراط مستقیم کی طرف رجوع کئے

بغیر نہیں رہ سکتے۔ نفس الامر میں یہ ''انوارِ آفتابِ صداقت'' عقائد درست کرنے کے لئے عُروۃ الوثقیٰ ہے۔ اس لئے فقیر اہل اسلام کو عموماً اور یارانِ طریقت کو خصوصاً ہدایت کرتا ہے کہ اس کتاب کو اپنا حرزِ جان بنا دیں اور اس مخزنِ ہدایت و معدنِ صداقت کو اپنا نصب العین قرار دیں۔

آخیر میں فقیر، قاضی صاحب موصوف کے لئے دُعا کرتا ہے کہ خداوندِ عالم اُن کی ہمت میں برکت دیوے اور اہلِ اسلام کو اُن کے فیض سے دیر تک متمتع ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

الراقم جماعت علی عفی اللہ عنہ بقلم خود از علی پور سیّداں

ضلع سیالکوٹ ۲۱/ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

تقریظ بر کتاب ''نور الشمعہ فی ظہر الجمعہ''

حامدا و مصلیا و مسلما

''فقیر نے اس رسالہ کو جسے فاضل اجل عالم اکمل اخوی مکرمی معظمی مولوی حافظ سید احمد علی شاہ صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے تالیف کیا ہے، دیکھا۔ فی الواقع اس کے عدیم النظیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ آج کل جس قدر اس کی ضرورت ہے اس کے پورا کرنے کے لئے کوئی ایسا جامع رسالہ نہیں دیکھا گیا مگر الحمد اللہ کہ اس رسالہ سے یہ ضرورت بوجہ احسن پوری ہوگئی ہے۔ جس قدر غیر مقلدین وغیرہ کے شبہات ہیں، اُن کا ذکر کر کے متانت کے ساتھ جواب دیا ہے۔ ضمیمہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا جواب اصولی بحث سے بہت عمدہ دیا ہے۔ جو قابل دید ہے۔ فاضل مؤلف نے اس رسالہ میں جو کچھ سعی بلیغ فرمائی ہے خدا تعالیٰ اُن کی سعی مشکور فرمائے۔ آمین

تمام اہل سنت والجماعت بالخصوص سب یاروں (یاران طریقت) پر لازم ہے کہ اس کو خرید کر بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ اور ہمیشہ احتیاط الظہر بعد از جمعہ پڑھا کریں۔ چنانچہ فقیر کا سنِ بلوغت سے لیکر اب تک ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے۔ فقیر کو اپنے

اُستاد الکُل مولانا و بالفضل اولٰنا مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری مرحوم ومغفور سے یہ مسئلہ توارث کے طور پر پہنچا ہوا ہے۔ مولانا مرحوم اپنے اساتذۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کر کے فرمایا کرتے تھے کہ ظہر بعد جمعہ کا ادا کرنا اُن سب کا معمول رہا ہے۔ اور فقیر تو بارہا اس بارہ میں غیر مقلدین وغیرہ کو اشتہار دے چکا ہے کہ جو شخص کسی آیت شریف یا حدیث شریف سے ثابت کر دے کہ جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھنی چاہیئے اس کو فقیر ایک ایک ہزار روپیہ فی آیت شریف وحدیث شریف دے گا۔ مگر افسوس ہے کہ دس سال سے ابتک کوئی نہیں لا سکا۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہم کو جمعہ کی شرائط میں اشتباہ ہے نہ کہ نماز ظہر کی فرضیت میں۔ تو پھر ہم بقول الیقین لا یزول بالشک ظہر کو کیونکر ترک کر سکتے ہیں اور بعض شافعیہ تو نمازِ ظہر کو بعد از جمعہ باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں جمعہ کے دن حج واقعہ ہوا تو عرفات شریف میں جو اسلام کا گھر ہے اور جن کی اتباع کے لئے ہمارے ہادی ومولا روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی ہے۔ باوجود مصر کے بادشاہ وشریف مکہ مکرمہ و پادشائے مدینہ منوّرہ وقاضی، نائب سلطان روم ولکھوکھا مخلوقات ولشکر وافواج موجود ہونے کے ان سب حضرات نے اس روز جمعہ نہیں پڑھا بلکہ نماز ظہر باجماعت پڑھی۔ اگر درخانہ کس است حرفے بس است''۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ ساکن علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ

(ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور جلد ۱۱ شمارہ ۱۲، بابت اکتوبر ۱۹۱۵ء ص ۲۔)

(حضرت حافظ انور علی رُہتکیؒ (ف ۱۹۲۰ء) جیّد عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ آپ کے مقام ومرتبہ کا بڑا احترام فرماتے تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج وتوسیع میں حافظ صاحبؒ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کا رسالہ ''عشق پیر اور مدح پیر'' منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا تو حضرت امیر ملت قدس سرّہٗ نے

ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور شمارہ مئی ۱۹۱۲ء کے ٹائٹل صفحہ ۳ پر یہ گرانقدر تبصرہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو: قصوری)

''فقیر نے یہ رسالہ مختلف مقامات سے پڑھا۔ رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ حضرت مؤلف نے طالبانِ حق کیواسطے منزلِ اول یعنی محبتِ شیخ کا راستہ آسان کر دیا ہے۔ خداوند کریم ان کو جزائے خیر دیوے۔ آمین۔

رسالہ ہذا ہر ایک کے واسطے نہایت عمدہ استاد ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ رسالہ ہر ایک یارِ طریق کے پاس خصوصاً اور ہر ایک صوفی شخص کے پاس عموماً موجود ہونا چاہیے۔ خداوند کریم نے اس زمانہ میں جناب حافظ صاحب کو علم و تصوّف کے متعلق جو کمال بخشا ہے اس کی نسبت اگر یہ کہا جاوے کہ وہ اپنی آپ نظیر ہیں یا اپنا ثانی رکھتے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ جناب حافظ صاحب بذریعہ ماہوار رسالہ ''انوار الصوفیہ'' و دیگر تصانیفِ علمِ تصوّف سے جس قدر طالبان حق کو مستفید فرما رہے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جس کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ فقیر کو جس ملک میں جانے کا اتفاق ہوا، یہاں تک کہ فقیر مدینہ منورہ میں بھی گیا تو وہاں بھی حضرت حافظ صاحب کی تعریف میں لوگوں کو رطب اللسان پایا۔ فقیر دُعا دیتا ہے کہ خداوند کریم ان کی عمر میں برکت دیوے اور اُن کی تصانیف سے طالبانِ حق کو دیر تک مستفیض فرماوے۔ ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد''

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ

از علی پور سیّداں (ضلع سیالکوٹ)

تبصرہ بر ''کلیدِ حکمت''

(حضرت مسیح الطب حکیم غلام جیلانی امرتسریؒ (ف ۱۹۵۲ء) عالمِ بے بدل، صوفیٔ اکمل اور طبیبِ بے مثل تھے۔ اُن کے مجرباتِ خصوصی، ارشاداتِ عالیہ اور طبی اسرار و رموز جو اُن کی تصنیفات ''کلیدِ حکمت''، ''مجرباتِ جیلانی'' (ہر سہ جلد) ''اسرارِ جیلانی'' اور

''نشاط زندگی'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ آج بھی دُنیائے طب کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

''کلیدِ حکمت'' پر حضرت ملّت قدس سرہٗ نے گرانقدر تقریظ رقم فرمائی جو ''مشک آنباشد کہ خود ببوئد نہ کہ عطّار بگوئد'' کے مصداق پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے اور استفادہ کیجئے۔ قصوری)

''حکیم حاجی غلام جیلانی صاحب سرزمین پنجاب کے نامور و حاذق طبیب حکیم محمد ابراہیم صاحب کے لائق صاحبزادے اور امرتسر کے مشہور و گرامی قدر بزرگ ہیں۔ ہزارہا انسان آپ سے مستفیض ہوتے اور آپ کے مطب سے شفا حاصل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات مستجع الصفات ایک چشمۂ فیض ہے جس سے مخلوقِ خدا فیض اُٹھاتی اور شاد کام واپس جاتی ہے۔ آپ کو فنِ طب میں کامل مہارت، بصیرت اور پورا ملکہ حاصل ہے۔ کئی پشت سے آپ کے خاندان میں وراثتاً چلی آرہی ہے ایک تو آبائی واجدادی اثر دوسرے ذاتی تبحر اور فضیلت دونوں نے مل کر آپ کو یگانۂ روزگار اور فریدِ عصر ہستی بنادیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان خصائص وصفات کے بزرگ طب کے متعلق جو کچھ خامہ فرسائی کریں گے اور آپ کے قلم گوہر رقم سے جو کچھ تراوش ہوگا، وہ کس پایہ اور کس درجہ کی چیز ہوگی۔ آپ چونکہ لاولد ہیں اس لئے اپنی معنوی یادگار کے طور پر افادۂ انام کے مقصدِ عالی کے پیش نظر آپ نے اپنے چہل سالہ مجربات اور نوادر کا ایک عدیم النظیر اور فقید المثال ذخیرہ کتابی صورت میں جمہور عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کی دو جلدیں ''مجرّباتِ جیلانی'' کے نام سے منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ میں نے ان ہر دو کتب عالیہ کا بغور مطالعہ کیا جس کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایسی مفید اور رفیع الدرجہ کتابیں دُنیائے طب میں ناپید ہیں۔ اور آپ نے اپنی پیرانہ سالی میں اسراری وصدری نسخے پیش کر کے اہلِ دُنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ شائقینِ طب ان لاجواب تصانیف وتالیفات کی قدر کریں گے۔ اور ان کے مندرجہ اکسیری و مؤثر نسخے بنا کر اور

استعمال کر کے فائدہ اٹھاویں گے۔

''کلیدِ حکمت'' ایک تیسری کتاب ہے جس میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔فنِ تشخیص واسبابِ امراض میں اس سے بہتر ومفید کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ اطبائے کرام کی ایک بڑی ضرورت اس بے مثل وگرانمایہ کتاب کی اشاعت سے پوری ہوگئی ہے۔میں حکیم صاحب کو ان تصانیف کی اشاعت وتدوین پر قابلِ مبارکباد وشکریہ خیال کرتا ہوں ۔نیز تمام طبی دلچسپی رکھنے والے احباب اور علم دوست حضرات سے پُرزور سفارش کرتا ہوں کہ وہ کم از کم ان کتابوں کی ایک ایک جلد منگوا کر ضرور ہی فائدہ اٹھاویں۔ عیال گھروں میں تو ان کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔وما علینا الا البلاغ المبین.

۳۔ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ — الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ

(۲۵۔اکتوبر ۱۹۲۲ء) — ساکن علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ

تبصرہ بر ماہنامہ ﴿مجدّد اعظم﴾ سرہند شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

''چونکہ اس زمانہ میں ضلالت ودہریت کی گھنگھور گھٹائیں چاروں طرف چھا رہی ہیں اور روحانیّت سے بالکل رُوگردانی ہو رہی ہے۔بلکہ جس رسالہ یا اخبار یا کتاب کو دیکھو روحانیّت والوں کی مخالفت کی جا رہی ہے بلکہ جتنے عیوب اور نقائص ہیں وہ سب اُن کے سر پر تھوپے جاتے ہیں۔ایسے تاریک اور آخری زمانہ میں کسی ریفارمر یا مصلح کی سخت ضرورت تھی۔جس کی صحبت کی برکت سے انسان مستفیض ہو سکے۔چونکہ مقبولانِ الٰہی کی صحبت اور زیارت اس زمانہ میں اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتی ہے، اس لئے طالبانِ ہدایت وروحانیّت کو واجب ہے کہ اگر بندگانِ خدا کی صحبت سے فیض حاصل نہیں کر سکتے تو اُن کے کلام یا ملفوظات سے مستفید ہو کر زادِ آخرت جمع کر لیں۔چنانچہ اس کیلئے حاجی سیّد ولائت علی

شاہ صاحب مجدّ دی نقشبندی سرہندی خادم بارگاہِ مجدّ دی نے رسالہ ''**مجدّد اعظم**'' اُس عالی شان دربار سرہند شریف سے نکالنا شروع کیا ہے جس کی سالانہ قیمت تین روپے ہے۔اس لئے ہر ایک ارباب طریقت پر واجب ہے کہ اس رسالہ کے خریدار بن کر اپنے اخلاق کی اصلاح میں کوشش کریں۔ اور اہلِ قلم اصحاب اس رسالہ کے مضامین تصوّف سے مدد کریں۔وما علینا الا البلاغ المبین''۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ بقلم خود از علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ ۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ۔

(ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' سیالکوٹ بابت ماہ اپریل ۱۹۲۹ء ص ۲۴)

☆☆☆☆

''فرمان'' برائے خریداری ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور

''فقیر کے یارانِ طریقت میں جو آدمی اُردو پڑھ لکھ سکتا ہے۔اُسے لازم ہے کہ رسالہ ''انوار الصوفیہ'' ضرور خرید کرے اور پڑھے اور جو اُردو پڑھنے والا اس رسالہ کو نہ پڑھے گا، اُس سے فقیر کا کوئی تعلق نہیں اور ترقی اشاعت میں ہر چند کوشش کرے''۔

(ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور بابت مئی، جون ۱۹۲۴ء
صفحہ ٹائٹل نمبر ۲)

تقریظ بر رسالہ ''ذاکرہ بیگم''

(حضرت حافظ انور علی رُہتکی (۱۸۴۱ء۔۱۹۲۰ء) کی بڑی صاحبزادی صوفیہ باندی (ف ۱۹۷۲ء) حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ سے شرفِ بیعت رکھتی تھیں۔موصوفہ نے ۱۹۱۰ء میں ''ذاکرہ بیگم'' کے نام سے عورتوں کے لئے ایک رسالہ لکھا جس میں ''ذکرِ الٰہی'' کی فضیلت بیان کی گئی تھی ۔حضرت امیرِ ملّت قدس سرّہٗ نے اس پر تقریظ لکھ کر حیاتِ جاوداں بخش دی تھی۔۱۹۷۶ء میں موصوفہ کے بھائی اور حضرت امیر ملّت قدس سرّہٗ کے خلیفہ حافظ ذاکر علی نقشبندی جماعتی (۱۹۰۲ء۔۱۹۷۹ء) نے اس کی تلخیص عام فہم

زبان میں بعنوان ''ذکرِ الٰہی'' حصہ دوم شائع کر دی۔ جس کے صفحہ ا اور ب پر یہ نایاب تقریظ محفوظ ہے۔ (قصوری)

''فقیر اس مضمون کو اوّل سے لے کر آخر تک حرف بحرف سُن کر بہت خوش ہوا، کیونکہ یہ سارا مضمون فرمانِ الٰہی کے مطابق ہے۔ سب یارانِ طریقت کا اس کو پڑھ کر حرزِ جان بنانا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ سعادتِ دارین اس پر منحصر ہے۔ اب فقیر اس کی مصنفہ اور اس کو پڑھ کر اس پر عمل کرنے والیوں کی سعادتِ دارین کے واسطے دُعا کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین''۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ
ساکن علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ
بقلم خود
۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۰ء

''مجوزہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے مسودّہ کانسٹی ٹیوشن پر رائے''

''مجوزہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسودہ کانسٹی ٹیوشن کے متعلق چونکہ فقیر کی رائے بھی دریافت کی گئی ہے اس لئے چند ایک ضروری باتیں بیان کی جاتیں ہیں۔

(۱) فقیر کے خیال میں یونیورسٹی کی شرکت میں صوفیائے کرم وعلمائے عظام ودیگر اہل اسلام نے اس لئے حصہ لیا ہے کہ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم لازمی ہوگی۔ بدیں وجہ اراکین یونیورسٹی کا سب سے مقدم فرض یہ ہے کہ وہ یونیورسٹی میں دینی تعلیم کا یہاں تک اہتمام کریں کہ ہر ایک مسلمان طالب علم جب تک مذہبی تعلیم میں کامیابی حاصل نہ کرے وہ یونیورسٹی سے دُنیاوی علوم کی ڈگری حاصل کرنے کا مجاز نہ ہو۔

(۲) کورٹ آف ٹرسٹیز کے ممبروں میں جن علمائے عظام کو لیا جاوے وہ مسلّمہ علمائے دین ہوں۔ اور ایسے علمائے دین کی کافی تعداد بڑھادینی ضروری ہے۔

(۳) تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے پچاس برس پہلے اس خطّہ

ہندوستان میں سوائے اہل سُنّت و جماعت کے کوئی دوسرا فرقہ نہ تھا۔ البتہ اس کے ساتھ فرقہ شیعہ ضرور موجود تھا۔ لیکن اَب کئی ایک ایسے نئے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جن کے نام کا پتہ بھی تاریخ کے اوراق میں نہیں۔ فقیر کی رائے میں ممبرانِ کورٹ کے نظامِ ترکیبی میں جن علماء کو لیا جاوے وہ صرف اہل سنت و جماعت وفرقہ شیعہ سے ہوں۔

(۴) اس وقت بلحاظ مردم شماری مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ بیان کی جاتی ہے جن میں پونے سات کروڑ اہل سنت و جماعت ہیں۔ باقی صرف پچیس لاکھ کل دیگر فرقہ ہیں۔ اوران میں بڑا گروہ شیعہ کا ہے۔ اس قدرتی تقسیم پر نظر ڈالتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تناسب وتعداد مردم شماری کے لحاظ سے ان ہر دو (سنی وشیعہ) کے علماء کی تعداد اور دیگر حقوق کی رعایت رکھی جائے۔ اور یہی اسلام پاک کی تعلیم ہے اور اِسی اصول کو آج ہماری گورنمنٹ انگلشیہ بھی تسلیم کر چکی ہے۔ باقی اُمورِ متعلقہ تقسیمِ جدید کے لئے یہ شعر کافی ہے ؎

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظاً مخروش"

راقم جماعت علی عفا اللہ عنہ، ساکن علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ حال وارد بنگلور علاقہ مدراس (حال بھارت) (ماہنامہ "انوار الصوفیہ" لاہور بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء ص ۱۹۔۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿امداد مظلومینِ سمرنا﴾

"فقیر اپنے ہر ایک ملک کے یارانِ طریقت کو خصوصاً اور تمام اہل اسلام کو عموماً بعد از السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے تاکید کرتا ہے کہ زکوٰۃ کے لئے سمرنا کے مظلومین سے بڑھ کر کوئی مستحق نہیں کیونکہ ان میں یتیم بچے، مسکین، بیوہ عورتیں سب موجود ہیں۔ اس میں میرے نام پر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے ملک اپنے اپنے شہر کی خلافت کمیٹی کے حوالے کر دے۔ بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ فی آدمی ایک روپیہ حسب

اعلان مخلصم (مولانا) شوکت علی صاحب، سمرنا کے مظلومین کے لئے اسی مبارک مہینے کے اندر ادا کردیں اور سب سے پہلے اس فنڈ میں فقیر سبقت کرتا ہے اور اپنے اور اپنے متعلقین کی طرف سے فی آدمی ایک روپیہ کے حساب سے رقم مخلصم (مولانا) شوکت علی صاحب کے پاس بھیجتا ہے۔ اس کے اظہار کی تو مجھے ضرورت نہ تھی مگر بقول بعض معترضین جو ہجرت کے وقت دوسروں کو تو کہتے تھے کہ ہجرت کر جاؤ اور خود گھر میں بیٹھے رہتے تھے، مجھے بھی آپ اسی طرح شمار نہ کرلیں کہ آپ کو کہوں اور خود پیچھے ہٹ رہوں۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ روپیہ وہاں نہیں پہنچتا راہ میں ہی خورد بُرد ہو جاتا ہے۔ یہ اعتراض بالکل لغو اور فضول ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ روپیہ پہنچ جاتا ہے۔ آپ جس وقت کسی کے سپُرد کردیں گے آپ کی طرف سے تو اسی وقت پہنچ جائے گا۔ آپ کو اس سے کیا غرض۔ آپ معترضین کی بات نہ سُنیں۔ اور فقیر کے کہنے پر دے دیں۔ بمجرد آپ کے ہاتھ سے جانے کے آپ کے سر سے فرض ادا ہو جائے گا اور آپ کا مال اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہنچ جائے گا۔ مجھے ایک بات یاد آگئی کوئی بیس سال کا ذکر ہے۔ فقیر نے لاہور کی انجمن نعمانیہ میں کچھ روپے دیئے۔ جس پر مولوی تاج الدین احمد صاحب وکیل ہائیکورٹ پنجاب سیکرٹری انجمن نے کھڑے ہو کر کہا کہ **"لوگ تو شاہ صاحب کو دیتے ہیں اور شاہ صاحب ہم کو دیتے ہیں"**۔ سیکرٹری صاحب کے اتنے لفظ کہنے سے جلسے میں ایک عام شور و غوغا ہو گیا۔ اس جلسے میں میرے بڑے بھائی (سیّد نجابت علی شاہ) صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد بخش صاحب ٹھیکیدار لاہوری بھی موجود تھے۔ وہ دونوں جلسے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سیکرٹری صاحب سے بڑی سخت کلامی سے پیش آئے کہ تو نے ایسی سخت کلامی کیوں کی۔ جب عام شور و غوغا ہو گیا اور مجلس درہم برہم ہونے لگی تو فقیر نے اُٹھ کر کہا کہ "صبر کرو میں اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیتا ہوں"۔ اُٹھ کر کہا کہ "سیکرٹری صاحب نے تو یہ فرمایا کہ شاہ صاحب نے ہم کو دیا یہ صحیح نہیں۔ میں نے سیکرٹری صاحب کو دیا ہی نہیں، نہ کبھی پہلے دیا، نہ اب دیا، نہ آئندہ دوں گا۔ میں نے تو اپنے مولا کریم کی جناب میں دیئے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ میرے اتنی بات کہنے پر

وہ جھگڑا بالکل رفع ہوگیا اور دونوں فریق چپ کر کے آرام سے بیٹھ گئے۔ نتیجہ:۔ آپ صاحبانِ خلافت کو نہیں دیتے بلکہ اپنے اللہ کی جناب میں دیتے ہیں اور اس نے جو زکوٰۃ فرض کی ہے اس کو ادا کرتے ہیں اور اُس کی جناب میں دیتے ہیں۔

اگر درخانہ کس است   یک حرف سعدیش بس است

باقی رہی یہ بات کہ علی پور سیداں کے جلسے میں مُخلصی وعزیزی ملک لال خاں صاحب نے میری نسبت یہ اعلان کیا تھا کہ شاہ صاحب سے سمرنا کے مظلومین کے لئے پچیس (25) ہزار روپے کمبلوں کے واسطے لیں گے۔ میں اپنے مُخلص ملک صاحب کو اس بات کا آج جواب دیتا ہوں کہ اول تو درویشوں فقیروں کے پاس روپیہ پیسہ کہاں، جس کے پاس روپیہ ہو وہ فقیر ہی نہیں۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ میری زندگی رہی تو میں کوشش کرتا رہوں گا۔ پچیس (25) ہزار کیا میرے مالک نے چاہا تو کئی پچیس (25) ہزار جمع ہو جائے گا۔ تازندہ ام واثر ندہ ام

دریادِ تو ایم ہر کجا ایم   بیگانہ مشو کہ آشنا ایم

بمبئی میں میرے یارِ طریقت جانی ونورانی سیٹھ صاحب نے پچیس (25) ہزار روپیہ خلافت فنڈ میں دے دیا ہے۔ اور جلسہ علی پور سیداں میں بھی جو چندہ جمع ہوا انہوں نے کافی حصہ لیا تھا۔ میرے ایک کوئی دوسرے کرم فرما شملے سے جن کا فقیر ظاہری صورت سے آشنا نہیں اپنے حُسن ظن سے فقیر کا حضرت شیخ سنوسیؒ افریقی سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مطابق۔ آیت شریف **جاھد وباموالکم وانفسکم** - (پارہ:۲۶۔ سورہ الحجرات:۱۵) شیخ سنوسیؒ اگر جان سے جہاد کر رہے ہیں تو شاہ صاحب کو مالی جہاد کرنا چاہیے۔ مگر میں اپنے مہربان کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر میرے مولا نے مجھے توفیق بخشی اور میں زندہ رہا تو میں آپ کے فرمان کی تعمیل میں اسلام کی خدمت کیلئے صرف مال ہی نہیں بلکہ جان سے بھی حاضر ہوں۔ یعنی اسلام کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ ایک ننھی سی جان ہے جو خدا نے بخشی ہوئی ہے۔ یہ اگر اس کے راہ میں کام آجائے تو اس سے بڑھ کر میرے لئے اور سعادت کیا ہوسکتی ہے۔ اس پر یہ کہنا پڑے گا۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ربنا تقبل منا ۔ اپنے کہاں نصیب کہ ایسے نصیب ہوں''

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ علی پوری

از جامع مسجد اوٹا کمنڈ نیلگری (جنوبی ہند) علاقہ مدراس

(ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' لاہور مئی ۱۹۲۱ء ص ۱ تا ۲)

﴿شاہجہان ہوٹل بمبئی﴾

''یہ ہوٹل فی الواقع اسم با مسمیٰ ہے۔ یعنی جہان کے ہوٹلوں کا بادشاہ ہے اور اس میں ہر طرح آرام و آسائش کے علاوہ تمام ضروریات موجود ہیں۔ مسافروں کو بقول عرب ''المسافر وکا الاعمیٰ''، جو بمبئی میں تکالیف ہوتی تھیں اُن کو رفع کر کے بانیٔ ہوٹل نے تمام اہل اسلام مسافروں پر جو احسان کیا ہے اُس کی قدر وہ مسافر خود ہی سمجھ سکتے ہیں جو بمبئی جیسے شہر میں بوجہ ناواقفیت حیران پھرتے ہوئے اس ہوٹل میں آ کر آرام پاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو''''شرافتہ المکانِ بالمکین''۔ اس کے بانی سیّد یوسف شاہ صاحب جو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، خلیق، حلیم، صوفی و دیندار ہونے کے علاوہ باوجود مخدومِ قوم ہونے کے خادمِ قوم بنے ہوئے ہیں اور ''سیّد القوم خادم ہم'' کی پوری تعمیل کر رہے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر شاہ صاحب موصوف کی اسی طرح نیّتِ خالص خدمتِ قوم کی رہی تو بقول حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ؎

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد

کے خطاب سے فائز المرام ہو کر ضرور بصد ضرور ایک نہ ایک دن مخدومِ قوم بن جاویں گے۔ یعنی علاوہ دینی اجرِ عظیم حاصل کرنے کے دنیاوی مدارج میں بھی ترقی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاویں گے۔ فقیر تمام اہل اسلام کو عموماً اور اپنے یارانِ طریقت کو خصوصاً بڑے

زور سے مشورہ دیتا ہے کہ وہ جب بمبئی آویں تو سوائے اس ہوٹل کے اور کسی ہوٹل میں نہ ٹھیریں۔ کیونکہ مجھے بمبئی پہنچ کر یہ بات سُن کر سخت رنج پہنچا کہ بعض اہل اسلام باوجود ایسے متبرک اسلامی ہوٹل موجود ہونے کے دوسری قوموں کے ہوٹلوں میں جا کر قیام کرتے ہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

میرے خیال میں شاہجہان ہوٹل کی خوبی کو کوئی ہوٹل بھی نہیں پہنچ سکتا ہے"۔

راقم:۔ جماعت علی عفا اللہ عنہ ساکن علی پور سیّداں ضلع سیالکوٹ

۲۷/اکتوبر ۱۹۱۱ء

(ماہنامہ "انوارالصوفیہ" لاہور بابت دسمبر ۱۹۱۱ء ص ۴)

برمنگھم برطانیہ میں حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ سنٹر کا ایک خوبصورت بیرونی منظر
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ISLAMIC EDUCATION & JAMIA MOSQUE MEHAR E MILLAT
JAMIA MOSQUE